سلسلہ احادیث صحیحہ (اردو)

جلد اوّل

تصنیف

مجددِ دین محدثِ کبیر محققِ شہیر علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ

ترجمہ تبویب، شرح

فضیلۃ الشیخ ابو القاسم محمد محفوظ احمد حفظہ اللہ

نظرِ ثانی

فضیلۃ الشیخ محمد عبد اللہ سلیم حفظہ اللہ ||| فضیلۃ الشیخ قمر الزمان المدینی

فضیلۃ الشیخ محمد نعیم رضوان حفظہ اللہ

انصار السنہ پبلیکیشنز لاہور

اسلامی اکادمی، الفضل مارکیٹ، 17-اردو بازار لاہور

فون: 042-37357587

نام کتاب: سلسلہ احادیث صحیحہ (اردو)

تصنیف

مجدد دین محدث کبیر محقق شہیر علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ

ترجمہ تبویب، شرح

فضیلۃ الشیخ ابو القاسم محمد محفوظ احمد حفظہ اللہ

ناشر: ابو مومن منصور احمد حفظہ اللہ
اہتمام: محمد رمضان محمدی، محمد سلیم جلالی

اسلامی اکادمی، الفضل مارکیٹ، 17-اردو بازار لاہور فون: 042-37357587

Dar-us-Salam

486 ATLANTIC AVE, BROOKLYN, NY 11217
TEL(718) 625-5925 FAX:(718) 625-1511
E-Mail: darussalamny@hotmail.com
Web Site: www.darussalamny.com
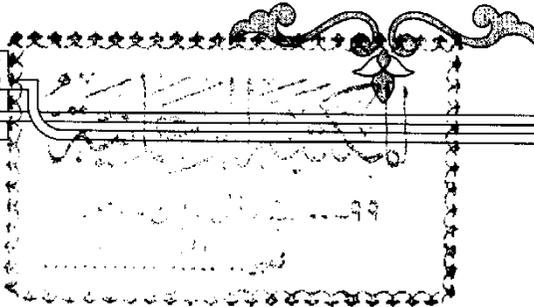
عرضِ ناشر

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَهٗ ، اَمَّا بَعْدُ

اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے احادیثِ نبویہ کی خدمت کا سلسلہ جاری ہے۔فضیلۃ الشیخ عبد اللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ کے اشراف کے تحت ''ادارہ انصار السنۃ پبلی کیشنز لاہور'' قارئین کے لیے ایک گراں قدر اور مایہ ناز تحفہ پیش کر رہا ہے۔(وللّٰه الحمد علی ذالك ، وذالك فضل الله يؤتيه من يشاء ، والله ذو الفضل العظيم) .

ہماری مراد چودہویں صدی ہجری کے عظیم محدث ،خادمِ حدیث نبوی، نابغۂ روزگار، یکتائے زمانہ،عبقریٔ دوراں ابوعبد الرحمٰن محمد ناصر الدین بن نوح نجاتی البانی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کی تصنیف ''سلسلة الاحاديث الصحيحة وشيء من فقهها و فوائدها'' ہے۔اس کتاب میں امام البانی رحمہ اللہ کا مقصود یا موضوع کیا تھا، وہ خود رقمطراز ہیں:

''ہم نے یہ عزم کیا کہ عوام الناس کے فائدے کے لیے مختلف ابواب، فصول، مسائل اور فوائد سے متعلقہ ایسی صحیح احادیث جمع کی جائیں، جن میں ثقافتِ اسلامیہ کی نمائندگی ہو جائے، جس کا قرآن مجید کے بعد سب سے بڑا مصدر احادیثِ نبویہ ہیں، ابو احمد عبد اللہ بن بکر الزاہد نے کہا: أبرك العلوم وأفضلها وأكثرها نفعا في الدين والدنيا بعد كتاب الله عزوجل أحاديث رسول الله ﷺ ؛ لما فيها من كثرة الصلوات عليه ، وانها كالرياض والبساتين ، تجد فيها كل خير وبر وفضل وذكر . " (تاريخ دمشق لابن عساكر: ١/ ٩/ ٢) ''کتاب اللہ کے بعد دین میں انتہائی مبارک، افضل اور نفع بخش چیز رسول اللہ ﷺ کی احادیث ہیں، ان کے ذریعے کثرت سے آپ ﷺ کے لیے رحمتوں کی دعا کرنے کا موقع ملتا ہے، گویا کہ یہ سرسبز وشاداب باغات ہیں، جہاں سے ہر قسم کی خیر و بھلائی، نیکی و پارسائی، فضل واحسان اور ذکر وشکر مل سکتا ہے۔''

لیکن بڑا افسوس ہے کہ ان علمی باغات میں ضعیف اور موضوع روایات بھی داخل کر دی گئیں اور اکثر لوگوں کو ان کی حقیقت کا علم نہ ہو سکا، میں نے ''سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيىء في الأمة'' میں ایسی ہی روایات کی وضاحت کی ہے، لیکن اس وضاحت کے باوجود امتِ مسلمہ کی رہنمائی کے لیے ضروری تھا کہ احادیثِ صحیحہ کے مجموعہ جات بھی جمع کر دیئے جائیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیماری کی تشخیص بھی ہو سکے اور علاج بھی بتایا جا سکے،اس مقصد کے لیے ''سلسلة الاحاديث الصحيحة'' کا آغاز کیا۔

میں اس کتاب میں تبویب اور کسی خاص ترتیب کا پابند نہ رہا، بلکہ تخریج وتحقیق کے اصول وقواعد کے مطابق جیسے جیسے احادیثِ صحیحہ میسر آتی گئیں، میں اس کتاب میں قلم بند کرتا گیا۔ میں نے اختصار کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے

احادیث کے متون، اسانید، طرق اور رواۃ پر بحث کی، بیچ میں ضرورت کے مطابق اور امت کے فائدے کو سامنے رکھ کر فقہی فوائد پر بھی روشنی ڈالی اور بسا اوقات تو کسی خاص موضوع پر طویل بحث پیش کر دی۔ (مقدمة الطبعة الاولی. سلسلة الاحاديث الصحيحة: ١/ ٢٨، ٢٩، ٣٠)

امام البانی رحمہ اللہ کا مقصد تو انتہائی عظیم تھا، لیکن اُردو دان طبقہ اس فیض سے محروم تھا۔ ''ادارہ انصار السنۃ پبلی کیشنز لاہور'' نے اس محرومی کو محسوس کیا اور ابو القاسم محمد محفوظ احمد حفظہ اللہ تعالیٰ وتقبل اللہ سعیہ کا تعاون حاصل کیا، جنھوں نے اس کتاب کو فقہی ترتیب دے کر اس کی کتاب بندی اور باب بندی کی اور اس کی تخریج، سلیس ترجمہ اور سلف صالحین کے منہج پر چلتے ہوئے تشریح پیش کی، مزید انھوں نے جن امور کو مدنظر رکھا، اس کی وضاحت مقدمہ میں کر دی گئی ہے۔

یہ ادارہ اس خیال کا مالک ہے کہ جن امور نے اس امت مسلمہ کے اوّلین لوگوں کو عروج عطا کیا، ان ہی امور کی تابش وضوء سے اس دور میں امت مسلمہ پر چھائے ہوئے ظلمت وضلالت اور زبوں حالی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھٹ سکتے ہیں۔ ان امور کی سب سے اہم شق یہ ہے کہ سلف صالحین کے منہج کی روشنی میں قرآن وحدیث کو سمجھ کر ان کے تقاضوں پر عمل پیرا ہوا جائے، خالص اسلامی عقائد کی جستجو کی جائے، باطل اور گمراہ فرقوں کو ردّ کیا جائے اور نئی نئی فکروں اور فرقوں سے اجتناب کیا جائے اور عصر حاضر کے نام نہاد اہل علم شرک و بدعت کی جن آفات و بلیات میں پھنس چکے ہیں، عوام الناس کو ان سے آگاہ کر کے ان سے متنبہ رہنے کی تلقین کی جائے۔ یہ ادارہ اسی منہج ودعوت پر قائم ہے۔

سلف صالحین کا عقیدہ ومنہج مینارۂ نور کی حیثیت رکھتا ہے، جس کو یہ نور نصیب ہوا، وہ ہدایت یافتہ ہو گیا، وگرنہ ضلالت وگمراہی کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرا۔

اللہ تعالیٰ، ادارہ کے تمام ممبران جناب ابو یحییٰ محمد طارق، مرزا ذاکر احمد، محمد ناظر سدھو، سلیم سکھیرا، منصور سلیم اور محمد ساجد، محترم ابو مومن منصور احمد، محمد رمضان محمدی مارکیٹ منیجر، عبدالرؤف بھائی (کمپوزر)، محمد سلیم جلالی اور حافظ حامد محمود الخضری حفظہ اللہ جن کے تعاون سے خدماتِ حدیث منظر عام پر آ رہی ہیں، کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں بکھیرے اور ان کی حسنات کو قبول فرمائے اور تعاون علی البر والتقویٰ کی مزید توفیق عنایت فرمائے۔

اس کتاب کا ہر اچھا پہلو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے، اگر اس میں کوئی خطا ہے تو وہ ہماری اور شیطان کی طرف سے ہے، ہم قارئین سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ادارہ کے لیے اس کتاب کی اغلاط کی نشاندہی کریں، تاکہ اگلے ایڈیشن میں اس کی اصلاح کی جا سکے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

مجلس شوری

محمد اکرم سلفی — ابوطلحہ صدیقی

محمد شاہد انصاری — ابوحمزہ عبدالخالق صدیقی

❀❀❀❀

فہرست

❁❁❁❁

مُقَدِّمَۃ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ . وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ . وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ ،
اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ۔

حمد وثنا، تعریف وتوصیف، مدح وستائش اور کبریائی و بڑائی اس ذاتِ بابرکات کے لیے خاص ہے، جو اپنی مخلوق کی پالنہار اور پروردگار ہے۔ صلاۃ وتسلیم کا نور برستا ہے اور درود وسلام کی کرنیں پڑتی رہیں سید الاولین والآخرین محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات پر اور ان کی آل پر اور رحمت و برکت کا نزول ہوتا رہے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر، سلف صالحین پر، محدثین عظام رحمہم اللہ پر اور قیامت تک آنے والے نبی کریم ﷺ کے اطاعت گزاروں پر۔ (آمین)

اس جہانِ آب وگل میں اور فلک نیلگوں کے نیچے اگر کوئی مقدس اور پاکیزہ مصروفیت اور مشغولیت ہوسکتی ہے تو وہ یہی کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے قلب آفاق گیر، وحی الٰہی کا مہبط، علوم ومعارف کا مخزن اور انوار وتجلیات الہیہ کا مرکز بننے والے سینہ مبارک اور زبان وحی سے نکلنے والے آب دار موتیوں کی خدمت کی جائے، ان کی مہک اور خوشبو سے جان مسام کو معطر کیا جائے، ایمان کی حرارت اور ضوء کا اہتمام کیا جائے۔ لمحہ بھر کیلئے بندہ مکان وزمان کی پہنائیوں سے آگے نکل کر اس عہد زریں اور دور سعید میں پہنچ جائے جس میں کائنات کی سب سے عظیم ہستی اپنے فیضان وبرکات سے نہ صرف ذہنوں کو بدل رہی تھی، بلکہ زندگی کو نئی راہوں پر ڈال رہی تھی ...... بخدا! ایک شخص کی خواہشوں کی معراج اور تمناؤں کا اوجِ کمال یہی ہے۔ اس خدمت سے انسان زندہ جاوید ہوتا ہے اور یہی وہ چاکری ہے جس سے سرمدیت و ابدیت حاصل ہوتی ہے۔ اسی خدمت کو اعزاز واکرام سمجھتے ہوئے بڑے بڑے اصحاب عزیمت اور صاحبان استقلال میدان عمل میں اترے اور اپنا سب کچھ وار دیا۔ بیوی بچوں، خویش واقارب، مال ومنال، راحت وآرام غرضیکہ سب کچھ اسی مقصد کیلئے قربان کر دیا۔ ائمۂ احادیثِ نبویہ نے یہ بڑی جانفشانی اور نہایت عرق ریزی سے طلب حدیث کے لیے وہ بڑے جاں گسل مرحلوں سے گزرے اور بے حد کٹھن حالات سے انہیں سابقہ پڑا۔ سچ تو یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی حفاظت اور ان جواہر ریزوں کے اکٹھا کرنے میں سلف امت نے جس قدر محنت وجستجو کی دیگر مذاہب کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

شریعت محمدیہ کا مدار وانحصار کتاب وسنت پر ہے، اکثر آیاتِ قرآنیہ مجمل اور اصول وقواعد پر مشتمل ہیں، جبکہ فرامین رسول میں تفصیل وتبیین اور توضیح وتشریح پائی جاتی ہے۔ اس لیے سلف نے جہاں قرآن مجید کی تفسیر میں علم وعرفان کے جام وسبو چھلکائے ہیں، وہاں انہوں نے احادیث مصطفیٰ ﷺ کیلئے بھی لازوال اور انمٹ نقوش چھوڑے ہیں، ان کی

مسائل جمیلہ کو کسی ایک گوشے میں بند کرنا ممکن نہیں۔ انہوں نے دیوانہ وار ایک ایک گوشہ سے دانہ دانہ جمع کیا اور ہمارے سامنے اس کا انبار لگا دیا۔ آج کتب احادیث کی جتنی اقسام ہیں، وہ انہی کی کوششوں اور خود فراموشیوں کی رہین منت ہیں۔

اس دور کے لوگوں نے بھی ان کتب حدیث سے تابش وضوء حاصل کی اور اپنی روح کی بالیدگی کا سامان مہیا کیا اور اس زمانہ بلکہ قیامت تک آنے والا ہر شخص ان سے اخذ واستفادہ اور روشنی حاصل کرتا رہے گا، اور ان شاء اللہ یہ مبارک سلسلہ روزِ جزا سے پہلے تک جاری رہے گا۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی اور ان خوشا نصیبوں، طالع ارجمندوں اور سعادت مندوں میں سے ایک محقق دوراں، نابغۂ عصر، عظیم محدث اور نکتہ رس فقیہ ابو عبد الرحمٰن محمد ناصر الدین بن نوح نجاتی البانی ہیں، جن کی عظیم خدماتِ احادیث کا آغاز ان کے شوقِ مطالعہ سے ہوا، رفتہ رفتہ علم حدیث میں وہ عروج حاصل کر لیا، کہ ہر علمی و تحقیقی ذوق رکھنے والے کو تسلیم کرنا پڑا۔ اگلے صفحات پر امام صاحب کے سوانح عمری موجود ہیں۔

قبل اس کے کہ ہم اس کتاب سے متعلقہ گزارشات پیش کریں، سب سے پہلے اپنے اساتذۂ کرام اور مشائخ عظام کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے تلامذہ کو ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے، اگر اس خدمت میں کوئی کمال ہے تو اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بعد ان کے بہ سبب ہے۔ میری مراد فضیلۃ الشیخ پیر محمد یعقوب قریشی رحمہ اللہ، فضیلۃ الشیخ ارشاد الحق اثری، فضیلۃ الشیخ حافظ ثناء اللہ زاہدی، فضیلۃ الشیخ عبد العزیز علوی، فضیلۃ الشیخ حافظ مسعود عالم، فضیلۃ الشیخ حافظ محمد شریف، فضیلۃ الشیخ محمد یونس بٹ، فضیلۃ الشیخ مفتی عبد الحنان، فضیلۃ الشیخ پروفیسر نجیب اللہ طارق، فضیلۃ الشیخ عابد مجید مدنی، فضیلۃ الشیخ قمر الزمان مدنی، فضیلۃ الشیخ محمد مظفر شیرازی حفظهم الله تعالى وورعاهم و تقبل مساعيهم المباركة وشكر جهودهم.

اس کتاب کے بارے میں:

اصل کتاب کا نام "سلسلة الاحاديث الصحيحة وشيء من فقهها و فوائدها" ہے۔ اس کتاب میں امام البانی رحمہ اللہ کا مقصود یا موضوع کیا تھا، وہ خود رقمطراز ہیں:

ہم نے یہ عزم کیا کہ عوام الناس کے فائدے کے لیے مختلف ابواب، فصول، مسائل اور فوائد سے متعلقہ ایسی صحیح احادیث جمع کی جائیں، جن میں ثقافتِ اسلامیہ کی نمائندگی ہو جائے، جس کا قرآن مجید کے بعد سب سے بڑا مصدر احادیثِ نبویہ ہیں، ابو احمد عبد اللہ بن بکر الزاہد نے کہا: ((أبرك العلوم وأفضلها وأكثرها نفعا في الدين والدنيا بعد كتاب الله عزوجل أحاديث رسول الله ﷺ؛ لما فيها من كثرة الصلوات عليه، وانها كالرياض والبساتين، تجد فيها كل خير وبر وفضل وذكر.)) (تاريخ دمشق لابن عساكر: ١/ ٩/ ٢)...... ''کتاب اللہ کے بعد دین میں انتہائی مبارک، افضل اور نفع بخش چیز رسول اللہ ﷺ کی احادیث ہیں، ان کے ذریعے کثرت سے آپ ﷺ کے لیے رحمتوں کی دعا کرنے کا موقع ملتا ہے، گویا کہ یہ سرسبز و شاداب باغات

ہیں، جہاں سے ہر قسم کی خیر و بھلائی، نیکی و پارسائی، فضل و احسان اور ذکر و شکر مل سکتا ہے۔''

لیکن بڑا افسوس ہے کہ ان علمی باغات میں ضعیف اور موضوع روایات بھی داخل کر دی گئیں اور اکثر لوگوں کو ان کی حقیقت کا علم نہ ہو سکا، میں نے "سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيئ في الأمة" میں ایسی ہی روایات کی وضاحت کی ہے، لیکن اس وضاحت کے باوجود امتِ مسلمہ کی رہنمائی کے لیے ضروری تھا کہ احادیثِ صحیحہ کے مجموعہ جات بھی جمع کر دیے جائیں تاکہ اللہ تعالی کے حکم سے بیماری کی تشخیص بھی ہو سکے اور علاج بھی بتایا جا سکے، اس مقصد کے لیے "سلسلة الاحاديث الصحيحة" کا آغاز کیا۔

میں اس کتاب میں تبویب اور کسی خاص ترتیب کا پابند نہ رہا، بلکہ تخریج و تحقیق کے اصول وقواعد کے مطابق جیسے جیسے احادیثِ صحیحہ میسر آتی گئیں، میں اس کتاب میں قلم بند کرتا گیا۔ میں نے اختصار کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے احادیث کے متون، اسانید، طرق اور رواۃ پر بحث کی، بیچ میں ضرورت کے مطابق اور امت کے فائدے کو سامنے رکھ کر فقہی فوائد پر بھی روشنی ڈالی اور بسا اوقات تو کسی خاص موضوع پر طویل بحث پیش کر دی۔ (مقدمة الطبعة الاولى، سلسلة الاحاديث الصحيحة: ١/ ٢٨، ٢٩، ٣٠)

پھر امام البانی رحمہ اللہ نے قارئین کی سہولت کے لیے ہر جلد کے آخر میں "الاحاديث الصحيحة مرتبة على الكتب الفقهية" کا عنوان قائم کر کے ہر حدیث کے متن کو دیکھ کر اس کے ''طرف'' کو ایک کتاب میں ذکر کر کے کل انتیس کتابوں کا ذکر کیا۔ جناب ابو عبیدہ مشہور بن حسن نے محققین اور خطبا و واعظین کی سہولت کے لیے امام البانی رحمہ اللہ کے فقہی فیصلے اور ترتیب کی پیروی کرتے ہوئے ایک جلد میں انتیس کتابوں کے ذکر کے ساتھ صرف صحیحہ کا متن جمع کر دیا اور حوالہ جات کی رہنمائی کے لیے صحیحہ کا نمبر پیش کر دیا۔

ہم نے اس کتاب میں درج ذیل امور کو سامنے رکھا:

۱۔ احادیث پر اعراب لگائے

۲۔ سلیس اردو میں ترجمہ کیا

۳۔ امام البانی رحمہ اللہ کی مفصل تخریج کی تلخیص پیش کی، لیکن ہم اس ضمن میں ایک روٹین اور منہج کے پیرو نہ رہ سکے، کچھ امور کے پیش نظر بسا اوقات طرق کا ذکر کر دیا اور بعض اوقات صرف صحابی کے نام کا لحاظ کرتے ہوئے متعلقہ حوالوں کا ذکر کیا اور چند مقامات کے علاوہ متابعات وشواہد کو نظر انداز کر دیا، بہر حال تفصیلی تخریج کی ضرورت محسوس کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ "سلسلة الاحاديث الصحيحة" کی طرف رجوع کرے۔

تخریج میں حوالوں کا ذکر کرتے وقت کتاب کی جلد نمبر، حدیث نمبر یا صفحہ نمبر جیسے امور میں امام البانی رحمہ اللہ کی ہی اقتدا کی گئی، البتہ طوالت سے بچنے کے لیے ایک حدیث کی تخریج میں ایک ہی کتاب کے مختلف حوالوں میں سے ایک دو حوالے منتخب کر لیے گئے۔

۴۔ امام البانی کی فقہی بحثوں کو سامنے رکھتے ہوئے احادیثِ مبارکہ کی تشریح و توضیح پیش کی اور اختلاف رائے کی صورت میں دلائل کا سہارا لیا۔ فوائد میں امام البانی رحمہ اللہ جیسے محققین پر اعتماد کرتے ہوئے احادیث صحیحہ کا ذکر کیا گیا۔

۵۔ امام البانی اور جناب ابوعبیدہ مشہور نے الف بائی ترتیب کا لحاظ کرتے ہوئے "الأخلاق والبر والصلة" سے کتب کا آغاز کیا، لیکن ہم نے عام کتبِ احادیث کی طرح فقہی ترتیب کا لحاظ کرتے ہوئے "الأیمان والتوحید والدین والقدر" سے ابتدا کی۔ جس کی وجہ سے احادیث کی ترتیب بھی تبدیل ہوگئی، اس لیے ہم نے اپنی کتاب کی الگ سے سلسلہ وار نمبر شماری کا اہتمام کیا۔ جن میں چند مقامات پر سہو ہوا، لیکن اصلاح کو مشکل سمجھ کر ان کو ایسے ہی رہنے دیا گیا، البتہ ایک ہی نمبر دوبارہ لکھنے کی صورت میں اس کے ساتھ لفظ "م" لکھا گیا۔

٦۔ بسا اوقات امام البانی کی ترتیب کے مطابق حدیث اور اس سے متعلقہ کتاب میں بظاہر کوئی مطابقت نظر نہیں آتی۔ ہم نے ضرورت کے مطابق تبدیلی کی اور حدیث کو دوسری کتاب میں ذکر کیا، لیکن امام صاحب کی ترتیب کا خیال رکھتے ہوئے ایسی حدیث کو اُس کتاب میں بھی موجود رہنے دیا گیا۔

۷۔ فقہی تبویب کی وجہ سے جناب ابوعبیدہ کی تلخیص کی ترتیب کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا، ایک موضوع سے متعلقہ احادیث کو ایک مقام پر جمع کرنے کی اور باب بندی کے بعد مختلف ابواب کو مرتب رکھنے کی کوشش کی گئی، بہرحال یہ ممکن ہے کہ قارئین بعض مقامات پر بجا طور پر ترتیبِ ابواب کو نامناسب پائیں۔

عذر خواہی:

قبل اس کے کہ زندگی میں مختلف مراحل طے کرنے کی وجہ سے ہمارے کام میں نکھار اور رسوخ پیدا ہو سکے، ہمیں اس کتاب میں درج ذیل خدمات سرانجام دینا پڑیں:

- ترجمہ، تخریج، جس میں کئی نمبروں کا لحاظ کرنا پڑا
- فوائد
- تبویب
- نئی ترتیب
- نئی نمبرنگ
- اطرافِ حدیث، جن کی تیاری میں کئی نمبروں سے واسطہ پڑا۔

اس وجہ سے غلطی کا امکان یقین کی حد تک ممکن ہے، جبکہ ناقص علمی اور اس میدان کے دوسرے لوازمات کی کمی کا اعتراف بھی برقرار ہے اور اوقات و مصادر میں قلت کی شکایات بھی موجود ہیں۔

بہرحال اس خدمتِ حدیثِ نبویہ کی خوبیوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے اور لغزشوں کو ہمارے بشری تقاضوں کا نتیجہ سمجھ کر معافی کی اور عمل صالح اور علم شرعی میں اضافے کی دعا کر دی جائے۔

اظہار تشکر:

اللہ تعالی ہی ہے جو خیر و بھلائی کے امور آسان کر دیتا ہے۔ اسی کی توفیق سے ہر نیکی کرنے کی طاقت اور ہر برائی سے بچنے کی قوت ملتی ہے۔ ہم اس موقع پر رب جلیل کا جو شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں، قلوب و اذہان کے تصورات کو الفاظ شرمندۂ تعبیر نہیں کر سکتے۔ اگر سارا مال و متاع اس کے راستے میں وقف کر دیا جائے اور زبانیں "الحمد للہ" کہتے کہتے ساکن ہو جائیں، تو شاید اس کے ہزارویں حصے کا حق ادا ہو جائے۔ (تقبل اللّٰه منا جهدنا هذا و اعاذنا من الشر العاجل والآجل)

اس کے ساتھ ہم تمام ممبران ادارہ محمد اکرم سلفی، ابوطلحہ صدیقی، محمد شاہد انصاری، ابوحمزہ عبدالخالق صدیقی حفظہم اللہ تعالی اور فاضل بھائی محمد رمضان سلفی حفظہ اللہ تعالی کے بے حد ممنون و مشکور ہیں، کہ اللہ تعالی نے اس خدمت حدیث کے لیے جن کو بہت بڑا وسیلہ اور سبب بنایا۔ اس کے علاوہ بھائی عبدالرؤف کا بھی ممنون ہوں جن کی کاوش و محنت سے اس کتاب کی کمپوزنگ میں جدت پیدا ہوئی اور خوبصورتی کو چار چاند لگے۔ اللہ تعالی ان تمام کے علم و عمل، تقوی و پارسائی اور مال و دولت میں اضافہ فرمائے اور دونوں جہانوں ان کو خوش و خرم رکھے۔

اللہ تعالی جامعہ امام بخاری سرگودھا پاکستان کے ممتاز اساتذۂ کرام فضیلۃ الشیخ قمر الزمان المدنی، فضیلۃ الشیخ محمد نعیم رضوان اور فضیلۃ الشیخ محمد عبد اللہ سلیم حفظہم اللہ تعالی کو جزائے خیر عطا فرمائے، جنھوں نے نظر ثانی کر کے اس مترجم میں موجود نقائص کو دور کرنے کی سعی کی۔

ہم آخر میں اپنے ان شاگردوں کا شکریہ ادا کرنا کبھی نہ بھولیں گے، جنھوں نے اس کتاب کی تکمیل کے لیے مختلف انداز میں ہمارا خوب تعاون کیا، اس موقع پہ اسمائے مبارکہ ہمارے ذہن میں آ رہے ہیں: حافظ محمد رضوان، حافظ محمد عطاء اللہ، حافظ محمد شکیل، حافظ محمد اسماعیل۔ بشارت حسین مدنی، محفوظ احمد، عمران مجاہد، عمر فاروق۔ اللہ تعالی ان کی زندگیاں برکت والی بنائے اور امور خیر کے لیے ان کو استعمال کرتا رہے۔ (آمین یا رب العالمین)

كتبه

العبد الفقير الى الله الغني

ابو القاسم محمد محفوظ اعوان

عَفَى اللّٰهُ عَنْه وَعَنْ وَالِدَيْه وَعَنْ اَسَاتِذَتِه

خريج: مركز التربية الاسلامية، فيصل آباد۔

استاذ الحديث: جامعة الامام البخاری، سرگودھا، پاکستان

❋❋❋❋
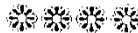
حجیت احادیث نبویہ

ہم اس موضوع پر قرآن و حدیث سے دلائل کا ذکر نہیں کریں گے، کیونکہ اس عنوان پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، بازار سے اس موضوع کی کوئی کتاب خرید کر براہین کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ ہم مختلف پیرایوں اپنے بعض اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں وجود پکڑنے والے فرقوں میں سب سے زیادہ بے بنیاد، بے آسرا، جڑ کٹا فرقہ منکرین احادیث کا ہے یا ان لوگوں کا ہے جو حقائقِ اسلام سے جاہل ہونے کی وجہ سے کسی نہ کسی انداز میں احادیثِ نبویہ پر اعتراض کرتے رہتے ہیں۔ اگر ان لوگوں کی زندگیوں کو دیکھا جائے تو ہزاروں شعبوں میں احادیث پر عمل بھی کر رہے ہوتے ہیں، لیکن ایسے ناسمجھ اور ناعاقبت اندیش ہیں کہ ان ہی فرامینِ مقدسہ کے حجت نہ ہونے پر بحثیں کر رہے ہوتے ہیں۔

شریعت کے دو مرکزی مصادر ہیں: قرآن اور حدیث، بیک وقت دو کو لے کر نہ چلنے اور کسی ایک پر اکتفا کرنے والا گمراہ ہے۔

جب بھی رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو جائے تو وہ خود حجت ہو گی۔ یہ تو خارجیوں اور رافضیوں جیسے گمراہوں کا قانون تھا کہ ان سنتوں کو ترک کر دیا جائے، جن کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے، سو وہ حیران و ششدر رہ گئے اور گمراہ ٹھہرے۔

یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ حدیث کے مضمون کو قرآن کے مضامین پر پیش کیا جائے، موافقت کی صورت میں اسے قبول کر لیا جائے اور مخالفت کی صورت میں اسے ترک کر دیا جائے، یہ باطل اور بے بنیاد قانون ہے اور یہ دعوے زندیقوں اور بے دین لوگوں کے ہیں۔

ہم نے کئی ڈاکٹروں، پروفیسروں، انجینئروں اور بعض نام نہاد فقیہوں کے دعویداروں کو یہ کہتے سنا کہ ہر مسئلے میں پہلے قرآن کو دیکھیں گے اور قرآن کے مفہوم سے مخالفت کرنے والی احادیث کو ترک کر دیں گے۔

کیا یہ لوگ درج ذیل حدیث مبارکہ پر غور نہیں کرتے!؟

((عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ الْكِنْدِيِّ مَرْفُوعاً: ((أُوْتِيْتُ الْكِتَابَ وَمَا يَعْدِلُهُ (يَعْنِي: مِثْلَهُ) يُوْشِكُ شَبْعَانُ عَلَى أَرِيكَتِهِ يَقُوْلُ: بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ هٰذَا الْكِتَابُ، فَمَا كَانَ فِيهِ مِنْ حَلَالٍ أَحْلَلْنَاهُ، وَمَا كَانَ فِيهِ مِنْ حَرَامٍ حَرَّمْنَاهُ، أَلَا وَإِنَّهُ لَيْسَ كَذٰلِكَ۔ أَلَا لَا يَحِلُّ ذُوْنَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ، وَلَا الْحِمَارُ الْأَهْلِيُّ، وَلَا اللُّقْطَةُ مِنْ مَالِ مُعَاهِدٍ، إِلَّا أَنْ يُسْتَغْنٰى

عَنْهَا، وَأَيُّمَا رَجُلٍ أَضَافَ قَوْماً فَلَمْ يُقْرُوْهُ فَإِنَّ لَهُ أَنْ يُعَقِّبَهُمْ بِمِثْلِ قِرَاهُ۔))

(ابوداود: ٤٦٠٤ ، احمد: ٤/ ١٣٠ ، الصحيحة: ٢٨٧٠)

''سیدنا مقدام بن معدیکرب کندی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے ایک (اللہ کی) کتاب دی گئی ہے اور دوسری اس کے برابر یعنی اس کی مثل ایک اور چیز بھی دی گئی ہے۔ قریب ہے کہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے ایک پیٹ بھرا شخص یوں کہے: ہمارے اور تمہارے مابین یہ (اللہ کی) کتاب (ہی کافی ہے)۔ جو چیز اس میں حلال ہے، ہم اسے حلال سمجھیں گے اور جو اس میں حرام ہے، ہم اسے حرام سمجھیں گے۔ خبردار! معاملہ اس طرح نہیں ہے، آگاہ رہو! کچلیوں والا درندہ حلال نہیں ہے اور نہ گھریلو گدھا اور نہ ذمی کی گری پڑی چیز، الا یہ کہ اس سے بے نیاز ہوا جائے۔ اور جو آدمی کسی قوم کا مہمان بنا، جبکہ انھوں نے اس کی ضیافت نہیں کی تو اس کے لیے درست ہے کہ میزبانی کے بقدر ان سے وصول کرے۔''

یہ حدیث اس دعوی پر دلیل ہے کہ حدیثِ مبارکہ بنفس نفیس حجت ہے اور اس کو قرآن پر پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔

قارئین کرام! غور فرمائیں، قرآن اپنی قرآنیت، حقانیت اور صداقت کو تسلیم کروانے کے لیے احادیثِ مبارکہ کا سہارا لیتا ہے۔ جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے الفاظ میں یہ اعلان نہ فرما دیں فلاں وحی میں نازل ہونے والے فلاں جملے قرآن ہیں، اس وقت تک قرآن، قرآن نہیں بن سکتا۔ کون بتلائے گا کہ فلاں سورت کا نام یہ ہے اور وہ مکمل ہو گئی ہے؟ کون رہنمائی کرے گا کہ فلاں فلاں آیتیں فلاں فلاں سورت میں رکھ دی جائیں؟ وہی ہستی جس کی مقدس زبان سے جو کچھ نکلتا تھا، وہ حق ہوتا تھا۔

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ قرآن مجید میں مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جانے والا جانور جیسی چند حرام چیزوں کا ذکر ہے

جبکہ احادیثِ مبارکہ نے ''کچلیوں سے شکار کرنے والا جانور'' کا قانون پیش کر کے شیر، چیتے، لومڑ، گیدڑ اور دوسرے درندوں کو حرام قرار دیا اور ''پنجے سے شکار کرنے والا پرندہ'' کا قانون پیش کر کے باز، بحری، شکرہ، الو، چیل اور گدھ وغیرہ کو حرام قرار دیا۔ گھریلوں گدھے اور کتے کے حرام ہونے کا اعلان حدیث میں کیا گیا ہے۔

قرآن نے چوتھے پارے کے آخر اور پانچویں پارے کے شروع میں محرمات کا ذکر کرنے کے بعد صرف دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے سے روک کر باقی عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کی اجازت دے دی۔ لیکن یہ حدیث ہی ہے جس نے پھوپھی اور بھتیجی اور خالہ اور بھانجی کو ایک نکاح میں جمع کرنے سے منع کر دیا۔

قرآن مجید نے مردار کو علی الاطلاق حرام قرار دیا، جبکہ حدیث نے مچھلی اور ٹڈی کے مرداروں کو حلال قرار دیا۔

قرآن کریم نے خواتین وحضرات کو بلا ناغہ نماز قائم کرنے اور رمضان کے روزے رکھنے کا حکم دیا۔ لیکن یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں، جن کی روشنی میں حیض اور نفاس والی عورت کو نماز کی مکمل رخصت دے دی گئی اور اس حالت

میں روزے رکھنے سے منع کر دیا گیا اور بعد میں قضائی کا حکم دیا گیا۔ کیا یہ معمولی بات ہے کہ بچے کی ولادت کے بعد عورت کو چالیس روز تک اور ہر ماہ میں ماہواری کے خون کی روٹین کے مطابق چھ سات دنوں تک نماز نہ پڑھنے کا واجبی طور پر حکم دے دیا جائے؟ کیا ایسی خواتین کو رمضان المبارک میں روزہ نہ رکھنے دینا معمولی بات ہے؟ نہیں، یہ تو بہت بڑا حکم ہے، لیکن اس میں کوئی حیرانگی نہیں، کیونکہ احادیثِ مبارکہ بڑے بڑے احکام کی بنیاد رکھ سکتی ہیں۔

کہاں سے لائیں گے نمازوں کی تفصیل؟ زکوۃ کی تفصیل کے لیے کس ماخذ کا سہارا لیں گے؟ حج و عمرہ کی ادائیگی کا تفصیلی طریقۂ کار کیا ہوگا؟ حرمین شریفین کے حقوق کی تفصیل کون بتلائے گا؟

قرآن مجید میں بیسیوں مقامات پر نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا، وہ اطاعت کن امور میں ہوگی؟

کیا یہ لوگ سوچتے نہیں کہ قرآن کی وضو پر مشتمل آیات کے نزول سے پہلے ہمارے محمد ﷺ نماز کے لیے وضو کو شرط قرار دے کر اس کا طریقہ بتلا چکے تھے؟ ابھی تک جمعہ کی فرضیت پر مشتمل سورۂ جمعہ کی آیات نازل نہیں ہوئی تھیں کہ مدینہ منورہ میں نماز جمعہ پڑھی جا رہی تھی، کس نے نافذ کیا تھا؟ قرآنی اشارات سے قبل مدینہ منورہ اذان کے کلمات کو کس نے رواج دیا تھا؟ کیا صحابہ کرام میں آج جیسا کوئی ''مفکر'' اور ''ڈگری ہولڈر'' نہیں تھا جو یہ کہہ دے کہ ابھی تک قرآن مجید میں تو ان امور کا ذکر ہوا نہیں، لیکن محمد (ﷺ) فرض کیے جا رہے ہیں؟

یہ بیّن اور ٹھوس دلائل اس حقیقت کو عیاں کرتے ہیں کہ سید الاولین والآخرین کی احادیث بنفسہ حجت اور شریعت کا ماخذ ہیں، قرآن کے مضامین سے موافقت یا مخالفت کوئی معنی نہیں رکھتی، بلکہ ان کی روشنی میں قرآن کے عام کو خاص اور مطلق کو مقید کیا جا سکتا ہے۔

ہر کوئی ان حقائق کو عملاً تسلیم کرتا ہے، اب کہاں گیا خودساختہ اور بے بنیاد قانون کہ حدیث کو قرآن مجید پر پیش کیا جائے۔ منکرین حدیث سے اور حدیثِ نبوی پر اعتراض کرنے والوں اور قرآن کو مقدم کرنے والوں سے ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ قرآن کی رو سے کتے، چیتے، شیر، گیدڑ، لومڑ، گدھے، چوہے، سانپ، کوے، گدھ جیسے جانور حلال ہیں، ان کو چاہیے کہ ان جانوروں کا گوشت کھائیں، ذرا سانپوں کو نگل کر دکھائیں اور ایسے قصاب بازاروں میں بٹھائیں، جو گیدڑوں، لومڑوں اور چوہوں کا گوشت فروخت کریں، ان کو چاہیے کہ اپنی عورتوں کو حیض کے خون کے دوران نماز پڑھنے اور روزے رکھنے اور حج و عمرہ کے دوران طواف کرنے کا حکم دیں۔ کیا یہ لوگ کسی شخص کو کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنی بیوی کی بھتیجی، بھانجی، پھوپھی اور خالہ سے شادی کر لے؟ پھر ہم تسلیم کریں گے کہ ان کو اپنے دعوے کی صداقت پر کتنا یقین ہے۔

ہم یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ نمازیں کیسے پڑھو گے؟ زکوۃ کیسے ادا کرو گے؟ حج و عمرہ کی ادائیگی کیسے کرو گے؟ یہ تناقض، یہ تضاد بیانی، یہ متضاد آرا، کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ سبحان اللہ! پندرہویں صدی کے یہ دماغ فیصلہ کریں گے کہ کون سی حدیث متعدد قابل تسلیم ہے اور کون سی ناقابل تسلیم۔ اگر کوئی آدمی اپنی اہلیت کا صحیح اندازہ نہ

کر سکے تو ایسی ہفوات اور ''بونگیاں'' منظرِ عام پر آتی رہتی ہیں۔

یہ ہمارے نبی کی احادیث اتنی مظلومِ زمانہ بن گئی ہیں کہ جو ناظرہ قرآن مجید نہ پڑھ سکنے والا جیسے چاہتا ہے، اگلنا شروع کر دیتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ احادیث لکھنے کا اہتمام نہیں کیا گیا، کوئی کہتا ہے کہ دو سو سال کے بعد لکھی گئیں، کوئی کہتا ہے جھوٹے اور من گھڑت قصوں کو کتبِ احادیث میں داخل کر دیا گیا۔

ہائے ایسے دعویداروں کی خرابی! یہ اس نکمّے کا دعوی ہے، جو فنِ حدیث سے کوسوں دور ہے، جس بیچارے کو اسلام کی امتیازی خصوصیت ''علم الرجال'' کی حقانیت کا اندازہ نہیں ہے۔ مغربی اور یورپی سکالر اسلام کے اس امتیازی علمی شعبے پر انگشتِ بدنداں ہو جاتے ہیں اور اس کے حق میں اقرار کیے بغیر نہیں رہ سکتے ہے۔ لیکن یہ اپنے ہیں، یہ یارانِ اسلام، یہ علم کی حدّوں کو پھلانگ جانے والے، جن بیچاروں کو اپنے اسلام کی خوبیوں تک کی خبر تک نہیں ہے۔

مزید غور کرو! نبی کریم ﷺ نے اپنی احادیث مبارکہ میں مستقبل کے بارے میں جتنی پیشین گوئیاں کی، وہ حرف بحرف پوری ہوئیں، اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی احادیث میں شک وشبہ کرنے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ میں صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں ہمیں نمازِ عشا پڑھائی، سلام پھیرنے کے بعد فرمایا: ((أرأيتكم ليلتكم هذه، فان رأس مائة سنة منها لا يبقى ممن هو على ظهر الارض احد.)) ...... ''کیا خیال ہے تمہارا اس رات کے بارے، (ذرا غور کرو کہ آج) جو زمین کی پشت پر موجود ہے، وہ سو برس تک باقی نہیں رہے گا۔'' (بخاری، مسلم)

حافظ ابن حجر نے کہا: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی وفات سے ایک ماہ پہلے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی۔ (فتح الباری: ۱/ ۲۸۲)

محدثین کا اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور ابو الطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ آخری صحابی ہیں جو ٹھیک سو برس کے بعد ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے۔

سبحان اللہ! میرے اللہ نے کتنی لاج رکھی، میرے محمد ﷺ کی زبان کی، کہ جس نے جیسے کہا ویسے ہی پورا ہوا۔ کیا ابھی بھی حدیثِ نبویہ کی حجیت پر یقین نہ کرنے کے علاوہ کوئی گنجائش ہے۔ پیشین گوئیوں کی تفصیل کے لیے اسی کتاب میں دیکھیں: "العِلْمُ وَالسُّنَّةُ وَالْحَدِيْثُ النَّبَوِيّ" ...... ''نبی کریم ﷺ کی کی پیشین گوئیوں کا ثابت ہونا احادیث کے سچا ہونے کا ثبوت''

میں اس موضوع پر سب سے زیادہ اس حقیقت سے لطف اندوز ہوتا ہے کہ ہمام بن منبہ رحمہ اللہ نے پہلی صدی ہجری میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت قلم بند کی، پھر دوسری صدی ہجری میں امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ ''موطا'' میں اس کو لکھا، پھر تیسری صدی میں امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اپنی سند کے ساتھ اسی حدیث کو تحریر

کیا۔ حیرانگی کی بات یہ ہے کہ ایک حدیث ہے، اس کو ایک ایک صدی کے بعد لکھا گیا، لیکن پھر بھی اس کے الفاظ و معانی میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا۔ کیا یہ ہمارے محمد ﷺ کے فرامین کا معجزہ نہیں ہے۔

کوئی زبان ہو، ایک صدی کے بعد اس میں ایسی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں کہ پہلی زبان کا وجود ہی ختم ہو جاتا ہے، لیکن اس اعتبار سے اپنی حفاظت میں عربی واحد زبان ہے کہ اگر آج حضرت محمد ﷺ کو زندہ کر دیا جائے اور وہ عربی میں گفتگو کریں تو ہم ان کی بات سمجھیں گے اور وہ ہماری بات سمجھیں، آخر اللہ تعالی نے اس نبی کی زبان کو یہ معجزہ عطا کیوں کیا؟ صرف اس لیے اس کی ہدایات کو قیامت تک برقرار رکھنا ہے۔

دنیا کا سب سے ممتاز علم اسلام کا ''علم الرجال'' ہے، بلکہ میں یوں کہوں گا کہ اللہ تعالی نے تشریحاتِ نبویہ کی بقا کے لیے امتِ مسلمہ کو ''علم اسمائے رجال'' کا امتیازی وصف عطا کر دیا، یہ علم اس امت کا خاصہ ہے، سابقہ امتیں اس وصف سے یکسر محروم رہیں۔ اللہ تعالی نے اس علم کی بدولت فرموداتِ نبویہ کو وہ تحفظ عطا کیا کہ آج سوا چودہ صدیوں کے بعد ہمیں مجالسِ احادیث میں ایسے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی مقدس آواز سنائی دے رہی ہے۔

اگر فرزندانِ امتِ مسلمہ کو انکارِ حدیث، ردّ حدیث اور وضع حدیث جیسے کڑی آزمائشوں اور فتنوں کا سامنا کرنا پڑا تو علم اسمائے رجال کے ذریعے ان کی تلافی کو یقینی بنا دیا گیا۔ اس فن میں رواۃِ احادیثِ نبویہ کی تعدیل و توثیق، حفظ و ضبط اور تضعیف و تجریح کو پہچاننے کے لیے وہ معیار پیش کیا گیا کہ اغیار بھی انگشت بدنداں اور اپنوں کا لبادہ اوڑھنے والے حملہ آور بھی حیران و ششدر ہو گئے۔ اگر ہم اپنی امتیازی میراث سے محروم ہونے کی وجہ سے کسی کے دام تزویر میں پھنس کر اپنی عقل و خرد کو معیار قرار دے کر ایک نئی فکر اور نئے فرقے کی بنیاد ڈال دیں تو سورج پر الزام تراشی نہیں جائے گی، آنکھیں بند کرنے والے کو قصوروار اور ملزم ٹھہرایا جائے گا۔

سند اور متن کی اصطلاحات ایجاد کر کے اسانیدِ احادیث میں مذکورہ راویوں کے مکمل حالات زندگی اور ان کی سوانح عمریاں اس علم میں قلمبند کر دی گئیں، جس کا آغاز عہدِ صحابہ کے اواخر اور کبار تابعین کے زمانہ کے اوائل میں ہو گیا تھا۔ دن بدن اس کی کمیت و کیفیت میں اضافہ ہوتا گیا اور دنیا میں وجود پانے والے علوم و فنون میں ''علم اسمائے رجال'' کے نام سے ایک اور علم کا اضافہ ہو گیا۔

اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے ایک مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر نے حافظ ابن حجر کی کتاب "الاصابة في احوال الصحابة" (مطبوعه کلکته ۱۸۵۳ء، ۱۸٦٤ء) کے انگریزی مقدمہ میں کہا: ''کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری ہے نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح ''اسماء الرجال'' کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصیتوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔'' (سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس از سید سلیمان ندوی: ص ۳۸)

احادیث پر اعتراض کرنے والو! کیا اب بھی تمہارے اعتراض کی بنیادیں کھوکھلی نہیں ہوئیں؟ مسلمانوں کے جس فن نے ویسٹرن سکالرز کو حیران کر دیا، افسوس کہ اپنوں کو اس کی حقیقت کا علم نہ ہو سکا۔

میں یہ پوچھنے کا حق رکھتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ کی زندگی کے ایک ایک گوشے کو محفوظ کیوں کروایا گیا؟ حتی کہ آپ ﷺ کے سفید بالوں کی گنتی کر لی گئی۔ آپ ﷺ کی مسکراہٹوں اور گھبراہٹوں کے اندازوں کو کیوں قلم بند کر لیا گیا؟ اس دنیا سیرتِ مصطفیٰ پر سب سے زیادہ کتابیں کیوں لکھی گئیں؟ تاریخ کے دامن میں آپ ﷺ کی آل واولاد کے اسماء واعداد کا تذکرہ کیوں کروایا گیا؟ کل کی بات کی طرح صحابہ کرام کے ایک لاکھ چودہ ہزار نفوس قدسیہ کا تذکرہ کیوں محفوظ رہنے دیا گیا؟ شاید یہ وجہ ہو کہ محمد ﷺ کی اداؤں کو بقامل جائے!!!!

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس حقیقت پر اجماع تھا کہ آپ ﷺ سے ثابت شدہ احادیث، قرآن مجید کی طرح حجت ہیں اور وہ احادیث کی روشنی میں قرآن مجید کو سمجھتے تھے۔ حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے خبر واحد کی حجیت پر بحث کرتے ہوئے کہا:

تمام امتوں کا اس حقیقت پر اجماع ہے، وہ مومن ہوں یا کافر، کہ رسول اللہ ﷺ نے دعوت الی اللہ کے لیے مختلف قبیلوں اور بادشاہوں کی طرف اپنے قاصدوں کو بھیجا اور حسبِ امکان ہر اہل علاقہ کو دین کی تعلیم دینے، اللہ تعالی کے احکام کو نافذ کرنے اور نماز، روزے، زکاۃ، حج، جہاد، قضا، نکاح، طلاق اور تجارت کے احکام اور حلال وحرام کی وضاحت کرنے کے لیے مبلغین کو بھیجا، (انھوں نے آپ ﷺ کی ہدایات کے مطابق قرآن وسنت، عقائد واحکام، فرائض و واجبات اور مستحبات ومندوبات کی تعلیم دی، لیکن کسی جہت کی طرف مبلغین اور قاصدین کی تعداد کے کم ہونے کا اعتراض موصول ہوا نہ زیادہ تعداد کا مطالبہ کیا گیا)۔ زکوۃ وصول کرنے کے لیے آپ ﷺ ایک ایک یا دو دو نمائندوں کو بھیجتے تھے، اس طرح لوگوں پر حجت قائم ہو جاتی تھی اور ان پر زکوۃ کی ادائیگی فرض ہو جاتی تھی۔ آپ ﷺ کی زندگی میں ایسے ہو رہا تھا اور قیامت تک کے لیے یہی اصول رائج رہے گا، کیونکہ اصل مسئلہ ''عدل'' کا ہے، نہ کہ تعداد کا۔

پس ثابت ہوا کہ جب رسول اللہ ﷺ کی حدیث ثقہ راوی اپنے جیسے سے بیان کرے، تو یہ بات یقینی اور قطعی ہو گی کہ وہ اللہ تعالی کے ہاں حق ہے اور اس کی صحت کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔

(النبذ فی أصول الفقه،ابن حزم: ص ٥٦ ـ ٦٢)

احادیث کی ضرورت واہمیت کو کم کرنے والو! خیر القرون کے اہل خیر لوگ اس نکتہ سے محروم تھے، جو تمہاری عقلوں کو سوجھا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر کوئی شخص شرعی علوم واعمال کی پیاس بجھانا چاہتا ہے تو اسے ایک وقت دو چشموں سے سیراب ہونے کا عزم کرنا پڑے گا، وگرنہ اس کا نصیب ومقدر اور ظلمت وضلالت لازم ملزوم ہو جائیں گے۔

میں عاجزانہ التماس کروں گا کہ حدیثِ مبارکہ کے حوالے سے ایسے دعووں کی وجہ علم حدیث اور فن حدیث سے دوری ہے اور ایسے لوگوں کو اپنی اہلیت پر ناز ہے اور چکڑالوی اور منکرین حدیث لوگوں کے وسوسوں میں گرفتاری ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ پر زیادہ سے زیادہ درود وسلام بھیجنے کا اہتمام کریں، تاکہ دل میں آپ ﷺ کی محبت پیدا ہو، پھر

آپ ﷺ کی احادیث قدسیہ کو حرزِ جان بنا کر پڑھنا شروع کر دیں اور عمل کرتے جائیں، علم و عمل میں نکھار آئے گا۔

اللہ کی پناہ، میرا مقصد قرآن حکیم کی اہمیت کو کم کرنا نہیں ہے، شرعی مسئلے کی توضیح کرنا ہے کہ رشد و ہدایت کے پیاسے کو دو چشموں سے سیراب ہونا چاہیے، ایک قرآن اور دوسرا حدیث۔ قرآن پاک نے خود بیسیوں مقامات پر آپ ﷺ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ
وَ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

❀❀❀❀

حالات زندگی

محدث العصر محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِہِ الطَّاهِرِیْنَ، وَصَحْبِهِ الطَّیِّبِیْنَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

اَمَّا بَعْدُ:

بروز ہفتہ غروب آفتاب سے کچھ پہلے کا وقت تھا، جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ کی (۲۲) اور اکتوبر ۱۹۹۹ء کی دو (۲) تاریخ تھی، اردن کے دارالحکومت عمان کا علاقہ تھا، اس دن اس سرزمین میں نہ صرف خلق خدا کو حرارت اور روشنی مہیا کرنے والا سورج غروب ہوا، بلکہ وہ شمع بھی بجھ گئی، جو مسلسل ساٹھ ستر برسوں سے تشنگان علوم حدیث کے لیے ضیا فشاں کی حیثیت سے روشن تھی اور جس کے وجود سے شیفتگان سنت کو گرمی و تمازت پہنچتی تھی۔ گویا اہل اردن ظاہری سورج کے ساتھ ساتھ باطنی آفتاب عالم تاب سے بھی محروم ہو گئے۔

میری مراد محدث العصر، خادم حدیث نبوی، نابغۂ روزگار، یکتائے زمانہ، عبقریٔ دوراں ابوعبدالرحمٰن محمد ناصر الدین بن نوح نجاتی البانی ہیں۔

آپ البانیہ کے دار الحکومت ''اشقودرہ'' میں ۱۳۳۲ھ (۱۹۱۴ء) کو پیدا ہوئے اور عمر عزیز کی نو بہاریں یہیں دیکھیں۔ آپ کے والد گرامی معاہد شرعیہ استنبول کے تعلیم یافتہ اور حنفی مذہب کے فقیہ تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ احمد زوغو شیوعی (کیمونسٹ) مغربی تہذیب کا نفاذ کرنا چاہتا ہے اور معاشرے کے اخلاق و آداب میں فساد پیدا ہو چکا ہے تو وہ اپنے کنبے سمیت بحری سفر کے ذریعے البانیا سے بیروت اور وہاں سے دمشق پہنچے اور غم روزگار کے لیے وہاں ایک دکان لی، جس میں گھڑی سازی کا پیشہ شروع کیا اور دینی ذوق کی تسکین کے لیے دمشق کی ایک مسجد کا انتظام و انصرام بھی سنبھال لیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کی پرورش و پرداخت مذہبی اور دینی ماحول میں ہوئی۔

حصول علم:

والد صاحب نے دمشق کے ایک سکول ''اسعاف خیریہ ابتدائیہ'' میں آپ کو داخل کرایا، پھر کچھ وجوہات کی بنا پر اسی تعلیمی مرحلے کے دوران ''ساروجہ'' بازار کے قریب پڑنے والے ایک سکول میں منتقل کرنا پڑا، جہاں آپ نے پرائمری تعلیم مکمل کی۔

والد گرامی کا خیال تھا کہ مروجہ تعلیم بے مقصد ہے، اس لیے پڑھنے لکھنے کی صلاحیت کے بعد انھوں نے اپنے بیٹے

کے لیے خود ایک علمی منہج مقرر کیا، جو قرآن کریم، تجوید اور ''صرف ونحو'' کی تعلیم پر مشتمل تھا۔ چونکہ وہ اپنے بیٹے کو حنفی فقیہ بنانا چاہتے تھے، اس لیے آپ کی توجہ کو فقہ حنفی کی طرف مبذول کیا۔

امام البانی اوائل عمری سے ہی طبعی طور پر مطالعۂ کتب کے حد درجہ شوقین اور گرویدہ تھے، یہاں تک کہ تمام فارغ اوقات اسی مقصد کے لیے صرف کر دیتے، اس چیز کا اظہار بزبان خود ایک دفعہ یوں فرمایا: ''میں نے ابتدائے عمر میں ہر چیز پڑھ ڈالی، وہ مناسب تھی یا نامناسب۔''

پیشہ:

باپ کی فکر کو سامنے رکھتے ہوئے آپ نے پہلے بڑھئی کا پیشہ اختیار کیا، لیکن پھر اسے ترک کر کے گھڑی سازی کا کام شروع کیا اور اس میں کمال حاصل کیا۔ اس مقصد کے لیے دمشق میں ایک دکان لی، اس پر ''ساعاتی الالبانی'' کا بورڈ لگا ہوا تھا، اس کے دو حصے تھے: ایک گھڑیوں کی مرمت کے لیے اور دوسرا کتب اور مطالعہ کے لیے تھا۔ گویا ''محشر میں بھی نہ چھوڑی ہم نے خو اپنی'' والا معاملہ تھا۔

حصولِ علم حدیث:

شیخ البانی خود کہتے ہیں، جبکہ ان کی عمر بیس سال تھی: ''ایک دن ایک کتب فروش کے پاس پڑے ہوئے "مجلة المنار" کے ایک جز پر نظر پڑی، اس میں سید رشید رضا کا ایک مضمون تھا، جس میں اس نے امام غزالی کی "الأحياء" کے محاسن و مآخذ بیان کیے تھے۔ یہ بلا کا علمی نقد تھا، اس سے میں اتنا متاثر ہوا کہ سارا جزو ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالا۔ بعد ازاں میں نے حافظ عراقی کی کتاب "المغني عن حمل الاسفار في الاسفار في تخريج ما في الأحياء من الأخبار" کو کرائے پر لینے کی کوشش کی۔''

پھر امام البانی نے اس کتاب کو خوشخط لکھا اور اچھی ترتیب دی۔ علم حدیث کے موضوع پر یہ آپ کا پہلا کام تھا۔ اس دوران آپ کا "مجلة المنار" سے رابطہ قائم رہا۔ دورانِ سال شائع ہونے والی تعجب انگیز بحثوں نے شیخ کے رخ کو علم حدیث اور کتبِ حدیث کی طرف موڑ دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شیخ نے عزم صمیم کے ساتھ علم حدیث کا حصول اور مطالعہ شروع کر دیا، اب طلب و شوق کے داعیے اور وسیع ہو گئے، وہ ضرورت کے مطابق گھڑی سازی کا کام کرتے اور زیادہ وقت حصول علم میں صرف کرتے، تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ان کی دکان طلبۂ علم کی جائے ملاقات بن گئی۔ علم حدیث کے متوالے کشاں کشاں چلے آئے اور یہ دلآویز اور بہار آفریں محفل درسِ حدیث کا روپ دھار گئی۔

سبحان اللہ! بڑا تعجب ہے! علم حدیث اس نوجوان کے دل و دماغ میں کیسے رچ بس گیا، حالانکہ اس نے تقلیدی اور سخت متعصّبانہ ماحول میں تربیت پائی تھی اور علم حدیث کے مطالعہ کے دوران اپنے والد سے یہ طعنہ بھی سننا پڑتا تھا: ''محمد! علم حدیث غریبوں کا پیشہ ہے۔''

جب حلب کے مؤرخ و محدث شیخ محمد راغب طباخ نے اس جوان کا شوق دیکھا تو اسے اپنی مرویات کی اجازت

دے دی۔

تحقیق و تفتیش میں عرق ریزی:

یہ امام البانی کا ممتاز وصف تھا، ہم ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں، جو امام البانی "فھرس مخطوطات دار الکتب الظاھریة المنتخب من مخطوطات الحدیث" کے مقدمہ میں اپنی زبانی بیان کرتے ہیں: ''یہ حقیقت تو میرے تصور میں نہ تھی کہ میں اس قسم کی فہرست تیار کر دوں گا، کیونکہ یہ میرا مشغلہ تھا نہ میرے پاس اتنا وقت تھا، لیکن اللہ تعالیٰ مسبّب الاسباب ہے۔ ہوا یوں کہ بارہ برس پہلے میری آنکھیں متاثر ہوئی تھیں، بالآخر ڈاکٹر نے چھ ماہ تک ریسٹ کرنے اور لکھنے پڑھنے اور گھڑی سازی کے کام کو ترک کرنے کی نصیحت کی تھی۔

میں ابتدائی دو ہفتوں تک اس کی نصیحت کا پابند رہا، مگر رہ رہ کر یہ خیال آنے لگا کہ اس بوریت سے بچنے کے لیے کوئی ہلکا سا کام کر لیا جائے تو کیا حرج ہے۔ سو مجھے حافظ ابن ابی الدنیا کا ایک رسالہ "ذم الملاھی" یاد آیا، جو لائبریری میں پڑا ہوا تھا۔

میں نے سوچا کہ یہ رسالہ کسی کاتب سے لکھوا لینا چاہیے، بعد میں تقابل اور تحقیق و تخریج کے مراحل خود طے کر لوں گا۔ پس ایسے ہی ہوا اور کاتب نے نصف رسالہ لکھنے کے بعد اس خیال کا اظہار کیا کہ اس میں نقص ہے۔ لیکن میں نے اسے اپنا کام جاری رکھنے کی تلقین کی۔

جب میں نے موازنہ شروع کیا تو اندازہ ہوا کہ واقعی ایک ورق گم ہے، جو چار صفحات کے برابر معلوم ہوتا ہے۔ میں نے سوچنا شروع کر دیا کہ اس ورق کی کھوج کیسے لگائی جائے؟

یہ رسالہ اس مکتبہ میں "مجامیع" عنوان میں رکھی گئی مجلدات میں سے ایک مجلد میں محفوظ تھا، ہر ایک جلد کئی رسائل و کتب، تحریرات و موضوعات پر مشتمل تھی۔ میں نے دل ہی دل میں کہا کہ ممکن ہے کہ جلد ساز نے نادانستہ طور پر یہ ورق کسی اور جلد میں سلائی کر دیا ہو۔ پس میں نے ان میں تلاش کرنا شروع کر دیا اور ڈاکٹر کی نصیحت کو بھول گیا اور ذہن میں آنے پر اپنے آپ کو تسلی دیتے ہوئے یہ کہہ دیتا کہ اس عمل سے کوئی فرق نہیں پڑتا...... بہر کیف میں نے "مجامیع" کی (۱۵۲) جلدیں چھان ماریں، لیکن گم شدہ ورق نہ مل سکا۔

پھر مجھے یہ خیال آیا کہ ممکن ہے کہ جلد ساز نے اس ورقے کو کتبِ احادیث میں سلائی کر دیا ہو، سو میں نے ''حدیث'' کے عنوان میں موجودہ کتبِ احادیث بھی نظر سے گزار دیں۔ لیت و لعل کا یہی سلسلہ جاری رہا، حتی کہ مکتبہ میں موجود دس ہزار مخطوطے چیک کر دیئے، لیکن مقصد میں کامیابی نہ ہو سکی۔ ابھی تک امید کی کرن باقی تھی، مکتبہ میں ''الدشت'' میں موجود غیر معروف اوراق اور پمفلٹس کے ڈھیر لگے ہوئے تھے، بڑی باریک بینی سے ان کو الٹ پلٹ کرتا رہا، لیکن بے سود۔

اب میں مکمل ناامید ہو چکا تھا، لیکن اس ورق کی تلاش کے بہانے اللہ تعالیٰ نے میرے لیے علم کا وسیع دروازہ کھول

دیا، جس سے میں دوسروں کی طرح غافل تھا۔ مکتبہ ظاہریہ کے نادر علمی خزانوں کا خلاصہ میرے ذہن میں آ گیا تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ سابقہ تجربہ کی روشنی میں تمام مخطوطہ جات کا از سرنو مطالعہ کیا جائے اور علم حدیث کے متعلقات کو نوٹ کیا جائے، اس سلسلے میں میں نے انتہائی غیر معروف اجزا کے ایک ایک ورقے کا بھی مطالعہ کیا۔ ادھر اللہ تعالی مجھے تیسری دفعہ مطالعہ کرنے کا الہام کیے جا رہا تھا تاکہ دقیق مطالعہ کیا جائے اور احادیثِ نبویہ کے متون، اسانید اور دیگر فوائد کا استخراج کر لیا جائے۔

پس میں کمربستہ ہوا اور لنگوٹ کس لیا اور مکتبہ ظاہریہ کا تیسری دفعہ مطالعہ شروع کر دیا اور علمی فوائد جمع کرنے کی ابتدا کر دی، جب میں فارغ ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے نوٹس کی چالیس جلدیں بن چکی ہیں، ہر جلد چار سو اوراق پر مشتمل تھی اور ہر ورقے میں تمام مصادر و مآخذ اور اسانید و طرق سمیت ایک ایک حدیث موجود تھی۔

میں نے الف بائی ترتیب سے یہ احادیث جمع کیں اور اپنی تمام تالیفات اور علمی خدمات میں ان سے استفادہ کیا۔ اگر اللہ تعالی ضائع شدہ ورق کو تلاش کرنے کی توفیق نہ بخشتا تو میں اس علمی خزانے سے محروم رہتا۔ الحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات۔

اس مطالعہ کے دوران میں نے ایسی مؤلفات، اجزا اور پمفلٹس کو بھی دریافت کر لیا، جو شروع والے صفحات ضائع ہو جانے کی وجہ سے یا ان پر کاتب کے نام نہ لکھے جانے کی وجہ سے انتہائی غیر معروف تھے اور ان ہی وجوہات پر بروکلمن وغیرہ اپنی اپنی فہرستوں میں ان کا ذکر نہ کر سکے تھے۔'' پھر امام البانی رحمہ اللہ نے بطور مثال کچھ تصنیفات کا ذکر کیا۔

وقت کی حفاظت اور شوقِ مطالعہ:

امام البانی وقت کے بہت بڑے محافظ تھے، کوئی گھڑی بغیر فائدے کے نہ گزرتی تھی۔ وہ طلبِ علم، تصنیف، تخریج، تحقیق، دعوت الی اللہ اور ذکر و عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دن میں وہ اٹھارہ گھنٹے اپنی لائبریری میں گزارتے تھے۔

غور فرمائیں کہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اپنے ورثے میں بھاری تعداد میں تصنیفات و تالیفات چھوڑیں، اس پر مستزاد یہ کہ صرف عمان میں صرف ابو لیلی اثری کی ریکارڈنگ کے مطابق شیخ صاحب کی چھ ہزار کیسٹیں تھیں۔ باقی شہروں، ملکوں اور ریکارڈ کرنے والوں کا خود اندازہ لگا لیں۔ علاوہ ازیں آپ کی زندگی کا ایک بڑا حصہ علمی دروس، دعوتی سفروں اور بدعتیوں سے مناظروں پر مشتمل ہے۔

اللہ تعالی نے آپ رحمہ اللہ کے اوقات میں بڑی برکت رکھی تھی، آپ رحمہ اللہ نے ''احکام الجنائز و بدعھا'' جیسی عظیم اور تحقیقی کتاب تین مہینوں میں مکمل کر لی۔ ١٣٨٩ھ (١٩٦٩ء) میں دعوت الی الاسلام اور لوگوں کو تعلیم دینے کی جرم میں شیخ البانی رحمہ اللہ کو چند علما سمیت جیل بھیج دیا گیا، دمشق کی مختلف جیلوں میں ان کو گھمایا جاتا رہا، وہاں امام صاحب کے پاس صحیح مسلم، کچی پنسل اور ربڑ تھا، انھوں نے اس کتاب کی تلخیص لکھنا شروع کر دی اور تین ماہ میں یہ عظیم کام

مکمل کرلیا۔

جب امام البانی کی بیماری بڑھ گئی اور صاحبِ فراش ہو گئے تو اپنے بیٹوں سے کہا: مجھے اٹھا کر لائبریری میں لے جاؤ۔ جب وہ لے گئے تو کہا: مجھے کرسی پر بٹھا دو۔ انھوں نے کہا: آپ میں بیٹھنے کی طاقت ہی نہیں ہے۔ شیخ صاحب نے کہا: تو پھر میں کیا کروں۔ اس حالت میں بھی انھوں نے حصول علم کو راحت پر ترجیح دی، آپ بستر پر لیٹے ہوتے، کتابیں طلب کرتے، وہ آپ پر پڑھی جاتیں، پھر آپ علمی فوائد لکھواتے رہتے۔ جب معمولی نقل وحرکت کرنے سے بھی عاجز آ گئے تو تسلسل اور تواتر کے ساتھ اللہ تعالی کا ذکر شروع کر دیا اور اپنے ہم نشینوں سے کہا: اگر اللہ نے چاہا اور اس کی توفیق شامل حال رہی تو میں اپنا وقت اللہ کے ذکر میں صرف کروں گا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((خير العمل ان تفارق الدنيا، ولسانك رطب من ذكر الله)) ...... ''بہترین عمل یہ ہے کہ جب تو دنیا کو داغِ مفارقت دے تو تیری زبان اللہ تعالی کے ذکر سے تر ہو۔'' (صحيحه : ١٨٣٦)

واذا كانت النفوس كبارا

تعبت في مرادها الأجسام

زہد وورع اور عاجزی وانکساری:

شیخ البانی رحمہ اللہ علم وعمل سے مزین تھے، بہت زیادہ روزے رکھنے والے، قیام کرنے والے اور سنت کی تائید ونصرت کرنے والے تھے، چند ایک جھلکیاں یہ ہیں:

- گرمی وسردی میں سوموار اور جمعرات کے روزوں کا اہتمام کرتے تھے۔
- جب جمعہ والے دن مسجد میں آتے تو ابتدائے خطبہ تک دو دو رکعت نماز ادا کرتے رہتے۔
- تقریباً ہر سال حج وعمرہ کی ادائیگی کے لیے جاتے اور بسا اوقات تو ایسے بھی ہوتا کہ ایک سال میں دو دفعہ عمرے کے لیے جاتے تھے۔ آپ نے تیس سے زیادہ حج ادا کیے تھے اور آخری حج ۱۴۱۰ھ میں ادا کیا تھا۔
- کئی دفعہ ایسے ہوا کہ شیخ صاحب ((اول من تسعر بهم النار ......)) والی حدیث بیان کرتے وقت رو پڑتے تھے۔
- ایک دفعہ آپ کار میں بیٹھے ہوئے تھے، ایک آدمی آپ کی طرف لپکا اور کہا: آپ شیخ البانی ہیں؟ یہ سن کر شیخ نے رونا شروع کر دیا۔ جب رونے کا سبب دریافت کیا گیا تو آپ نے کہا: آدمی کو چاہیے کہ اپنے نفس کی اصلاح کرے اور لوگوں کے اشاروں سے دھوکے میں نہ پڑے۔
- جب آپ مرض الموت میں مبتلا تھے تو شیخ محمد بن ابراہیم شقرہ نے آپ سے کہا: شیخ صاحب! عظیم لوگوں کی آزمائشیں بھی سخت ہوتی ہیں اور آپ عظیم آدمی ہیں، اللہ تعالی آپ کو علم وفقہ اور حدیث وسنت کے سبب عظمت عطا فرمائی ہے۔ جواباً شیخ صاحب مسکرائے اور آنکھیں اشک بار ہو گئیں، پھر وہی دعا کی، جو عام طور پر اپنی تعریف سنتے

وقت کرتے تھے، اس کے الفاظ یہ ہیں: "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ مَا لَا یَعْلَمُوْنَ ، وَاجْعَلْنَا خَیْرًا مِمَّا یَظُنُّوْنَ ، وَلَا تُؤَاخِذْنَا بِمَا یَقُوْلُوْنَ ." (اے اللہ! میری (وہ خطائیں) بخش دے، جو یہ لوگ نہیں جانتے اور مجھے ان کے حسن ظن سے بہتر بنا دے اور ان کی باتوں کی وجہ سے میرا مؤاخذہ نہ کرنا۔)

ایک خواب:

ایک دن ایک جزائری خاتون نے امام البانی رحمہ اللہ کو فون کیا اور کہا: شیخ صاحب! میرے پاس آپ کے لیے ایک بشارت ہے۔

آپ نے کہا: اللہ تعالی تجھے بھی خوش کر دے۔

اس نے کہا: میری ایک بہن ہے، اس نے ایک خواب دیکھا، میں آپ کو بیان کرنا چاہتی ہوں۔

آپ نے کہا: اس نے نیک خواب دیکھا ہوگا۔

اس نے کہا: شیخ صاحب! کیا یہ سنت سے ثابت ہے کہ خواب بیان کرنے والے کو کہا جائے کہ اس نے نیک خواب دیکھا ہوگا۔

آپ نے کہا: نہیں، یہ الفاظ مرفوعاً ثابت نہیں ہیں، لیکن بسا اوقات ایسا کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اس نے کہا: میری بہن نے دیکھا کہ وہ ایک ٹیلے پر کھڑی ایک راستے پر جھانک رہی ہے۔ اس نے دیکھا کہ اس راستے پر اپنی بینات و صفات سے متصف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں، پھر اس نے مجھے دیکھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑی آپ کے لیے ہنس رہی ہیں اور آپ میرے لیے مسکرا رہے ہیں۔ بعد ازاں میں نے اسے آواز دی اور کہا: نیچے اتر آ، نیچے اتر آ، ہمارے ساتھ آ جا۔ جب وہ نیچے اتری تو اس نے مجھ سے پوچھا: تو کس کی طرف دیکھ رہی ہے؟ میں نے کہا: بس تو اس کی طرف دیکھ جس کا میں دیدار کر رہی ہوں۔ پس اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور اسی راستے پر چل دیئے۔ ہم دو بہنیں بھی اسی طریق پر چل پڑیں۔ ہم نے چلتے چلتے اسی راستے پر ایک شیخ دیکھا اور اسے السلام علیکم کہا۔ اس نے جواباً وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا۔ پھر اس نے ہم سے پوچھا: کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے؟ ہم نے کہا: جی ہاں، ہم نے دیکھا ہے۔

میری بہن نے مجھ سے پوچھا: یہ شیخ کون ہے؟

میں نے کہا: یہ شیخ البانی ہیں۔

پھر اس خاتون نے کہا: شیخ صاحب! میں اللہ تعالی سے سوال کرتی ہوں کہ وہ اس خواب کو آپ کے لیے بشارت قرار دے، میں آپ کو یہ خوشخبری سنانا چاہتی تھی، اگر اللہ نے چاہا تو واقعی یہ بشارت ہے اور ان شاء اللہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ آپ سنت کی راہ پر گامزن ہیں۔ شیخ صاحب! ویسے آپ اس کے بارے میں کیا کہیں گے؟

امام البانی رحمہ اللہ نے جواباً کچھ نہ کہا اور ان کے آنسو بہہ پڑے اور انھوں نے دل کھول کر رونا شروع کر دیا اور پھر

اپنے ہم مجلس بھائیوں سے کہا کہ وہ چلے جائیں۔

تالیفات وتصنیفات:

امام البانی رحمہ اللہ نے ہر عام و خاص اسلامی لائبریری میں کئی کتب کا اضافہ کیا، اپنوں اور بیگانوں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ آپ نے کل (۱۱۸) سے زائد کتب پر قلم اٹھایا۔ بعض یہ ہیں:

- احكام الجنائز و بدعها
- آداب الزفاف
- ارواء الغليل فى تخريج احاديث منار السبيل
- سلسلة الاحاديث الصحيحة
- سلسلة الاحاديث الضعيفة
- صحيح الترغيب والترهيب (اختصار و تحقيق)
- صحيح الجامع الصغير و زيادته (تاليف)
- صحيح السنن الاربعة(تاليف)
- ضعيف السنن الاربعة(تاليف)
- مختصر الصحيح للبخارى
- مختصر الصحيح لمسلم

امام البانی کی وصیتیں

ابتدائی طالب علم کے نام:

میں مبتدی طالب علم کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ درج ذیل کتب کا مطالعہ کرنے کا اہتمام کرے:

- فقہ میں "فقه السنة" للشیخ سید سابق، لیکن اس کے ساتھ ساتھ "سبل السلام" اور "تمام المنة" جیسے مراجع سے بھی استفادہ کرنا چاہیے، نیز میں "الروضة الندية" کا مطالعہ کرنے کی بھی وصیت کروں گا۔
- تفسیر میں "تفسير القرآن العظيم" للحافظ ابن کثیر، اگر چہ یہ تفسیر طویل ہے، لیکن اس وقت اس موضوع پر یہ صحیح ترین تفسیر ہے۔
- مواعظ ورقاق میں امام نووی کی "رياض الصالحين"
- عقیدہ میں ابن ابی العز حنفی کی "شرح العقيدة الطحاوية"، اس پر میری تعلیق اور شرح سے بھی استفادہ کر لینا چاہیے۔

عام طور پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم کی کتب کا مطالعہ کرنا چاہیے، یہ دو ہستیاں ان نوادر علمائے اسلام میں سے ہیں، جنھوں نے تقوی و طہارت سے متصف ہو کر سلف صالحین کے منہج کو اپنایا۔ (و لا نزکی علی اللہ احدا).

امتِ مسلمہ کے نام:

ان الحمد للہ......

میں ہر خاص و عام مسلمان کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ سلف صالحین کے منہج کی روشنی میں کتاب و سنت کی دعوت دے۔
میں اپنے آپ سے اور تمام مسلمانوں سے یہ گزارش کروں گا کہ وہ سب سے پہلے اللہ تعالی کا تقوی اختیار کریں اور اس کے بعد نفع بخش علم کا زیادہ سے زیادہ حصول کریں، جیسا کہ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ﴾ (اور اللہ سے ڈر جاؤ اور وہ تمہیں تعلیم دیتا ہے)۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ علم صالح کا اہتمام کریں جو کتاب و سنت کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے، لیکن اس ضمن میں سلف صالحین کے منہج کو سامنے رکھنا چاہیے۔ لیکن یہ تنبیہ ضروری ہے کہ اس علمِ شرعی پر عمل بھی کیا جائے، تاکہ یہ روزِ قیامت ہمارے خلاف حجت نہ بن سکے۔
میں یہ کہنا چاہوں گا کہ اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ، اور ان لوگوں سے نہ ہو جاؤ، جنھوں نے سلفی فکر سے تجاوز کیا اور مسلمانوں اور اہل اسلام کی جماعتوں کے خلاف خروج اختیار کیا۔ ہمیں چاہیے کہ مخالفین کو دعوت دیتے وقت نرمی برتیں اور اللہ تعالی کے اس فرمان کو ہمیشہ یاد رکھیں:

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾

اس حکمت کا بڑا حقدار وہ ہے جو اصول و مبادی اور اعتقادات میں ہمارا مخالف ہے، یہ نہ ہونے پائے کہ ہم اپنے مخالف پر دعوتِ حق کا بوجھ بھی ڈال دیں اور سوئے اسلوب کا بار بھی۔
میں بلادِ اسلام میں سکونت پذیر بھائیوں سے یہ امید رکھتا ہوں کہ وہ ان اسلامی آداب کو ملحوظ خاطر رکھیں گے اور رضائے ربانی کے حصول کے لیے کام کریں گے اور لوگوں سے کسی عوض یا شکریے کی حرص نہیں رکھیں گے۔ بس اتنی باتیں ہی کافی ہیں اور ساری تعریف اللہ تعالی کے لیے ہے۔

اپنی تجہیز و تکفین کے بارے میں وصیت:

امام البانی رحمہ اللہ نے اپنی وفات کے بعد والے مراحل کو سامنے رکھ کر درج ذیل وصیت لکھی:

میری وصیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں اپنی بیوی، اولاد، دوستوں اور اپنے پیار کرنے والوں کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ جب وہ میری وفات کی خبر سنیں تو میرے لیے اللہ تعالی کی بخشش اور رحمت کا سوال کریں اور

اولاً:...... مجھ پر نوحہ مت کریں اور بلند آواز سے نہ روئیں۔

ثانیاً:...... مجھے جلدی جلدی دفن کرنے کا اہتمام کریں اور اتنے رشتہ داروں اور بھائیوں کو اطلاع دے دیں، جن سے میری میت کی تجہیز و تکفین و دفن کے مراحل پورے ہو جائیں۔

میرے پڑوسی اور مخلص دوست عزت خضر ابو عبد اللہ مجھے غسل دیں گے، وہ اپنے مرضی کے مطابق بعض افراد سے مدد لے سکتے ہیں۔

ثالثاً:...... میں یہ پسند کروں گا کہ کسی قریبی قبرستان میں مجھے دفن کر دیا جائے، تاکہ میری میت کے لیے اور جنازے میں شرکت کرنے والوں کے لیے گاڑیوں کی ضرورت نہ پڑے۔ نیز کسی ایسے پرانے قبرستان کا انتخاب کیا جائے کہ جس کو اکھاڑنے کی توقع نہ کی جاتی ہو۔

جس شہر میں میری وفات ہو، تو دوسرے شہروں میں بسنے والی میری اولاد اور دوسرے لوگوں کو مجھے دفن کرنے سے پہلے اطلاع نہ دی جائے، تاکہ جنازے میں خواہ مخواہ کی تاخیر نہ ہو سکے۔ میں اپنے آقا سے سوال کرتا ہوں کہ جب میں اس سے ملوں تو وہ میرے اگلے پچھلے گناہ معاف کر چکا ہو۔

میں یہ بھی وصیت کرتا ہوا کہ میری لائبریری کی تمام کتب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے مکتبہ کے لیے وقف ہوں گی، کیونکہ جب میں وہاں مدرّس تھا تو سلف صالحین کے منہج پر کتاب و سنت کی دعوت کے سلسلہ میں اس جامعہ کے ساتھ میری خوبصورت اور حسین یادیں وابستہ تھیں۔

مجھے امید ہے کہ جیسے میرے ذریعے جامعہ کے طلبہ کو فائدہ ہوا تھا، اسی طرح اس میں آنے والے لوگ ان کتب سے استفادہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے اس استفادے اور اخلاص بھری دعاؤں سے مجھے نفع دے گا۔

(۲۷) جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ

منجانب

رحمتِ ربانی کا فقیر

محمد ناصر الدين الالبانی

﴿رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾

امام البانی کا کلام ختم ہوا۔

وفات و دفن:

اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے دن غروبِ آفتاب سے کچھ پہلے جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ کی (۲۲) اور اکتوبر ۱۹۹۹ء کی (۲) تاریخ کو اپنی امانت واپس لے لی اور امام البانی رحمہ اللہ دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ (انا للّٰہ وانا الیہ

راجعون)

امام صاحب کی وصیت کے مطابق چند لوگوں کو بلا کر جلد ہی تغسیل و تکفین کے مراحل طے کر لیے گئے، جنازے کو کندھوں پر اٹھا کر قبرستان کی طرف لے جایا گیا، آپ کے نیک شاگرد محمد بن ابراہیم شقرہ نے نو تکبیرات پر مشتمل نماز جنازہ پڑھائی، جس میں پانچ ہزار افراد نے شرکت کی۔

ابراہیم بن شقرہ کہتے ہیں: ایک قبرستان میں مزید اموات کو دفن کرنے پر پابندی لگا دی گئی تھی اور بلدیہ اس کو مسمار کرنے کا سوچ رہی تھی۔ جب شیخ البانی رحمہ اللہ کی تدفین کا مسئلہ کھڑا ہوا تو موقع پر دار الحکومت کے گورنر کا سیکرٹری بھی موجود تھا، اس نے یہ حکم دیا کہ اسی قبرستان میں شیخ صاحب کو دفن کیا جائے اور ان کے بعد یہاں کسی کی تدفین نہ ہو اور اس کا احاطہ کرنے والی دیواریں چن لی جائیں۔

اس طرح سے امام البانی رحمہ اللہ کی تمام وصیتیں عملی قالب میں ڈھل گئیں۔

ہم اللہ تعالی سے دعا گو ہیں کہ وہ مجدّدِ دین اور محدث العصر محمد ناصر الدین البانی کی مساعیٔ جمیلہ قبول فرمائے، ان کے قلم کو ان کے حق میں صدقہ جاریہ بنائے، ان کے بشری لغزشوں اور فروگزاشتوں کو معاف فرمائے اور ہماری امید اور حسن ظن سے بڑھ کر ان کو اجر عظیم سے نوازے۔ (آمین)

اے اللہ! اے لامتناہی خزانوں کے ربّ! تو البانی سے راضی ہو جا اور اس کو اپنی ذات پر راضی کر دے۔

حمد و ثنا، تعریف و توصیف، مدح و ستائش اور کبریائی و بڑائی کائنات کے پالنہار و پروردگار کے لیے ہیں۔ صلاۃ و تسلیم کا نزول ہوتا رہے ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر، درود و سلام کی کرنیں پڑتی ہیں سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم پر، اور رحمت و برکت کی بارش ہوتی رہے ہمارے امامِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

الْأَيْمَانُ وَالتَّوْحِيْدُ وَالدِّيْنُ وَالْقَدْرُ

ایمان،توحید، دین اور تقدیر کا بیان

الأیمان :...... لغوی معنی: تصدیق کرنا، امن میں ہونا، امن دینا

اصطلاحی تعریف:...... محدثین اور سلف صالحین نے ایمان کی شرعی تعریف یوں کی ہے: هُوَ اِعْتِقَادٌ بِالْقَلْبِ، وَنُطْقٌ بِاللِّسَانِ، وَعَمَلٌ بِالْاَرْكَانِ. یعنی: دل سے تصدیق کرنا، زبان سے اقرار کرنا اور اعضا سے عمل کرنا۔

التوحید:...... لغوی معنی: ایک بنانا، کسی کے ایک ہونے کا اقرار کرنا

اصطلاحی تعریف:...... اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، اختیارات اور حقوق میں اللہ تعالیٰ کو ایک جاننا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ ان چاروں چیزوں میں کوئی بھی اللہ تعالیٰ کا شریک، ساجھی اور شریک نہیں ہے۔ توحید کی درج ذیل تین اقسام ہیں:

۱۔ **توحید ربوبیت:** توحید ربوبیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے افعال (کاموں) میں اکیلا وتنہا مانا جائے جیسے پیدا کرنا، روزی دینا، امر کی تدبیر کرنا، سورج اور چاند کا مسخر کرنا، سورج کو طلوع کرنا، سورج کو غروب کرنا، آسمان سے پانی اُتارنا، زمین کو اس کے مردہ ہوجانے کے بعد زندہ کرنا، زمین کا مالک ہونا اور اس کا بھی جو اس میں ہے، آسمانوں کا رب ہونا، عرشِ عظیم کا رب ہونا، زندہ کو مردہ سے نکالنا اور مردہ کو زندہ سے نکالنا، بیٹے دینا، بیٹیاں دینا یا بانجھ کرنا وغیرہ۔

۲۔ **توحید الوهيت:** توحید الوہیت وعبادت سے مراد یہ ہے کہ عبادت میں اللہ تعالیٰ کو اکیلا وتنہا مانا جائے اور اس میں اس کے ساتھ شرک نہ کیا جائے یعنی اللہ اکیلے کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کی جائے۔

۳۔ **توحید اسماء و صفات:** اللہ کے اسماء (ناموں) اور اس کی صفات میں اس کو تنہا اور اکیلا مانا جائے اور اس میں اس کے ساتھ شریک نہ کیا جائے اللہ کے اسماء وصفات کا اثبات مانا جائے، نہ ان میں تاویل ہو، نہ ان کی تشبیہ وتمثیل ہو، نہ ان کی تعطیل ہو اور نہ ان کی تکییف ہو۔

اصطلاحی تعریف:...... دل سے اعتقاد، زبان سے اقرار اور اعضاء وجوارح سے ارکان پر عمل کے مجموعے کا نام دین ہے۔

التقدیر: ...... لغوی معنی: اندازہ لگانا، مقدار مقرر کرنا، تخمینہ کرنا، حساب لگانا

اصطلاحی تعریف: ...... مختلف پیرایوں میں تقدیر کی تعریف کو قلمبند کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً:

الف: وہ امور کائنات کہ اللہ تعالی نے جن کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ان کا بخوبی اندازہ لگا لیا۔

ب: اللہ تعالی نے تخلیق کائنات سے قبل کائنات میں رونما ہونے والی تمام اشیا کی کیفیات و کمیات، احوال وظروف، اوقات وازمان، آمد و رفت، غرضیکہ ہر چیز کی ہر کیفیت کا اندازہ لگا لیا۔ پھر آج تک عالم علوی اور عالم سفلی میں جو کچھ ہوا، وہ اللہ تعالی کے علم کے مطابق ہوا۔

ج: کائنات کی ابتدا سے انتہا تک اس میں جو کچھ ہونا تھا، اللہ تعالی نے اسے اپنے علم کے ذریعے معلوم کر لیا۔

د: کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اللہ تعالی کے سابق علم اور مشیت کے مطابق ہو رہا ہے۔

ر: اللہ تعالی کا علم اتنا مضبوط ہے کہ اس نے مستقبل کی اخبار و واقعات کو معلوم کر لیا، یہی معلومات تقدیر ہیں۔

اللہ تعالی کی عظیم قدرت اور وسیع بادشاہت

(١)۔ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ مِقْسَمٍ: أَنَّهُ نَظَرَ إِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ كَيْفَ يَحْكِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((يَأْخُذُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ سَمَاوَاتِهِ وَأَرْضِيْهِ بِيَدَيْهِ ، فَيَقُوْلُ: أَنَا اللّٰهُ وَيَقْبِضُ أَصَابِعَهُ وَيَبْسُطُهَا ، أَنَا الْمَلِكُ .)) وَتَمَايَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ يَمِيْنِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ حَتّٰى نَظَرْتُ إِلَى الْمِنْبَرِ يَتَحَرَّكُ مِنْ أَسْفَلِ شَيْءٍ مِنْهُ، حَتّٰى إِنِّيْ لَأَقُوْلُ: أَسَاقِطٌ هُوَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ؟ (الصحيحة: ٣١٩٦)

عبیداللہ بن مقسم کہتے ہیں: میں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا، وہ رسول اللہ ﷺ کی نقل اتار رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالی آسمانوں اور زمینوں کو اپنے ہاتھوں میں پکڑ لے گا اور کہے گا: میں اللہ ہوں۔ پھر انگلیوں کو کھولے گا اور بند کرے گا۔ میں بادشاہ ہوں۔ پھر رسول اللہ ﷺ دائیں بائیں جھومنے لگ گئے، حتی کہ میں نے دیکھا کہ منبر بھی ہچکولے کھانے لگ گیا اور مجھے یہ وہم ہونے لگا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کو گرا ہی نہ دے۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٨/ ١٢٦ ، وابن خزيمة في "التوحيد": ٤٩ ، والبيهقي في "الأسماء والصفات": ٣٣٩ ، وابن ماجه: ١٩٨ ، ٤٢٧٥

فوائد: ...... اس حدیث کے مضمون کی مزید وضاحت ملاحظہ فرمائیں:

ارشادِ باری تعالی ہے:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ (سورۂ زمر: ٦٧)

یعنی: ''اور ان لوگوں نے جیسی قدر اللہ تعالی کی کرنی چاہیے تھی، اس طرح نہیں کی، حالانکہ ساری زمین قیامت کے

دن اللہ تعالیٰ کی مٹھی میں ہو گی اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے، وہ پاک اور برتر ہے ہر اس چیز سے جسے لوگ اس کا شریک بنائیں۔''

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی عالم، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: ہم اللہ تعالیٰ کی بابت (اپنے مذہبی ادب میں) یہ بات پاتے ہیں کہ وہ روزِ قیامت آسمانوں کو ایک انگلی پر، زمینوں کو ایک انگلی پر، درختوں کو ایک انگلی پر، پانی اور تری کو ایک انگلی پر اور تمام دوسری مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھ لے گا اور فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تصدیق کرتے ہوئے مسکرا پڑے، حتی کہ آپ کی داڑھیں نظر آنے لگیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ.....﴾ (جو اوپر مذکور ہے) تلاوت کی۔ (بخاری: ٤٨١١) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ اس وقت کہے گا: ((انا الملك، این ملوك الارض)) یعنی: ''میں بادشاہ ہوں، زمین والے بادشاہ کہاں ہیں۔'' (بخاری: ٤٨١٢)

یہ اللہ تعالیٰ کی طاقت و قدرت اور عظمت و جلالت کا ایک انداز ہے۔

سلف صالحین کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن و حدیث میں اللہ تعالیٰ کی جن صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان پر بلا کیف و تشبیہ اور بغیر تاویل و تحریف کے ایمان رکھنا ضروری ہے۔ مثلا درج بالا آیت و احادیث میں اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھوں، انگلیوں، انگلیوں کو کھولنے اور بند کرنے اور کلام کرنے کا ذکر ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی صفات ہیں، جیسے اس کے شان و جلال کے لائق ہیں۔

بندوں کو یہی زیب دیتا ہے کہ ایسے قدیر و مقتدر بادشاہ کی الوہیت و ربوبیت کو تسلیم کر کے اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اور اس کی ذات اور اس کی ہر صفت میں اس کو یکتا و یگانہ اور لا ثانی و بے مثال سمجھیں اور اس کے ہر حکم کو برحق تسلیم کر کے اس پر عمل کرنے کے تقاضے پورے کریں، اسی کو توحید کہتے ہیں، جس کے فروغ کے لیے کائنات کا وسیع و عریض نظام تشکیل دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کے لا متناہی خزانے

(٢)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((يَمِيْنُ اللّٰهِ مَلْأَى، لَا يَغِيْضُهَا نَفَقَةٌ، سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ، أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْفَقَ مُذْ خَلَقَ السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ؟ فَإِنَّهُ لَمْ يَغِضْ مَا فِي يَمِيْنِهِ، قَالَ: وَعَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ وَبِيَدِهِ الْأُخْرٰى الْقَبْضُ، يَرْفَعُ وَيُخْفِضُ.))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے، ہمہ وقت خرچ کرتے رہنے سے اس میں کوئی کمی نہیں آتی۔ کیا تم اس کا اندازہ لگا سکتے ہو، جو کچھ اس نے زمین و آسمان کی تخلیق (سے لے کر اب تک) خرچ کیا؟ اس سے بھی اس کے دائیں ہاتھ (میں موجود خزانوں میں) کوئی کمی نہ آسکی اور اس کا عرش پانی پر تھا اور دوسرے ہاتھ میں ترازو ہے، جسے وہ (کسی کے

(الصحيحة: ٣٥٥٠) حق میں) اٹھاتا ہے اور (کسی کے حق میں) جھکاتا ہے۔''

تخريج: وله عنه طريقان:

الأولى:...... عن همام بن منبه: فأخرجه مسلم: ٣/ ٧٨، وأحمد: ٢/ ٣١٣

الأخرى:......عن الأعرج عن أبي هريرة: فأخرجه البخاري: ٤٦٨٤، ٧٤١١، ومسلم: ٣/ ٧٧، والترمذي: ٣٠٤٥، وابن ماجه في "السنن" ١٩٧، وأحمد: ٢/ ٢٤٢، ٥٠٠

فوائد:...... اللہ تعالیٰ انتہائی غنی ہے، رزق و روزی کے لامتناہی خزانوں کا مالک ہے۔ سابقہ صدہا صدیوں میں اس نے وسیع و عریض کائنات میں بسنے والی بے شمار مخلوقات، بالخصوص بنو آدم پر جتنا کچھ خرچ کیا، اس کا اعداد و شمار ناممکن ہے، لیکن اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں آئی۔

زمین و آسمان کی تخلیق سے قبل اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔

ترازو کو کسی کے حق میں جھکانے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اس کو وسعت کے ساتھ رزق عطا کرتا ہے اور اس کے لیے روزیوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ جبکہ ترازو کو جھکانے کا معنی یہ ہے کہ اپنی حکمت و دانائی کی روشنی میں کسی کا رزق تنگ کر دیتا ہے۔

اس عظیم حدیث کا یہ تقاضا ہے کہ ہم ایسے عظیم رب کے بندے ہونے پر فخر محسوس کریں، ہر چیز کا مطالبہ اسی سے کریں اور جائز اسباب استعمال کر کے اس کے پاس روزیاں تلاش کریں۔

امورِ کائنات میں صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت کارفرما ہے

(٣)۔ عَنْ قُتَيْلَةَ بِنْتِ صَيْفِي اِمْرَأَةٍ مِنْ جُهَيْنَةَ، قَالَتْ: إِنَّ حِبْراً جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: إِنَّكُمْ تُشْرِكُوْنَ! تَقُوْلُوْنَ: مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ وَتَقُوْلُوْنَ: وَالْكَعْبَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((قُوْلُوْا: مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شِئْتَ وَقُوْلُوْا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ))

(الصحيحة: ١٣٦)

جہینہ قبیلے کی خاتون سیدہ قتیلہ بنت صیفی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ایک یہودی عالم نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا: تم لوگ شرک کرتے ہو، کیونکہ تم کہتے ہو: جو اللہ چاہے اور تم چاہو اور تم کعبہ کی قسم اٹھاتے ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات سن کر فرمایا: ''تم کہا کرو: جو اللہ چاہے اور پھر تم چاہو اور قسم اٹھاتے وقت کہا کرو: ربِّ کعبہ کی قسم۔''

تخريج: أخرجه الطحاوي في "المشكل": ١/ ٣٥٧، والحاكم: ٤/ ٢٩٧، والبيهقي: ٣/ ٢١٦، وأحمد: ٦/ ٣٧١۔ ٣٧٢، والنسائي: ٢/ ١٤٠

(٤)۔ عَنْ قُتَيْلَةَ بِنْتِ صَيْفِي الْجُهَنِيَّةِ، قَالَتْ: أَتَى حِبْرٌ مِنَ الْأَحْبَارِ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ:

حضرت قتیلہ بنت صیفی جہنیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ایک یہودی عالم، رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے

يَامُحَمَّدُ! نِعْمَ الْقَوْمُ أَنْتُمْ لَوْلَا أَنَّكُمْ تُشْرِكُوْنَ! قَالَ: ((سُبْحَانَ اللّٰهِ! وَمَا ذَاكَ؟)) قَالَ تَقُوْلُوْنَ إِذَا حَلَفْتُمْ، وَالْكَعْبَةِ، قَالَتْ: فَأَمْهَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَيْئًا ثُمَّ قَالَ: ((إِنَّهُ قَدْ قَالَ، فَمَنْ حَلَفَ فَلْيَحْلِفْ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ)) قَالَ: يَامُحَمَّدُ! نِعْمَ الْقَوْمُ أَنْتُمْ لَوْلَا أَنَّكُمْ تَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ نِدًّا! قَالَ: ((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَمَاذَاكَ؟)) قَالَ: تَقُوْلُوْنَ مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ قَالَتْ: فَأَمْهَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَيْئًا ثُمَّ قَالَ: ((إِنَّهُ قَدْ قَالَ، فَمَنْ قَالَ: مَاشَاءَ اللّٰهُ فَلْيَقُلْ مَعَهَا: ثُمَّ شِئْتَ.)) (الصحيحة:١١٦٦)

محمد! تم بہترین لوگ ہو، لیکن کاش کہ تم شرک نہ کرتے ہوتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سبحان اللہ! (بڑا تعجب ہے) وہ کیسے؟'' اس نے کہا: جب تم قسم اٹھاتے ہو تو کہتے ہو: کعبہ کی قسم۔ آپ ﷺ نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا: ''اس آدمی نے ایک بات کی ہے، اب جو آدمی بھی قسم اٹھائے وہ کعبہ کے رب کی قسم اٹھائے (نہ کہ کعبہ کی)۔'' اس نے پھر کہا: اے محمد (ﷺ)! تم بڑے اچھے لوگ ہو، لیکن کاش کہ تم اللہ کے لئے اس کا ہمسر نہ ٹھہراتے ہوتے! آپ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ! وہ کیسے؟ اس نے کہا: تم کہتے ہو کہ جو اللہ چاہے اور تم چاہو۔ رسول اللہ ﷺ نے کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا: ''اس آدمی نے ایک بات کی ہے، اگر کوئی آدمی ''ما شاء اللہ'' کہے تو وہ ''ثم شئت'' کہے (یعنی: جو اللہ چاہے اور پھر تم چاہو)۔''

تخريج: أخرجه الطحاوي في "المشكل" ١/ ٩١، وأحمد: ٦/ ٣٧١و ٣٧٢، وابن سعد: ٨/ ٣٠٩، والحاكم: ٤/ ٢٩٧، والنسائي: ٢/ ١٤٠

(٥)۔ عَنِ الطُّفَيْلِ بْنِ سَخْبَرَةَ أَخِي عَائِشَةَ لِأُمِّهَا، قَالَ: أَنَّهُ رَأَى فِيْمَا يُرَى النَّائِمُ كَأَنَّهُ مَرَّ بِرَهْطٍ مِنَ الْيَهُوْدِ فَقَالَ: مَنْ أَنْتُمْ؟ قَالُوْا: نَحْنُ الْيَهُوْدُ قَالَ: إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الْقَوْمُ لَوْلَا أَنَّكُمْ تَزْعُمُوْنَ أَنَّ عُزَيْرًا ابْنُ اللّٰهِ فَقَالَتِ الْيَهُوْدُ: وَأَنْتُمُ الْقَوْمُ لَوْلَا أَنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ: مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ! ثُمَّ مَرَّ بِرَهْطٍ مِنَ النَّصَارٰى، فَقَالَ: مَنْ أَنْتُمْ؟ قَالُوْا: نَحْنُ النَّصَارٰى، فَقَالَ: إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الْقَوْمُ لَوْلَا أَنَّكُمْ

سیدہ عائشہ کے اخیافی بھائی سیدنا طفیل بن سخبرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں خواب میں یہودیوں کے ایک گروہ کے پاس سے گزرا، میں نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انھوں نے کہا: ہم یہودی ہیں۔ میں نے کہا: تم بہترین قوم ہو، کاش! تم حضرت عزیر (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہ قرار دیتے۔ یہودیوں نے کہا: تم بھی بہترین لوگ ہو، کاش! تم یہ نہ کہتے کہ جو اللہ چاہے اور محمد (ﷺ) چاہے۔ پھر میں عیسائی گروہ کے پاس سے گزرا۔ میں نے ان سے پوچھا: تم کون ہو؟ انھوں نے کہا: ہم نصرانی ہیں۔ میں نے کہا: تم بڑے اچھے لوگ ہو، کاش! تم حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہ قرار دیتے۔

تَـقُـوْلُـوْنَ: الْـمَسِـيْـحُ ابْنُ اللّـهِ، قَالُوْا: وَإِنَّـكُـمْ أَنْتُمُ الْقَوْمُ لَـوْلَا أَنَّـكُمْ تَقُوْلُوْنَ: مَـاشَاءَ اللّٰهُ وَمَا شَاءَ مُـحَمَّدٌ! فَلَمَّا أَصْبَحَ اَخْبَـرَ بِهَـا مَـنْ أَخْبَرَ، ثُمَّ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَـأَخْبَـرَهُ فَـقَـالَ: هَلْ أَخْبَرْتَ بِهَا أَحَداً؟ قَالَ: نَعَمْ فَلَمَّا صَلُّوْا خَطَبَهُمْ فَحَمِدَاللّٰهَ وَأَثْـنٰـى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: ((إِنَّ طُفَيْلاً رَأٰى رُؤْيـاً فَأَخْبَرَ بِهَا مَنْ أَخْبَرَمِنْكُمْ، وَإِنَّكُمْ كُـنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ كَلِمَةً كَانَ يَمْنَعُنِي الْحَيَاءُ مِـنْـكُمْ أَنْ أَنْهَاكُمْ عَنْهَا، قَالَ: لَاتَقُوْلُوْا: مَاشَاءَ اللّٰهُ وَمَا شَاءَ مُحَمَّدٌ.))

(الصحيحة:١٣٨)

انھوں نے کہا: تم بھی بہترین لوگ ہو، کاش! تم یہ نہ کہتے کہ جو اللہ چاہے اور محمد (علیہ السلام) چاہے۔ جب صبح ہوئی تو میں نے بعض لوگوں کو یہ خواب سنایا اور پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس چلا گیا اور آپ کو بیان کیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تم نے یہ خواب کسی سنایا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ جب لوگوں نے نماز ادا کر لی تو آپ ﷺ نے انھیں خطبہ دیا، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا: ''طفیل نے ایک خواب دیکھا ہے اور تم میں سے بعض لوگوں کو بتا بھی دیا ہے۔ تم لوگ ایک کلمہ کہتے تھے، بس حیا آڑے آتی رہی اور میں تمھیں منع نہ کر سکا۔ (اب کے بعد) ایسے نہ کہا کرو کہ جو اللہ چاہے اور محمد (ﷺ) چاہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٧٢

(٦)۔ عَـنِ ابْـنِ عَبَّـاسٍ قَـالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى الـنَّـبِـيِّ فَـرَاجَـعَـهُ فِي بَعْضِ الْكَلَامِ، فَقَالَ: مَـاشَـاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَجَـعَلْتَنِيْ مَعَ اللّٰهِ عَدْلاً (وَفِي لَفْظٍ: نِدًّا)؟ لَا، بَلْ مَاشَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ.))

(الصحيحة: ١٣٩)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، آپ سے کوئی بحث و مباحثہ کیا اور کہا: جو اللہ تعالیٰ چاہیں اور آپ چاہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تو نے مجھے اللہ تعالیٰ کا ہمسر بنا دیا ہے! ایسے نہیں (کہنا چاہئے)، بلکہ یوں کہا جائے کہ جو صرف اللہ تعالیٰ چاہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٧٨٣، وابن ماجه: ٢١١٧، والطحاوي في "المشكل": ١/ ٩٠، والبيهقي: ٣/ ٢١٧، وأحمد: ١/ ٢١٤ و٢٢٤ و٢٨٣ و٣٤٧، والطبراني في "الكبير": ٣/ ١٨٦/ ١، وأبونعيم في "الحلية": ٤/ ٩٩، والخطيب في "التاريخ": ٨/ ١٠٥، وابن عساكر: ١٢/ ٧/ ٢

(٧)۔ عَـنِ ابْـنِ عَبَّـاسٍ، قَـالَ: قَـالَ رَسُوْلُ الـلّٰـهِ ﷺ: ((إِذَا حَـلَفَ أَحَـدُكُـمْ فَلَا يَـقُلْ: مَـاشَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ، وَلٰكِنْ لِيَقُلْ مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شِئْتَ.)) (الصحيحة: ١٠٩٣)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی آدمی قسم اٹھائے تو یہ نہ کہے کہ ''مَـاشَـاءَ الـلّٰـهُ وَشِئْتَ'' (جو اللہ اور آپ چاہیں)، بلکہ اس طرح کہا کرے: ''مَـاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شِئْتَ'' (جو اللہ تعالیٰ چاہے اور پھر تم چاہو)۔

تخریج: أخرجه ابن ماجه: ۱/ ٦٥٠، ورواه الامام احمد فی "مسنده"

فوائد: ..... کائنات وسیع و عریض انتظام وانصرام پر مشتمل ہے، اس کی وسعت انسانی عقلوں سے ماورا ہے۔ اس کائنات کا پورے نظم ونسق میں اللہ تعالی کی منشا و مرضی کارفرما ہے۔ خوشحالی کا معاملہ ہو یا بدحالی کا، عنایت رزق کا معاملہ ہو یا تنگیٔ رزق کا، فتح کا معاملہ ہو یا شکست کا، کامیابی کا معاملہ ہو یا ناکامی کا، حیات کا معاملہ ہو یا موت کا، بچپنے میں فوت ہو جانے کا معاملہ ہو یا ادھیڑ عمر تک زندہ رہنے کا، خوبصورتی کا معاملہ ہو یا بدصورتی کا، طلوع آفتاب کا معاملہ ہو یا کسوفِ شمس کا، جنت کا معاملہ ہو یا جہنم کا، غرضیکہ کائنات کے تمام معاملات کو سرانجام دینے میں اسی ایک اللہ کا حکم چلتا ہے، اسی کی سنی جاتی ہے۔ اگر سید الاولین والآخرین محمد رسول اللہ ﷺ کی منشا اللہ تعالی کی چاہت کے تابع ہے تو اور کون ہے کسی مائی کا لال، جو اُس کی چاہت کے سامنے اپنی مرضی کا لوہا منوا سکے۔

ہمیں اپنے جملوں کی تصحیح کرنی چاہیے اور کسی کے احسانات کا تذکرہ کرتے وقت محسنِ عظیم اللہ تعالی کی عظیم ذات سے غفلت نہیں برتنی چاہیے۔

اللہ تعالی کی رحمت اور غضب کی وسعت اور ان کے تقاضے

(٨)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعاً: ((لَوْتَعْلَمُوْنَ قَدْرَ رَحْمَةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ لَاتَّكِلْتُمْ وَمَاعَمِلْتُمْ مِنْ عَمَلٍ، وَلَوْعَلِمْتُمْ قَدْرَ غَضَبِهٖ مَانَفَعَكُمْ شَيْءٌ.)) (الصحيحة:٢١٦٧)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تمھیں اللہ تعالی کی رحمت (کی وسعت) کا اندازہ ہو جائے تو تم توکل (کر کے بیٹھ جاؤ اور) کوئی عمل نہ کرو اور اگر تمھیں اس کے غضب کا اندازہ ہو جائے تو (تم یہ سمجھ لو کہ) تمھیں کوئی عمل نفع نہیں دے گا۔''

تخریج: رواه ابن أبی الدنیا فی "حسن الظن":۲/ ۱۹۳/ ۱، والبزار

فوائد: ..... جہاں مومن کو اللہ تعالی کی رحمت کی امید ہوتی ہے، وہاں اسے اللہ تعالی کے غضب سے ڈرنا بھی چاہیے، اللہ تعالی نے اس مضمون کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۝﴾ (سورۂ سجدہ: ١٦) یعنی: ''ان کی کروٹیں بستروں سے الگ رہتی ہیں (یعنی رات کو نوافل کا اہتمام کرتے ہیں) اور اپنے ربّ کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دے رکھا ہے، وہ خرچ کرتے ہیں۔''

یعنی مومن لوگ اللہ کی رحمت اور فضل و کرم کی امید بھی رکھتے ہیں اور اس کے عتاب و عقاب اور مواخذہ و عذاب سے ڈرتے بھی ہیں۔ محض امید ہی نہیں کہ عمل سے بے پرواہ ہو جائیں، جیسے بے عمل اور بدعمل لوگوں کا رویہ ہے اور نہ عذاب کا اتنا خوف طاری کر لیتے ہیں کہ اس کی رحمت سے مایوس ہو جائیں۔

اس حدیث مبارکہ میں ان عمل خوروں کا ردّ ہے، جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کا سہارا لے کر اعمالِ صالحہ کے گراف میں کمی کرتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات میں نہیں، اس کے انعامات میں غور وفکر کرنا

(۹)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعاً: ((تَفَكَّرُوْا فِي آلاءِ اللّٰهِ، وَلَاتَفَكَّرُوْا فِيْ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ.)) (الصحيحة: ١٧٨٨)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور وفکر کرو اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور وفکر مت کرو۔''

تخريج: رواه الطبراني في "الأوسط": ٦٤٥٦، واللالكائي في "السنة": ١/ ١١٩/ ١۔ ٢، والبيهقي في "الشعب": ١/ ٧٥۔ هند

فوائد :......اگر کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کا صرف ایک حل ہے کہ اس کی مخلوقات میں غور وفکر کر کے اس کی ذات وصفات کی عظمتوں کا اندازہ لگا لے، مثلاً آسمان، سورج، چاند، ستارے، سیارے اور زمین جیسی بڑی بڑی مخلوقات بغیر کسی سہارے کے کھڑی ہیں، ان میں سے ہر ایک کے ارد گرد خلا ہے، سمندروں اور ان کی لہروں کو مدنظر رکھیں، زمین میں نوع بنوع خزانوں پر نظر دوڑائیں، آسمانوں سے برستی ہوئے بارش پر غور کریں، قسما قسم کے حیوانات، نباتات اور چرند پرند کو دیکھیں۔ بالآخر کہنا پڑے گا کہ جس ذات کی مخلوق کا یہ عالم ہے، وہ خود کتنی عظیم ہوگی۔ ہم تو اس کی مخلوق کے حقائق کو نہیں سمجھ سکتے، اُس کی ذات کو کیسے پرکھیں گے؟ جو بندہ چاند سے اوپر نہیں جا سکتا ہے، وہ ساتوں آسمانوں سے اوپر عرشِ معلّٰی پر جلوہ افروز ذات کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی ذات اتنی عظیم سے عظیم تر ہے کہ اس کی عظمتوں کا اندازہ لگانا کسی انسان کے بس کی بات ہی نہیں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝﴾ (سورۂ آل عمران: ۱۹۰، ۱۹۱)

''آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ جو اللہ کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا، تو پاک ہے، پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے۔''

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ زمین و آسمان کی تخلیق اور کائنات کے دیگر اسرار و رموز پر غور کرتے ہیں، انہیں کائنات کے خالق اور اس کے اصل فرمانروا کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور وہ سمجھ جاتے ہیں کہ اتنی طویل و عریض

کائنات کے اس ترتیب شدہ نظام کے پیچھے ایک ذات ہے، جو اسے چلا رہی ہے اور اس کی تدبیر کر رہی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

اس حدیث کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ذات، اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ علیا کو من وعن تسلیم کریں اور ان کی کیفیت کے بارے میں اپنے دماغ کو مت کھپائیں۔ اتنا جان لینا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے، اس کی ایک ذات ہے، اس کے ہاتھ ہیں، وہ ہنستا ہے، وہ ناراض ہوتا ہے، وہ سنتا ہے، دیکھتا ہے .... علی ہذا القیاس۔ لیکن ان امور میں سے کسی کے بارے میں یہ سوال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اور اس کی فلاں صفت یا کیفیت کیسے ہے۔

اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی شہادت دینے کی فضیلت

(۱۰)۔ عَنْ عُمَرَ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ فِي غَزَاةٍ فَقُلْنَا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ الْعَدُوَّ قَدْ حَضَرَ وَهُمْ شِبَاعٌ، وَالنَّاسُ جِيَاعٌ؟ فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ: أَلَا نَنْحَرُ نَوَاضِحَنَا فَنُطْعِمَهَا النَّاسَ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلُ طَعَامٍ، فَلْيَجِئْ بِهِ.)) فَجَعَلَ يَجِيْءُ بِالْمُدِّ وَالصَّاعِ وَأَكْثَرَ وَأَقَلَّ فَكَانَ جَمِيْعُ مَا فِي الْجَيْشِ بِضْعاً وَعِشْرِيْنَ صَاعاً، فَجَلَسَ النَّبِيُّ إِلٰى جَنْبِهِ، وَدَعَا بِالْبَرَكَةِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((خُذُوْا وَلَا تَنْتَهِبُوْا.)) فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَأْخُذُ فِي جِرَابِهِ وَفِي غِرَارَتِهِ، وَأَخَذُوْا فِي أَوْعِيَتِهِمْ، حَتّٰى إِنَّ الرَّجُلَ لَيَرْبِطُ كُمَّ قَمِيْصِهِ فَيَمْلَأُهُ فَفَرَغُوْا وَالطَّعَامُ كَمَا هُوَ! ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ لَا يَأْتِي بِهِمَا عَبْدٌ مُحِقٌّ إِلَّا وَقَاهُ اللّٰهُ حَرَّ النَّارِ.)) (الصحيحة:٣٢٢١)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم ایک غزوے میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے۔ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! دشمن شکم سیر ہو کر پہنچ چکا ہے اور ہم بھوکے ہیں (کیا بنے گا)؟ انصار نے کہا: کیا ہم اونٹ ذبح کر کے لوگوں کو کھلا نہ دیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس کے پاس زائد کھانا ہے، وہ لے آئے۔“ کوئی ایک مد لے کر آیا تو کوئی ایک صاع اور کوئی زیادہ لے کر آیا تو کوئی کم۔ پورے لشکر میں سے چوبیس صاع (تقریباً پچاس کلوگرام) جمع ہوئے۔ نبی کریم ﷺ اس ڈھیر کے ساتھ بیٹھ گئے، برکت کی دعا کی، پھر فرمایا: ”لینا شروع کر دو اور لوٹو مت۔“ لوگوں نے اپنے اپنے تھیلے، بوریاں اور برتن بھر لئے، حتی کہ بعض افراد نے اپنی آستینیں باندھ کر ان کو بھی بھر لیا، وہ سب فارغ ہو گئے اور اناج ویسے کا ویسا ہی پڑا رہا۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”میں یہ شہادت دیتا ہوں کہ اللہ ہی معبودِ برحق ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ جو بندہ حق کے ساتھ یہ دو (گواہیاں) لے کر آئے گا، اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی حرارت سے بچائے گا۔“

تخريج: أخرجه أبويعلي في "مسنده": ١/ ١٩٩۔ ٢٠٠/ ٢٣٠۔ والسياق لہ، والبزار: ١/ ١٣/ ١١

فوائد: ..... "لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ" کلمۂ توحید ہے، جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ معبودِ برحق ہے، وہ اس لائق ہے کہ محض اس کی پرستش کی جائے، ما سوائے اللہ کے تمام قسم کے معبود، معبودانِ باطلہ ہیں، ایمان کے بیشمار شعبوں میں "لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ" کو سب سے زیادہ بلند مقام حاصل ہے، کیونکہ یہی ذکر ہے جس کا اقرار کرنے سے دائرۂ اسلام میں داخلہ نصیب ہوتا ہے اور جس کے انکار سے ارتداد و کفر کی صف میں کھڑا ہونا پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی ذات و صفات کو من و عن تسلیم کیا جائے اور صفات کے تقاضوں پر یقینِ کامل رکھا جائے، بطورِ مثال رزق دینا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور رزق کے لئے جائز اسباب و ذرائع استعمال کرنے کا حکم بھی اللہ تعالیٰ نے ہی دیا ہے، اب جو انسان حرام وسائل کے ذریعے رزق اکٹھا کرتا ہے یا حلال اسباب استعمال کرنے کے بعد کمی کے ڈر سے صدقہ نہیں کرتا یا نماز کے وقت دوکان بند کر کے نماز نہیں پڑھتا، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رزّاق ہونے کا تقاضا پورا نہیں کر رہا، اور اسے اللہ تعالیٰ کی صفت "رزق دینا" پر مکمل اعتماد نہیں ہے، ایمان و ایقان صرف خیالی پلاؤ کا نام نہیں بلکہ اس کا اعمال کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

تمام آیات و احادیث کی روشنی میں حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کی شہادت دینے کا مفہوم یہ ہوگا کہ آپ ﷺ خاتم النبیین اور خاتم الرسل ہیں، صاحبِ قرآن ہیں، دینی معاملات میں آپ ﷺ کے اقوال و افعال حجت ہیں، اختلافی معاملات اور متنازعہ امور میں آپ ﷺ کو حتمی حاکم اور ثالث سمجھا جائے اور آپ سے پہلے نبوت و رسالت کے منصب پر فائز ہونے والے انبیاء و رسل کو برحق سمجھا جائے اور یہ کہ ان تمام کی شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں۔

حدیثِ مبارکہ کے پہلے حصے میں آپ ﷺ کے ایک معجزے کا ذکر ہے، جو آپ ﷺ کی رسالت کی علامت اور دلیل ہے، یہی وجہ ہے کہ اس معجزہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی رسالت کی شہادت کی فضیلت بیان کی۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((أَكْثِرُوْا مِنْ شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ قَبْلَ أَنْ يُّحَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهَا وَلَقِّنُوْهَا مَوْتَاكُمْ .)) (صحيحه:٤٦٧) ..... "اللہ تعالیٰ کے معبودِ برحق ہونے کی گواہی کثرت سے دیتے رہا کرو، قبل اس کے کہ تمھارے اور اس کے مابین کوئی رکاٹ حائل ہو جائے اور قریب المرگ لوگوں کو اس کی تلقین کیا کرو۔"

اس حدیثِ مبارکہ میں "اَشْهَدُ لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰـهُ" کا زندگی میں کثرت سے ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ مسلماں اس ذکر کے عظیم ثواب سے محروم نہ رہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ معلوم نہیں کہ آیا موت کے وقت اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی شہادت کا موقع ملے گا یا نہیں، اس لیے موت سے پہلے ہی آخرت کی مکمل تیاری کر لینی چاہیے۔ قارئین کرام! آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض افراد حادثات اور بعض بیماریوں کی وجہ سے اچانک لقمۂ اجل بن جاتے ہیں اور بعض افراد ہمارے سامنے مر رہے ہوتے ہیں، لیکن وہ اس کلمے کا ورد نہیں کر سکتے۔ سچ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ایسے مراحل عبور کرنے سے پہلے ہی توشۂ آخرت تیار کر لینا چاہیے، حدیث کے دوسرے حصے میں قریب المرگ آدمی کو کلمۂ

توحید کی تلقین کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

نیز اس حدیثِ مبارکہ سے یہ ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے معجزات سے اللہ تعالی پر اور آپ پر اعتقاد میں رسوخ پیدا ہوتا ہے۔

مد اور صاع پیمانے ہیں، صاع کا وزن تقریباً دو کلو سو گرام ہوتا ہے اور مد، صاع کا چوتھا حصہ ہوتا ہے۔

(۱۱)۔ عَنْ يُوْسُفَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ نَسِيْرُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ سَمِعَ رَجُلاً فِي الْوَادِي يَقُوْلُ: أَشْهَدُ أَن لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((وَأَنَا أَشْهَدُ وَأَشْهَدُ أَن لَّا يَشْهَدَ بِهَا أَحَدٌ إِلَّا بَرِئَ مِنَ الشِّرْكِ۔)) يَعْنِي: الشَّهَادَتَيْنِ۔ وَاللَّفْظُ لِلنَّسَائِي وَزَادَ الطَّبَرَانِيُّ فِي أَوَّلِهِ: …… إِذَا سَمِعَ الْقَوْمَ وَهُمْ يَقُوْلُوْنَ: أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ، وَجِهَادٌ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَحَجٌّ مَبْرُوْرٌ، ثُمَّ سَمِعَ……)) الْحَدِيث۔ (الصحيحة:٢٨٩٧)

یوسف بن عبد اللہ بن سلام اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہے تھے، آپ نے ایک وادی سے ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ہی معبودِ برحق ہے اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اور میں بھی گواہی دیتا ہوں، مزید میں یہ شہادت بھی دیتا ہوں کہ جو آدمی ایسی گواہی دے گا وہ شرک سے بری ہو جائے گا۔'' آپ ﷺ کی مراد دو شہادتیں (توحید و رسالت) ہیں۔ یہ امام نسائی کے الفاظ ہیں اور امام طبرانی نے روایت کے شروع میں یہ اضافہ کیا ہے: (انھوں نے سنا کہ لوگ پوچھ رہے تھے: اے اللہ کے رسول! کون سے اعمال افضل ہیں؟ رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ اور رسول پر ایمان لانا، اللہ کے راستے میں جہاد کرنا اور حج مبرور کرنا، پھر سنا……

تخريج: أخرجه النسائي في"عمل اليوم الليلة": ١٥٥/ ٣٩، والطبراني في"الأوسط": ٢/ ٢٦٦/ ٢/ ٩٠٥٩، وسعيد بن منصور في "سننه": ٣/ ٢/ ١٤١/ ٢٣٣٨، واحمد وابن عبد الله: ٥/ ٤٥١

فوائد :…… شرک جنت سے محروم کرنے والا اور ہمیشہ کے لیے جہنم میں داخل کر دینے والا سب سے بڑا گناہ ہے. لیکن جو آدمی دل کے صدق و یقین کے ساتھ یہ کلمہ پڑھتا ہے، وہ شرک سے بری ہو جاتا ہے:

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

ذہن نشین رہنا چاہیے کہ جو آدمی یہ کلمہ پڑھنے کے باوجود شرکیہ اعمال سے باز نہیں آتا، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے یہ کلمہ صدقِ دل سے نہیں، بلکہ سرسری طور پر پڑھا ہے اور وہ اس کے تقاضے پورے نہیں کر رہا۔ ایسی صورتحال میں یہ کلمہ پڑھنے والے کو کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

حج مبرور سے مراد وہ حج ہے جس میں کسی معصیت کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

(١٢)۔ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ مَرْفُوعاً: ((مَا مِنْ نَفْسٍ تَمُوْتُ وَهِيَ تَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ، يَرْجِعُ ذٰلِكَ إِلٰى قَلْبِ مُوْقِنٍ ، إِلَّا غَفَرَ اللّٰهُ لَهَا .)) (الصحيحة:٢٢٧٨)

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو انسان اس حال میں مرتا ہے کہ وہ یقین کرنے والے دل سے گواہی دیتا ہو کہ اللہ ہی معبودِ برحق ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں، اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتے ہیں۔''

تخريج: أخرجه ابن ماجه:٢/ ٤١٩ ، وابن حبان:٥ ، وأحمد:٥/ ٢٢٩ ، والحميدي:٣٧٠ ، والنسائي في "اليوم والليلة": ١١٣٦ ـ ١١٣٩

فوائد:...... جو آدمی درج ذیل کلمہ یقینِ دل سے ادا کرے گا، اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔
أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

اس مبارک کلمے کی ان ہی برکات کی وجہ سے آپ ﷺ نے زندگی میں کثرت کے ساتھ اس کا ذکر کرنے کی تلقین کی ہے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((أَكْثِرُوْا مِنْ شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ قَبْلَ أَنْ يُّحَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهَا وَلَقِّنُوْهَا مَوْتَاكُمْ .)) (صحيحه:٤٦٧)...... ''اللہ تعالیٰ کے معبودِ برحق ہونے کی گواہی کثرت سے دیتے رہا کرو، قبل اس کے کہ تمھارے اور اس کے مابین کوئی رکاوٹ حائل ہو جائے اور قریب المرگ لوگوں کو اس کی تلقین کیا کرو۔''

پانچ امور کا تعلق اللہ تعالیٰ کے علم غیب سے ہے

(١٣)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي بُرَيْدَةَ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((خَمْسٌ لَايَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ: ﴿إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ (لُقْمَانُ:٣٤) .) (الصحيحة:٢٩١٤)

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''پانچ چیزیں ہیں، انھیں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے: ''بیشک اللہ تعالیٰ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، وہی بارش نازل فرماتا اور جو کچھ ماں کے پیٹ میں ہے اسے وہی جانتا ہے، کوئی بھی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کچھ کرے گا، نہ کسی کو یہ معلوم ہو کہ کس زمین میں مرے گا۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہی پورے علم والا ہے اور صحیح خبروں والا ہے۔'' (سورۂ لقمان: ۳۴)''

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٣٥٣ ، والبزار:٣/ ٦٥/ ٢٢٤٩

فوائد: ..... اللہ تعالی نے انسان کو حصولِ علم کے لیے درج ذیل پانچ اسباب عطا کیے ہیں:

☆ دیکھنا، سونگنا، چکھنا، سننا، چھونا۔

☆ ان پانچ ذرائع کو حواس خمسہ کہتے ہیں، آدمی جو علم ان حواس خمسہ کے ذریعے حاصل کرتا ہے، اسے علم غیب نہیں کہتے۔ علم غیب وہ ہے جو ان پانچ اسباب کے ذریعے حاصل نہ ہو سکے۔

☆ غیب کی جزئیات وکلیات کا علم صرف اللہ تعالی کو ہے، اس معاملے میں کوئی نبی اور ولی، اللہ تعالی کا ساجھی نہیں ہے اور نہ اللہ تعالی نے کسی کو یہ صلاحیت دی ہے۔ اس آیت میں صرف پانچ اہم امور کا ذکر ہے۔

☆ آجکل کہا جاتا ہے کہ بارش کے نزول کا وقت اور ماں کے رحم میں موجود جنس کا تعین کر لیا جاتا ہے؟

قارئین کرام! اگر علم غیب کی تعریف پر غور کیا جائے تو سرے سے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ بعض آلات کے ذریعے بعض علامتوں کو دیکھ کر بارش کے نزول یا رحم مادر میں موجود جنسیت کا ناقص سا اندازہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ علم غیب کی صورت تو یہ ہے کہ کوئی آلہ استعمال کیے یا نبض دیکھے بغیر کسی عورت کے بارے میں یہ بتلا دیا جائے کہ اس کو فلاں فلاں وقت میں، فلاں فلاں مقام پر یکے بعد دیگرے اتنے بچے پیدا ہوں گے، ان کی شکل وصورت اس قسم کی ہو گی، ان کے یہ نام رکھے جائیں گے، وہ خوش بخت ہوں یا سعادت مند، ان کا رنگ اس قسم کا ہو گا، وہ ناقص ہوں گے یا کامل، وہ اتنی اتنی عمر پائیں گے، وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ صلاحیت اللہ تعالی کے علاوہ کسی میں نہیں ہے۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ محکمۂ موسمیات کے اعلانات اور پیشین گوئیاں بعض دفعہ غلط ثابت ہوتی ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ وہ بھی اعلان کرتے وقت کسی چھوٹے اور مخصوص خطے کا تعین نہیں کرتے، بلکہ ڈویژن جیسے بڑے سے خطے کا تعین کر کے اس میں بارش کے ہونے یا نہ ہونے کے امکان کی خبر دیتے ہیں، حتمی اور قطعی بات کا دعوی نہیں کرتے۔

دراصل بات یہ ہے کہ صدیوں سے اللہ تعالی کا یہ نظام باندازِ احسن جاری وساری ہے، اسی نظام کے بعض آثار اور علامتوں کو دیکھ کر اور ماضی میں ان علامتوں کے نتائج کو سامنے رکھ کر یہ تخمینہ تو لگایا جا سکتا ہے کہ اگلے بارہ یا چوبیس گھنٹوں میں یہ کچھ ہونا یا نہ ہونا ممکن نظر آ رہا ہے۔

یہ تخمینے، تجربات اور مشاہدات کا حصہ ہیں۔ اس تخمینے کی حیثیت ایسے ہی ہے جیسے دیہاتوں میں بسنے والے لوگ موسم کی کیفیت دیکھ کر یہ اندازہ کر لیتے ہیں کہ آج بارش کا نزول ہو گا، کیونکہ ان کا تجربہ ہوتا ہے کہ ماضی میں اس قسم کی کیفیت کے بعد اکثر بارش آ جاتی ہے، لیکن ہوتا کیا ہے کہ کبھی ان کے اندازے کے مطابق بارش ہو جاتی ہے، کبھی آندھیاں اور طوفان چل پڑتے ہیں، کبھی خشک ہوائیں چلنے لگتی ہیں اور کبھی بارش برسائے بغیر بادل آگے کو گزر جاتے ہیں۔

رہا مسئلہ اللہ تعالی کا، تو ابھی تک پانی بخارات کی شکل اختیار کرتا ہے کہ اللہ تعالی کو اس کے ایک ایک قطرے کا علم ہوتا ہے کہ وہ کہاں گرے، اس کی کمیت کیا ہو گی اور وہ نقصان دہ ہو گا یا نفع بخش، وغیرہ۔

توحید اور اس کے تقاضے

(١٤)۔ عَنْ أَبِي شُرَيْحِ الْخُزَاعِيِّ قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: ((أَبْشِرُوْا أَبْشِرُوْا، أَلَيْسَ تَشْهَدُوْنَ أَنْ لَاۤ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ؟)) قَالُوْا: نَعَمْ قَالَ: ((فَإِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ سَبَبٌ طَرَفُهُ بِيَدِ اللّٰهِ وَطَرَفُهُ بِأَيْدِيْكُمْ، فَتَمَسَّكُوْا بِهِ، فَإِنَّكُمْ لَنْ تَضِلُّوْا وَلَنْ تَهْلِكُوْا بَعْدَهُ أَبَداً.))

(الصحيحة:٧١٣)

حضرت ابو شریح خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''خوش ہو جاؤ، خوش ہو جاؤ، کیا تم لوگ یہ شہادت نہیں دیتے کہ اللہ ہی معبودِ برحق ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں؟'' صحابہ نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ قرآن ایک رسی ہے، اس کا ایک کنارہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا کنارہ تمھارے ہاتھ میں ہے، اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھو، کیونکہ اس کے بعد تم ہرگز نہ گمراہ ہو سکتے ہو اور نہ ہلاک۔''

تخريج: رواه عبد بن حميدفي "المنتخب المسند": ٥٨/ ١، وابن ابى شيبة فى "المصنف": ١٢/ ١٦٥، وعنه ابن حبان فى "صحيحه": ١٧٩٢ - موارد، والطبرانى فى "المعجم الكبير": ٢٢/ ١٨٨/ ٤٩١

فوائد: ......قابل غور بات ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالی کی الوہیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت و نبوت کی گواہی دیتے تھے۔ جب انھوں نے آپ ﷺ کے سوال کا مثبت انداز میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے ان کو قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ توحید کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کے دوسرے تمام احکام کو عملی جامہ پہنایا جائے۔

توحید کی برکتیں

اس باب کی احادیث کا مطالعہ کرنے سے پہلے یہ نقطہ سمجھنا ضروری ہے کہ فعل پر حکم لگانا اور فاعل پر حکم لگانا دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ مثلاً ''توحید کی وجہ سے گناہوں کا بخش دیا جانا'' ایک فعل ہے، جو کہ برحق ہے۔

لیکن جو آدمی بظاہر توحید پرست ہے اور اس میں شرک کی کوئی علامت نہیں پائی جاتی، کیا اس کے بارے میں تعیین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے سارے گناہ بخش دیے گئے ہیں؟ جواباً عرض ہے کہ معین طور پر اسے یہ خوشخبری نہیں سنائی جا سکتی، کیونکہ وہ فاعل ہے اور فاعل کا معاملہ اللہ تعالی کے سپرد کر دیا جاتا ہے کہ آیا اللہ تعالی کے ہاں اس کا عمل قبول ہوا ہے یا نہیں؟ یا وہ اس اجر کا مستحق ہے یا نہیں؟

اس کی ایک اور مثال یوں سمجھیں کہ وضو کرنا اور اس کے بعد ''اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ ......'' والی دعا پڑھنا ایک عمل ہے، ایک حدیث میں اس عمل کی بنا پر جنت کے آٹھوں دروازے کھل جانے کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ لیکن کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ فلاں آدمی نے وضو کر کے یہ دعا پڑھی ہے، اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جائیں گے؟ یقیناً

نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ فاعل کا معاملہ غیب سے متعلقہ ہے کہ آیا اس کا عمل قبول ہوا ہے یا نہیں؟ یا وہ اس کا اجر مستحق قرار پاتا ہے یا نہیں؟ اس چیز کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

لہٰذا درج ذیل احادیث کا تقاضا یہ ہے کہ ہم توحید کو اپنائیں، صدقِ دل سے کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت پڑھا کریں اور اللہ تعالیٰ سے ان کے اجر وثواب کی امید رکھیں۔ ان کا یہ مفہوم نہیں کہ ہم کلمہ پڑھنے پر اپنے آپ کو جنت کا مستحق سمجھنے لگ جائیں اور نیکیاں کرنا ترک کر دیں۔

نبی کریم ﷺ نے یہ احادیث بیان کیں اور صحابہ کرام نے سنیں، وہ سب ہستیاں ان احادیث کے باوجود عملی میدان میں بہت آگے تھیں۔

(۱۵)۔ عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: حَدَّثَنَا الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ فِيْمَا يَرْوِيْهِ عَنْ رَبِّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى أَنَّهُ قَالَ: ((الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا أَوْ أَزِيْدُ وَالسَّيِّئَةُ وَاحِدَةٌ أَوْ أَغْفِرُهَا، وَلَوْ لَقِيْتَنِي بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطَايَا مَالَمْ تُشْرِكْ بِيْ، لَقِيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً.)) (الصحيحة:١٢٨)

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمیں صادق و مصدوق (حضرت محمد ﷺ) نے اپنے رب سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''نیکی کا بدلہ دس گنا یا اس سے بھی زیادہ عطا کرتا ہوں اور برائی کا بدلہ ایک گنا دوں گا یا اسے بھی معاف کر دوں گا۔ (اے میرے بندے!) اگر تو زمین کے لگ بھگ گناہ لے کر مجھے ملے، تو میں تجھے اتنی ہی بخشش عطا کر دوں گا، بشرطیکہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو۔''

تخريج: رواه الحاكم: ٤/ ٢٤١، وأحمد: ٥/ ١٠٨، وابن حبان: ١/ ٢٢٥/ ٢٢٦، وهو عند مسلم (٨/ ٦٧) بأتم منه۔

(۱۶)۔ عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مَنْ عَمِلَ حَسَنَةً فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا أَوْ أَزِيْدُ، وَمَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَجَزَاءُ هَا مِثْلُهَا أَوْ أَغْفِرُ، وَمَنْ عَمِلَ قُرَابَ الْأَرْضِ خَطِيْئَةً، ثُمَّ لَقِيَنِيْ لَايُشْرِكُ بِيْ شَيْئًا جَعَلْتُ لَهُ مِثْلَهَا مَغْفِرَةً، وَمَنِ اقْتَرَبَ إِلَيَّ شِبْرًا اِقْتَرَبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَمَنِ اقْتَرَبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا اِقْتَرَبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا، وَمَنْ أَتَانِيْ يَمْشِيْ أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً.)) (الصحيحة:٥٨١)

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: جس نے ایک نیکی کی، اسے دس گنا یا اس سے بھی زیادہ اجر وثواب عطا کروں گا اور جس نے ایک برائی کی تو ایک برائی کا ہی بدلہ دوں گا یا وہ بھی معاف کر دوں گا۔ جو زمین کے لگ بھگ گناہ کرنے کے بعد مجھے اس حالت میں ملے کہ اس نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا رکھا ہو تو میں اسے اتنی ہی مغفرت عطا کر دوں گا۔ جو ایک بالشت میرے قریب ہو گا میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوں گا، جو ایک ہاتھ میرے قریب ہو گا میں دو ہاتھوں کے پھیلاؤ کے بقدر اس کے قریب ہوں گا اور جو میری

طرف چل کر آئے گا میں اس کی طرف لپک کر جاؤں گا۔"

تخريج: أخرجه مسلم: ٨/ ٦٧، وابن ماجه: ٣٨٢١، وأحمد: ٥/ ٥٣، ١٦٩، واللفظ له، والطيالسي: ٦٢/ ٤٦٤

(١٧)۔ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا لَمْ يَتَنَدَّ بِدَمٍ حَرَامٍ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔)) (الصحيحة: ٢٩٢٣)

سیدنا عقبہ بنا عامر جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو اللہ تعالی کو اس حال میں ملے کہ اس نے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو اور نہ کسی کو ناحق قتل کیا ہو، وہ جنت میں داخل ہوگا۔"

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ١٥٢، ورواه ابن أبي شيبة في "مسنده" كما في "زوائد ابن ماجه": ق١٦٢/ ٢ للبوصيري، وابن ماجه: ٢٦١٨، والحاكم: ٤/ ٣٥١

(١٨)۔ عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ، عَنْ أَبِيْهِ طَارِقِ بْنِ أَشْيَمَ مَرْفُوْعاً: ((مَنْ وَحَّدَ اللّٰهَ تَعَالٰى وَكَفَرَ بِمَا يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِهٖ، حَرُمَ مَالُهُ وَدَمُهُ، وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ۔)) (الصحيحة: ٤٢٨)

ابو مالک اشجعی اپنے باپ سیدنا طارق بن اشیم رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے اللہ تعالی کو یکتا و یگانہ قرار دیا اور اس کے علاوہ (سب معبودانِ باطلہ) کا انکار کر دیا، تو اس کا مال اور خون حرمت والا قرار پائے گا اور اس کا حساب اللہ تعالی پر ہوگا۔"

تخريج: أخرجه مسلم: ١/ ٤٠، وابن حبان: ١/ ١٩٧/ ١٧١، وأحمد: ٣/ ٤٧٢، ٦/ ٣٩٤، ٣٩٥

(١٩)۔ عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: خَرَجْتُ لَيْلَةً مِنَ اللَّيَالِيْ، فَإِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ يَمْشِي وَحْدَهُ لَيْسَ مَعَهُ إِنْسَانٌ قَالَ: فَظَنَنْتُ أَنَّهُ يَكْرَهُ أَنْ يَمْشِيَ مَعَهُ أَحَدٌ، قَالَ فَجَعَلْتُ أَمْشِيْ فِي ظِلِّ الْقَمَرِ، قَالَ: فَالْتَفَتَ فَرَآنِي، فَقَالَ: ((مَنْ هٰذَا؟)) فَقُلْتُ: أَبُوْ ذَرٍّ جَعَلَنِيَ اللّٰهُ فِدَاءَ كَ، قَالَ: ((يَا أَبَا ذَرٍّ! تَعَالَه)) قَالَ: فَمَشَيْتُ مَعَهُ سَاعَةً فَقَالَ: (إِنَّ الْمُكْثِرِيْنَ هُمُ الْأَقَلُّوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِلَّا مَنْ أَعْطَاهُ اللّٰهُ خَيْراً فَنَفَخَ فِيْهِ يَمِيْنَهُ وَشِمَالَهُ، وَبَيْنَ يَدَيْهِ وَوَرَاءَهُ، وَعَمِلَ فِيْهِ خَيْراً۔)) قَالَ: فَمَشَيْتُ مَعَهُ سَاعَةً، فَقَالَ: ((اِجْلِسْ هَاهُنَا۔)) فَقَالَ: فَأَجْلَسَنِي

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں ایک رات کو نکلا، کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اکیلے چل رہے تھے، آپ کے ساتھ کوئی آدمی نہیں تھا۔ میں نے سمجھا کہ شاید آپ ﷺ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے ساتھ کوئی چلے۔ میں نے چاند کے سائے میں چلنا شروع کر دیا۔ آپ میری طرف متوجہ ہوئے، مجھے دیکھا اور پوچھا: "یہ کون ہے؟" میں نے کہا: میں ابوذر ہوں، اللہ مجھے آپ پر قربان کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ابوذر! ادھر آؤ۔" میں آپ کے پاس گیا اور آپ کے ساتھ کچھ دیر چلتا رہا۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: قیامت والے روز کثیر مال و دولت والے اجر و ثواب میں کم ہوں گے، مگر جس کو اللہ تعالی نے مال دیا اور اس

فِي قَاعٍ حَوْلَهُ حِجَارَةٌ، فَقَالَ لِي: ((اِجْلِسْ هَاهُنَا حَتَّى أَرْجِعَ إِلَيْكَ.)) قَالَ: فَانْطَلَقَ فِي الْحَرَّةِ حَتَّى لَا أَرَاهُ، فَلَبِثَ عَنِّي، فَأَطَالَ اللَّبْثَ ثُمَّ إِنِّي سَمِعْتُهُ وَهُوَ مُقْبِلٌ يَقُوْلُ: ((وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنٰى!)) قَالَ: فَلَمَّا جَاءَ لَمْ أَصْبِرْ، فَقُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! جَعَلَنِيَ اللّٰهُ فِدَاءَكَ، مَنْ تُكَلِّمُ فِي جَانِبِ الْحَرَّةِ؟ مَا سَمِعْتُ أَحَدًا يَرْجِعُ إِلَيْكَ شَيْئًا، قَالَ: ((ذَاكَ جِبْرِيْلُ عَرَضَ لِي فِي جَانِبِ الْحَرَّةِ فَقَالَ: بَشِّرْ أُمَّتَكَ أَنَّهُ مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ فَقُلْتُ: يَا جِبْرِيْلُ! وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنٰى؟ قَالَ: نَعَمْ قَالَ: قُلْتُ: وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنٰى؟ قَالَ: قُلْتُ: وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنٰى؟ قَالَ: نَعَمْ وَإِنْ شَرِبَ الْخَمْرَ.)) (الصحيحة: ٨٢٦)

نے (صدقہ کرتے ہوئے) اسے دائیں بائیں اور آگے پیچھے بکھیر دیا اور اس کے ذریعے نیک اعمال کیے۔'' پھر میں آپ کے ساتھ چلتا رہا، حتی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہاں بیٹھ جاؤ۔'' آپ ﷺ نے مجھے ایسی ہموار زمین میں بٹھایا، جس کے اردگرد پتھر پڑے ہوئے تھے۔ پھر فرمایا: ''میرے واپس آنے تک یہاں بیٹھے رہو۔'' پھر آپ ﷺ حرہ (کالے پتھروں والی زمین) کی طرف چلے گئے اور نظروں سے اوجھل ہو گئے، آپ ﷺ وہاں کافی دیر تک ٹھہرے رہے۔ پھر میں نے سنا آپ ﷺ یہ فرماتے ہوئے آ رہے تھے: ''اگرچہ وہ چوری بھی کرے اور زنا بھی کرے۔'' جب آپ ﷺ میرے پاس پہنچے تو مجھ سے صبر نہ ہو سکا اور میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! مجھے اللہ تعالیٰ آپ پر قربان کرے! آپ حرہ زمین کے پاس کس سے گفتگو کر رہے تھے؟ پھر آپ کو کوئی جواب بھی نہیں دے رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ جبریل تھا، حرہ کے ساتھ ہی وہ مجھے ملا اور کہا: (اے محمد!) اپنی امت کو خوشخبری سنا دو کہ جو اس حال میں مرے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے کہا: جبریل! اگرچہ اس نے چوری بھی کی ہو اور زنا بھی کیا ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ میں نے کہا: اگرچہ اس نے چوری بھی کی ہو اور زنا بھی کیا ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ میں نے کہا: اگرچہ وہ چوری بھی کرے اور زنا بھی کرے؟ اس نے کہا: جی ہاں اور اگرچہ اس نے شراب بھی پی ہو۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٨/ ٧٩- نهضة، وفي "الأدب المفرد": ٨٠٣، ومسلم: ٣/ ٧٦، والترمذي ٣/ ٢٦٩، وابن حبان في "صحيحه": ١٧٠- الاحسان، وأحمد: ٥/ ١٥٢٣

فوائد: ......حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: ''اگرچہ اس نے چوری بھی کی ہو اور زنا بھی کیا ہو'' حدیث مبارکہ کا یہ جملہ انتہائی غور طلب ہے، کیونکہ عام لوگوں کو اس جملے سے گناہوں کا ارتکاب کرنے کی بلہ شیری ملتی ہے۔ حقیقت حال یہ ہے اس جملے میں خوارج اور معتزلہ جیسے گمراہ فرقوں کا رد ہے، جن کا خیال ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے والے ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے شرک نہ کرنے والے لوگوں کے زنا اور چوری جیسے جرائم معاف کر

دیئے تو وہ براہِ راست جنت میں چلے جائیں گے اور اگر اس نے معاف نہ کیا تو جہنم میں ان گناہوں کی سزا بھگتنے کے لیے عارضی طور پر ٹھہریں گے، پھر اس کے بعد جنت میں پہنچیں گے۔ یہ مفہوم کئی دوسری احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ نیز اس حدیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کبیرہ گناہوں کی وجہ سے نہ ایمان کی نفی ہوتی ہے اور نہ ان کی وجہ سے نیکیاں ضائع ہوتی ہیں۔

(۲۰)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((كَانَ رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ لَمْ يَعْمَلْ خَيْراً قَطُّ إِلَّا التَّوْحِيْدَ، فَلَمَّا احْتُضِرَ قَالَ لِأَهْلِهِ: اُنْظُرُوْا: إِذَا أَنَامِتُّ أَنْ يُحَرِّقُوْهُ حَتَّى يَدَعُوْهُ حَمَماً ثُمَّ اطْحَنُوْهُ ثُمَّ اذْرُوْهُ فِي يَوْمِ رِيْحٍ ثُمَّ اذْرَوْا نِصْفَهُ فِي الْبَرِّ وَنِصْفَهُ فِي الْبَحْرِ، فَوَاللّٰهِ لَئِنْ قَدَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ لَيُعَذِّبَنَّهُ عَذَاباً لَا يُعَذِّبُهُ أَحَداً مِنَ الْعَالَمِيْنَ فَلَمَّا مَاتَ فَعَلُوْا ذٰلِكَ بِهِ فَأَمَرَ اللّٰهُ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَا فِيْهِ، وَأَمَرَ الْبَحْرَ فَجَمَعَ مَافِيْهِ فَإِذَا هُوَ قَائِمٌ فِي قَبْضَةِ اللّٰهِ فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: يَا ابْنَ آدَمَ! مَا حَمَلَكَ عَلٰى مَا فَعَلْتَ؟ قَالَ: أَيْ رَبِّ! مِنْ مَخَافَتِكَ وَفِي طَرِيْقٍ آخرَ: مِنْ خَشْيَتِكَ وَأَنْتَ أَعْلَمُ ـ قَالَ: فَغَفَرَ لَهُ بِهَا، وَلَمْ يَعْمَلْ خَيْراً قَطُّ إِلَّا التَّوْحِيْدَ .)) (الصحيحة: ٣٠٤٨)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم سے پہلے ایک آدمی تھا، اس نے کوئی نیک عمل نہیں کیا تھا، ما سوائے توحید کے۔ جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے کنبے والوں سے کہا: غور سے سنو: اگر میں مر گیا تو مجھے جلا کر کوئلہ بنا دینا، پھر پیس کر نصف خشکی کی ہوا میں اڑا دینا اور نصف سمندر میں بہا دینا۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر قادر آ گیا تو وہ مجھے ایسا شدید عذاب دے گا جو جہانوں میں کسی کو نہ دیا ہوگا۔ جب وہ مر گیا تو انھوں نے ایسے ہی کیا۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے خشکی کو حکم دیا، اس نے اس کے ذرات جمع کر دیئے اور سمندر کو حکم دیا، اس نے بھی اس کے اجزا جمع کر دیئے، اچانک (اسے وجود عطا کیا گیا اور) وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں کھڑا نظر آیا۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا: ابنِ آدم! تجھے تیرے کئے پر کس چیز نے اکسایا تھا؟ اس نے کہا: اے میرے ربّ! (میں نے سارا کچھ) تیرے ڈر سے (کروایا)، اور تو جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اس سے ڈرنے کی وجہ سے معاف کر دیا، حالانکہ اس کا کوئی نیک عمل نہیں تھا، ما سوائے توحید کے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ٣٠٤، والحديث أخرجه مالك: ١/ ٢٣٨ ، ومن طريقه البخاري: ٧٥٠٦، ومسلم: ٨/ ٩٧ من طرق اخرى عن ابى هريرة

فوائد: ...... یہ توحید کی برکتیں ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں سچا موحد بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

قارئین کرام! غور طلب بات ہے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے سو افراد کے قاتل اور پیاسے کتے پر ترس کھا کر اس کو پانی پلا دینے والے شخص کو معاف کر دیا، لیکن دوسری طرف بلی کو مارنے کے لیے اسے باندھ دینے والی عورت کو جہنم کا حقدار بنا دیا اور سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کو قبر نے بھینچنا شروع کر دیا۔

اس قسم کی نادر مثالوں سے ہمیں سبق یہ ملتا ہے کہ نیکیوں کی اپنی برکتیں ہیں اور برائیوں کی اپنی نحوستیں ہیں، معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے بارے میں کون سا قانون استعمال کریں گے، آیا ہمارے گناہوں پر ہماری گرفت کریں گے، جیسا کہ بلی کو مارنے والی عورت کے ساتھ کیا یا ہماری لغزشوں کو بخش دیں گے، جیسا کہ سو افراد کے قاتل سے کیا؟ ہم یقین کے ساتھ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے، ہاں اللہ تعالیٰ کے بارے میں حسن ظن ضرور رکھیں گے کہ وہ ہم سے رحمت والا معاملہ کرے گا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ان مثالوں پر مشتمل ان احادیث کے اولین سامعین صحابہ کرام کی سوانح عمریاں ہمارے سامنے ہیں، ان کو اپنی نیکیوں کی وجہ سے خوشی ہوتی تھی، لیکن وہ اپنی بشری لغزشوں کی وجہ سے پریشان ہو جاتے تھے اور نتیجہ یہ نکالتے تھے کہ حسب استطاعت زیادہ سے زیادہ توشۂ آخرت جمع کر لینا چاہیے۔

تمام اعمال کی بنیاد توحید ہے

(۲۱)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: إِنَّ الْعَاصَ بْنَ وَائِلٍ نَذَرَ فِی الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ يَنْحَرَ مِئَةَ بُدْنَةٍ، وَأَنَّ هِشَامَ بْنَ الْعَاصِ نَحَرَ حِصَّتَهُ خَمْسِيْنَ بُدْنَةً، وَأَنَّ عَمْرًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ۔ فَقَالَ: ((أَمَّا أَبُوْكَ فَلَوْ كَانَ أَقَرَّ بِالتَّوْحِيْدِ، فَصُمْتَ وَتَصَدَّقْتَ عَنْهُ، نَفَعَهُ ذٰلِكَ .)) (الصحيحة:٤٨٤)

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: عاص بن وائل نے دورِ جاہلیت میں نذر مانی کہ وہ سو اونٹ ذبح کرے گا (لیکن وہ نذر پوری کرنے سے پہلے مر گیا)، اس کے بیٹے ہشام بن عاص نے اپنے حصے کے پچاس اونٹ ذبح کر دیئے تھے اور دوسرے بیٹے سیدنا عمرو نے نبی کریم ﷺ سے اس کے بارے میں سوال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تیرے باپ نے توحید کا اقرار کیا ہوتا اور تو اس کی طرف سے روزہ رکھتا یا صدقہ کرتا تو اسے فائدہ ہوتا۔''

تخریج: أخرجه الامام أحمد: ۲/ ۱۸۲

فوائد :...... جو لوگ کفر و شرک کی حالت میں مر جاتے ہیں، ان کے تمام اعمالِ صالحہ ضائع ہو جاتے ہیں، ان کے حق میں مغفرت کی دعائیں فضول قرار پاتی ہیں اور ایسا آدمی شریعت میں ایصالِ ثواب کی تمام جائز صورتوں سے بھی محروم رہتا ہے۔ ہاں اگر کوئی کافر یا مرتد مشرف باسلام ہو جاتا ہے تو حالتِ کفر، حالتِ ارتداد اور قبل از ارتداد کی گئی ان کی نیکیاں محفوظ کر لی جاتی ہیں اور ان کی وجہ سے ان کو اجر و ثواب عطا کیا جاتا ہے۔ تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو اسی کتاب کا عنوان ''قبولیتِ اسلام کے بعد کافر کی حالتِ کفر میں کی گئی نیکیوں کی اہمیت۔''

(۲۲)۔ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: قُلْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ: هِشَامُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ كَانَ يَصِلُ الرَّحِمَ وَيَقْرِي الضَّيْفَ، وَيَفُكُّ الْعِنَاهَ،

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو کہا: ہشام بن مغیرہ صلہ رحمی کرتا تھا، مہمانوں کی میزبانی کرتا تھا، غلاموں کو آزاد کرتا تھا، کھانا کھلاتا تھا اور اگر وہ اسلام کا دور

وَيُطْعِمُ الطَّعَامَ، لَوْ أَدْرَكَ أَسْلَمَ، هَلْ ذٰلِكَ نَافِعُهُ؟ قَالَ: ((لَا، إِنَّهُ كَانَ يُعْطِي لِلدُّنْيَا وَذِكْرِهَا وَحَمْدِهَا وَلَمْ يَقُلْ يَوْماً قَطُّ رَبِّ اغْفِرْ لِي خَطِيْئَتِي يَوْمَ الدِّيْنِ.))

(الصحيحة:٢٩٢٧)

پاتا تو مسلمان بھی ہو جاتا، آیا یہ اعمال اس کے لئے نفع مند ثابت ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، وہ تو دنیوی غرض و غایت، صیت و شہرت اور خوشامد و چاپلوسی کے لئے دیتا تھا، اس نے ایک دن بھی نہیں کہا: اے میرے ربّ! روزِ قیامت میرے گناہوں کو معاف فرما دینا۔''

تخريج: أخرجه أبو يعلي في "مسنده":٦٩٦٥، والطبراني في "المعجم الكبير": ٢٣/ ٢٧٩/ ٦٠٦، ٣٩١/ ٩٣٢

فوائد: ...... مذکورہ بالا حدیث میں مسئلہ کی وضاحت ہو چکی ہے، اس حدیث میں حالتِ کفر میں کیے گئے نیک اعمال کی چند صورتیں بیان کی گئی ہیں۔

حدیثِ مبارکہ کے آخری الفاظ ''اس نے ایک دن بھی نہیں کہا: اے میرے ربّ! روزِ قیامت میرے گناہوں کو معاف فرما دینا'' کی غرض و غایت یہ ہے کہ وہ توحید والا نہیں تھا، وگرنہ شرک کی حالت میں مرنے والے کو یہ دعا کوئی فائدہ نہیں دیتی۔

اللہ تعالیٰ کو پکارنے کی وجہ

(٢٣)۔ عَنْ أَبِي تَمِيْمَةَ الْهُجَيْمِيِّ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَلْهجيم قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِلَامَ تَدْعُوْ؟ قَالَ: ((أَدْعُوْ إِلَى اللّٰهِ وَحْدَهُ، الَّذِي إِنْ مَسَّكَ ضُرٌّ فَدَعَوْتَهُ، كَشَفَ عَنْكَ، وَالَّذِي إِنْ ضَلَلْتَ بِأَرْضٍ قَفْرٍ دَعَوْتَهُ، رَدَّ عَلَيْكَ، وَالَّذِي إِنْ أَصَابَتْكَ سَنَةٌ فَدَعَوْتَهُ، أَنْبَتَ عَلَيْكَ.))

(الصحيحة:٤٢٠)

ابوتمیمہ ہجیمی، بلھجیم کے ایک باشندے سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں، (وہ اللہ کہ) اگر تجھے تکلیف پہنچے اور تو اسے پکارے تو وہ تیری تکلیف دور کر دیتا ہے۔ اگر تو بے آب و گیاہ زمین میں (اپنی سواری) گم کر بیٹھتا ہے اور اسے پکارتا ہے تو وہ تجھے (تیری سواری) واپس کر دیتا ہے اور اگر تو قحط سالی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اسے پکارتا ہے تو وہ (بارش نازل کر کے) زمین سے سبزہ اگاتا ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٦٤، ٣٧٧

فوائد: ...... اللہ تعالیٰ مذکورہ تین اور دوسری بے شمار صفات سے متصف ہونے کی وجہ سے اس لائق ہے کہ مصائب کے ٹلنے کے لیے اسی کو ماوراالاسباب پکارا جائے۔

دعاؤں سے متعلقہ اللہ تعالیٰ کا درج ذیل قانون ذہن نشین رکھنا چاہیے:

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَدْعُوْ بِدَعْوَةٍ لَيْسَ فِيْهَا إِثْمٌ وَلَا قَطِيْعَةُ رَحِمٍ إِلَّا أَعْطَاهُ اللّٰهُ بِهَا إِحْدٰى ثَلَاثٍ: إِمَّا أَنْ يُّعَجِّلَ لَهُ دَعْوَتَهُ وَإِمَّا أَنْ يَّدَّخِرَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ وَإِمَّا أَنْ يُّصْرَفَ عَنْهُ مِنَ السُّوْءِ مِثْلَهَا۔) قَالُوْا: إِذًا نُكْثِرُ۔ قَالَ ﷺ: ((اَللّٰهُ أَكْثَرُ .)) (مسند احمد)

یعنی: ''جو مسلمان دعا کرتا ہے اور اس کی دعا گناہ اور قطع رحمی سے متعلقہ نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے (جواباً) تین چیزوں میں سے ایک عطا کرتے ہیں: (۱) جلد ہی اسے (دنیا میں) اس کی دعا کا بدلہ دے دیتے ہیں، یا (۲) اس کے ثواب کو آخرت تک ذخیرہ کر لیتے ہیں، یا (۳) اس دعا کے بقدر کسی مکروہ چیز کو اس سے دور کر دیتے ہیں۔'' صحابہ نے کہا: تو پھر تو ہم بہت زیادہ دعائیں کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کا فضل اسے سے بھی زیادہ ہے۔''

اللہ تعالیٰ کو پکارنے کا ثمرہ

(٢٤)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي وَأَنَا مَعَهُ إِذَا دَعَانِي .)) (الصحيحة:٢٩٤٢)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اپنے بندے کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں جو وہ مجھ سے گمان کرتا ہے اور جب وہ مجھے پکارتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٦١٦، وأخرجه احمد: ٢/ ٤٨٠ بزيادة في متنه بلفظ: ((عَبْدِيْ عِنْدَ ظَنِّهِ بِي، وَأَنَا مَعَهُ إِذَا دَعَانِي، فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِيْ، وَإِنْ ذَكَرَنِيْ فِي مَلَأٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَأٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ وَأَطْيَبَ، وَإِنْ تَقَرَّبَ مِنِّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا، وَإِنْ تقرب مني ذراعا، تَقَرَّبْتُ مِنْهُ باعا، إِنْ أَتَانِي يَمْشِيْ أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً .)) ((...... وانا معه اذ ذكرني ....))

فوائد: ......اللہ تعالیٰ کو پکارنے کی صورتیں دو ہیں: اس کا ذکر کرنا یا اس سے خیر و بھلائی کا سوال کرنا۔ دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ پکارنے والے کے ساتھ ہوتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے اور اس سے سوال کرنے کی ترغیب ہے۔

اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟ اس سوال کا جواب

(٢٥)۔ عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ أَحَدَكُمْ يَأْتِيْهِ الشَّيْطَانُ فَيَقُوْلُ: مَنْ خَلَقَكَ؟ فَيَقُوْلُ: اللّٰهُ، فَيَقُوْلُ: فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ؟ فَإِذَا وَجَدَ ذٰلِكَ أَحَدُكُمْ. فَلْيَقْرَأْ: آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ، فَإِنَّ ذٰلِكَ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمھارے پاس شیطان آ کر یہ کہتا ہے: تجھے کس نے پیدا کیا؟ وہ کہتا ہے: اللہ تعالیٰ نے۔ وہ دوبارہ کہے گا: اچھا تو پھر اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟ اگر ایسا وسوسہ پیدا ہو جائے تو یہ دعا پڑھنی ہے: میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا، یہ

يُذْهِبُ عَنْهُ .)) (الصحيحة:١١٦)

عمل اس وسوسہ کو ختم کر دے گا۔"

تخريج: رواه أحمد: ٦/ ٢٥٨

(٢٦)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ مَرْفُوْعاً: ((لَايَزَالُ النَّاسُ يَسْأَلُوْنَ يَقُوْلُوْنَ : مَاكَذَا مَاكَذَا؟ حَتّٰى يَقُوْلُوْا: اللّٰهُ خَالِقُ النَّاسِ ، فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ؟ فَعِنْدَ ذٰلِكَ يَضِلُّوْنَ .)) (الصحيحة:٩٦٦)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ کیا ہے؟ یہ کیا ہے؟ لوگ اس قسم کے سوال کرتے رہیں گے، حتی کہ وہ یہ سوال بھی کر دیں گے: اللہ تعالی ہر چیز کا خالق ہے، بھلا اللہ تعالی کو کس نے پیدا کیا؟ اس وقت وہ گمراہ ہو جائیں گے۔"

تخريج: رواه ابن أبي عاصم في"السنة": ١/٥٩ ، واخرجه مسلم: ١/ ٨٥ ، وكذا ابو عوانة: ١/ ٨٢ دون قوله: ((فعند ذالك يضلون .))

(٢٧)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((يَأْتِيْ شَيْطَانُ أَحَدَكُمْ فَيَقُوْلُ: مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ حَتّٰى يَقُوْلَ: مَنْ خَلَقَ رَبَّكَ؟ فَإِذَا بَلَغَهُ ، فَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ وَلْيَنْتَهِ .)) (الصحيحة:١١٧)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے ایک آدمی کے پاس شیطان آ کر کہتا ہے: اس چیز کو کس نے پیدا کیا؟ اس چیز کو کس نے پیدا کیا؟ اس چیز کو کس نے پیدا کیا؟ کہتے کہتے بات کو یہاں تک پہنچا دیتا ہے کہ: تیرے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب وہ یہاں تک پہنچا دے تو وہ اللہ تعالی کی پناہ طلب کرے اور (ایسی سوچ کو) ختم کر دے۔"

تخريج: أخرجه البخاري: ٢/ ٣٢١ ، ومسلم ، وابن السني

(٢٨)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ. ((يُوْشِكُ النَّاسُ يَتَسَاءَ لُوْنَ بَيْنَهُمْ ، حَتّٰى يَقُوْلَ قَائِلُهُمْ: هٰذَا اللّٰهُ خَلَقَ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ؟ فَإِذَا قَالُوْا ذَالِكَ: فَقُوْلُوْا: اَللّٰهُ أَحَدٌ ، اَللّٰهُ الصَّمَدُ ، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ، وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ كُفُوًا أَحَدٌ۔ ثُمَّ لِيَتْفِلْ عَنْ يَسَارِهٖ ثَلَاثًا ، وَلْيَسْتَعِذْ مِنَ الشَّيْطَانِ .))

(الصحيحة:١١٨)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: "قریب ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے سوال کرنا شروع کر دیں، (وہ سوال کرتے رہیں)، حتی کہ کہنے والا کہے: مخلوق کو تو اللہ تعالی نے پیدا کیا ہے، مگر اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ جب لوگ یہاں تک پہنچ جائیں تو کہنا: اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ کسی نے اس کو جنا اور کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں۔ پھر بائیں طرف تین دفعہ تھوکے اور شیطان سے (اللہ تعالی کی پناہ) طلب کرے۔"

تخريج: أخرجه أبو داود: ٤٧٣٢، وابن السنی: ٦٢١

فوائد:...... اللہ تعالیٰ کی ذات ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا، اس کی نہ کوئی ابتدا ہے اور نہ کوئی انتہا۔ اس وسیع وعریض کائنات کی ہر چیز اپنی تخلیق میں اُس کی محتاج ہے اور وہ ہر معاملے میں ہر ایک سے غنی ہے۔ مذکورہ بالا احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ جب کسی مسلمان کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کے پیدا ہونے کے بارے میں سوال پیدا ہو، وہ شیطان کے وسوسے کا نتیجہ ہو یا کسی انسان کی ایجاد، اسے جوابی طور پر درج ذیل تین امور میں سے ایک سرانجام دینا چاہیے:

۱۔ "آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ" (میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا) پڑھنا۔

۲۔ "اعوذ بالله من الشيطان الرجيم" پڑھنا اور ایسے وسوسوں کو دفع کرنا۔

۳۔ اَللّٰهُ أَحَدٌ، اَللّٰهُ الصَّمَدُ، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ۔ پڑھنا، بائیں جانب تھوکنا اور پھر "اعوذ بالله من الشيطان الرجيم" پڑھنا۔

امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: یہ احادیث صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جس کو شیطان کی طرف سے ''اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟'' جیسے سوال کا وسوسہ ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کا جواب دینے سے پہلو تہی کرے اور ان احادیث میں بیان کیے گئے اذکار کا اہتمام کرے، ان تین احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ درج ذیل دعا پڑھ لیا کرے (تاکہ تینوں احادیث پر عمل ہو جائے):

آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ۔ اَللّٰهُ أَحَدٌ، اَللّٰهُ الصَّمَدُ، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ۔

پھر تین دفعہ بائیں طرف تھوکے، "اعوذ بالله من الشيطان الرجيم" پڑھے اور اس وسوسے کو دفع کر دے۔

میرا خیال ہے کہ جو آدمی پرخلوص انداز میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے یہ امور سرانجام دے گا، وہ اس قسم کے وسوسوں سے محفوظ رہے گا اور شیطان کو دھتکار دیا جائے گا۔

ایسے وسوسے کو دفع کرنے کے لیے نبوی تعلیم اس امر سے زیادہ مفید ہے کہ اس سوال کے جواب میں عقلی دلائل پیش کیے جائیں اور مقابل کے ساتھ مباحثہ و مجادلہ کیا جائے، کیونکہ ایسے معاملات میں بحث وتمحیص سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ لیکن افسوس ہے کہ اکثر مسلمان رسول اللہ ﷺ کی ان تعلیمات سے غافل ہیں۔

مسلمانو! متنبہ ہو جاؤ، اپنے نبی کی سنت کو پہچانو اور اس پر عمل کرو، کیونکہ اسی میں تمہاری شفا اور عزت مخفی ہے۔ (صحیحہ: ۱۱۸)

ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ضروری نہیں کہ سائل کے ہر سوال کا جواب دیا جائے، بلکہ مشتبہ اور پیچیدہ امور کا جواب دینے کے بجائے احکام شریعت پر عمل کیا جائے۔

"لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کی فضیلت

(۲۹)۔ عَنْ سُلَيْمِ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا بَكْرٍ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أُخْرُجْ فَنَادِ فِي النَّاسِ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ .)) قَالَ: فَخَرَجْتُ فَلَقِيَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ: مَالَكَ أَبَا بَكْرٍ؟ فَقُلْتُ: قَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ: ((أُخْرُجْ فَنَادِ فِي النَّاسِ: مَنْ شَهِدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ .)) قَالَ عُمَرُ: اِرْجِعْ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ يَّتَّكِلُوْا عَلَيْهَا، فَرَجَعْتُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ فَقَالَ: مَارَدَّكَ؟ فَأَخْبَرْتُهُ بِقَوْلِ عُمَرَ، فَقَالَ: ((صَدَقَ .)) (الصحيحة:١١٣٥)

سلیم بن عامر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نکل جا اور لوگوں میں اعلان کر دے کہ جس نے گواہی دی کہ اللہ ہی معبود برحق ہے، اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔'' وہ کہتے ہیں: میں اعلان کرنے کے لئے نکلا، آگے سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ٹاکرا ہوا، انھوں نے کہا: ابوبکر کہاں اور کیسے؟ میں نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جاؤ اور لوگوں میں اعلان کر دو کہ جس نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: (یہ اعلان کئے بغیر) رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹ جاؤ، مجھے خطرہ ہے کہ لوگ اس (بشارت) پر توکل کر کے عمل کرنا ترک کر دیں گے۔ میں لوٹ آیا، آپ ﷺ نے پوچھا: ''واپس کیوں آ گئے ہو؟'' میں نے آپ کو حضرت عمر والی بات بتلائی۔ آپ نے فرمایا: ''عمر نے سچ کہا۔''

تخریج: أخرجه أبويعلي في "مسنده" صـ ٣٥۔ مصورة المكتب الأسلامي، ورواه مسلم: ١/ ٤٤، لكن وقع القصة فيه لابي هريرة مع عمر رضي الله عنه

(۳۰)۔ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي مُوْسٰى، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ وَمَعِي نَفَرٌ مِنْ قَوْمِي، فَقَالَ: ((أَبْشِرُوْا وَبَشِّرُوْا مَنْ وَرَاءَكُمْ، أَنَّهُ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ صَادِقًا دَخَلَ الْجَنَّةَ .)) فَخَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ ﷺ نُبَشِّرُ النَّاسَ، فَاسْتَقْبَلَنَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَرَجَعَ بِنَا إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ رَدَّكُمْ؟)) قَالُوْا:

ابوبکر بن ابوموسی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میں اپنی قوم کے کچھ افراد کے ہمراہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''خوش ہو جاؤ اور پچھلوں کو بھی یہ خوشخبری سنا دو کہ جس نے صدق دل سے گواہی دی کہ اللہ ہی معبود برحق ہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔'' ہم لوگوں کو خوشخبری سنانے کے لئے نبی کریم ﷺ کے پاس سے نکلے، ہمیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ملے اور (جب ان کو صورتحال کا علم ہوا تو) ہمیں رسول اللہ ﷺ کی طرف

عُـمَـرُ۔ قَالَ: ((لِمَ رَدَدتَّهُمْ يَاعُمَرُ؟)) فَقَالَ عُـمَـرُ: إِذاً يَتَّـكِـلُ الـنَّـاسُ ، قَالَ: فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ۔ (الصحيحة: ٧١٢)

واپس کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''تمھیں کس نے واپس کر دیا؟'' ہم نے کہا: عمر نے۔ آپ نے پوچھا: ''عمر! تم نے ان کو کیوں لوٹا دیا؟'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: (اگر لوگوں کو ایسی خوشخبریاں سنائی جائیں تو) وہ توکل کر بیٹھیں گے (اور مزید عمل کرنا ترک کر دیں گے)۔ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ٤٠٢، ٤١١

فــوائــد :...... یہ عظیم حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کلمۂ توحید کی وجہ سے شرک سے بری ہونے، جہنم سے آزاد ہونے اور جنت کا مستحق ہونے کے جو مژدے سنائے گئے ہیں، ان کا یہ مطلب نہیں کوئی بندہ ان خوشخبریوں کو سامنے رکھ کر نیک عمل کرنا ترک کر دے۔ جو آدمی یہ کلمہ ادا کرنے کے بعد نماز، روزے، زکوۃ اور حج وغیرہ کا پابند نہیں بنتا، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے یہ کلمہ صدقِ دل اور یقینِ قلب کے ساتھ ادا نہیں کیا۔

جن آیات و احادیث میں بے شمار اجر و ثواب والے اعمال کی نشاندہی کی گئی ہے، ہمیں چاہیے کہ ان کو غنیمت سمجھیں اور ان پر کثرت سے عمل کریں، جو شریعت کا اصل مقصود ہے کہ اجر و ثواب بیان کر کے عمل کرنے کی رغبت دلائی جائے۔

خطبا و واعظین کے لیے اس حدیث میں بہت بڑا کلیہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کے حالات اور طبائع کو مدنظر رکھ کر خطبہ دیا کریں اور ایسی آیات و احادیث بیان کرنے سے وقتی طور پر گریز کریں کہ لوگ جن کا مقصد نہ سمجھ کر ان سے غلط استدلال کر رہے ہوں۔ ہاں تربیت کرنے کے بعد ہر حدیث بیان کر کے اس کی غرض و غایت سمجھائی جا سکتی ہے۔

(٣١)۔ عَـنْ جَـابِـرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ مَرْفُوْعاً: ((مَـنْ قَـالَ: لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصاً دَخَلَ الْجَنَّةَ .)) (الصحيحة: ٢٣٥٥)

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے خلوص دل سے ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کہا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

تخريج: أخرجه ابن حبان: ٧

(٣٢)۔ عَـنْ عُـمَرَ مَرْفُوْعاً: ((مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلٰـــهَ إِلَّا الــلّٰـــهُ دَخَـلَ الْـجَـنَّةَ .)) (الصحيحة: ٢٣٤٤)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس آدمی نے گواہی دی کہ اللہ ہی معبودِ برحق ہے، وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

تخريج: أورده في "الجامع الصغير": من رواية البزار عن ابن عمر ، وأما الهيثمي فذكره في "المجمع": ١/ ١٦، ١٧ عن عمر رضي الله عنه وقال: رواه ابو يعلى والبزار......

(۳۳)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كُنَّا قُعُوْداً حَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَعَنَا أَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ فِي نَفَرٍ، فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ بَيْنِ أَظْهُرِنَا، فَأَبْطَا عَلَيْنَا، وَخَشِيْنَا أَنْ يُقْتَطَعَ دُوْنَنَا، وَفَزِعْنَا فَقُمْنَا، فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَزِعَ، فَخَرَجْتُ أَبْتَغِي رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، حَتّٰى أَتَيْتُ حَائِطًا لِلْأَنْصَارِ لِبَنِي النَّجَارِ، فَدُرْتُ بِهٖ هَلْ أَجِدُ لَهٗ بَاباً؟ فَلَمْ أَجِدْ، فَإِذَا رَبِيْعٌ يَدْخُلُ فِي جَوْفِ حَائِطٍ مِنْ بِئْرٍ خَارِجَةَ۔ وَالرَّبِيْعُ: الْجَدْوَلُ۔ فَاحْتَفَزْتُ فَدَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: ((أَبُوْهُرَيْرَةَ؟)) فَقُلْتُ: نَعَمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: ((مَاشَأْنُكَ؟)) قُلْتُ: كُنْتَ بَيْنَ أَظْهُرِنَا فَقُمْتَ فَأَبْطَأْتَ عَلَيْنَا، فَخَشِيْنَا أَنْ تُقْتَطَعَ دُوْنَنَا، فَفَزِعْنَا، فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَزِعَ، فَأَتَيْتُ هٰذَا الْحَائِطَ، فَاحْتَفَزْتُ، كَمَا يَحْتَفِزُ الثَّعْلَبُ، وَهٰؤُلَاءِ النَّاسُ وَرَائِي! فَقَالَ: ((يَا أَبَا هُرَيْرَةَ!)) وَأَعْطَانِي نَعْلَيْهِ، قَالَ: ((اِذْهَبْ بِنَعْلَيَّ هَاتَيْنِ، فَمَنْ لَقِيْتَ مِن وَّرَاءِ هٰذَا الْحَائِطِ يَشْهَدُ أَن لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهٗ، فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ.)) وَقَالَ: فَكَانَ أَوَّلُ مَنْ لَقِيْتُ عُمَرَ، فَقَالَ: مَاهَاتَانِ النَّعْلَانِ يَا أَبَاهُرَيْرَةَ؟ فَقُلْتُ: هَاتَانِ نَعْلَا رَسُوْلِ اللّٰهِ بَعَثَنِي بِهِمَا مَنْ لَقِيْتَ يَشْهَدُ أَن لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهٗ، بَشَّرْتُهٗ بِالْجَنَّةِ۔ فَضَرَبَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے اردا گرد بیٹھے ہوئے تھے، ہمارے ساتھ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے، (ہوا یہ کہ) رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان سے اٹھ کھڑے ہوئے (اور کہیں چلے گئے) اور واپس آنے میں (خاصی) تاخیر کی۔ ہم ڈر گئے کہ (اللہ نہ کرے) کہیں آپ کو ہم سے پرے جاں بحق نہ کر دیا جائے۔ ہم گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور سب سے پہلے گھبرانے والا میں تھا۔ میں رسول اللہ ﷺ کو تلاش کرنے کے لئے نکل پڑا، حتی کہ میں بنونجار کے انصار کے باغ کے پاس پہنچ گیا، میں نے دروازے کی تلاش میں چکر لگایا، لیکن مجھے کوئی دروازہ نہ ملا۔ ایک چھوٹی نہر، خارجہ کے کنویں سے باغ میں داخل ہو رہی تھی، میں سمٹ کر اس میں سے داخل ہو گیا اور (بالآخر) رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ”ابو ہریرہ ہو؟“ میں نے کہا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول! آپ نے پوچھا: ”تجھے کیا ہوا (ادھر کیوں آئے ہو)؟“ میں نے کہا: آپ ہمارے پاس بیٹھے تھے، اچانک اٹھ کھڑے ہوئے اور واپس آنے میں دیر کی، ہمیں یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں آپ کو ہم سے پرے جاں بحق نہ کر دیا جائے، سو ہم گھبرا گئے اور سب سے پہلے گھبرانے والا میں تھا۔ (میں تلاش کرتے کرتے) اس باغ تک پہنچ گیا اور لومڑی کی طرح سمٹ کر (فلاں سوراخ سے اس میں داخل ہو گیا)۔ بقیہ لوگ میرے پیچھے آ رہے ہیں۔ آپ نے اپنے دو جوتے دے کر مجھے فرمایا: ”ابو ہریرہ! یہ میرے جوتے لے کر جاؤ اور اس باغ سے پرے جس آدمی کو ملو، اس حال میں کہ وہ دل کے یقین کے ساتھ گواہی دیتا ہو کہ اللہ ہی معبودِ برحق ہے، اسے جنت کی خوشخبری دے دو۔“ (ہوا یہ کہ) مجھے سب سے پہلے

عُمَرُ بِيَدِهِ بَيْنَ ثَدْيَيَّ، فَخَرَرْتُ لِاسْتِي، فَقَالَ إِرْجِعْ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! فَرَجَعْتُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَأُجْهِشْتُ بُكَاءً، وَرَكِبَنِي عُمَرُ فَإِذَا هُوَ عَلَى إِثْرِي، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَالَكَ يَا أَبَاهُرَيْرَةَ؟)) قُلْتُ: لَقِيْتُ عُمَرَ، فَأَخْبَرْتُ بِالَّذِي بَعَثْتَنِي بِهِ، فَضَرَبَ بَيْنَ ثَدْيَيَّ ضَرْبَةً خَرَرْتُ لِإِسْتِي قَالَ: إِرْجِعْ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: ((يَا عُمَرُ! مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا فَعَلْتَ؟)) قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، أَبَعَثْتَ أَبَا هُرَيْرَةَ بِنَعْلَيْكَ مَنْ لَقِيَ يَشْهَدُ أَن لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِناً بِهَا قَلْبُهُ، بَشَّرَهُ بِالْجَنَّةِ؟ قَالَ: ((نَعَمْ)) قَالَ: فَلَا تَفْعَلْ، فَإِنِّي أَخْشَى أَن يَّتَّكِلَ النَّاسُ عَلَيْهَا فَخَلِّهِمْ يَعْمَلُوْنَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: ((فَخَلِّهِمْ.)) (الصحيحة:٣٩٨١)

حضرت عمر ملے، انھوں نے پوچھا: ابو ہریرہ! یہ جوتے کیسے ہیں؟ میں نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کے جوتے ہیں، آپ نے مجھے دے کر بھیجے ہیں کہ میں جس آدمی کو ملوں، اس حال میں کہ وہ دل کے یقین کے ساتھ گواہی دیتا ہو کہ اللہ ہی معبودِ برحق ہے، اسے جنت کی خوشخبری سنا دوں۔ (یہ بات سن کر) حضرت عمر نے میرے سینے میں ضرب لگائی، میں سرین کے بل گر پڑا، انھوں نے کہا: ابو ہریرہ! چلو واپس۔ میں رسول اللہ ﷺ کی طرف واپس چل پڑا اور غم کی وجہ سے رونے کے قریب تھا، ادھر سے حضرت عمر میرے پیچھے پیچھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابو ہریرہ! کیا ہوا؟'' میں نے کہا: میں حضرت عمر کو ملا، اسے آپ کا پیغام سنایا، اس نے میرے سینے میں ضرب لگائی، میں سرین کے بل گر پڑا اور کہا کہ: چلو واپس۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''عمر! کس چیز نے تجھے ایسا کرنے پر آمادہ کیا ہے؟'' انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیا واقعی آپ نے حضرت ابو ہریرہ کو اپنے جوتے دے کر بھیجا کہ وہ جس آدمی کو ملے، اس حال میں کہ وہ دل کے یقین کے ساتھ یہ شہادت دیتا ہو کہ اللہ ہی معبودِ برحق ہے، اسے جنت کی خوشخبری سنا دے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں (میں نے بھیجا)۔'' حضرت عمر نے کہا: آپ ایسا نہ کریں، مجھے خطرہ ہے کہ لوگ (اس قسم کی بشارتوں پر) توکل کر کے (عمل کرنا ترک کر دیں گے)، آپ لوگوں کو عمل کرنے دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انھیں چھوڑ دو (یعنی یہ حدیث بیان نہ کرو)۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ١/ ٤٤-٤٥، وأبو عوانة: ١/ ٩-١٠

فوائد : ..... ''لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' جو کہ ایمان کی سب سے افضل شاخ ہے، سے توحیدِ الوہیت ثابت ہوتی ہے، یعنی کائنات میں بسیرا کرنے والوں کا ایک ہی سچا اور برحق معبود ہے، جس کا نام ''اَللّٰه'' ہے، اس کے علاوہ جن معبودوں کا تصور دنیا میں پایا جاتا ہے وہ بے بنیاد، بے تأثیر، بے اختیار، بے حقیقت اور باطل ہیں۔

اس حدیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رسول اللہ ﷺ سے سچی محبت کا بیان ہے، جب ان کو آپ ﷺ کے بارے خدشہ لاحق ہوا تو وہ سارے آپ کی تلاش کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

”لا الہ الا اللہ“ کے ذکر کی کثرت کی نصیحت اور وجہ

(٣٤)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوعاً: ((أَكْثِرُوْا مِنْ شَهَادَةِ أَن لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ قَبْلَ أَن يُّحَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهَا وَلَقِّنُوْهَا مَوْتَاكُمْ.)) (الصحيحة:٤٦٧)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے معبودِ برحق ہونے کی گواہی کثرت سے دیتے رہا کرو، قبل اس کے کہ تمھارے اور اس کے مابین کوئی رکاوٹ حائل ہو جائے اور قریب المرگ لوگوں کو اس کی تلقین کیا کرو۔“

تخريج: أخرجه أبو يعلى في"مسنده": ١١/ ٨/ ٦١٤٧، وابن عدى في"الكامل": ٢٠٤/ ٢ عنه وعن غيره، وابن حمصة في"جزء البطاقة": ٦٩/ ١، والخطيب في"تاريخ بغداد": ٣/ ٣٨، وابن عساكر في"تاريخ دمشق": ١٧/ ٢٠٧/ ٢، والحديث في صحيح مسلم و غيره بلفظ: ((ولقنوا موتاكم لا اله الا الله.))

فوائد :......مختلف احادیث سے ثابت ہوتا کہ اس کلمے کے فضائل ثابت ہوتے ہیں، مثلا: جنت میں داخل کرنا، جہنم سے آزاد کرنا، شرک سے پاک کرنا۔ وغیرہ

اس حدیثِ مبارکہ میں ”اَشْهَدُ لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰـهُ“ کا زندگی میں کثرت سے ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ مسلمان اس ذکر کے عظیم ثواب سے محروم نہ رہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ معلوم نہیں کہ آیا موت کے وقت کلمۂ شہادت کا موقع ملتا ہے یا نہیں، اس لیے موت سے پہلے ہی آخرت کی مکمل تیاری کر لینی چاہیے۔ قارئین کرام! آپ نے دیکھا ہو گا کہ کئی افراد حادثات اور بعض بیماریوں کی وجہ سے اچانک لقمہ اجل بن جاتے ہیں اور بعض افراد ہمارے سامنے مر رہے ہوتے ہیں، لیکن وہ یہ کلمہ ادا نہیں کر رہے ہوتے۔ سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایسے مراحل عبور کرنے سے پہلے ہی توشۂ آخرت تیار کر لینا چاہیے، حدیث کے دوسرے حصے میں قریب المرگ آدمی کو کلمۂ توحید کی تلقین کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

توحیدِ الوہیت اور توحیدِ رسالت کا حکم

(٣٥)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِالْقَيْسِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ هٰذَا الْحَيَّ مِنْ رَبِيْعَةَ، وَقَدْ حَالَتْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ كُفَّارُ مُضَرَ، فَلَا نَخْلُصُ إِلَيْكَ إِلَّا فِي شَهْرِ الْحَرَامِ، فَمُرْ بِأَمْرٍ نَعْمَلُ بِهِ، وَنَدْعُوْ إِلَيْهِ مَن وَّرَاءَ نَا؟ قَالَ: ((آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ، وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ عبدالقیس کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! ربیعہ قبیلے سے ہمارا تعلق ہے، آپ کے اور ہمارے مابین مضر قبیلے کے کفار حائل ہیں، ہم آپ کے پاس صرف حرمت والے مہینے میں آ سکتے ہیں، لہٰذا آپ ہمیں کوئی (جامع) حکم دیں، تاکہ ہم اس پر عمل بھی کریں اور پچھلے لوگوں کو بھی بتائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں تمھیں چار

اَلإِيْـمَانُ بِاللّٰهِ .)) ثُمَّ فَسَّرَهَا لَهُمْ ، فَقَالَ: ((شَهَادَةُ أَن لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ وَعَقَدَ وَاحِدَةً۔ وَإِقَامُ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءُ الزَّكَاةِ، وَأَنْ تُؤَدُّوْا خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ ، وَأَنْهَاكُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ، وَالْحَنْتَمِ، وَالنَّقِيْرِ، وَالْمُقَيَّرِ .)) (الصحيحة: ٣٩٥٧)

چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور چار چیزوں سے منع کرتا ہوں: اللہ تعالی پر ایمان لانا ۔ پھر ایمان کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔ گواہی دینا کہ اللہ ہی معبودِ برحق ہے اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں،اورشمار کرنے کے لئے ایک انگلی بند کی۔نماز قائم کرنا، زکاۃ ادا کرنا،غنیمتوں کا پانچواں حصہ ادا کرنا۔ اور میں تمھیں کدو کے برتن، ہرے رنگ کے گھڑے،لکڑی سے بنائے ہوئے برتن اور تارکول ملے ہوئے برتن سے منع کرتا ہوں۔“

تخريج: أخرجه البخاري: ١/ ١٢٩/ ٥٣۔ "فتح الباري"، ومسلم: ١/ ٣٥، وأبوداود: ٤/ ٩٤/ ٣٦٩٢، والترمذي: ٢٦١١، والنسائي: ٢/ ٢٧٢، والبيهقي في "السنن": ٦/ ٢٩٤، ٣٠٣ وفي "شعب الأيمان": ١/ ٥٠، وفي "دلائل النبوة": ٣/ ٣٢٣

فوائد :......اسلامی تعلیمات کے حصول کی خاطر آنے والے عبدالقیس کے وفد کو آپ ﷺ نے سب سے پہلے اللہ تعالی کی الوہیت اور اپنی رسالت کی گواہی دینے کی تعلیم دی۔

جب شراب حرام ہوئی تو آپ ﷺ نے عارضی طور پر ان چار قسم کے برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا، بعد میں ان کے استعمال کی اجازت دے دی تھی۔ جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِنِّـي كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ، فَزُوْرُوْهَا، فَإِنَّهَا تُذَكِّرُكُمُ الآخِرَةَ، وَنَهَيْتُكُمْ عَنِ الْأَوْعِيَةِ فَاشْرَبُوْا فِيْهَا، وَاجْتَنِبُوْا كُلَّ مُسْكِرٍ .)).... یعنی: ”بلاشبہ میں نے تم لوگوں کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا، لیکن (اب حکم دیتا ہوں کہ) ان کی زیارت کیا کرو، کیونکہ یہ آخرت یاد دلاتی ہیں اور میں نے تم کو (کچھ) برتنوں سے منع کیا تھا، لیکن (اب حکم دیتا ہوں کہ) ان کو مشروبات کے لئے استعمال کیا کرو اور نشہ دینے والی ہر چیز سے اجتناب کرو....“ (صحیحہ:٨٨٦)

قریب المرگ لوگوں کو کلمۂ شہادت پڑھنے کی تلقین کرنا

(٣٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((أَكْثِرُوْا مِنْ شَهَادَةِ أَن لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ قَبْلَ أَن يُّحَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهَا وَلَقِّنُوْهَا مَوْتَاكُمْ .)) (الصحيحة:٤٦٧)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالی کے معبودِ برحق ہونے کی گواہی کثرت سے دیتے رہا کرو، قبل اس کے کہ تمھارے اور اس کے مابین کوئی رکاٹ حائل ہو جائے اور قریب المرگ لوگوں کو اس کی تلقین کیا کرو۔“

تخريج: أخرجه أبو يعلى في "مسنده": ١١/ ٨/ ٦١٤٧، وابن عدي في "الكامل": ٢٠٤/ ٢ عنه وعن غيره، وابن حمصة في "جزء البطاقة": ٦٩/ ١، والخطيب في "تاريخ بغداد": ٣/ ٣٨، وابن عساكر في "تاريخ

دمشق": ۱۷/ ۲۰۷/ ۲، والحديث في صحيح مسلم وغيره بلفظ: ((ولقنوا موتاكم لا اله الا الله.))

فوائد: ...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث کے دوسرے حصے سے معلوم ہوا کہ قریب الموت آدمی کو کلمہ توحید کی تلقین کرنی چاہیے، تاکہ وہ اپنی زندگی کے اختتام پر یہ کلمہ کہہ کر کامیاب ہو سکے، اس حدیث میں "مؤتاکم" سے مراد قریب المرگ لوگ ہیں، کیونکہ زندہ آدمی کو ہی کلمہ پڑھنے کا مکلّف ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ ایسے آدمی کو تلقین کا فائدہ ہو اور وہ "اَشْهَدُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" کہہ دے اور جنت کا مستحق ٹھہر جائے۔ رہا مسئلہ کسی میت کے پاس دوسرے لوگوں کا یہ کلمہ پڑھنے کا، تو یہ بدعت ہے، کسی حدیث میں اس کا ذکر نہیں اور اس کا میت کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ وہ دار التکلیف سے دار الجزا کی طرف منتقل ہو چکا ہوتا ہے۔

اس حدیث میں قریب الموت آدمی کو کلمہ شہادت کی تلقین کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور تلقین کی یہ صورت ہے کہ اسے حکم دیا جائے۔ یہ جو بعض کتب میں لکھا گیا ہے کہ میت کے پاس اس کلمے کا ورد کرنا چاہیے اور اسے حکم نہیں دینا چاہیے، یہ نبی کریم ﷺ کی سنت کی مخالفت ہے، میں (کتاب الجنائز: ص ۱۰۔ ۱۱) میں اس کی وضاحت کر چکا ہوں۔ (صحیحہ: ٤٦٧)

امام البانی رحمہ اللہ نے (کتاب الجنائز: ص ۱۰۔ ۱۱) میں کہا: تلقین کا معنی یہ نہیں ہے کہ قریب الموت آدمی کے پاس کلمہ شہادت کا ذکر کیا جائے اور اس کو سنایا جائے، جیسا کہ بعض لوگوں کو یہ وہم ہوا ہے، تلقین کا معنی یہ ہے کہ اسے یہ کلمہ پڑھنے کا حکم دیا جائے، جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک انصاری آدمی کی تیمار داری کے لیے تشریف لے گئے اور فرمایا: ((یَا خَالُ! قُلْ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ.)) یعنی: "اے ماموں جان! لا الہ الا اللہ کہو۔"
(مسند احمد: ۳/ ۱۵۲، ۱۵٤، ۲٦۸)

عام طور پر ہمارے ہاں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ قریب المرگ کو کلمۂ شہادت پڑھنے کا حکم نہ دیا جائے، بلکہ اس کے پاس پڑھا جائے، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ حکم کے جواب میں انکار کر دے۔ یہ عوام الناس کی ذہنی اختراع اور خود ساختہ سوچ ہے، یہ وہم و گمان کسی حدیث کا تقاضا نہیں ہے۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ اگر ہم ایسے شخص کے پاس کلمہ پڑھنا شروع کر دیں تو وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ تم لوگوں نے کیا شور مچا رکھا ہے؟ چپ ہو جاؤ ...... حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کو ثابت قدم رکھتا ہے، ہمیں چاہیے کہ ہم حدیث رسول ﷺ پر عمل کریں اور نرمی کے ساتھ قریب المرگ آدمی کو کلمۂ شہادت پڑھنے پر آمادہ کریں، تاکہ اس کی آخرت بہتر بن جائے۔

شرک، اس کی اقسام اور اس کا وبال

(۳۷)۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ مَرْفُوْعاً: ((مَنْ مَاتَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ.)) (الصحيحة: ٣٥٦٦)

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو اس حال میں مرا کہ وہ اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہو، وہ جہنم میں داخل ہوگا۔"

تخريج: أخرجه البخاري: ٢٣٨، ٤٤٩٧، ٦٦٨٣، ومسلم: ١/ ٦٥، والنسائي في "الكبرى": ٦/ ٢٩٤/ ١١٠١١، وابن خزيمة في "التوحيد": صـ ٢٣٣، وأحمد: ١/ ٤٦٢، ٤٦٤

فوائد: ......اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ایسا گھناؤنا اور سنگین جرم ہے کہ اس کے فاعل سے علی الاطلاق بخشش کی نفی کر دی گئی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ (سورۂ نساء: ١١٦) یعنی: ''اللہ تعالیٰ اسے قطعاً نہ بخشے گا جو اس کے ساتھ شرک کرے گا، ہاں شرک کے علاوہ جس کے گناہ چاہے گا، بخش دے گا۔

شرک: اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات یا اختیارات یا حقوق میں غیر اللہ کو شریک، ساجھی اور حصے دار سمجھنا شرک ہے۔

اس کی سات اقسام ہیں:

۱۔ **شرك في الحكم**: شریعت سازی اور دین سازی، اللہ تعالیٰ کا حق ہے، کسی غیر اللہ کو اس حق میں اللہ تعالیٰ کا شریک کرنا ''شرک فی الحکم'' کہلاتا ہے۔

۲۔ **شرك في الذات**: اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی اور کو شریک سمجھنا، مثلاً کسی کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا یا کسی اعتبار سے اس کی ذات کا حصہ قرار دینا۔

۳۔ **شرك في الصفات**: اللہ تعالیٰ کی صفات میں کسی غیر اللہ کو شریک کرنا ''شرک فی الصفات'' کہلاتا ہے۔

۴۔ **شرك في العلم**: علم غیب سمیت علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اس صفت میں کسی غیر کو اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھنا ''شرک فی العلم'' کہلاتا ہے۔

۵۔ **شرك في العبادات**: اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی مخلوق کو بھی شامل کرنا ''شرک فی العبادات'' کہلاتا ہے۔

۶۔ **شرك في التصرف**: یہ عقیدہ رکھنا کہ اس کائنات میں غیر اللہ کے تصرف، اختیار، مشیت اور حکم کا بھی دخل ہے۔

۷۔ **شرك في العادات**: اپنی عادات میں توحید کو مدنظر نہ رکھنا اور اللہ تعالیٰ کے شریک اور ساجھی ٹھہراتے رہنا، مثلاً شرکیہ نام رکھنا، غیر اللہ کی قسم کھانا، غیب کی باتیں پوچھنا

کیا توبہ کے بغیر مرنے والے مسلمان فاسق کی بخشش ممکن ہے؟

(٣٨)۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ مَرْفُوْعًا: ((تَعَالَوْا بَايِعُوْنِيْ عَلٰى أَنْ لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا، وَلَا تَسْرِقُوْا، وَلَا تَزْنُوْا، وَلَا تَقْتُلُوْا أَوْلَادَكُمْ، وَلَا تَأْتُوْا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُوْنَهُ بَيْنَ أَيْدِيْكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ، وَلَا تَعْصُوْنِيْ فِيْ مَعْرُوْفٍ، فَمَنْ وَفٰى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آؤ اور اس بات پر میری بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے، کسی پر بہتان نہیں باندھو گے اور نیکی کے معاملے میں میری نافرمانی نہیں کرو گے۔ جس نے یہ بیعت پوری کی اس کا اجر اللہ پر ہے اور جس

اللّٰهِ ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوْقِبَ بِـهٖ فِـيْ الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهٗ ، وَمَنْ أَصَابَ مِـنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَسَتَرَهُ اللّٰهُ فَأَمْرُهٗ إِلَى اللّٰهِ ، إِنْ شَـاءَ عَـاقَبَـهٗ ، وَإِنْ شَـاءَ عَـفَا عَنْهُ))۔ (الصحيحة:۲۹۹۹)

نے (کسی گناہ) کا ارتکاب کیا اور اسے اس کی سزا دے دی گئی تو وہ کفارہ بن جائے گی اور جس نے (کسی گناہ کا) ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈال دیا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، چاہے تو سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے۔‘‘

تخريج: أخرجه البخاري :١/ ٥٤ ، ٧/ ١٧٦ ، ٨/ ٥١٨ ، ١٢/ ٦٩ ، ١٣/ ١٧٣ والسياق له في رواية ، ومسلم: ٥/ ١٢٧ ، و الترمذي: ١٤٣٩ ، والنسائي: ٢/ ١٨٢ ق١٨٣ ، والدارمي :٢/ ٢٢٠ ، وأحمد: ٥/ ٣١٤ ، ٣٤٠ ، وابن ماجه :٢/ ١٢٩

فوائد :...... یہ بیعت کا اصول ہے کہ لوگوں سے نیک اعمال سرانجام دینے اور برے اعمال سے اجتناب کرنے کی بیعت لی جائے۔ آجکل مخصوص شخصیات کو بیعت کے لیے خاص کر لیا گیا ہے اور جہاں اس کی بیعت کو ضروری سمجھا جاتا ہے وہاں دوسروں کو ترغیب دینے کے ساتھ ساتھ ان بندگانِ خدا پر طعن و تشنیع اور سب و شتم کیا جاتا ہے جو اس قسم کی بیعت سے محروم رہتے ہیں۔ یہ سب کچھ بے سر و پا اور بے حقیقت ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: اس حدیثِ مبارکہ میں خوارج کا ردّ ہے، جو کبیرہ گناہوں کی وجہ سے اہل توحید کو کافر قرار دیتے ہیں اور معتزلہ کا بھی رد ہے، جو توبہ کے بغیر مرنے والے فاسق مسلمان کے لیے سزا ضروری قرار دیتے ہیں، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ توحید پرست گنہگار کی تعذیب یا عدمِ تعذیب کا مسئلہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے، وہ چاہے تو سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے۔ آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ضرور سزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا بھی یہی مفہوم ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (سورۂ نساء: ٤٨، ١١٦) ...... ’’یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے شرک اور دوسرے گناہوں کے درمیان فرق کیا ہے، یعنی شرک ناقابل معافی ہے اور دوسرے گناہ اس کی مشیت کے تابع ہیں، وہ ان کو معاف بھی کر سکتا ہے اور ان پر گرفت بھی کر سکتا ہے۔

ضروری ہے کہ اس آیت اور حدیث کو اس شخص پر محمول کیا جائے جو گناہوں سے توبہ کیے بغیر مر جائے گا، کیونکہ جو آدمی زندگی میں شرک سے توبہ کر لیتا ہے، اسے بخش دیا جاتا ہے، دوسرے گناہوں سے تائب ہونے والے کو تو بالأولی بخش دیا جائے گا۔ (بشرطیکہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لے)۔

میں اس استدلال کے ذریعے عصرِ حاضر کے ایسے لوگوں کا ردّ کرنا چاہتا ہوں جو کبھی تو کبیرہ گناہوں کی وجہ سے مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں اور کبھی یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ یہ گناہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوں گے اور اگر کوئی

مسلمان کبیرہ گناہ کا ارتکاب کر کے توبہ کیے بغیر مر جائے گا، تو اسے ہر صورت میں سزا ہو گی۔

ان لوگوں نے کتاب و سنت کی مخالفت کرتے ہوئے شرک اور اس سے ادنی گناہوں کو اس اعتبار سے برابر قرار دیا ہے کہ دونوں کی وجہ سے عذاب ضروری ہے، میں نے مختلف اوقات اور مجالس میں دلائل کے ساتھ ان لوگوں کا ردّ کیا ہے، بعض نے تو متاثر ہو کر اس عقیدے سے توبہ کر لی اور بہترین سلفی نوجوانوں میں شامل ہو گئے، اللہ تعالی باقیوں کو ہدایت دے۔ (صحیحه: ۲۹۹۹)

(۳۹)۔ عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: خَرَجْتُ لَيْلَةً مِنَ اللَّيَالِيْ، فَإِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ يَمْشِي وَحْدَهُ لَيْسَ مَعَهُ إِنْسَانٌ قَالَ: فَظَنَنْتُ أَنَّهُ يَكْرَهُ أَنْ يَمْشِيَ مَعَهُ أَحَدٌ، قَالَ: فَجَعَلْتُ أَمْشِيْ فِي ظِلِّ الْقَمَرِ، قَالَ: فَالْتَفَتَ فَرَآنِي، فَقَالَ: ((مَنْ هٰذَا؟)) فَقُلْتُ: أَبُوْ ذَرٍّ جَعَلَنِيَ اللّٰهُ فِدَاءَ كَ، قَالَ: ((يَا أَبَا ذَرٍّ! تَعَالَه)) قَالَ: فَمَشَيْتُ مَعَهُ سَاعَةً فَقَالَ: (إِنَّ الْمُكْثِرِيْنَ هُمُ الْأَقَلُّوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِلَّا مَنْ أَعْطَاهُ اللّٰهُ خَيْراً فَنَفَخَ فِيْهِ يَمِيْنَهُ وَشِمَالَهُ، وَبَيْنَ يَدَيْهِ وَوَرَاءَ هُ، وَعَمِلَ فِيْهِ خَيْراً.)) قَالَ: فَمَشَيْتُ مَعَهُ سَاعَةً، فَقَالَ: ((اِجْلِسْ هَاهُنَا.)) فَقَالَ: فَأَجْلَسَنِي فِي قَاعٍ حَوْلَهُ حِجَارَةٌ، فَقَالَ لِي: ((اِجْلِسْ هَاهُنَا حَتّٰى أَرْجِعَ إِلَيْكَ.)) قَالَ: فَانْطَلَقَ فِي الْحَرَّةِ حَتّٰى لَا أَرَاهُ، فَلَبِثَ عَنِّي، فَأَطَالَ اللَّبْثَ ثُمَّ إِنِّي سَمِعْتُهُ وَهُوَ مُقْبِلٌ يَقُوْلُ: ((إِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنٰى!)) قَالَ: فَلَمَّا جَاءَ لَمْ أَصْبِرْ، فَقُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! جَعَلَنِيَ اللّٰهُ فِدَاءَ كَ، مَنْ تُكَلِّمُ فِي جَانِبِ الْحَرَّةِ؟ مَا سَمِعْتُ أَحَداً يَرْجِعُ إِلَيْكَ شَيْئًا، قَالَ:

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں ایک رات کو نکلا، کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اکیلے چل رہے تھے، آپ کے ساتھ کوئی آدمی نہیں تھا۔ میں نے سمجھا کہ شاید آپ ﷺ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے ساتھ کوئی چلے۔ میں نے چاند کے سائے میں چلنا شروع کر دیا۔ آپ میری طرف متوجہ ہوئے، مجھے دیکھا اور پوچھا: ''یہ کون ہے؟'' میں نے کہا: میں ابوذر ہوں، اللہ مجھے آپ پر قربان کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابوذر! ادھر آؤ۔'' میں آپ کے پاس گیا اور آپ کے ساتھ کچھ دیر چلتا رہا۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: قیامت والے روز کثیر مال و دولت والے اجر و ثواب میں کم ہوں گے، مگر جس کو اللہ تعالی نے مال دیا اور اس نے (صدقہ کرتے ہوئے) اسے دائیں بائیں اور آگے پیچھے بکھیر دیا اور اس کے ذریعے نیک اعمال کئے۔'' پھر میں آپ کے ساتھ چلتا رہا، حتی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہاں بیٹھ جاؤ۔'' آپ ﷺ نے مجھے ایسی ہموار زمین میں بٹھایا، جس کے اردگرد پتھر پڑے ہوئے تھے۔ پھر فرمایا: ''میرے واپس آنے تک یہاں بیٹھے رہو۔'' پھر آپ ﷺ حرہ (کالے پتھروں والی زمین) کی طرف چلے گئے اور نظروں سے اوجھل ہو گئے، آپ ﷺ وہاں کافی دیر تک ٹھہرے رہے۔ پھر میں نے سنا آپ ﷺ یہ فرماتے ہوئے آرہے تھے: ''اگرچہ وہ چوری بھی کرے اور زنا بھی کرے۔''

((ذَاكَ جِبْرِيْلُ عَرَضَ لِي فِي جَانِبِ الْحَرَّةِ فَقَالَ: بَشِّرْ أُمَّتَكَ أَنَّهُ مَنْ مَاتَ لَايُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ فَقُلْتُ: يَاجِبْرِيْلُ! وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنٰى؟ قَالَ: نَعَمْ قَالَ: قُلْتُ: وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنٰى؟ قَالَ: قُلْتُ: وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنٰى؟ قَالَ: نَعَمْ وَإِنْ شَرِبَ الْخَمْرَ.)) (الصحيحة: ٨٢٦)

جب آپ ﷺ میرے پاس پہنچے تو مجھ سے صبر نہ ہو سکا اور میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! مجھے اللہ تعالی آپ پر قربان کرے! آپ حرہ زمین کے پاس کس سے گفتگو کر رہے تھے؟ پھر آپ کو کوئی جواب بھی نہیں دے رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ جبریل تھا، حرہ کے ساتھ ہی وہ مجھے ملا اور کہا: (اے محمد!) اپنی امت کو خوشخبری سنا دو کہ جو اس حال میں مرے کہ اس نے اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے کہا: جبریل! اگر چہ اس نے چوری بھی کی ہو اور زنا بھی کیا ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ میں نے کہا: اگر چہ اس نے چوری بھی کی ہو اور زنا بھی کیا ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ میں نے کہا: اگر چہ وہ چوری بھی کرے اور زنا بھی کرے؟ اس نے کہا: جی ہاں اور اگر چہ وہ شراب بھی پی لیا ہو۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٨/ ٧٩۔ نهضة، وفي "الأدب المفرد": ٨٠٣، ومسلم: ٣/ ٧٦، والترمذي: ٣/ ٢٦٩، وابن حبان في "صحيحه": ١٧٠۔ الاحسان، وأحمد: ٥/ ١٥٢٣

فوائد: ...... حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: ''اگر چہ اس نے چوری بھی کی ہو اور زنا بھی کیا ہو۔'' حدیث مبارکہ کا یہ جملہ انتہائی غور طلب ہے، کیونکہ عام لوگوں کو اس جملے سے گناہوں کا ارتکاب کرنے کی بلہ شیری ملتی ہے۔ حقیقت حال یہ ہے اس جملے میں خوارج اور معتزلہ جیسے گمراہ فرقوں کا ردّ ہے، جن کا خیال ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے والے ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ اگر اللہ تعالی نے شرک نہ کرنے والے لوگوں کے زنا اور چوری جیسے جرائم معاف کر دیئے تو وہ براہِ راست جنت میں چلے جائیں گے اور اگر اس نے معاف نہ کیا تو جہنم میں ان گناہوں کی سزا بھگتنے کے لیے عارضی طور پر ٹھہریں گے، پھر اس کے بعد جنت میں پہنچیں گے۔ یہ مفہوم کئی دوسری احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ نیز اس حدیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کبیرہ گناہوں کی وجہ سے نہ ایمان کی نفی ہوتی ہے اور نہ ان کی وجہ سے نیکیاں ضائع ہوتی ہیں۔

قبولیتِ اسلام کے بعد کفر کرنا سنگین جرم ہے، کیا مرتد کی توبہ ممکن ہے؟

(٤٠)۔ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى لَايَقْبَلُ تَوْبَةَ عَبْدٍ كَفَرَ بَعْدَ إِسْلَامِهِ.)) (الصحيحة: ٢٥٤٥)

معاویہ بن حکیم بن حزام اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بیشک اللہ تعالی اس بندے کی توبہ قبول نہیں کرتے جو اسلام کے بعد پھر کفر کر جاتا ہے۔''

تحریج: أخرجه أحمد: ٤/ ٤٤٦، ٥/ ٢، ٣

فوائد:..... امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

اس حدیث کا یہ متن بیان کرنے میں بہز بن حکیم عن ابیہ (مسند احمد: ۵/۵) نے ابوقزعہ کی متابعت کی ہے، لیکن اس کی حدیث میں "تَوْبَةً" کی بجائے "عَمَلًا" ہے۔

بہز بن حکیم ثقہ اور حجت ہے، بالخصوص جب وہ اپنے باپ سے روایت کر رہے ہوں، بہز کی روایت سے ابوقزعہ کی روایت کی تفسیر ہو رہی ہے اور اس پر وارد ہونے والے اشکال کو زائل کر رہی ہے، اس حدیث کا وہی مفہوم ہے جو اس آیت میں پیش کیا گیا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ﴾ (سورۂ آل عمران: ۹۰) ..... "بیشک جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور پھر کفر میں زیادہ ہو گئے، ہرگز ان کی توبہ قبول نہ کی جائے گی۔"

اکثر مفسرین کو اس آیت کو سمجھنے میں اشکال ہوا ہے، کیونکہ دین اسلام کا حتمی قانون ہے کہ کافر اور مرتد کی توبہ قبول ہو جاتی ہے، لیکن یہ آیت ظاہری طور پر اس قاعدے کی مخالفت کر رہی ہے۔ سورۂ آل عمران میں پورا مضمون یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿كَیْفَ یَهْدِی اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ وَ شَهِدُوْۤا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ اُولٰٓىٕكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَیْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓىٕكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۝ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ۝﴾ (سورۂ آل عمران: ۸۶ تا ۹۰)

"اللہ تعالیٰ اس قوم کو کیسے ہدایت دے گا، جو ایمان قبول کرنے اور رسول کے برحق ہونے کی گواہی دینے کے بعد پھر کفر کر جائے اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ ان لوگوں کا بدلہ یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہوتی ہے۔ یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، نہ ان کے لیے عذاب میں کوئی تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ مگر وہ لوگ جو اس کے بعد تائب ہوئے اور (اپنی) اصلاح کی، پس بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ بیشک جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور پھر کفر میں زیادہ ہو گئے، ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اور یہی لوگ گمراہ ہیں۔"

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ جہاں آیات (۸۶، ۸۷، ۸۸، ۹۰) میں توبہ کی نفی کی گئی ہے، وہاں آیت (۸۹) میں توبہ کو ممکن قرار دے کر توبہ کرنے والوں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

ان دو قسم کی آیات میں پائے جانے والے ظاہری تعارض کو کیسے دور کیا جائے، ان میں جمع تطبیق کیسے ممکن ہے، اس

اشکال کو کیسے دور کیا جائے؟ جواباً بہت سارے اقوال منظرِ عام پر آئے ہیں، اس مقام پر ان کو ذکر کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

میرا خیال ہے کہ اگر بہز بن حکیم کی ”عَـمَـلَـه“ الفاظ والی روایت کو سامنے رکھا جائے تو ابوقزعہ کی روایت اور ان آیات سے پیدا ہونے والا اشکال دور ہو جاتا ہے۔ پس ابوقزعہ کی حدیث ((إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالىٰ لَايَقْبَلُ تَوْبَةَ عَبْدٍ كَـفَرَ بَعْدَ إِسْلَامِهِ .)) کا مفہوم یہ ہوگا کہ جب ایسا آدمی دورانِ کفر کسی گناہ سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتے، کیونکہ توبہ بھی ایک عمل ہے اور شرک ہر قسم کے عمل کو ضائع کر دیتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾..... ”اگر تو نے شرک کیا تو تیرے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔“ اسی طرح سورۂ آل عمران کی آیت (۹۰) میں ﴿لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ﴾ کا بھی یہی مفہوم ہے کہ ایسے کفر کی حالت میں بعض گناہوں سے توبہ کرنا چاہیں تو ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔

خلاصہ کلام یہ ہے آیات و احادیث میں جس توبہ کی قبولیت کی نفی کی گئی ہے، اس سے مراد حالتِ کفر میں بعض گناہوں سے توبہ کرنا ہے، نہ کہ کفر سے توبہ کرنا، کیونکہ جو کافر یا مرتد جب بھی اپنے کفر و شرک سے توبہ کرے گا، اس کی توبہ فوراً قبول کی جائے گی۔ بعض سلف نے بھی ایسی آیات کی یہی تفسیر بیان کی ہے، جیسا کہ علامہ آلوسی نے (تفسیر روح المعانی) میں مختلف اقوال ذکر کرنے کے بعد کہا:

ایک قول یہ بھی ہے: بعض لوگ کفر کی حالت میں بعض گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں، پھر ان پر نادم ہو کر ان سے توبہ کرتے ہیں، لیکن کفر پر مصرّ رہتے ہیں۔ اس آیت میں اسی قسم کی توبہ کی قبولیت کی نفی کی گئی ہے۔ اس قول کی تائید ابو العالیہ کی تفسیر سے بھی ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں: یہود و نصاریٰ نے ایمان کے بعد کفر کیا، پھر ایسے ایسے گناہوں کا ارتکاب کیا، جن کی وجہ سے ان کے کفر میں مزید اضافہ ہوتا گیا۔ پھر ان لوگوں نے اپنے کفر پر برقرار رہتے ہوئے بعض گناہوں سے توبہ کرنا چاہی، لیکن ان کی توبہ قبول نہ ہوئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ گمراہ تھے، اگر ہدایت پر ہوتے تو ان کی توبہ قبول ہو جاتی۔

میں (البانی) کہتا ہوں: اسی قول کو امام المفسرین ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختیار کیا، مزید معلومات کا خواہش مند ان کی تفسیر کا خود مطالعہ کر لے۔ (صحیحہ: ۲۵٤٥)

ایصالِ ثواب کی صورتیں

(٤١)۔ عَـنْ عَبْـدِالـلّٰهِ بْنِ عَمْرٍو ، قَالَ إِنَّ الْـعَـاصَ بْـنَ وَائِـلٍ نَـذَرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ يَـنْـحَـرَ مِـئَةَ بُدْنَةٍ ، وَأَنَّ هِشَامَ بْنَ الْعَاصِ نَـحَـرَ حِـصَّتَـهُ خَمْسِيْنَ بُدْنَةً ، وَأَنَّ عَمراً

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: عاص بن وائل نے دورِ جاہلیت میں نذر مانی کہ وہ سو اونٹ ذبح کرے گا (لیکن وہ نذر پوری کرنے سے پہلے مر گیا)، اس کے بیٹے ہشام بن عاص نے اپنے حصے کے پچاس اونٹ ذبح کر دیے تھے اور

سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ۔ فَقَالَ: ((أَمَا أَبُوْكَ فَلَوْ كَانَ أَقَرَّ بِالتَّوْحِيْدِ، فَصُمْتَ وَتَصَدَّقْتَ عَنْهُ، نَفَعَهُ ذٰلِكَ .)) (الصحيحة:٤٨٤)

دوسرے بیٹے سیدنا عمرو نے نبی کریم ﷺ سے اس کے بارے میں سوال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تیرے باپ نے توحید کا اقرار کیا ہوتا اور تو اس کی طرف روزہ رکھتا یا صدقہ کرتا تو اسے فائدہ ہوتا۔''

تخریج:..... أخرجه الامام أحمد: ۲/ ۱۸۲

فوائد :......امام البانی ؒ رقمطراز ہیں: یہ حدیث اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ایصالِ ثواب کے لیے مسلمان والدین کی طرف سے صدقہ کرنا اور روزے رکھنا درست ہیں، اگر چہ انھوں نے ان امور کی وصیت نہ کی ہو۔ چونکہ اولاد والدین کی کمائی ہوتی ہے، اس لیے والدین کے حق میں اولاد کے اعمالِ خیر اس آیت کے عموم میں داخل ہیں: ﴿وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى﴾ (سورۂ نجم: ۳۹) ...... ''اور انسان کے لیے نہیں ہے، مگر جو وہ خود کوشش کرے۔'' اس لیے اولاد اور والدین کے بارے میں جتنی احادیث وارد ہوئی ہیں، ان کو خاص اور عام کے باب میں لے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس موضوع کی تمام احادیث اولاد اور والدین کے ساتھ خاص ہیں، لیکن مجد بن تیمیہ نے (المنتقی) میں ان خاص احادیث سے یہ استدلال کیا کہ کوئی آدمی ایصالِ ثواب کے لیے کسی میت کے حق میں اس قسم کے نیک کام کر سکتا ہے۔ لیکن یہ استدلال درست نہیں ہے، کیونکہ دعوی عام ہے کہ ہر کوئی کسی کے حق میں یہ اعمالِ صالحہ سرانجام دے سکتا ہے اور دلائل خاص ہیں۔ کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو اس عموم کا فائدہ دے کہ ہر میت کی طرف سے اعمالِ خیر سرانجام دیئے جا سکتے ہیں، مگر چند مخصوص امور، جن کا ذکر امام شوکانی نے (نیل الاوطار: ۴/ ۷۸۔۸۰) میں اور راقم نے (احکام الجنائز وبدعھا) میں کیا ہے۔ (صحیحہ: ٤٨٤)

امام البانی ؒ نے (احکام الجنائز وبدعھا: ص۱۶۸۔ ۱۷۸) میں "ما ینتفع به المیت" (میت کو جن امور کے ذریعے فائدہ پہنچتا ہے) کے عنوان کے تحت نہایت مفید بحث کی ہے، ہم صرف اس کا خلاصہ نقل کریں گے، شائقین کو خود مطالعہ کر لینا چاہیے۔

وہ فرماتے ہیں: درج امور میت کے لیے فائدہ مند ہو سکتے ہیں:

۱۔ مسلمان کا اس کے حق میں دعا کرنا۔

۲۔ میت کے ولی کا اس کی طرف سے نذر کے روزے رکھنا۔

۳۔ کسی شخص کا میت کا قرضہ چکا دینا۔

۴۔ نیک اولاد کے اعمالِ صالحہ کا ثواب ان کے والدین کو پہنچتا رہے گا، کیونکہ اولاد، والدین کی اپنی کمائی ہوتی ہے، لیکن اس سلسلے میں اولاد کے اجر وثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

۵۔ وہ آثارِ صالحہ اور صدقاتِ جاریہ، جو خود میت سر انجام دے گیا ہو۔ (احكام الجنائز و بدعها: صـ۱۶۸ـ ۱۷۸)

ہمارے ہاں ایصالِ ثواب کے لیے مختلف معین دنوں میں قل شریف اور ختم شریف وغیرہ کا اہتمام کیا جاتا ہے، جو کہ بدعت کی اقسام میں سے ہے، ایصالِ ثواب کا یہ انداز کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

کفر کی حالت میں مرنے والے کافروں کے نیک اعمال رائیگاں ہو جاتے ہیں

(۴۲)۔ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ الْحُصَيْنِ ، قَالَ: جَاءَ حُصَيْنٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَرَأَيْتَ رَجُلاً كَانَ يَصِلُ الرَّحِمَ ، وَيَقْرِي الضَّيْفَ مَاتَ قَبْلَكَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((إِنَّ أَبِي وَأَبَاكَ فِي النَّارِ .)) فَمَا مَضَتْ عِشْرُوْنَ لَيْلَةً حَتّٰى مَاتَ مُشْرِكًا۔ (الصحيحة:۲۵۹۲)

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حصین، نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہا: ایک آدمی صلہ رحمی اور سہمانوں کی میزبانی تو کرتا تھا، لیکن وہ آپ سے پہلے فوت ہو گیا، (اب اس کی ان نیکیوں کا کیا بنے گا)؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرا باپ اور تیرا باپ دونوں جہنمی ہیں۔'' ابھی تک بیس دن نہیں گزرے تھے کہ وہ شرک کی حالت میں مر گیا تھا۔

تخريج: أخرجه الطبراني في "الكبير": ۳۵۵۲

فوائد: ......امام البانی رحمہ اللہ اس حدیث پر اہم، مفید اور طویل بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میرے مسلم بھائی! موجودہ اور پچھلے زمانے کے کچھ لوگ اس قسم کی بعض احادیثِ صحیحہ کو نہیں سمجھ سکے، انھوں نے دلیل یہ پیش کی ہے کہ اگر ان احادیث کو تسلیم کیا جائے تو رسول اللہ ﷺ کے والدین کو کافر کہنا پڑتا ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو داعیانِ اسلام ظاہر کر کے اس قسم کے موضوع پر دلالت کرنے والی احادیث اور ان کی واضح دلالت کی سخت مذمت کرتے ہیں۔

میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ اگر یہ لوگ ان کو احادیث نبویہ تسلیم نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ یہ نبی کریم ﷺ کی مذمت کر رہے ہیں، جنھوں نے یہ احادیث بیان کیں اور ایسے کرنا واضح کفر ہے یا پھر یہ لوگ ان ائمہ کی مذمت کر رہے ہیں، جنھوں نے یہ احادیث بیان کیں اور ان کو صحیح کہا اور ایسے کرنا بھی فسق یا کفرِ صریح ہے، کیونکہ اس طرح کرنے سے مسلمان اپنے دین کو مشکوک سمجھنے لگ جائیں گے۔

ہر ذی شعور اور ذی بصیرت مسلمان جانتا ہے کہ دین کی معرفت اور اس پر ایمان کی بنیاد نبی کریم ﷺ پر ہے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے ذاتی ذوق اور خواہش کی موافقت کرتے ہوئے اس طریق کی تصدیق نہیں کرے گا، تو اس سے صحیح احادیث کو رد کرنے کا بہت بڑا دروازہ کھل جائے گا۔ غزالی، ہویدی، بلیق اور ابن عبد المنان جیسے مصنفین کی تصنیفات ہمارے دعوے کی تصدیق کرتی ہیں، کیونکہ ان لوگوں کے پاس احادیث کو صحیح یا ضعیف قرار دینے کے لیے ذاتی ذوق اور خواہش کے علاوہ کوئی میزان و معیار نہیں تھا۔

دین کے بارے میں فکر مند رہنے والے مسلمان! قابل غور بات یہ ہے کہ جن احادیث میں کسی شخص کے کفر یا ایمان کا حتمی فیصلہ کر دیا جاتا ہے، ان کا تعلق غیبی امور سے ہے، جن پر ایمان لانا اور ان کو قبول کرنا فرض ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿الٓمٓ ○ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ○ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ﴾ (سورۂ بقرہ: ۱۔۳) ..... ''الم۔ یہ کتاب، اس میں کوئی شک نہیں، یہ پرہیزگار لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔'' نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ (سورۂ احزاب: ۳۶) ..... ''اور (دیکھو) کسی مومن مرد و عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔''

پس ان احادیث سے اعراض کرنے اور ان پر ایمان نہ لانے سے دو امور میں سے ایک لازم آتا ہے: (۱) نبی کریم ﷺ کو جھٹلانا یا پھر (۲) حدیث کو روایت کرنے والے ثقہ راویوں کو جھٹلانا۔

میں جانتا ہوں کہ امام سیوطی رحمہ اللہ کی طرح جو لوگ ان احادیث کا انکار کرتے ہیں یا ان کی باطل اور ناقابل قبول تاویلات کرتے ہیں، ان کو ایسا کرنے پر آمادہ کرنے والی چیز نبی کریم ﷺ کی تعظیم اور محبت میں غلو ہوتی ہے۔ اس لیے یہ لوگ آپ ﷺ کے والدین کے جہنمی ہونے کا انکار کر دیتے ہیں، حالانکہ آپ ﷺ نے خود یہ احادیث بیان کیں۔ ممکن ہے کہ یہ لوگ آپ ﷺ کے والدین کے حق میں آپ ﷺ سے زیادہ شفیق ہوں!!

ان میں سے بعض افراد تو اس حدیث کی طرف مائل ہونے سے بھی باز نہیں رہ سکتے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے لیے آپ کی ماں یا والدین کو زندہ کر دیا تھا۔ لیکن یہ حدیث من گھڑت اور باطل ہے، جیسا کہ امام دارقطنی، امام جوزرقانی، امام ابن عساکر، حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے وضاحت کی۔ آپ خود جوزرقانی کی کتاب (الأباطيل والمناكير: ۱/ ۲۲۲۔ ۲۲۹ بتعليق الدكتور عبد الرحمن الفريوائی) کا مطالعہ کر لیں۔ امام ابن جوزی نے (الموضوعات: ۱/ ۲۸۴) میں کہا: یہ حدیث بلا شک و شبہ موضوع ہے۔ اس حدیث کو وضع کرنے والا شخص کج فہم اور جاہل تھا۔ اگر وہ عالم ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کہ جو آدمی کافر مرتا ہے، اسے دوبارہ زندہ ہونے کے بعد ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اس قسم کی موضوع حدیث کو رد کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کافی ہے: ﴿وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (سورۂ بقرہ: ۲۱۷) ..... ''اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے پلٹ جائیں اور اسی کفر کی حالت میں مر جائیں، ان کے دنیوی اور اخروی اعمال غارت ہو جائیں گے، یہ لوگ جہنمی ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہیں گے۔''

نیز آپ نے فرمایا: ((اِسْتَأْذَنْتُ رَبِّ اَنْ أَسْتَغْفِرَ لِأُمِّيْ فَلَمْ يَأْذَنْ لِيْ .)) یعنی: ''میں نے اپنے رب سے اپنی ماں کے لیے بخشش طلب کرنے کی اجازت طلب کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت نہ دی۔''

امام شوکانی کی کتاب (الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة) پر تعلیق لگاتے ہوئے شیخ عبدالرحمٰن یمانی نے بڑی مختصر اور عمدہ بات کی ہے، وہ کہتے ہیں: زیادہ تر دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ محبت پر قابو نہ کر سکنے کی وجہ سے حقیقی دلائل کو رد کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ جن احباب کو خیر و بھلائی کی توفیق دی جاتی ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ چیز شرعی محبت کے مخالف ہے۔

میں (البانی) کہتا ہوں کہ امام سیوطی عفا اللہ عنہ بھی ان افراد میں سے ہے کہ محبت کا معاملہ جن کے قابو سے باہر ہو گیا، اسی لیے آپ ﷺ کے والدین کی دوبارہ زندگی کے بارے میں جو حدیث جلیل القدر علما کے نزدیک باطل تھی، یہ اس کی تصحیح کی طرف مائل ہو گئے اور پھر انھوں نے (اللآلی) میں اس حدیث اور آپ ﷺ کو ماں کے حق میں استغفار کرنے کی اجازت نہ ملنے والی حدیث میں جمع و تطبیق شروع کر دی اور نتیجتاً یہ دعوی کر دیا کہ جس حدیث میں استغفار کی اجازت نہیں دی گئی، وہ منسوخ ہے۔ حالانکہ امام سیوطی جانتے تھے کہ نسخ کا تعلق احکام سے ہوتا ہے، نہ کہ اخبار سے اور یہ احادیث، اخبار سے متعلقہ ہیں۔ کیا ان کو یہ بات سمجھ نہ آسکی کہ آیا یہ ممکن ہے کہ صادق و مصدوق پیغمبر پہلے ایک شخص کے بارے میں جہنمی ہونے کی اطلاع دیں اور پھر اس قول کو منسوخ کر کے فرما دیں کہ وہ تو جنتی ہوگا؟

امام سیوطی نے اپنی بحث کے دوران صحیح مسلم کی سیدنا انس رضی اللہ عنہ والی حدیث سے مکمل اعراض کیا اور اس کی طرف معمولی اشارہ تک بھی نہ کیا، بلکہ ان کے قلم نے زیادتی کی اور حماد بن سلمہ سے متعلقہ بعض لوگوں کی جرح کو سامنے رکھتے ہوئے اس حدیث پر ضعیف کا حکم لگا دیا۔ حالانکہ امام سیوطی جانتے تھے کہ یہ راوی، ائمہ اور ثقات رواۃ میں سے ہے اور ثابت سے اس کی روایت صحیح ہے، بلکہ امام ابن مدینی اور امام احمد نے تو کہا: ثابت کے شاگردوں میں سب سے زیادہ ثقہ حماد بن سلمہ ہے۔ (صحیحہ: ۲۵۹۲)

امام البانی رحمہ اللہ کی صحیح مسلم کی سیدنا انس والی حدیث سے مراد یہ روایت ہے:

ایک آدمی، نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول میرا باپ کہاں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((فِي النَّارِ.)) ...... ''آگ میں ہے۔'' جب وہ جانے لگا تو آپ ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا: ((إِنَّ أَبِي وَأَبَاكَ فِي النَّارِ.)) ...... ''بیشک میرا باپ اور تیرا باپ دونوں آگ میں ہیں۔'' (مسلم)

بلاشک و شبہ نبی کریم ﷺ سے محبت کرنا جزو ایمان ہے اور آپ ﷺ کی محبت کی وجہ آپ کے تمام قرابتدار نورِ چشم نظر آتے ہیں۔ بہر حال یہ محبت شرعی اصولوں کے تحت ہوگی، نہ کہ ہمارے مزاج اور فطرت کے مطابق۔

نبی کریم ﷺ کی محبت کا اولین تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اقوال و افعال کو برحق تسلیم کیا جائے اور حسبِ استطاعت ان پر عمل کیا جائے۔ بعض لوگ اس محبت کی روح کو نہ سمجھ سکے اور اس کے سلسلے میں اپنے مزاج کو فوقیت دیتے ہوئے ان احادیث صحیحہ کو رد کرنا شروع کر دیا، جن میں آپ ﷺ نے اپنے والدین کے گمراہ ہونے کی نشاندہی کی۔

سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کو یہ شبہ کیوں ہوا؟ ظاہر بات ہے کہ اس شبہ کی بنیاد آپ ﷺ کا رسولِ خدا ہونا ہے۔

ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ آپ ﷺ کا سب سے عظیم وصف رسول ہونا ہے، باقی تمام اوصاف اسی وصف کے تابع ہیں۔

قرآن مجید کی رو سے حضرت نوح علیہ السلام جیسے ذوالعزم پیغمبر کا بیٹا اور بیوی کافر تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے جد الانبیاء پیغمبر کا باپ کافر اور مشرک تھا اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کافر تھی۔ ان مثالوں سے یہ واضح ہوا کہ رسالت ایسا وصف نہیں کہ جس کی وجہ سے رسول کے والدین اور اولاد کے مسلمان ہونے کی ذمہ داری دی گئی ہو۔

اگر یہ لوگ اپنے آپ کو محبت مصطفیٰ میں گرفتار سمجھ کر ان احادیث کو ردّ کرنا شروع کر دیتے ہیں، تو ان آیات کے بارے میں کیا کہیں گے کہ جن میں انبیاء و رسل کے آبا یا اولاد کو کافر قرار دیا گیا ہے؟

قبولیتِ اسلام کے بعد کافر کی حالتِ کفر میں کی گئی نیکیوں کی اہمیت

(٤٣)۔ عَنْ عَائِشَةَ: قَالَتْ: قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! ابْنُ جَدْعَانَ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ يَصِلُ الرَّحِمَ وَيُطْعِمُ الْمَسَاكِيْنَ، فَهَلْ ذَاكَ نَافِعُهُ؟ قَالَ: ((لَا يَاعَائِشَةُ! إِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا: رَبِّ اغْفِرْلِيْ خَطِيْئَتِي يَوْمَ الدِّيْنِ.)) (الصحيحة:٢٤٩)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ابن جدعان دورِ جاہلیت میں صلہ رحمی کرتا تھا اور مساکین کو کھانا کھلاتا تھا، آیا یہ نیکیاں اس کے لئے نفع مند ثابت ہوں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، عائشہ! اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا تھا: اے میرے رب! روزِ قیامت میرے گناہوں کو بخش دینا۔''

تخريج: أخرجه مسلم ١/ ١٣٦، وأبوعوانة: ١/ ١٠٠، وأحمد في "المسند"، وابنه عبدالله في "زوائده": ٦/ ٩٣، وأبوبكر العدل في "اثنا عشر مجلسا": ق ٦/ ١، والواحدي في "الوسيط": ٣/ ١٦٧/ ١

فوائد:...... امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ جب کوئی کافر اسلام قبول کرتا ہے تو اس کی جہالت میں کی گئی نیکیاں محفوظ رہتی ہیں۔ ہاں اگر وہ کفر پر ہی مر جائے تو اس کے تمام نیک اعمال کفر کی وجہ سے ضائع ہو جاتے ہیں۔

نیز اس حدیثِ مبارکہ سے پتہ چلا جو لوگ حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے قبل مر گئے تھے، ان کو اہل فترہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کو رسولوں کی دعوت نہ پہنچی ہو، کیونکہ اگر ایسے ہوتا تو ابن جدعان عذاب کا مستحق نہ ٹھہرتا اور اس کے اعمال صالحہ رائیگاں نہ جاتے۔ کئی احادیث میں اس مضمون کی وضاحت کی گئی ہے۔ (صحیحہ: ٢٤٩)

جس قوم کو بشیر و نذیر کا کوئی علم نہ ہو اور وہ رسولوں کی دعوت سے مکمل طور پر غافل ہو، ایسی قوم کو اہل فترہ کہتے ہیں، یعنی ان کی برائیوں کا کوئی مؤاخذہ نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ایسے لوگوں کو ثواب اور گناہ کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔

(٤٤)۔ عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا أَسْلَمَ الْعَبْدُ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب آدمی اسلام قبول کرتا ہے اور اس کے

فَحَسُنَ إِسْلَامُهُ، كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ كُلَّ حَسَنَةٍ كَانَ أَزْلَفَهَا، وَمُحِيَتْ عَنْهُ كُلُّ سَيِّئَةٍ كَانَ أَزْلَفَهَا، ثُمَّ كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ الْقِصَاصُ: الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلٰى سَبْعِ مِئَةِ ضِعْفٍ وَالسَّيِّئَةُ بِمِثْلِهَا إِلَّا أَنْ يَتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَنْهَا.)) (الصحيحة: ٢٤٧)

اسلام میں حسن آ جاتا ہے، تو اس نے جو نیکی کی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اسے لکھ کر (محفوظ کر لیتا) ہے اور اس نے جس برائی کا ارتکاب کیا ہوتا ہے اسے مٹا دیا جاتا ہے۔ پھر (اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مزید بدلہ یوں ہوتا ہے کہ ایک نیکی دس سے سات سو گنا تک کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور رہا مسئلہ برائی کا، تو وہ ایک ہی رہتی ہے، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ وہ بھی معاف کر دے۔''

تخریج: أخرجه النسائي: ٢/ ٢٦٧ ـ ٢٦٨

فوائد:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

محقق علمائے اسلام کے مسلک کے مطابق درست بات یہ ہے کہ جو کافر حالتِ کفر میں صدقہ و خیرات اور صلہ رحمی جیسی نیکیاں سرانجام دینے کے بعد مسلمان ہوتا ہے تو اس کی سابقہ نیکیوں کا ثواب بھی محفوظ رکھا جاتا ہے۔ بعض نے تو اس رائے پر مسلمانوں کے اجماع واتفاق کا دعویٰ کیا ہے۔

جبکہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مسلک شرعی قواعد کے مخالف ہے۔ لیکن یہ مسلک غیر مسلم ہے، کیونکہ دنیا میں کافر کے بعض افعال کا اعتبار کیا جاتا ہے، جیسے اگر کوئی کافر حالتِ کفر میں ظہار کا کفارہ ادا کرتا ہے تو قبولیتِ اسلام کے بعد دوبارہ ادا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

حافظ ابن حجر نے کہا: اس حدیث میں ثواب کے لکھے جانے کا ذکر ہے، نہ کہ ان کے قبول ہونے کا۔ ممکن ہے کہ قبولیت کو اسلام کے ساتھ معلق کر دیا گیا ہو، یعنی اگر وہ کافر مسلمان ہو گیا تو اس کی نیکیاں قبول بھی کی جائیں اور اس کو ثواب بھی دیا جائے گا، وگرنہ نہیں۔ یہی مذہب قوی ہے۔ قدما میں سے امام نووی، ابراہیم حربی اور ابن بطال وغیرہ نے اور متاخرین میں سے امام قرطبی اور ابن منیر وغیرہ نے اسی مسلک کی تائید کی۔

ابن منیر نے کہا: کوئی مانع نہیں کہ کافر کفر کی حالت میں خیر و بھلائی کے جو کام خیر و بھلائی کی نیت سے کرتا ہے، قبولیتِ اسلام کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو سابقہ نیک امور پر ثواب عطا فرما دے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ عاجز مسلمان (مریض یا مسافر وغیرہ) کو ان اعمال کا ثواب عطا کرتا رہتا ہے، جو وہ طاقت وقدرت کے زمانے میں سرانجام دیتا تھا اور عاجزی کے دوران نہیں کر سکتا۔ اگر کسی عمل کو ادا کیے بغیر اس کا ثواب وصول کیا جا سکتا ہے، تو اس عمل کا ثواب بھی دیا جا سکتا ہے، جس میں مکمل شرطیں نہ پائی جاتی ہوں۔

بعض علمائے اسلام نے اس مسئلہ کو ثابت کرنے کے لیے اس چیز سے استدلال کیا ہے کہ جب اہل کتاب یعنی یہودی اور عیسائی اسلام قبول کرتے ہیں تو ان کو دوگنا اجر دیا جاتا ہے، جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہوتا ہے، لیکن

اگر وہ یہودیت اور عیسائیت پر ہی مر جائیں تو ان کو ان کے نیک اعمال کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ کافر کے نیک اعمال لکھے جاتے ہیں، لیکن اس کے لیے حصول ثواب کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ اسلام قبول کرے۔ غور فرمائیں کہ جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابن جدعان کے اعمالِ صالحہ کے بارے میں سوال کیا کہ آیا ان سے اس کو فائدہ ہوگا؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ''ابن جدعان نے تو ایک دن بھی یہ نہیں کہا: اے میرے رب! قیامت کے روز میری خطائیں بخش دینا۔'' اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ اسلام قبول کر لیتا تو حالت کفر میں سرانجام دیے گئے اعمالِ خیر اس کے لیے مفید ثابت ہوتے۔

میں (البانی) کہتا ہوں: یہی مسلک مختلف احادیث کی روشنی میں برحق ہے، کسی کو اس کی مخالفت زیب نہیں دیتی۔ علامہ سندھی نے سنن نسائی پر اپنے حاشیے میں کہا: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کافر کی نیکیاں موقوف ہوتی ہیں، اگر وہ مشرف باسلام ہو جائے تو وہ مقبول ہو جاتی ہیں، وگرنہ مردود۔ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد کو ان کافر لوگوں پر محمول کیا جائے گا، جو کفر کی حالت میں مر جائیں گے:

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ﴾ (سورۂ نور: ۳۹) ...... ''کافر لوگوں کے اعمال تو سراب کی طرح (بے حقیقت) ہیں۔''

ظاہر بات تو یہی ہے کہ درج بالا مسلک کی مخالفت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان بہت وسیع ہے۔

میں (البانی) کہتا ہوں: علامہ سندھی رحمہ اللہ نے جو آیت ذکر کی ہے، اس قسم کی تمام آیات کا یہی مفہوم ہے، جن میں شرک کی وجہ سے عمل ضائع ہونے کی وعیدیں بیان کی گئی ہیں، مثلا ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾ (سورۂ زمر: ۶۵) ...... ''(اے محمد!) آپ کی طرف اور آپ سے پہلے والے (انبیا و رسل) کی طرف یہ وحی کی گئی کہ اگر تو نے شرک کیا تو ضرور ضرور تیرے عمل ضائع ہو جائیں گے اور تو ضرور ضرور خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائے گا۔''

ان اور اس موضوع سے متعلقہ تمام آیات کو اس شخص پر محمول کیا جائے گا، جو شرک کی حالت میں مرتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (سورۂ بقرہ: ۲۱۷) ...... ''اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے مرتد ہوئے اور اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر ہوں، تو دنیا وآخرت میں ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور یہی لوگ جہنمی ہیں، اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

اس بحث پر ایک اور فقہی مسئلہ مرتب ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ایک مسلمان حج ادا کرنے کے بعد مرتد ہو جاتا ہے، پھر ارتداد کے بعد مشرف باسلام ہو جاتا ہے، تو اس کا سابقہ حج ضائع نہیں ہوگا اور دوبارہ حج کرنا اس پر فرض نہیں ہوگا۔ امام

شافعی کا یہی مسلک ہے، لیث بن سعد کا ایک قول بھی اسی کے حق میں ہے۔ امام ابن حزم نے اسی مسلک کو ترجیح دی اور اس کے حق میں بہت عمدہ اور مضبوط کلام کی، میں اس کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں:

جو مسلمان حج و عمرہ کی ادائیگی کے بعد مرتد ہو جائے، پھر اللہ تعالیٰ اسے ہدایت دے کر جہنم سے بچالے اور وہ مسلمان ہو جائے تو دوبارہ حج اور عمرہ کی ادائیگی اس پر عائد نہیں ہوگی، امام شافعی کا یہی مسلک ہے اور لیث بن سعد کا بھی ایک قول یہی ہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور ابوسلیمان کا خیال ہے کہ اس کا سابقہ حج یا عمرہ ضائع ہو جائے گا اور اسے یہ فریضہ دوبارہ ادا کرنا پڑے گا، انھوں نے اپنی رائے کے حق میں یہ آیت پیش کی: ﴿لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾ (سورۂ زمر: ٦٥) ...... ''اگر تو نے شرک کیا تو تیرے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تو خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائے گا۔''

اس مسلک کے قائلین نے صرف یہ دلیل پیش کی ہے، لیکن درحقیقت یہ دلیل ان کے لیے حجت نہیں ہے، کیونکہ اس آیت میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ اگر مشرک شرک کی حالت میں مر جاتا ہے تو اس کے اعمال ضائع ہو جائیں گے، لیکن اگر وہ مسلمان ہو جاتا ہے تو اس کے سابقہ اعمال صالحہ محفوظ کر لیے جائیں گے۔ یہی حق ہے، اس میں کوئی شائبہ نہیں۔ ہاں یہ بات مسلم ہے اگر مشرک حالت شرک میں حج، عمرے، نماز، روزے اور زکوۃ جیسے اعمال کرتا ہے تو یہ واجبات اس سے کفایت نہیں کریں گے، (کیونکہ ان اعمال کا شرعی احکام کے مطابق شروط و قیود کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے)۔

اس آیت کے آخری جملے ﴿وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾ (اور تو خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائے گا۔) پر غور کریں۔ اس جملے سے بھی یہ استدلال کرنا درست ہے کہ اگر مرتد مشرف باسلام ہو جاتا ہے، تو قبولیت اسلام سے پہلے والے سر انجام دیے گے اعمالِ صالحہ ضائع نہیں ہوں گے، بلکہ ان کو لکھ لیا جائے گا اور ان کا ثواب دیا جائے گا، کیونکہ امت مسلمہ اس بات پر متفق ہے کہ اگر مرتد دوبارہ اسلام قبول کر لیتا ہے تو یقیناً فلاح پانے والوں اور کامیاب و کامران ہونے والوں میں سے ہو جائے گا اور خسارہ اٹھانے والوں میں سے نہیں رہے گا۔ پس معلوم ہوا جس مشرک کے عمل ضائع ہو جاتے ہیں وہ وہ ہوتا ہے جو کفر و شرک اور ارتداد کی حالت میں مر جاتا ہے۔

غور فرمائیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (سورۂ بقرہ: ٢١٧) ...... ''اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے مرتد ہوئے اور اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر ہوں، تو دنیا و آخرت میں ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور یہی لوگ جہنمی ہیں، اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

اس آیت کریمہ میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ مرتد کے اعمال اس وقت ضائع ہو جائیں گے، جب وہ کفر کی

حالت میں مر جائے گا۔

نیز اللہ تعالی کے درج ذیل فرمودات نیک اعمال کے باقی رہنے کے بارے میں عام ہیں:

﴿اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی﴾ (سورۂ آل عمران: ۱۹۵) ..... ''میں کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا، وہ مرد ہو یا عورت۔''

﴿فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَہٗ﴾ (سورۂ زلزلہ: ۷) ..... ''جو ذرہ برابر نیک عمل کرے گا، وہ اسے دیکھ لے گا۔''

نیک اعمال کی حفاظت اور ضائع نہ ہو جانے کے بارے میں یہ عام احادیث ہیں، کسی قرینہ کے بغیر ان کی تخصیص نہیں کی جا سکتی، سو معلوم ہوا کہ جب مرتد دوبارہ اسلام قبول کر لیتا ہے تو اس کا سابقہ حج و عمرہ محفوظ ہو جاتے ہیں۔

(صحیحہ: ۲۴۷)

(٤٥)۔ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: قُلْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ: هِشَامُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ كَانَ يَصِلُ الرَّحِمَ وَيَقْرِي الضَّيْفَ، وَيَفُكُّ الْعِنَاهَ، وَيُطْعِمُ الطَّعَامَ، لَوْ أَدْرَكَ أَسْلَمَ، هَلْ ذٰلِكَ نَافِعُهُ؟ قَالَ: ((لَا، إِنَّهُ كَانَ يُعْطِي لِلدُّنْيَا وَذِكْرِهَا وَحَمْدِهَا وَلَمْ يَقُلْ يَوْماً قَطُّ رَبِّ اغْفِرْ لِي خَطِيْئَتِي يَوْمَ الدِّيْنِ.)) (الصحيحة:٢٩٢٧)

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو کہا: ہشام بن مغیرہ صلہ رحمی کرتا تھا، مہمانوں کی میزبانی کرتا تھا، غلاموں کو آزاد کرتا تھا، کھانا کھلاتا تھا اور اگر اسلام کا دور پاتا تو مسلمان بھی ہو جاتا، آیا یہ اعمال اس کے لئے نفع مند ثابت ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، وہ تو دنیوی غرض و غایت، اس کی صیت وشہرت اور اس کی خوشامد و چاپلوسی کے لئے دیتا تھا، اس نے ایک دن بھی نہیں کہا: اے میرے ربّ! روزِ قیامت میرے گناہوں کو معاف فرما دینا۔''

تخريج: أخرجه أبو يعلي في "مسنده":٦٩٦٥، والطبراني في "المعجم الكبير": ٢٣/ ٢٧٩/ ٦٠٦، ٣٩١/ ٩٣٢

(٤٦)۔ عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ مَرْفُوْعاً: ((أَسْلَمْتَ عَلٰى مَاأَسْلَفْتَ مِنْ خَيْرٍ)) (الصحيحة:٢٤٨)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم جو نیکیاں کر چکے ہو، ان سمیت اسلام لائے ہو۔''

تخريج: أخرجه الشيخان وغيرهما

فوائد :..... حکیم بن حزام کافر تھے، جب وہ مسلمان ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے ان کو یہ خوشخبری سنائی کہ ان کی حالتِ کفر میں کی گئی نیکیاں بھی محفوظ کر لی گئی ہیں۔

امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: اس حدیث کی روشنی میں یہ کہنا درست ثابت ہوا کہ جب کافر اور مرتد اسلام قبول کرتے ہیں، تو ان کی سابقہ زندگیوں میں کی گئی نیکیاں بھی ان کے حق میں ذخیرہ کر لی جاتی ہیں۔ اگر کوئی شخص حالت

اسلام میں ادائیگی حج کے بعد مرتد ہو کر پھر مسلمان ہو جاتا ہے تو اس کا حج ضائع ہونے سے بچ جاتا ہے۔ لیکن جب کوئی کافر حالتِ کفر میں حج ادا کرنے کے بعد مشرف باسلام ہوتا ہے تو اس کا حج اسے کفایت نہیں کرتا، کیونکہ اس کا حج شریعتِ اسلامیہ کے احکام کے مطابق ادا نہیں کیا جاتا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ .)) ...... ''جس کسی نے ایسا عمل کیا، جس پر (ہمارے دین) کا معاملہ نہ تو وہ مردود ہوگا۔''

جو لوگ مرتد کے حج کے ضائع ہو جانے کا دعویٰ کرتے ہیں، ان کو چاہیے کہ اس کے شادی شدہ ہونے، اس کی تین طلاقوں، اس کی خرید و فروخت کے معاملات اور اس کے عطیوں کو ساقط اور غیر معتبر سمجھیں، کیونکہ یہ سارے اسلامی احکام کے مطابق طے پائے تھے۔ لیکن ان میں کوئی بھی ان امور کے غیر معتبر ہونے کا قائل نہیں ہے، سو معلوم ہوا کہ حج کے بارے میں ان کا قول فاسد ہے۔

اس بحث کے بعد ہم آپ کی توجہ درج ذیل حدیث کی طرف مبذول کرانا چاہیں گے:

((اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مُؤْمِنًا حَسَنَتَهُ يُعْطِي بِهَا (وَفِيْ رِوَايَة: يُثَابُ عَلَيْهَا الرِّزْقُ فِي الدُّنْيَا) وَيَجْزِي بِهَا فِي الْآخِرَةِ ، وَاَمَّا الْكَافِرُ فَيُطْعِمُ بِحَسَنَاتِ مَا عَمِلَ بِهَا لِلّٰهِ فِي الدُّنْيَا ، حَتّٰى اِذَا اَفْضَى اِلَى الْآخِرَةِ، لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَةٌ يُجْزَى بِهَا .)) (صحيحه: ٥٣)

''اللہ تعالیٰ نیکی کے سلسلے میں مومن پر ظلم نہیں کرتا، اس نیکی کی وجہ سے اسے دنیا میں رزق عطا کیا جاتا ہے اور آخرت میں ثواب دیا جاتا ہے، لیکن کافر کو اس کی اللہ تعالیٰ کے لیے کی گئی نیکیوں کا ثواب دنیا میں کھلا دیا جاتا ہے، جب وہ آخرت تک پہنچتا ہے تو اس کی کوئی ایسی نیکی (باقی ہی) نہیں ہوتی کہ اسے اس کا صلہ دیا جا سکے۔''

اس حدیثِ مبارکہ میں اس کافر کا ذکر ہے، جس نے اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق کافر مرنا ہوتا ہے، کیونکہ اسی حدیث میں یہ اشارہ موجود ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''حتی کہ جب وہ کافر آخرت تک پہنچتا ہے تو اس کی کوئی نیکی باقی نہیں ہوتی کہ اسے اس کا صلہ دیا جا سکے۔'' رہا مسئلہ اس کافر کا، جس نے مسلمان ہو کر مومن مرنا ہوتا ہے، تو اس کی حالتِ کفر میں کی گئی نیکیاں ضائع نہیں ہوتیں اور اسے آخرت میں ان کا بدلہ دیا جاتا ہے، جیسا کہ مختلف احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ (صحیحہ: ٢٤٨)

لیکن اشکال یہ ہے کہ ابو طالب نے ابتدائے اسلام میں آپ ﷺ کا بھرپور تعاون کیا، جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے اس کی سفارش کی اور آپ کی شفاعت سے اسے فائدہ بھی ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابو طالب کی نیکیوں کی وجہ سے اس کے عذاب میں تخفیف کی گئی۔ یہ اعتراض اور اس کا جواب ذرا تفصیل کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں:

عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! هَلْ نَفَعْتَ اَبَا طَالِبٍ بِشَيْءٍ فَاِنَّهُ يَحُوْطُكَ وَيَغْضَبُ لَكَ؟ قَالَ: ((نَعَمْ، هُوَ فِيْ ضَحْضَاحٍ مِنْ نَارٍ، وَلَوْلَا اَنَا (اَيْ: شَفَاعَتُهُ)، لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ .))

سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے اپنے چچا ابو طالب کو کوئی فائدہ دیا ہے، کیونکہ وہ آپ کی حفاظت کرتا تھا اور آپ کی خاطر غصے ہوتا تھا؟ آپ نے فرمایا: ''جی ہاں، اب وہ کم مقدار آگ میں ہو گا، اگر میری شفاعت نہ ہوتی تو وہ جہنم کے نچلے طبقے میں ہوتا۔'' (مسلم: ۱/ ۱۳٤. ۱۳٥، وأحمد: ۱/ ۲۰٦ و ۲۰۷ و ۲۱۰، وأبو يعلى: ۲/ ۲۱۳ و ۳۱۳/ ۲، وابن عساكر: ۱۹/ ۵۱/ ۱)

عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ذُكِرَ عِنْدَهُ عَمُّهُ أَبُو طَالِبٍ، فَقَالَ: ((لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيُجْعَلُ فِي ضَحْضَاحٍ مِنْ نَارٍ يَبْلُغُ كَعْبَيْهِ، يَغْلِي مِنْهُ دِمَاغُهُ.)) (الصحيحة: ٥٤)

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کے چچا ابو طالب کا ذکر کیا گیا، آپ نے فرمایا: ''ممکن ہے کہ میری سفارش اسے روزِ قیامت فائدہ دے اور اسے کم مقدار آگ میں ڈال دیا جائے، جو اس کے ٹخنوں تک پہنچے گی اور اس کی حرارت سے اس کا دماغ کھولنا شروع ہو جائے گا۔'' (مسلم: ۱/ ۱۳٥، وأحمد: ۳/ ۵۰ و ۵۵، وابن عساكر: ۱۹/ ۵۱/ ۱، وأبو يعلى في "مسنده": ۲/ ۸٦)

ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ ابو طالب کے عمل کی وجہ سے اس کے عذاب میں تخفیف پیدا کر دی گئی، اس اشکال کا جواب درج ذیل ہے:

امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس اعتراض کے دو جوابات ہیں:

۱۔ ان احادیث سے یہ تو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ابو طالب کا عمل اس کے عذاب میں تخفیف کا باعث تھا، اس کے عذاب میں تخفیف تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کی وجہ سے ہوئی۔ (صحیحہ: ٥٤)

پھر امام صاحب نے سیدنا عباس بن مطلب رضی اللہ عنہ کی حدیث پر لکھا: اس حدیث میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ ابو طالب کے عذاب میں تخفیف کا سبب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت تھی، اس کا عمل نہیں تھا، اس لیے اس حدیث اور ہمارے بیان کردہ سابقہ قاعدے میں کوئی تناقض نہیں ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خاصہ ہے کہ ابو طالب کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش قبول کر لی گئی، حالانکہ وہ شرک پر مرا تھا اور مشرکین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے: ﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ﴾ (سورۂ مدثر: ٤٨) ...... ''سفارش کرنے والے کی سفارش ان کو فائدہ نہیں دے گی۔''

لیکن اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے، اپنا فضل کر دیتا ہے، اور اس کے سب سے زیادہ مستحق سید الانبیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

۲۔ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ ابو طالب کے عذاب میں کی گئی تخفیف کا سبب اس کا عمل تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرتا تھا، تو اسے اصل شرعی قاعدے سے مستثنیٰ کر لیا جائے گا کہ دوسری احادیث کو ان کے اصل مفہوم پر برقرار رکھا جائے گا

کہ حالتِ کفر میں مرنے والے کافر کی نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ (صحیحہ: ۵۵)

اگر کوئی مسلمان ادائیگی حج کے بعد مرتد ہو کر پھر مسلمان ہو جائے تو کیا سابقہ حج اسے کفایت کرے گا؟

(۴۷)۔ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا أَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسُنَ إِسْلَامُهُ، كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ كُلَّ حَسَنَةٍ كَانَ أَزْلَفَهَا، وَمُحِيَتْ عَنْهُ كُلُّ سَيِّئَةٍ كَانَ أَزْلَفَهَا، ثُمَّ كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ الْقِصَاصُ: الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلٰى سَبْعِ مِئَةِ ضِعْفٍ وَالسَّيِّئَةُ بِمِثْلِهَا إِلَّا أَنْ يَتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَنْهَا.)) (الصحيحة: ۲۴۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب آدمی اسلام قبول کرتا ہے اور اس کے اسلام میں حسن آ جاتا ہے، تو اس نے جو نیکی کی ہوتی ہے اللہ تعالی اسے لکھ کر (محفوظ کر لیتا) ہے اور اس نے جس برائی کا ارتکاب کیا ہوتا ہے اسے مٹا دیا جاتا ہے۔ پھر (اس کے بعد اللہ تعالی کی طرف سے) مزید بدلہ یوں ہوتا ہے کہ ایک نیکی دس سے سات سو گنا تک کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور با مسئلہ برائی کا، تو وہ ایک ہی رہتی ہے، الا یہ کہ اللہ تعالی وہ بھی معاف کر دے۔“

تخريج: أخرجه النسائي: ۲/ ۲۶۷۔ ۲۶۸

فوائد: ......امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے اس نقطے پر تفصیلی بحث کی ہے کہ مسلمان ہونے والے کافر کی حالتِ کفر میں کی گئی نیکیاں بھی محفوظ کر لی جاتی ہیں اور آخرت میں اسے بدلہ دیا جاتا ہے، اس کی مکمل وضاحت ”قبولیتِ اسلام کے بعد کافر کی حالتِ کفر میں کی گئی نیکیوں کی اہمیت“ کے عنوان میں ہو چکی ہے۔

ہم یہاں صرف اس موضوع سے متعلقہ بحث نقل کرتے ہیں:

امام البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس بحث پر ایک اور فقہی مسئلہ مرتّب ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ایک مسلمان حج ادا کرنے کے بعد مرتد ہو جاتا ہے، پھر ارتداد کے بعد مشرف باسلام ہو جاتا ہے، تو اس کا سابقہ حج ضائع نہیں ہو گا اور اس پر دوبارہ حج کرنا فرض نہیں ہو گا۔ امام شافعی کا یہی مسلک ہے، لیث بن سعد کا ایک قول بھی اسی کے حق میں ہے۔ امام ابن حزم نے اسی مسلک کو ترجیح دی اور اس کے حق میں بہت عمدہ اور متین کلام کیا، میں اس کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں:

جو مسلمان حج و عمرہ کی ادائیگی کے بعد مرتد ہو جائے، پھر اللہ تعالی اسے ہدایت دے کر جہنم سے بچا لے اور وہ مسلمان ہو جائے تو دوبارہ حج اور عمرہ کی ادائیگی اس پر عائد نہیں ہو گی، امام شافعی کا یہی مسلک ہے اور لیث بن سعد کا بھی ایک قول یہی ہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور ابوسلیمان کا خیال ہے کہ اس کا سابقہ حج یا عمرہ ضائع ہو جائے گا اور اسے یہ فریضہ

دوبارہ ادا کرنا پڑے گا، انھوں نے اپنی رائے کے حق میں یہ آیت پیش کی: ﴿لَـئِـنْ اَشْـرَكْـتَ لَيَـحْبَـطَـنَّ عَـمَـلُكَ وَلَتَـكُـوْنَـنَّ مِـنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾ (سورۂ زمر: ٦٥) ...... ''اگر تو نے شرک کیا تو تیرے اعمال ضائع ہو جائیں اور تو خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائے گا۔''

اس مسلک کے قائلین نے صرف یہ دلیل پیش کی ہے، لیکن درحقیقت یہ دلیل ان کے لیے حجت نہیں بن سکتی، کیونکہ اس آیت میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ اگر مشرک شرک کی حالت میں مر جاتا ہے تو اس کے اعمال ضائع ہو جائیں گے، لیکن اگر وہ مسلمان ہو جاتا ہے تو اس کے سابقہ اعمال صالحہ محفوظ کر لیے جائیں گے۔ یہی حق ہے، اس میں کوئی شائبہ نہیں۔ ہاں یہ بات مسلّم ہے اگر مشرک حالتِ شرک میں حج، عمرے، نماز، روزے اور زکوۃ جیسے اعمال کرتا ہے تو یہ واجبات اس سے کفایت نہیں کریں گے، (کیونکہ ان اعمال کا شرعی احکام کے مطابق شروط و قیود کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے)۔

اس آیت کے آخری جملے ﴿وَلَتَكُـوْنَـنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾ (اور تو خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائے گا۔) پر غور کریں۔ اس جملے سے بھی یہ استدلال کرنا درست ہے کہ اگر مرتد مشرف باسلام ہو جاتا ہے، تو قبولیتِ اسلام سے پہلے والے سرانجام دیئے گئے اعمالِ صالحہ ضائع نہیں ہوں گے، بلکہ ان کو لکھ لیا جائے گا اور ان کا ثواب دیا جائے گا، کیونکہ امتِ مسلمہ اس بات پر متفق ہے کہ اگر مرتد دوبارہ اسلام قبول کر لیتا ہے تو وہ یقیناً فلاح پانے والوں اور کامیاب و کامران ہونے والوں میں سے ہو جائے گا اور خسارہ اٹھانے والوں میں سے نہیں رہے گا۔ پس معلوم ہوا جس مشرک کے عمل ضائع ہو جاتے ہیں وہ وہ ہوتا ہے جو کفر و شرک اور ارتداد کی حالت میں مر جاتا ہے۔

غور فرمائیں، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (سورۂ بقرہ: ۲۱۷) ...... ''اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے مرتد ہوئے اور اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر ہوں، تو ان کے دنیا و آخرت میں ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور یہی لوگ جہنمی ہیں، اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

اس آیتِ کریمہ میں یہ وضاحت کر دی ہے کہ مرتد کے اعمال اس وقت ضائع ہو جائیں گے، جب وہ کفر کی حالت میں مر جائے گا۔

نیز اللہ تعالی کے درج ذیل فرمودات نیک اعمال کے باقی رہنے کے بارے میں عام ہیں:

﴿اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾ (سورۂ آل عمران: ١٩٥)

''میں کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا، وہ مرد ہو یا عورت۔''

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ﴾ (سورۂ زلزلہ: ٧)

''جو ذرہ برابر نیک عمل کرے گا، وہ اسے دیکھ لے گا۔''

نیک اعمال کی حفاظت اور ضائع نہ ہو جانے کے بارے میں یہ عام احادیث ہیں، کسی قرینہ کے بغیر ان کی تخصیص نہیں کی جا سکتی، سو معلوم ہوا کہ جب مرتد دوبارہ اسلام قبول کر لیتا ہے تو اس کا سابقہ حج وعمرہ محفوظ ہو جاتے ہیں۔ (صحیحہ: ۲٤۷)

(٤٨)۔ عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ مَرْفُوْعاً: ((أَسْلَمْتَ عَلٰى مَاأَسْلَفْتَ مِنْ خَيْرٍ .)) (الصحيحة:٢٤٨)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم جو نیکیاں کر چکے ہو، ان سمیت اسلام لائے ہو۔''

تخريج: أخرجه الشيخان وغيرهما

فوائد: ...... حکیم بن حزام کافر تھے، جب وہ مسلمان ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ مژدہ سنایا کہ ان کی حالتِ کفر میں کی گئی نیکیاں بھی محفوظ کر لی گئی ہیں۔

امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: اس حدیث کی روشنی میں یہ کہنا درست ثابت ہوا کہ جب کافر اور مرتد اسلام قبول کرتے ہیں، تو ان کی سابقہ زندگیوں میں کی گئی نیکیاں بھی ان کے حق میں ذخیرہ کر لی جاتی ہیں۔ اگر کوئی شخص حالتِ اسلام میں ادائیگیِ حج کے بعد مرتد ہو کر پھر مسلمان ہو جاتا ہے تو اس کا حج ضائع ہونے سے بچ جاتا ہے۔ لیکن جب کوئی کافر حالتِ کفر میں حج ادا کرنے کے بعد مشرف باسلام ہوتا ہے تو اس کا حج اسے کفایت نہیں کرتا، کیونکہ اس کا حج شریعتِ اسلامیہ کے احکام کے مطابق ادا نہیں کیا جاتا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ .)) ...... ''جس کسی نے ایسا عمل کیا، جس پر (ہمارے دین) کا معاملہ نہ تو وہ مردود ہوگا۔''

جو لوگ مرتد کے حج کے ضائع ہو جانے کا دعوی کرتے ہیں، ان کو چاہیے کہ اس کے شادی شدہ ہونے، اس کی تین طلاقوں، اس کی خرید وفروخت کے معاملات اور اس کے عطیوں کو ساقط اور غیر معتبر سمجھیں، کیونکہ یہ سارے اسلامی احکام کے مطابق طے پائے تھے۔ لیکن ان میں کوئی بھی ان امور کے غیر معتبر ہونے کا قائل نہیں ہے، سو معلوم ہوا کہ حج کے بارے میں ان کا قول فاسد ہے۔

اس بحث کے بعد ہم آپ کی توجہ درج ذیل حدیث کی طرف مبذول کرانا چاہیں گے:

((إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مُؤْمِنًا حَسَنَتَهُ يُعْطِي بِهَا (وَفِيْ رِوَايَة: يُثَابُ عَلَيْهَا الرِّزْقُ فِي الدُّنْيَا) وَيَجْزِي بِهَا فِي الْآخِرَةِ ، وَأَمَّا الْكَافِرُ فَيُطْعِمُ بِحَسَنَاتِ مَا عَمِلَ بِهَا لِلّٰهِ فِي الدُّنْيَا ، حَتّٰى إِذَا أَفْضَى إِلَى الْآخِرَةِ، لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَةٌ يُجْزَى بِهَا .)) (صحیحہ: ۵۳)

''اللہ تعالی نیکی کے سلسلے میں مومن پر ظلم نہیں کرتا، اس نیکی کی وجہ سے اسے دنیا میں رزق عطا کیا جاتا ہے اور آخرت میں ثواب دیا جاتا ہے، لیکن کافر کو اس کی نیکیوں کا ثواب دنیا میں کھلا دیا جاتا ہے، جب وہ آخرت تک رسائی حاصل کرتا ہے تو اس کی کوئی ایسی نیکی (باقی ہی) نہیں ہوتی کہ اسے اس کا صلہ دیا جا سکے۔''

اس حدیثِ مبارکہ میں اس کافر کا ذکر ہے، جس نے اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق کافر مرنا ہوتا ہے، کیونکہ اس حدیث میں یہ اشارہ موجود ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''حتی کہ جب وہ کافر آخرت تک پہنچتا ہے تو اس کی کوئی نیکی باقی نہیں ہوتی کہ اسے اس کا صلہ دیا جا سکے۔'' رہا مسئلہ اس کافر کا، جس نے مسلمان ہو کر مومن مرنا ہوتا ہے، تو اس کی حالتِ کفر میں کی گئی نیکیاں ضائع نہیں ہوتیں اور اسے آخرت میں ان کا بدلہ دیا جاتا ہے، جیسا کہ مختلف احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ (صحیحہ: ۲۴۸)

قبولیتِ اسلام کے بعد پہلے والے جرائم کا مؤاخذہ کب کیا جائے گا؟

(۴۹)۔ عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ أَحْسَنَ فِيْمَا بَقِيَ، غُفِرَلَهٗ مَامَضٰى، وَمَنْ أَسَاءَ فِيْمَا بَقِيَ، أُخِذَ بِمَا مَضٰى وَمَا بَقِيَ.)) (الصحيحة:۳۳۸۹)

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے بقیہ زندگی میں (اپنے اسلام میں) حسن پیدا کئے رکھا، اس کے گزشتہ (گناہ) معاف کر دیئے جائیں گے اور جو بقیہ زندگی میں بھی برائیاں کرتا رہا، اس سے گزشتہ اور آئندہ (دونوں زندگیوں میں ہونے والے گناہوں کی) باز پرس ہوگی۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط": ۷/ ۴۱۳/ ۶۸۰۲، وابن عساكر في "تاريخ دمشق": ۱۸/ ۳۷۷

(۵۰)۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَنُؤَاخَذُ بِمَا عَمِلْنَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ؟ قَالَ: ((مَنْ أَحْسَنَ فِي الْإِسْلَامِ لَمْ يُؤَاخَذْ بِمَا عَمِلَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَمَنْ أَسَاءَ فِي الْإِسْلَامِ، أُخِذَ بِالْأَوَّلِ وَالْآخِرِ.)) (الصحيحة:۳۳۹۰)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم نے دورِ جاہلیت میں جن برائیوں کا ارتکاب کیا، کیا ان کی وجہ سے ہمارا مؤاخذہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو اپنے اسلام میں حسن پیدا کر لیتا ہے اس سے دورِ جاہلیت میں کی گئی برائیوں کی باز پرس نہیں ہوگی اور جو (اسلام قبول کرنے کے بعد بھی) برائیاں کرتا رہتا ہے، اس سے پہلے اور پچھلے (سب) گناہوں کی پوچھ گچھ ہوگی۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ۶۹۲۱، ومسلم: ۱/ ۷۷۔ ۷۸، وأبوعوانة: ۱/ ۷۱، والدارمي: ۱/ ۳، وابن ماجه: ۴۲۴۲، والطحاوي في "مشكل الآثار": ۱/ ۲۱۱، والبيهقي في "السنن": ۹/ ۱۲۳، و "الشعب" ۱/ ۵۷/ ۲۳، وعبدالرزاق في "المصنف": ۱۰/ ۴۵۴/ ۱۹۶۸۶، وأحمد في مسنده: ۱/ ۴۰۹ و ۴۳۱

فوائد: ......اس حدیث کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ اگر مشرف باسلام ہونے والا آدمی اپنے اسلام میں حسن پیدا نہیں کرتا اور برائیوں کا ارتکاب کرتا رہتا ہے تو اس کے دورِ جاہلیت والے گناہوں کا بھی مؤاخذہ ہوگا، جبکہ امتِ مسلمہ

کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قبولیت اسلام کی وجہ سے سابقہ ساری خطائیں معاف کر دی جاتی ہیں۔ جیسا کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: آپ دایاں ہاتھ پھیلائیں تاکہ میں بیعت کر سکوں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ پھیلایا، لیکن میں اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''عمرو! کیا ہوا؟'' میں نے کہا: میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کون سی شرط؟'' میں نے کہا: یہ کہ مجھے بخش دیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَمَا عَلِمْتَ يَا عَمْرُو! اِنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ وَاِنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا وَاِنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ .)) یعنی: ''اے عمرو! کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ اسلام پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور بیشک ہجرت سابقہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور حج پچھلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔'' (مسلم: ۳۲۱)

حافظ ابن حجر نے کہا کہ امام خطابی کہتے ہیں: یہ حدیث امت مسلمہ کے اجماع اور اللہ تعالی کے اس قول کے مخالف ہے: ﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ﴾...... ''کافروں سے کہہ دو کہ اگر وہ (کفر سے) باز آ گئے تو ان کے سابقہ (گناہ) بخش دیئے جائیں گے۔''

پس اس حدیث کی یہ توجیہ بیان کریں گے کہ جب کافر اسلام قبول کرتا ہے تو سابقہ برائیوں کی وجہ سے اس کا مؤاخذہ نہیں کیا جاتا، لیکن اگر وہ قبولیت اسلام کے بعد برائیوں میں لتھڑ جاتا ہے اور سنگین جرائم کا مرتکب ہوتا ہے تو حالت اسلام میں کی گئی برائیوں پر اس کا مؤاخذہ کیا جائے گا اور حالت کفر میں کی گئی برائیوں پر اس کی سرزنش کی جائے گی۔ یعنی کہ اسے کہا جائے گا: کیا تو نے زمانۂ کفر میں فلاں فلاں گناہ کا ارتکاب نہیں کیا تھا؟ پھر تیرا اسلام تجھے ان برائیوں سے باز کیوں نہ رکھ سکا؟

امام خطابی کی اس توجیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حالت کفر میں کی گئی برائیوں پر اس کو ڈانٹا جائے گا اور حالت اسلام میں کی گئی برائیوں پر اس کا مؤاخذہ کیا جائے گا۔

لیکن اس حدیث کی درج ذیل تفصیل راجح ہے:

((وَمَنْ أَسَاءَ فِي الْإِسْلَامِ، أُخِذَ بِالْأَوَّلِ وَالْآخِرِ .))...... (جو اسلام قبول کرنے کے بعد بھی برائیاں کرتا رہتا ہے، اس سے پہلے اور پچھلے (سب) گناہوں کی پوچھ گچھ ہوگی) سے مراد کفر ہے، کیونکہ وہ سب سے بڑی برائی اور سنگین نافرمانی ہے۔

پس اس حدیث کا مفہوم یہ ہوا کہ جو آدمی مشرف با سلام ہونے کے بعد مرتد ہو جاتا اور حالت کفر میں ہی مر جاتا ہے تو اسے یوں سمجھا جائے گا کہ گویا کہ اس نے اسلام قبول کیا ہی نہیں تھا، ایسے آدمی کی زندگی کی تمام برائیوں پر اس کا مؤاخذہ کیا جائے گا۔ امام بخاری نے اس معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس حدیث کو ((اكبر الكبائر الشرك)) والی حدیث کے بعد ذکر کیا اور دونوں کے مرتدین کے ابواب میں درج کیا۔

ابن بطال نے مہلب کا یہ قول نقل کیا: اس حدیث کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ جو آدمی قبولیت اسلام کے بعد احکام

اسلام اور شرائطِ اسلام کی خوب محافظت کرتا ہے، اس سے دورِ جاہلیت کی بدعملیوں کا مؤاخذہ نہیں ہوگا، لیکن جو آدمی توحید کو ترک کر دیتا ہے، سابقہ تمام برائیوں پر اس کی گرفت کی جائے گی۔

ابن بطال کہتے ہیں: میں نے کئی علمائے کرام کے سامنے یہ حدیث پیش کی، سب نے کہا کہ اس حدیث کا وہی مفہوم ہے، جو مہلب نے بیان کیا، اس میں جس برائی کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے مراد کفر ہے۔ (فتح الباری: ۱۲/ ۳۲۹۔ ۳۳۰)

ایمان لانے والے اہل کتاب اور اہل شرک کے اجر وثواب میں فرق

(۵۱)۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ، قَالَ: كُنْتُ تَحْتَ رَاحِلَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ، فَقَالَ قَوْلاً حَسَناً: فَقَالَ فِيْمَا قَالَ: ((مَنْ اَسْلَمَ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ فَلَهُ اَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ وَلَهُ مِثْلُ الَّذِيْ لَنَا وَعَلَيْهِ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْنَا، وَمَنْ أَسْلَمَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ، فَلَهُ، أَجْرُهُ، وَلَهُ مِثْلُ الَّذِي لَنَا، وَعَلَيْهِ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْنَا.)) (الصحيحة: ٣٠٤)

سیدنا ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی سواری کے نیچے کھڑا تھا، آپ نے بہت اچھی باتیں ارشاد فرمائیں، ان میں سے ایک بات یہ بھی تھی: ”جو اہل کتاب (یہودی یا نصرانی) مسلمان ہوگا، اسے دو اجر ملیں گے، نیز اسے وہی حقوق دیئے جائیں گے جو ہمارے ہیں اور اس پر وہی ذمہ داریاں عائد ہوں گی، جو ہم پر ہوتی ہیں اور جو مشرک مسلمان ہوگا اسے ایک اجر ملے گا اور اسے بھی وہی حقوق نصیب ہوں گے، جو ہمیں ہوتے ہیں اور اسے وہی ذمہ داریاں چکانا ہوں گی، جو ہم چکاتے ہیں۔“

تخريج: رواه الروياني في "مسنده": ٣٠/ ٢٢٠/ ١، واحمد: ٥/ ٢٥٩

فوائد :......سیدنا ابو بردہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((ثَـلَاثَةٌ يُـؤْتُوْنَ اَجْرَهُمْ مَـرَّتَيْـنِ...... وَمُـؤْمِـنُ اَهْلِ الْكِتَابِ الَّذِيْ كَانَ مُؤْمِنًا، ثُمَّ آمَنَ بِالنَّبِيِّ ﷺ فَلَهُ اَجْرَانِ، ......)) (بخاری، مسلم) ...... ”تین قسم کے افراد کو دو اجر ملیں گے: ... وہ اہل کتاب جو (اپنی شریعت کے مطابق) مومن تھا، پھر محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آیا، ایسے آدمی کو دو اجر ملیں گے۔“

جو اہل کتاب، نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل حق اور ایمان پر تھے اور آپ ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد ہٹ دھرمی اور عناد اختیار نہیں کیا، بلکہ حضرت عیسی علیہ السلام اور حضرت موسی علیہ السلام کی شریعتوں کو منسوخ سمجھ کر آپ ﷺ کو اللہ تعالی کا پیغمبر تسلیم کر لیا۔ ایسے افراد نے اپنے نفسوں سے بھرپور جہاد کیا اور حق کا ساتھ دیا، وہ حضرت عیسی علیہ السلام کے ساتھ ہو یا حضرت محمد ﷺ کے ساتھ۔ اس لیے ان کو دو اجر عطا کیے گئے۔

ان کے برعکس جو لوگ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے توحید سے عاری اور مشرک تھے اور کسی مخصوص آسمانی مذہب کے پابند نہیں تھے۔ لیکن آپ ﷺ کے اعلانِ رسالت پر آپ پر ایمان لائے۔ ان کو ایک اجر ملے گا، کیونکہ

انھوں نے حق کو پانے کے لیے ایک منزل طے کی اور برحق اہل کتاب نے دو منزلیں طے کیں۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں انتہائی ناپسندیدہ لوگ

(٥٢)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ ثَلاَثَةٌ: مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ وَمُبْتَغٍ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ ، وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِيءٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهْرِيقَ دَمَهُ .)) (الصحيحة:٧٧٨)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تین قسم کے لوگ اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناپسند اور مبغوض ترین ہیں: حرم میں الحاد برپا کرنے والا، اسلام میں جاہلیت کے مروّج ہونے کو چاہنے والا اور کسی آدمی کا ناحق خون کرنے کے لئے کوشاں رہنے والا۔“

تخریج: أخرجه البخاري في "صحيحه": ٩/ ٦۔ النهضة، والطبراني في "المعجم الكبير": ٣/ ٩٦/ ١، والبيهقي في "السنن": ٨/ ٢٧

فوائد :.....حرم میں کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنا، دورِ اسلام میں دورِ جاہلیت کے رسم و رواج کو اپنانا اور کسی کا ناحق خون بہانے کے لیے کوشاں رہنا ایسے جرائم ہیں، جن کہ بنا پر ایسے مجرم سے اللہ تعالیٰ بھی بغض رکھتے ہیں۔ سعودی عرب کے علاوہ دوسرے ممالک کے باشندوں کا حرم سے واسطہ کم پڑتا ہے، لیکن دوسرے اور تیسرے نمبر کے جرائم عام ہیں، ہمیں متنبہ رہنا چاہیے، تا کہ اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب سے بچ جائیں۔

بعض لوگ اسلام کے معیار کو ترک کر کے اپنے آبا و اجداد کی دوستیوں اور دشمنیوں کو برقرار رکھتے ہیں، برادری اور خاندان کی بنا پر لوگوں کو برتر اور کم تر سمجھتے ہیں، قطع تعلقی اور صلہ رحمی کے سلسلے میں محض اپنے نفس کی ترجیحات کو سامنے رکھتے ہیں۔ اور خوشی غمی کے موقع پر عرصوں سے جاری باطل رسومات و روایات کو برقرار رکھنے میں اپنی عزت سمجھتے ہیں۔ یہ تمام دورِ جاہلیت کی باقیات ہیں، اسلام کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں:

حق سے انحراف اور میانہ روی سے اعراض کو الحاد کہتے ہیں، اس حدیث میں حرم میں الحاد کرنے والے سے مراد کبیرہ گناہ کرنے والا ہے۔ کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنا ویسے بھی سنگین جرم ہے، لیکن حرم کی حرمت پامال ہونے کی وجہ سے اس کی سنگینی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

قبولیتِ اسلام کے بعد دورِ جاہلیت والی اداؤں کو اپنانا اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے، مثلاً: اپنا حق وصول کرنے کے لیے متعلقہ بندے کے علاوہ دوسرے کو تنگ کرنا، جیسے: بیٹے کے بجائے باپ کو، باپ کے بجائے بیٹے، ایک پڑوسی کے بجائے دوسرے پڑوسی کو، متعلقہ بندے کے بجائے اس کے حلیف کو۔ اسی طرح بدشگونی و بدفالی لینا، کہانت و نجامت کو رواج دینا، نوحہ کرنا، وغیرہ۔ جاہلیت کے طور طریقوں کی مزید تفسیر طلب کرنے کے لیے طبرانی اور دارقطنی کی درج ذیل مرفوع روایت کو مدنظر رکھا جائے، جو ابو شریح نے بیان کی ہے:

((اِنَّ اَعْتَـى النَّاسِ عَلَى اللّٰهِ مَنْ قَتَلَ غَيْرَ قَاتِلِه اَوْ طَلَبَ بِدَمِ الْجَاهِلِيَّةِ فِي الْإِسْلَامِ .))......
''اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑا سرکش اور متکبر وہ ہے جو غیر قاتل کو قتل کرتا ہے اور اسلام میں داخل ہونے کے بعد جاہلیت والے خونوں کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔''

لفظ "مُطَّلِب" کے معانی طلب میں مبالغہ کرنے یا طلب کے لیے تکلف کرنے کے ہیں۔یعنی وہ آدمی واقعی کسی کو ناحق قتل کرنے کا پکا ارادہ رکھتا ہے۔ حدیث مبارکہ میں مذکور آخری شق سے پتہ چلتا ہے کہ جب کوئی آدمی کسی گناہ کا پکا ارادہ کر لیتا ہے، تو اسے گناہ ملے گا، وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو یا نہ ہو۔ (فتح الباری: ۱۲/ ۲٦۰)

غیر اللہ کی قسم منع ہے

(۵۳)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((كُلُّ يَمِيْنٍ يُحْلَفُ بِهَا دُوْنَ اللّٰهِ شِرْكٌ .))

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: ''اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی قسم اٹھانا شرک ہے۔''

(الصحیحۃ:۲۰٤۲)

تخریج: أخرجه البغوی فی "الجعدیات": ۲۳۳۲، والحاکم فی "المستدرك": ۱/ ۱۸، وأخرجه احمد: ۲/ ۱۲۵، بلفظ: ((مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ كَفَرَ اَوْ اَشْرَكَ .))، ورواه الترمذی: ۱/ ۲۹۰

فوائد: ......ترمذی میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے: جب سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کسی کو ''کعبہ کی قسم'' کہتے ہوئے سنا تو کہا: غیر اللہ کی قسم نہیں اٹھائی جاتی، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ((مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ كَفَرَ اَوْ اَشْرَكَ .)) ......''جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی، اس نے کفر یا شرک کیا۔''

قسم: ایسے مضبوط عقد کا نام جس کے ذریعے قسم اٹھانے والا کسی فعل کے کرنے یا اسے چھوڑنے کا عزم کرتا ہے۔

قسم میں اللہ تعالیٰ کا نام پیش کرنے سے مراد اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تکریم ہے۔

اس حدیث مبارکہ کا حقیقی مصداق وہ شخص ہے جو اللہ کے علاوہ کسی اور چیز کی قسم اٹھاتا ہے اور اس کے ذہن میں اُس چیز کی اتنی تعظیم ہوتی ہے، جتنی کہ اللہ کی قسم اٹھانے والے کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے۔ ایسا شخص واقعی کافر اور مشرک ہو گا۔ مزید تفصیل درج ذیل ہے:

حافظ ابن حجر نے کہا: (سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی) حدیث میں غیر اللہ کی قسم اٹھانے سے سختی سے روکنے اور اس فعل پر زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کرنے کے لیے اس کو کفر یا شرک کہا گیا۔ لیکن جو لوگ غیر اللہ کی قسم اٹھانے کو حرام سمجھتے ہیں، انھوں نے اسی حدیث سے حرمت کا استدلال کیا ہے۔

علمائے کرام کا خیال ہے کہ غیر اللہ کی قسم اٹھانے سے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے اس چیز کی عظمت و تعظیم لازم آتی ہے، جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ، اس کی ذات اور اس کی

صفات سے قسم منعقد ہو جاتی ہے اور غیر اللہ کی قسم اٹھانا مکروہ ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے اور کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ غیر اللہ کی قسم اٹھائے۔

سوال یہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم اٹھانا حرام ہے یا مکروہ؟ مالکیہ کے اس کے بارے میں دو اقوال ہیں، مشہور قول کراہت کا ہے، حنابلہ کے ہاں بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، ان کا مشہور قول حرمت کے بارے میں ہے۔ اہل ظاہر کے نزدیک غیر اللہ کی قسم اٹھانا حرام ہے۔ امام شافعی نے تردّد کا اظہار کرتے ہوئے کہا: مجھے تو اس بات کا خدشہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم اٹھانا معصیت ہوگا۔

امام الحرمین نے کہا: غیر اللہ کی قسم اٹھانا کم از کم مکروہ ہے، اگر غیر اللہ کی قسم اٹھانے والا اپنے اعتقاد میں اس چیز کی اتنی تعظیم رکھتا ہے، جتنی کہ اللہ تعالی کے بارے میں رکھی جاتی ہے، تو وہ اس اعتقاد کی وجہ سے کافر ہو جائے گا اور اس صورت کو اس حدیث کا مصداق بنایا جائے گا۔ لیکن اگر غیر اللہ کی قسم اٹھانے والا اپنے اعتقاد میں اُس چیز کی اتنی تعظیم رکھتا ہے، جس کے وہ لائق ہے، تو اس وجہ سے اسے کافر نہیں قرار دیا جا سکتا، بہر حال اس کی قسم منعقد نہیں ہوگی۔ (فتح الباری: ١١/ ٦٥١۔ ٦٥٢)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی اللہ کے علاوہ کسی اور چیز کی قسم اٹھاتا ہے اور اپنے اعتقاد کے مطابق اس کو اتنی تعظیم کا مستحق سمجھتا ہے، جو کہ اللہ تعالی کا حق ہے، تو وہ کافر اور مشرک قرار پائے گا۔ لیکن اگر کسی کی مراد اللہ تعالی والی تعظیم و تکریم نہیں ہوتی تو اس پر شرک یا کفر کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا، درج ذیل حدیث اور اس کی شرح پر غور فرمائیں:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِي حَلِفِهِ: بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى، فَلْيَقُلْ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ .)) (بخاری: ٦٦٥٠) ...... ''جس نے قسم اٹھائی اور اپنی قسم میں کہا: لات اور عزی کی قسم، تو وہ ''لا الہ الا اللہ'' پڑھے۔''

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: (لات اور عزی، بتوں کے نام ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قسم اٹھانے والے کو "لا الہ الا اللہ" کہنے کی تعلیم دی ہے، کیونکہ قسم اٹھانے والا بتوں کی تعظیم کے درپے ہوا ہے۔ جمہور علمائے کرام کا خیال ہے: جو آدمی لات، عزی یا کسی دوسرے بت کی قسم اٹھاتا ہے یا وہ کہتا ہے کہ اگر اس نے ایسے کیا تو وہ یہودی یا عیسائی ہو جائے گا یا اسلام یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بری ہو جائے گا، تو اس کی قسم منعقد نہیں ہوگی۔ ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی غلطی پر اللہ تعالی سے بخشش طلب کرے، اس پر کوئی معین کفارہ نہیں پڑے گا اور ایسے شخص کے لیے "لا الہ الا اللہ" کہنا مستحب ہے۔

احناف کا خیال ہے کہ ایسے شخص پر کفارہ پڑے گا، ہاں جب وہ کہے گا کہ اگر اس نے ایسے کیا تو وہ بدعتی ہوگا یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بری ہوگا تو اس پر کوئی کفارہ نہیں ہوگا، ان لوگوں نے ظہار پر قیاس کرتے ہوئے کفارہ کے وجوب کا فتوی دیا ہے، کیونکہ دونوں منکر ہیں۔ لیکن اس حدیث کے ذریعے احناف کا تعاقب کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ''لا الہ الا اللہ'' پڑھنے کی تلقین کی ہے اور کفارے کا کوئی ذکر نہیں کیا، کفارے کے لیے واضح دلیل کی ضرورت ہے۔

احناف کو متنبہ رہنا چاہیے کہ اس صورت کا ظہار پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ احناف نے خود اپنے فتوے میں تناقض پیدا کرتے ہوئے قیاس ظہار پر کیا، لیکن ظہار والا کفارہ واجب نہیں قرار دیا اور انھوں نے خود اس صورت سے ایسی چیزیں مستثنی کر لیں، جو منکر ہیں، مثلا نبی کریم ﷺ سے براءت کی بات کرنا۔........تو نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں لات و عزی کی قسم اٹھانے والے کو کلمۂ توحید پڑھنے کا حکم دیا ہے، کیونکہ بتوں کی قسم اٹھانے سے کفار کی مشابہت ہوتی ہے اور کلمۂ توحید کے ذریعے اس کی تلافی کی جا سکتی ہے۔ (فتح الباری: ١١/ ٦٥٧ ـ ٦٥٨)

اس بحث کا لب لباب یہ ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں لات و عزی کی قسم اٹھانے میں اللہ تعالی والی تعظیم و تکریم مراد نہیں لی گئی تھی۔ واللہ اعلم۔

(٥٤)۔ عَنْ قُتَيْلَةَ بِنْتِ صَيْفِي اِمْرَأَةٍ مِّنْ جُهَيْنَةَ، قَالَتْ: إِنَّ حِبْراً جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: إِنَّكُمْ تُشْرِكُوْنَ! تَقُوْلُوْنَ: مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ وَتَقُوْلُوْنَ: وَالْكَعْبَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((قُوْلُوْا: مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شِئْتَ وَقُوْلُوْا: وَرَبِّ الْكَعْبَةِ))۔ (الصحيحة:١٣٦)

جہینہ قبیلے کی خاتون سیدہ قتیلہ بنت صیفی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ایک یہودی عالم نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: تم لوگ شرک کرتے ہو، کیونکہ تم کہتے ہو: جو اللہ چاہے اور تم چاہو اور تم کعبہ کی قسم اٹھاتے ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات سن کر فرمایا: ''تم کہا کرو: جو اللہ چاہے اور پھر تم چاہو اور قسم اٹھاتے وقت کہا کرو: ربِّ کعبہ کی قسم۔''

تخريج: أخرجه الطحاوي في "المشكل": ١/ ٣٥٧، والحاكم: ٤/ ٢٩٧، والبيهقي: ٣/ ٢١٦، وأحمد: ٦/ ٣٧١ ـ ٣٧٢، والنسائي: ٢/ ١٤٠

فوائد :......کعبہ بھی غیر اللہ ہے، یہودی نے کعبہ کی قسم اٹھانے کو شرک کہا اور آپ ﷺ نے سکوت اختیار کیا، بلکہ کعبہ کی بجائے کعبہ کے ربّ کی قسم اٹھانے کا حکم دے کر اس کی تائید کر دی۔

اس حدیث کا مفہوم بھی سابقہ حدیث والا ہے کہ اگر کعبہ کی قسم اٹھاتے وقت اسے اللہ تعالی کی تعظیم و تکریم کا مستحق سمجھا جائے تو قسم اٹھانے والا واقعی مشرک قرار پائے گا اور اگر اتنی تعظیم مراد نہ لی جائے تو کفر اور شرک کی حقیقی وعید نہیں سنائی جا سکتی۔

کائنات کے تمام امور بلا شرکتِ غیرے اللہ تعالی کی منشا و مرضی کے مطابق سرانجام پا رہے ہیں، ان میں کسی دوسرے کی رضامندی اور ناراضگی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ ہاں ہر ایک کی مرضی کارفرما ہوتی ہے، لیکن اللہ تعالی کی مرضی کے بعد۔ لہٰذا ہمیں اپنے کلام کی تصحیح کرنی چاہیے، بسا اوقات ہم شکریہ ادا کرنے میں غلو سے کام لیتے ہیں اور اپنے محسن کو یوں کہہ دیتے ہیں: اللہ تعالی کی اور آپ کی مہربانی۔ حالانکہ یوں کہنا چاہیے: اللہ تعالی کی مہربانی اور پھر آپ کی مہربانی۔ علی هذا القياس۔

(٥٥)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعاً: ((اِحْلِفُوْا بِاللّٰهِ وَبَرُّوْا وَاصْدُقُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ يَكْرَهُ أَنْ يُحْلَفَ إِلَّا بِهِ .)) (الصحيحة:١١١٩)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی قسم اٹھایا کرو، اسے پورا کیا کرو اور سچ بولا کرو، کیونکہ اللہ تعالی غیر کی قسم اٹھانے کو ناپسند کرتا ہے۔''

تخريج: رواه السهمي في"تاريخ جرجان" ٢٨٨ ، والثقفي في"الثقفيات" ج ٣ رقم ١٥ من منسوختي ، وأبونعيم في"الحلية" ٧/ ٢٦٧

(٥٦)۔ عَنْ قُتَيْلَةَ بِنْتِ صَيْفِي الْجُهَنِيَّةِ ، قَالَتْ: أَتَى حِبْرٌ مِنَ الْأَحْبَارِ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ:يَامُحَمَّدُ! نِعْمَ الْقَوْمُ أَنْتُمْ لَوْلَا أَنَّكُمْ تُشْرِكُوْنَ! قَالَ: ((سُبْحَانَ اللّٰهِ! وَمَا ذَاكَ؟)) قَالَ: تَقُوْلُوْنَ إِذَا حَلَفْتُمْ : وَالْكَعْبَةِ ، قَالَتْ: فَأَمْهَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَيْئًا ثُمَّ قَالَ: ((إِنَّهُ قَدْ قَالَ : فَمَنْ حَلَفَ فَلْيَحْلِفْ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ .)) قَالَ: يَامُحَمَّدُ! نِعْمَ الْقَوْمُ أَنْتُمْ لَوْلَا أَنَّكُمْ تَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ نِدًّا! قَالَ: ((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَمَاذَاكَ؟)) قَالَ: تَقُوْلُوْنَ: مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ قَالَتْ: فَأَمْهَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَيْئًا ثُمَّ قَالَ: ((إِنَّهُ قَدْ قَالَ: فَمَنْ قَالَ: مَاشَاءَ اللّٰهُ فَلْيَقُلْ مَعَهَا: ثُمَّ شِئْتَ .)) (الصحيحة:١١٦٦)

حضرت قُتَیلہ بنت صَیفی جہنیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ایک یہودی عالم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: اے محمد! تم بہترین لوگ ہو، لیکن کاش کہ تم شرک نہ کرتے ہوتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سبحان اللہ! (بڑا تعجب ہے) وہ کیسے؟'' اس نے کہا: جب تم قسم اٹھاتے ہو تو کہتے ہو: کعبہ کی قسم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا: ''اس آدمی نے ایک بات کی ہے، اب جو آدمی بھی قسم اٹھائے وہ کعبہ کے ربّ کی قسم اٹھائے (نہ کہ کعبہ کی)۔'' اس نے پھر کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! تم بڑے اچھے لوگ ہو، لیکن کاش کہ تم اللہ کے لئے اس کا ہمسر نہ ٹھہراتے ہوتے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ! وہ کیسے؟ اس نے کہا: تم کہتے ہو کہ جو اللہ چاہے اور تم چاہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا: ''اس آدمی نے ایک بات کی ہے، اگر کوئی آدمی "مَا شَاءَ اللّٰه" کہے تو وہ "ثُمَّ شِئْتَ" کہے (یعنی: جو اللہ چاہے اور پھر تم چاہو)۔''

تخريج: أخرجه الطحاوي في"المشكل" ١/ ٩١ ، وأحمد: ٦/ ٣٧١و ٣٧٢ ، وابن سعد: ٨/ ٣٠٩ ، والحاكم: ٤/ ٢٩٧ ، والنسائی: ٢/ ١٤٠

کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرنے کی تلقین

(٥٧)۔ عَنْ جَابِرٍ ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((اِجْتَنِبُوْا الْكَبَائِرَ ، وَسَدِّدُوْا وَأَبْشِرُوْا .)) (الصحيحة:٨٨٥)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرو اور راہِ مستقیم پر چلتے رہو اور (لوگوں کو) خوشخبریاں سناتے رہو۔''

تخریج: أخرجه أحمد: ۳/ ۳۹۴

فوائد: ......کبیرہ گناہ کسے کہتے ہیں؟ جواباً امام ذہبی فرماتے ہیں: راجح بات یہ ہے کہ جس گناہ پر دنیا میں کوئی حد مقرر ہو، جیسے قتل، زنا اور چوری، یا جس کے متعلق آخرت میں عذاب اور غضب کی وعید ہو یا جس کے کرنے والے کو نبی کریم ﷺ کی زبان پر ملعون قرار دیا گیا ہو، یہ سب کبیرہ گناہ ہیں۔ (کتاب الکبائر: ص ۸) ایسے تمام مہلک گناہوں سے اجتناب کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

''سَدِّدُوا'' کے معانی ہیں: اپنے اعمال کے ذریعے راست روی، درستگی اور استقامت کو تلاش کرو، یعنی ہر معاملے میں میانہ روی، اعتدال اور عدل کو ترجیح دو۔

انسان طبعی طور پر انعام اور نرمی کا تقاضا کرتا ہے۔ سزا اور سختی اور عذاب وعقاب اور زجر وتوبیخ مستقل سزائیں نہیں ہیں، بلکہ بعض رکاوٹوں کو زائل کرنے کا علاج ہیں۔ خوشخبریاں سنانے کا یہی مفہوم ہے کہ اجر وثواب پر مشتمل اعمال کی نشاندہی کر کے لوگوں کو اللہ تعالی کی رحمت وصول کرنے پر آمادہ کیا جائے۔

لیکن اتنا ضرور ہے کہ بشارتیں سنانے کا یہ مفہوم نہیں کہ ہم لوگ اپنی خواہشات اور آرام پرستی میں پڑ جائیں اور اللہ تعالی کی رحمت کے امیدوار بن کر اعمالِ صالحہ سرانجام دینے سے اور برائیوں سے اجتناب کرنے سے غافل ہو جائیں۔

آزمائشیں اس امت کا مقدر ہیں

(۵۸)۔ عَنْ حُذَيْفَةَ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَحْصُوْا لِيْ كُلَّ مَنْ تَلَفَّظَ بِالْإِسْلَامِ)) قَالَ: قُلْنَا: يَارَسُوْلَ اللّٰهَ! أَتَخَافُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ مَابَيْنَ السِّتِّ مِئَةٍ إِلَى السَّبْعِ مِئَةٍ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: ((اِنَّكُمْ لَاتَدْرُوْنَ لَعَلَّكُمْ أَنْ تُبْتَلُوْا .)) قَالَ: فَابْتُلِيْنَا حَتّٰى جَعَلَ الرَّجُلُ مِنَّا مَا يُصَلِّى إِلَّا سِرًّا۔

(الصحيحة:٢٤٦)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام قبول کرنے والے تمام افراد کو شمار کرو۔'' ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! آیا آپ ہمارے بارے میں خوفزدہ ہیں، حالانکہ ہماری تعداد تو چھ سو سے سات سو تک ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم (حقیقتِ حال کا) علم نہیں رکھتے، شاید تم آزمائشوں میں پڑ جاؤ۔'' راوی کہتے ہیں: پھر ہمیں اس قدر آزمایا گیا کہ ہم میں سے ایک آدمی کو مخفی نماز پڑھنا پڑتی تھی، (یعنی وہ بعض وجوہات کی بنا پر اعلانیہ نماز نہیں پڑھ سکتا تھا)۔

تخريج: أخرجه مسلم: ١/ ٩١، وأبو عوانة: ١/ ١٠٢، وابن ماجه: ٢/ ٤٩٢، وابن حبان: ٦٢٤٠۔ الاحسان، وأحمد: ٥/ ٣٨٤، والمحاملي في"الأمالي": ١/ ٧١/ ٢، واخرجه البخاري: ٣٠٦٠ بالفاظ مختلفة

فوائد: ......خوف اور اطمینان اللہ تعالی کی طرف سے ہوتا ہے، فرزندانِ امتِ محمدیہ کی کم یا زیادہ تعداد کے

ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں، اللہ تعالیٰ کی آزمائشوں کے سامنے لوگوں کی کثرت اور قلت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ وہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیق جیسے دو افراد کو غارِ ثور میں اطمینان کی زندگی بخش سکتا ہے اور کروڑوں کی تعداد کے باوجود اطمینان کی نعمت سے محروم کر سکتا ہے۔ غور فرمائیں کہ نبی کریم ﷺ کے عہدِ مبارک کے بعد دن بدن آپ ﷺ کے امتیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا، جواب ایک ارب سے تجاوز کر چکے ہیں، لیکن عصرِ حاضر کی طرح زیادہ تر زمانوں میں مسلمانوں کی اکثریت خوف و ہراس کی زندگی بسر کرتی رہی۔

نبی کریم ﷺ کی پیشین گوئی کیسے پوری ہوئی؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: حجاج بن یوسف اور اس کا امیر ولید وغیرہ نماز کو اس کے وقت سے مکمل طور پر مؤخر کر دیتے تھے، اس کے بارے میں آثار مشہور ہیں، جیسا کہ امام عبدالرزاق بیان کرتے ہیں کہ امام عطا کہتے ہیں: ولید نے نماز جمعہ کی ادائیگی میں اتنی تاخیر کر دی کہ شام ہو گئی، جب میں آیا تو میں نے بیٹھنے سے پہلے ظہر پڑھ لی اور پھر (جب عصر کا وقت ہوا تو) بیٹھ کر اور اشارے سے نمازِ عصر ادا کر لی، حالانکہ ولید ابھی تک جمعہ کا خطبہ دے رہا تھا۔ امام عطا کا یہ انداز قتل کے خوف کی وجہ سے تھا۔ امام بخاری کے شیخ ابونعیم نے یہ بات ذکر کی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حجاج کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، جب اس نے تاخیر کرنا شروع کی تو وہ اس کے ساتھ نماز ادا کرنے کے لیے آتے ہی نہ تھے۔ نیز یہ بات بھی ذکر کی ہے کہ محمد بن اسماعیل نے کہا: میں منیٰ میں تھا، ولید کے سامنے صحیفے پڑھے جا رہے تھے، وہ نماز کو مؤخر کر رہے تھے، میں نے سعید بن جبیر اور عطا کو دیکھا کہ وہ بیٹھ کر اور اشارے سے نماز ادا کر رہے تھے۔ (فتح الباری: ۲/ ۱۷)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ محض قوت و طاقت کی مقدار و معیار پر نازاں نہیں ہونا چاہیے، بلکہ ان صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے اور اس سے توفیق طلب کر کے عجز و انکساری جیسے اوصاف سے متصف رہنا چاہیے۔

محبوب ترین دین

(۵۹)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ أَيُّ الْأَدْيَانِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ؟ قَالَ: ((الْحَنِيْفِيَّةُ السَّمْحَةُ.)) (الصحيحة: ۸۸۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا: کون سا دین اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ملتِ اسلام، جو نرمی و سہولت آمیز شریعت ہے۔“

تخريج: علقه البخاري في ”صحيحه“ وقد وصله هو في ”الأدب المفرد“: رقم ۳۸۷، وأحمد في ”المسند“: رقم ۲۱۰۸، والبزار في ”المسند“: ۱/ ۵۸/ ۷۸۔ الكشف، والطبراني في ”المعجم الكبير“: ۱۱/ ۲۲۷، والضياء في ”المختارة“: ٦٤/ ۳۷/ ۲

فوائد: ...... بعض کج فہم اور عملی رجحان سے محروم لوگوں نے اس حدیثِ مبارکہ کے مفہوم کے سلسلہ میں اپنے آپ کو دھوکہ دے رکھا ہے۔ جب ان کے سامنے نماز، روزے، حج، زکوۃ، پردے اور تلاوت قرآن جیسے اسلامی احکام کا

تذکرہ سنایا جاتا ہے اور ان امور میں سستی کرنے والے کے حق میں وعیدیں بیان کی جاتی ہیں تو ان لوگوں کا یہی جواب ہوتا ہے کہ ہماری شریعت بڑی نرمی آمیز اور سہولت پسند ہے۔

قارئین کرام! اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اسلام انتہائی اعتدال پسند مذہب ہے، اس کے تمام فرائض و واجبات کی مقدار کا تعین کرتے وقت فرزندان امت کے مزاج، ان کی طبعی ضروریات اور ان کی دنیوی مصروفیات کا بہت خیال رکھا گیا۔ نماز والے معاملے پر غور کریں تو دن میں صرف پانچ نمازیں، روزوں والے معاملے پر غور کریں تو گیارہ مہینوں کے بعد ایک ماہ کے روزے، حج کے معاملے کو مدنظر رکھیں تو زندگی میں ایک بار، زکوۃ والے معاملے پر غور کریں تو تین سو ساٹھ دنوں کے بعد اڑھائی فیصد، تبلیغ اور فقاہت فی الدین والے معاملے پر غور کریں تو ایک علاقہ کے مسلمانوں کے لیے ان میں سے چند افراد کو کافی سمجھ لیا گیا۔ اس دین میں جہاں دنیا کا ہو کر رہ جانے سے منع کیا گیا، وہاں دنیا سے مکمل بے رخی برتنے سے بھی روکا گیا۔ نفلی عبادات پر غور کریں تو ہر مسلمان کو یہ تلقین کی گئی ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق تھوڑی تھوڑی مقدار اختیار کر لے، یہی وجہ ہے ساری رات نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی گئی، ساری زندگی روزے رکھنے سے منع کیا گیا اور صدقہ و خیرات میں سارا اثاثہ خرچ کر دینے سے روکا گیا۔

امام بخاری نے "بَابُ الدِّيْنُ يُسْرٌ ، وَقَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ: ((اَحَبُّ الدِّيْنِ اِلَى اللّٰهِ الْحَنِيْفِيَّةِ اَلسَّمْحَةُ .)) میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث نقل کی: ((اِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ ، وَلَنْ يُشَادَّ الدِّيْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَهُ......))

اس باب اور حدیثِ مبارکہ پر بحث کرتے ہوئے حافظ ابن حجر نے کہا: اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو آدمی اعمالِ دینیہ میں تکلّف اختیار کرتا ہے اور میانہ روی سے اعراض کرتا ہے، وہ بالآخر عاجز آ جاتا ہے اور دین سے دور ہو جاتا ہے، ابن منیر نے کہا: یہ حدیث اعلامِ نبوت میں سے ایک ہے، ہم نے کئی لوگوں کو دیکھا کہ انھوں نے پہلے پہل تو دینی احکام پر عمل کرتے وقت انتہائی تکلف اور غلو اختیار کیا، لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بالآخر مغلوب ہو گئے۔ اس حدیثِ مبارکہ کا یہ معنی نہیں کہ عبادت میں کمال حاصل نہ کیا جائے، بلکہ ایسا کرنا تو قابل تعریف بات ہے، اس حدیث میں عبادت میں اس مبالغے اور کثرت سے منع کیا گیا، جس کی وجہ سے آدمی سرے سے عبادت سے اکتا جاتا ہے یا پھر افضل اعمال کو چھوڑنا پڑتا ہے، مثلا ایک آدمی ساری رات نفلی نماز پڑھتا رہا، جب اس نے نماز فجر سے پہلے ستانا چاہا تو نیند ایسی غالب آئی کہ نماز فجر باجماعت ادا نہ کر سکا یا اوّل وقت میں نہ پڑھ سکا یا سرے سے سورج ہی طلوع ہو گیا۔

(فتح الباری: ۱/ ۱۲۷)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اسلام کے تمام ارکان، فرائض، واجبات اور مستحبات پر عمل کرنا انتہائی آسان ہے، ہماری شریعت مکمل طور پر نرمی و سہولت آمیز ہے۔ کیا ایک دن میں پانچ نمازیں پڑھنا، زندگی میں ایک دفعہ حج کرنا، بارہ مہینوں میں ایک ماہ کے روزے رکھنا، ایک سال کے بعد ایک لاکھ روپیوں میں سے اڑھائی ہزار روپے زکوۃ دینا، گھر کے دس بارہ

افراد کے لیے تیار کیے گئے کھانے میں سے ایک پلیٹ ہمسائے کو دے دینا وغیرہ وغیرہ، کیا یہ اعمال ناممکن ہیں؟ کیا مشقت والے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ قابل غور بات یہ ہے کہ ان میں بھی رخصتیں موجود ہیں، مثلا بیہوش آدمی نماز سے مستثنی ہے، مریض بیٹھ کر یا لیٹ کر پڑھ سکتا ہے، مریض اور مسافر کو رمضان کے روزوں کی مخصوص گنجائش دی گئی ہے، غریب آدمی حج اور زکوۃ سے مستثنی ہے۔

لیکن یہ نکتہ انتہائی قابل توجہ ہے کہ جو سلیم الفطرت لوگ ارکانِ اسلام پر عمل پیرا ہوتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ نہ صرف اسلام پر عمل پیرا ہونا آسان ہے، بلکہ دنیا کا سکون بھی اسی میں ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے میں پانچ نمازوں کو، رمضان کے روزوں کو اور پردے کی پابندی کو مشکل اور مشقت والے اعمال سمجھنے والے اور ان کی پابندی نہ کرنے والے لوگ بھی موجود ہیں۔ ایسے لوگ کج فہم ہیں، معرفتِ الٰہی اور روحِ اسلام سے کوسوں دور ہیں اور حقیقی اسلام کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ان بیچاروں پر دس روپے خرچ کرنا اور دو رکعت نفل نماز پڑھنا بھی گراں گزرتا ہے۔

امتِ محمدیہ کے لیے اللہ تعالی کی مرتّب شریعت آسان ہے

(٦٠)۔ عَنْ مِحْجَنِ بْنِ الْأَدْرَعِ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَلَغَهُ أَنَّ رَجُلاً فِي الْمَسْجِدِ يُطِيْلُ الصَّلَاةَ، فَأَتَاهُ فَأَخَذَ بِمَنْكِبِهِ ثُمَّ قَالَ: ((إِنَّ اللّٰهَ رَضِيَ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ الْيُسْرَ، وَكَرِهَ لَهُمُ الْعُسْرَ.)) قَالَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ((وَإِنَّ هٰذَا أَخَذَ بِالْعُسْرِ، وَتَرَكَ الْيُسْرَ.)) (الصحيحة: ١٦٣٥)

سیدنا محجن بن ادرع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر موصول ہوئی کہ فلاں بندہ مسجد میں لمبی نماز ادا کر رہا ہے، آپ ﷺ اس کے پاس آئے، اس کے کندھے کو پکڑا اور فرمایا: ''اللہ تعالی نے اس امت کے لئے آسانی کو پسند اور تنگی کو ناپسند کیا ہے (یہ بات تین دفعہ ارشاد فرمائی) جبکہ اس بندے نے تنگی کو اختیار کیا ہے اور آسانی کو ترک کر دیا ہے۔''

تخريج: رواه الواحدي في "الوسيط": ١/ ٦٦/ ١، واحمد: ٣٢٥ نحوه، وأخرج الطيالسي: ١٢٩٦، والبخاري في الادب المفرد": ٣٤١ نحوه

فوائد: ...... حکمت و دانائی سے لوگوں کی تربیت کرنی چاہیے۔ بلا شک وشبہ نبی کریم ﷺ نے طویل قیام کیا ہے اور منفرد آدمی کو لمبی نماز پڑھنے کی تلقین کی، لیکن اس حکم کا یہ مطلب نہیں کہ بندہ اتنا طویل قیام شروع کر دے کہ جس کی اس میں استطاعت نہ ہو یا جس کی وجہ سے سرے سے نماز سے اکتا جانے اور بور ہو جانے کا خطرہ ہو۔

یہ بھی ممکن ہے کہ یہ نومسلم صحابی ہو، جس کو پہلے پہل آسان حکم دینا مقصود ہو۔

راہِ اعتدال پر گامزن رہنے کی تلقین اور طریقہ

(٦١)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((إِنَّ هٰذَا الدِّيْنَ يُسْرٌ، وَلَنْ يُشَادَّ هٰذَا الدِّيْنَ أَحَدٌ إِلَّا

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک یہ دین آسان ہے، جو بھی اس دین سے زور

غَلَبَهُ، فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَأَبْشِرُوْا وَاسْتَعِيْنُوْا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِّنَ الدُّلْجَةِ.)) (الصحيحة:١١٦١)

آزمائی کرے گا یہ اس کو پچھاڑ دے گا۔ اس لئے راہِ راست پر چلتے رہو، میانہ روی اختیار کرو، خوشخبریاں سناتے رہو اور صبح کے وقت، شام کے وقت اور رات کو کچھ وقت (عبادت کر کے) مدد حاصل کرتے رہو۔''

تخریج: أخرجه البخاري: ١/ ٧٨ ـ ٧٩، والنسائي: ٢/ ٢٧٣، والبيهقي: ٣/ ١٨

فوائد :......زور آزمائی کرنے سے مراد یہ ہے کہ آدمی شریعت کی طرف سے دی گئی نرمی کو قبول نہ کرے اور اعتدال کی حد سے نکل جائے۔ مثلا شریعت نے رات کے قیام کے بارے میں ترغیب دلائی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ جسم کا حق ادا کرنے کے لیے کچھ ستانے کا بھی حکم دیا ہے، تاکہ جسم کو راحت ملے اور دن میں کام کاج کیا جا سکے۔ اب ایک آدمی اس رخصت کو قبول نہیں کرتا اور ساری رات قیام کرتا رہتا ہے۔ نتیجہ کیا نکلا کہ جب کچھ ستانے کے لیے سویا تو نیند ایسی غالب آئی کہ نمازِ فجر جماعت کے ساتھ ادا نہ کر سکا یا سرے سے وقت ہی گزر گیا۔

خوشخبریاں سنانے سے مراد یہ ہے کہ ہمیشگی والے عمل پر اجر وثواب کی بشارتیں سنائی جائیں، اسی طرح لوگوں کو عملی زندگی کا رجحان دلانے کے لیے اجر وثواب والی احادیث کا تذکرہ کرنا، اسی طرح جو آدمی بڑے بڑے اعمال کرنے سے عاجز ہو، اسے چھوٹے چھوٹے اعمال سرانجام دینے پر آمادہ کرنا۔

حدیث کے آخری جملے کا معنی یہ ہے کہ کثرتِ عبادت کی بجائے ان اوقات میں عبادت کی کچھ مقدار پر ہمیشگی اختیار کی جائے، تاکہ بوریت اور اکتاہٹ بھی نہ ہو اور احکامِ اسلام پر عمل بھی ہوتا رہے۔ اصل میں اس جملے کے ذریعے مسافر کو سفر جاری رکھنے کا ایک انداز بتلایا گیا کہ وہ اپنا سفر دن رات جاری نہ رکھے، وگرنہ عاجز آ جائے گا اور منزل مقصد تک نہیں پہنچ پائے گا، اسے چاہیے کہ صبح کے وقت، شام کے وقت اور اسی طرح رات کو کچھ وقت اپنا سفر جاری رکھا کرے، کیونکہ یہ پھرتی اور چستی کے اوقات ہوتے ہیں۔ اسی طرح مسلمان بھی آخرت تک پہنچنے کے لیے سفر کر رہا ہے، اسے چاہیے کہ اچھے سفر کے لیے اپنی عبادات کے لیے ایسے اوقات کا تعین کرے، جن میں وہ ہشاش بشاش ہو، اور ان عبادات کا تعین رسول اللہ ﷺ نے کر دیا ہے، ہمیں ان پر کاربند رہنا چاہیے، کیونکہ آپ ﷺ سب سے بڑے حکیم اور دانا تھے۔

اللہ تعالی نے اپنے بندے کے لیے جن فرائض و مستحاب کا تعین کیا ہے، وہ انتہائی معتدل ہیں اور اسلام کے شائقین کے لیے بہت آسان ہیں۔ آج ۱۴۲۹ھ کے رمضان کی تین تاریخ ہے، کافی گرمی کا موسم ہے، لیکن اسیرانِ احکامِ اسلام کو روزہ رکھنے میں کوئی دقت اور تکلیف محسوس نہیں ہو رہی اور روزے کل انتیس تیس ہیں، نہ یہ تعداد اتنی کم ہے کہ روزے داروں کو محسوس ہی نہ ہو اور نہ اتنی زیادہ کہ بندگانِ خدا پر گراں گزرنے لگے۔ (اس حدیث کی شرح پاکستان میں ۴ ستمبر ۲۰۰۸ء کو لکھی جا رہی تھی۔)

عملی زندگی سے کوسوں دور نام نہاد مسلمان اس اور اس جیسی احادیث سے سہارا لے کر اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے ناکام کوشش کرتے ہیں، ان لوگوں نے یہی رٹ لگا رکھی ہے کہ دین آسان ہے، اِن مولوی لوگوں نے مایوسیاں پھیلا رکھی ہیں اور رنگ میں بھنگ ڈال رکھی ہے۔

ارے! دین اسلام اس کے لیے آسان ہے جو اس پر عمل پیرا ہونے کی رغبت رکھتا ہے، تجھ بیچارے کو دین کی حقیقت کا کیا علم جو نمازِ فجر کی ادائیگی کے لیے اٹھنے کا بوجھ سمجھتا ہے، جس کی طبیعت پر اپنے والدین کی خدمت ناگوار گزرتی ہے اور انا کے معاملات میں اپنے مائی باپ کو یوں جواب دیتا ہے، جیسے سوکنیں آپس میں لڑ رہی ہوں۔ تجھے سوچنا چاہیے تھا کہ یہ حدیث بیان کرنے والی ہستی کا نام کیا ہے؟ پھر اس کی مقدس زبان سے سن کر اگلی نسلوں تک پہنچانے والی شخصیتوں کے نام کیا ہیں؟ کیا وہ محمد ﷺ اور ان کے تربیت یافتہ صحابہ کرام نہیں تھے؟ کیا وہ اس حدیث کو نہیں سمجھ پائے تھے کہ اپنے آپ کو اسلامی احکام کا سختی سے پابند بنا رکھا تھا۔

اس حدیث کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ شہادت، نماز، روزہ، حج، عمرہ، زکوۃ، صدقہ و خیرات، ذکر و اذکار، غرضیکہ ہر عبادت کے تعین میں اتنی میانہ روی اور اعتدال کو سامنے رکھا گیا، کہ عمل پیرا ہونے والے اس کو آسان سمجھیں۔ کیا پوری زندگی میں ایک دفعہ حج کرنا، سال کے بعد ایک سو روپے میں سے اڑھائی روپے زکوۃ دینا اور دن میں پانچ نمازیں ادا کرنا مشکل امور ہیں؟

دین میں غلو منع ہے

(٦٢)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ غَدَاةَ الْعَقَبَةِ، وَهُوَ وَاقِفٌ عَلٰى رَاحِلَتِهِ: ((هَاتِ الْقُطْ لِيْ.)) فَلَقَطْتُ لَهُ حَصَيَاتٍ هُنَّ حُصَى الْحَذْفِ، فَوَضَعَهُنَّ فِي يَدِهِ فَقَالَ: ((بِأَمْثَالِ هٰؤُلَاءِ.)) مَرَّتَيْنِ، وَقَالَ بِيَدِهِ فَأَشَارَ يَحْيٰى۔ أَحَدُ رُوَاتِهِ۔ أَنَّهُ رَفَعَهَا وَقَالَ: ((إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّيْنِ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالْغُلُوِّ فِي الدِّيْنِ.)) (الصحيحة: ١٢٨٣)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے (حج کے موقع پر) مجھے گھاٹی والی صبح کو فرمایا تھا، اس حال میں کہ آپ اپنی سواری پر کھڑے تھے: ''ادھر آؤ، میرے لئے (کنکریاں) اٹھا کر لاؤ۔'' سو میں بیچ کی دو انگلیوں میں رکھ کر پھینکی جانے والی کنکریوں کے سائز کی کنکریاں اٹھا کر لایا، آپ نے ان کو اپنے ہاتھ میں رکھا اور دو دفعہ فرمایا: ''ان جتنی کنکریاں ہوں۔'' پھر آپ نے اپنا ہاتھ بلند کیا۔ راویٔ حدیث یحیی نے ہاتھ سے اشارہ کر کے بات سمجھائی۔ اور فرمایا: ''دین میں غلو کرنے سے بچو، تم سے پہلے والے لوگ دین میں غلو کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔''

تخريج: رواه النسائي: ٢/ ٤٩، وابن ماجه: ٢/ ٢٤٢، وابن خزيمة: ١/ ٢٨٢/ ٢، وابن حبان: ١٠١١، والحاكم: ١/ ٤٦٦، و البيهقي: ٥/ ١٢٧، وأحمد: ١/ ٢١٥ و ٣٤٧، والضياء في "المختارة"

۲/۲۰۰/۵۹

فوائد : ...... اللہ تعالی نے عبادات و معاملات و شخصیات کے بارے میں اپنی ترجیحات کا فیصلہ کر کے لوگوں کو ان کا پابند بنا دیا ہے، کسی کو ان میں کمی کرنے کا اختیار ہے نہ زیادتی کرنے کا۔

"غُلُوّ" کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کی شرعی حد سے بڑھا دیا جائے، جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کو اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کو رسالت و بندگی کے مقام سے اٹھا کر الوہیت کے مقام پر فائز کر دیا اور ان کی اللہ تعالی کی طرح عبادت کرنا شروع کر دی۔ اسی طرح حلال و حرام کے تعین کا حق صرف اللہ تعالی کا ہے، لیکن اہل کتاب نے اپنے علما اور درویشوں کو اس وصف کا اہل سمجھ لیا۔

نبی کریم ﷺ نے عیسائیوں کے اس غلو کے پیش نظر اپنی امت کے لیے اپنے مقام و مرتبہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ((لَاتُطْرُونِی كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارَى عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ، فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُهُ ، فَقُوْلُوْا: عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ .)) (بخاری)

"تم مجھے اس طرح حد سے نہ بڑھا دینا، جس طرح کہ عیسائیوں نے عیسی بن مریم کو بڑھا دیا۔ میں تو صرف اللہ تعالی کا بندہ ہوں، پس تم (میرے بارے میں) کہا کرو: اللہ تعالی کا بندہ اور رسول۔"

لیکن بدقسمتی ہے کہ مسلمان بھی اس غلو سے محفوظ نہ رہ سکے، انھوں نے بعض ائمہ کی شان میں غلو کیا اور ان کی رائے اور قول، حتی کہ ان کی طرف منسوب فتوی اور فقہ کو بھی حدیثِ رسول کے مقابلے میں ترجیح دی، اسی نظریے نے لوگوں کی اکثریت کو تقلید پر آمادہ کر دیا اور انہی میں سے ایک گروہ نے نبی کریم ﷺ کی شان میں غلو کر کے آپ کو "نور من نور اللہ، عالم ما کان و ما یکون" حاضر و ناظر، نافع و ضار سمجھتا ہے، بلکہ قبروں میں دفن شدہ کئی لوگوں کے بارے میں اس کا عقیدہ یہ ہے کہ انھیں بھی کائنات کے اندر تصرف کرنے کا اختیار ہے، پھر یہ لوگ اسی عقیدے کو سامنے رکھ کر ان مردوں سے استغاثہ کرتے ہیں، ایسے ہی شیعہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہت کے قائل نظر آتے ہیں۔

تقدیر

آپ غور کرتے جائیں کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کے تقدیر سے متعلقہ سوالات کا کیسے مختصر اور ساکت جواب دیا۔ بہرحال جو آدمی اس مسئلہ کو اپنے حق میں پیچیدہ سمجھتا ہے، اسے چاہیے کہ اس کی حقیقت کو اللہ تعالی کے سپرد کر دے اور اپنے آپ کو نیکیوں اور برائیوں کو سرانجام دینے کے سلسلے میں صاحبِ اختیار سمجھ کر اعمالِ صالحہ کرنے کی کوشش کرے۔

(٦٣)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ مَرْفُوْعاً: ((لَايُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ، حَتّٰى يَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَهُ لَمْ يَكُنْ

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک تقدیر پر ایمان نہیں لاتا، وہ اچھی ہو یا بری اور جب

لِيُخْطِئَهُ، وَأَنَّ مَا أَخْطَأَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَهُ .)) (الصحيحة:٢٤٣٩)

تک اسے یہ (پختہ) علم نہیں ہو جاتا کہ (اللہ تعالی کی تقدیر کے مطابق) جس چیز نے اسے لاحق ہونا ہے وہ ٹل نہیں سکتی اور جو ٹل گئی وہ لاحق نہیں ہو سکتی۔“

تخريج: أخرجه الترمذي:٢/ ٢١، وابن عدي في "الكامل":٧/ ٢١٧/ ١

(٦٤)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَايَزَالُ أَمْرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ مُوَاتِياً أَوْ مُقَارِباً مَالَمْ يَتَكَلَّمُوْا فِي الْوِلْدَانِ وَالْقَدَرِ .)) (الصحيحة: ١٥١٥)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس امت کا معاملہ اس وقت تک ہم نوائی، ہم خیالی، (اتحاد اور موافقت) والا رہے گا، جب تک یہ لوگ بچوں اور تقدیر (کے مسائل) میں گفتگو نہیں کریں گے۔“

تخريج: أخرجه ابن حبان: ١٨٢٤، والحاكم: ١/ ٣٣

فوائد:...... ”مواتیا“ اور ”مقاربا“ ہم معنی الفاظ ہیں۔

”وِلْدَان“ سے مراد مشرکین کی اولاد کے اخروی انجام کے بارے میں گفتگو کرنا ہے کہ آیا وہ جنت میں ہوں گے، یا جہنم میں یا اعراف پر، جیسا امام کہ ابو حاتم نے کہا: الولدان اراد به اطفال المشركين۔ (ابن حبان) یعنی: ”وَلْدَان“ سے مشرکوں کے بچے مراد لیے گئے ہیں۔

(٦٥)۔ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لَايَبْلُغُ عَبْدٌ حَقِيْقَةَ الْإِيْمَانِ حَتّٰى يَعْلَمَ أَنَّ مَاأَصَابَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَهُ وَمَا أَخْطَاهُ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَهُ .)) (الصحيحة:٣٠١٩)

سیدنا ابو دردا رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی بندہ اس وقت تک ایمان کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا، جب تک اسے یہ (پختہ) علم نہ ہو جائے کہ (اللہ تعالی کی تقدیر کے فیصلے کے مطابق) جس چیز نے اسے لاحق ہونا ہے وہ تجاوز نہیں کر سکتی اور جو چیز تجاوز کر گئی وہ لاحق نہیں ہو سکتی۔“

تخريج: أخرجه البزار: ١/ ٢٧/ ١/ ٣٣ كشف الأستار

(٦٦)۔ عَنْ طَاءُوسٍ الْيَمَانِيِّ أَنَّهُ قَالَ: أَدْرَكْتُ نَاساً مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُوْنَ: كُلُّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ قَالَ طَاءُوسٌ: وَسَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((كُلُّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ، حَتّٰى الْعَجْزُ وَالْكَيْسُ أَوِ الْكَيْسُ وَالْعَجْزُ .)) (الصحيحة:٨٦١)

طاوس یمانی کہتے ہیں: جتنے صحابۂ کرام سے میری ملاقات ہوئی وہ کہتے تھے: ہر چیز تقدیر کے ساتھ معلق ہے اور میں نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سنا، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر چیز تقدیر کے ساتھ معلق ہے، حتی کہ بے بسی و لاچارگی اور عقل و دانش بھی۔“

تخریج: أخرجه مالك: ٣/ ٩٣، وعنه مسلم فی "صحیحه": ٨/ ٥١، والبخاری فی "أفعال العباد": صـ٧٣، وأحمد فی "المسند": ٢/ ١١٠، وفی "السنة" أیضا: صـ١٢١

(٦٧)۔ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لِكُلِّ شَيْءٍ حَقِيقَةٌ، وَمَا بَلَغَ عَبْدٌ حَقِيقَةَ الْإِيْمَانِ حَتّٰى يَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَهُ، وَمَا أَخْطَأَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَهُ.)) (الصحيحة:٢٤٧١)

سیدنا ابو دردا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور آدمی ایمان کی حقیقت کو اس وقت تک نہیں پا سکتا جب تک اسے اس چیز کا (پختہ) علم نہ ہو جائے کہ جو چیز (اللہ کی تقدیر کے فیصلے کے مطابق) اسے لاحق ہوتی ہے وہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتی اور جس چیز نے اس سے تجاوز کرنا ہے وہ اسے لاحق نہیں ہو سکتی۔''

تخریج: أخرجه أحمد:٦/ ٤٤١۔ ٤٤٢، والبزار: ٨۔ زوائده، والقضاعی: ٧٥/ ١، وابن عساكر: ٤/ ٣٣٢/ ١

(٦٨)۔ عَنِ ابْنِ زُرَارَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: ((نَزَلَتْ فِي أُنَاسٍ مِّنْ أُمَّتِي فِي آخِرِ الزَّمَانِ يُكَذِّبُوْنَ بِقَدَرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ.)) يَعْنِي قَوْلَهُ تَعَالٰى: ﴿ذُوقُوْا مَسَّ سَقَرَ۔ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ (الصحيحة: ١٥٣٩)

ابن زرارہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''یہ آیت میری امت کے آخری زمانے کے تقدیر کو جھٹلانے والے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی: ﴿دوزخ کے آگے لگنے کے مزے چکھو۔ بیشک ہم نے ہر چیز کو ایک مقررہ اندازے پر پیدا کیا ہے۔﴾ (سورۂ قمر: ۴۸، ۴۹)

تخریج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ٥٣١٦

(٦٩)۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ مَرْفُوْعاً: ((ثَلَاثَةٌ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُمْ صَرْفاً وَلَا عَدْلاً: عَاقٌّ وَمَنَّانٌ وَمُكَذِّبٌ بِالْقَدَرِ.)) (الصحيحة:١٧٨٥)

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان تین قسم کے اشخاص کی فرضی عبادت قبول ہوتی ہے نہ نفلی: نافرمان و بدسلوک، احسان جتلانے والا اور تقدیر کو جھٹلانے والا۔''

تخریج: رواه ابن أبي عاصم في "السنة": برقم ٣٢٣۔ بتحقيقي، والطبراني: ٧٥٤٧، وأبو القاسم الصفار في "الأربعين في شعب الدين": كما في "المنتقي منه": ٥٠/ ٢، للضياء المقدسي و "المنتخب منه": لأبي الفتح الجويني ٧٤/ ٢، وابن عساكر: ١١/ ٤٢٣/ ١، ١٣/ ١٩٣/ ٢، ١٧/ ٩٧/ ١

(٧٠)۔ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ، وَحُمَيْدِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَ: لَقِيْنَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ،

یحیٰ بن یعمر اور حمید بن عبد الرحمٰن کہتے ہیں: ہم سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ملے، ہم نے ان کے سامنے تقدیر اور اس کے

فَذَكَرْنَا لَهُ الْقَدَر مَايَقُوْلُوْنَ فِيْهِ: فَذَكَرَ نَحْوَهُ زَادَ: قَالَ: وَسَأَلَهُ رَجُلٌ مِنْ مُزَيْنَةَ۔ أَوْ جُهَيْنَةَ۔ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فِيْمَا نَعْمَلُ؟ أَفِي شَيْءٍ قَدْ خَلَا أَوْ مَضٰى، أَوْ فِي شَيْءٍ يَسْتَأْنِفُ الآنَ؟ قَالَ: ((فِي شَيْءٍ قَدْ خَلَا وَمَضٰى.)) فَقَالَ الرَّجُلُ أَوْ بَعْضُ الْقَوْمِ: فَفِيْمَ الْعَمَلُ؟ قَالَ: ((إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ يُيَسَّرُوْنَ لِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنَّ أَهْلَ النَّارِ يُيَسَّرُوْنَ لِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ.))

(الصحيحة: ٣٥٢١)

بارے میں لوگوں کے خیالات کا تذکرہ کیا.......... مزینہ یا جہنیہ قبیلہ کے ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم کس چیز میں عمل کر رہے ہیں؟ آیا اس (تقدیر) کے مطابق جس کا فیصلہ پہلے کیا جا چکا ہے یا از سرِ نو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس (تقدیر) کے مطابق جس کا فیصلہ پہلے سے ہو چکا ہے۔'' اسی نے یا کسی اور آدمی نے کہا: ''تو پھر عمل کی کیا حقیقت رہی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اہل جنت کے لئے جنتیوں کے اعمال آسان کر دیئے جاتے ہیں اور اہل جہنم کے لئے جہنمیوں کے اعمال آسان کر دیئے جاتے ہیں۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ١/ ٢٩۔ ولم يسق لفظه۔، وكذا ابن أبي عاصم في "السنة": ١/ ٥٧/ ١٢٤، وابو داود: ٤٦٩٦۔ والسباق له۔، ومن طريقه: ابن عبدالبر في "التمهيد": ٦/ ٦۔ ٧، وأحمد: ١/ ٢٧

(٧١)۔ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ: قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ مَانَعْمَلُ، أَمْرٌ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ أَمْ أَمْرٌ نَسْتَأْنِفُهُ؟ قَالَ: ((بَلْ أَمْرٌ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ.)) قَالُوْا: فَكَيْفَ الْعَمَلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: ((كُلُّ امْرِئٍ مُهَيَّأٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ.))

(الصحيحة: ٢٠٣٣)

سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم لوگ جو عمل کر رہے ہیں، آیا ان کا (پہلے ہی سے فیصلہ کر کے) ان سے فارغ ہوا جا چکا ہے یا ہم از سرِ نو عمل کر رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس معاملے (کا فیصلہ کر کے) اس سے فراغت حاصل کی جا چکی ہے۔'' انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! تو پھر عمل کا ہے کا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس آدمی کو جس عمل کے لئے پیدا کیا گیا اسے اسی کے لئے استعمال کیا جائے گا۔''

تخريج: أخرجه الحاكم: ٢/ ٤٦٢، وأحمد: ٦/ ٤٤١

(٧٢)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ أَوَّلَ شَيْءٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ الْقَلَمُ فَأَخَذَهُ بِيَمِيْنِهِ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ قَالَ فَكَتَبَ الدُّنْيَا وَمَا يَكُوْنُ فِيْهَا مِنْ عَمَلٍ مَعْمُوْلٍ: بِرٍّ

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا، اسے اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑا۔ اور اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ اور دنیا کو، اور دنیا میں کی جانے والی ہر نیکی و بدی اور رطب و یابس کو لکھا اور سب چیزوں کو اپنے پاس لوح

أَوْ فُجُوْرٍ ، رَطْبٍ أَوْ يَابِسٍ ، فَأَحْصَاهُ عِنْدَهُ فِي الذِّكْرِ .)) ثُمَّ قَالَ: فَاقْرَأُوْا إِنْ شِئْتُمْ: ﴿هَـٰذَا كِتَـٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَاكُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (الجاثية:٢٩) فَهَلْ تَكُوْنُ النُّسْخَةُ إِلَّا مِنْ أَمْرٍ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ .)) (الصحيحة:٣١٣٦)

محفوظ میں شمار کر لیا۔ پھر فرمایا: اگر چاہتے ہو تو (اس مصداق والی یہ آیت) پڑھ لو: ﴿یہ ہے ہماری کتاب جو تمھارے بارے میں سچ سچ بول رہی ہے، ہم تمھارے اعمال لکھواتے جاتے ہیں﴾ (سورۂ جاثیہ: ۲۹) لکھنا اور نقل کرنا اسی امر میں ہوتا ہے جس سے فارغ ہوا جا چکا ہو۔''

تخريج: أخرجه الآجري في "الشريعة": ٣٢١

فوائد: ......تقدیر: مختلف پیرایوں میں تقدیر کی تعریف قلمبند کی جا سکتی ہے۔ مثلا:

الف: وہ امورِ کائنات کہ اللہ تعالی نے جن کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ان کا بخوبی اندازہ لگا لیا۔

ب: اللہ تعالی نے تخلیق کائنات سے قبل کائنات میں رونما ہونے تمام اشیا کی کیفیات و کمیات، احوال وظروف، اوقات و ازمان، آمد و رفت، غرضیکہ ہر چیز کی ہر کیفیت و کمیت کا اندازہ لگا لیا۔ پھر آج تلک عالم علوی اور عالم سفلی میں جو کچھ ہوا، وہ اللہ تعالی کے علم کے مطابق ہوا۔

ج: کائنات کی ابتدا سے انتہا تک اس میں جو کچھ ہونا تھا، اللہ تعالی نے اسے اپنے علم کے ذریعے معلوم کر لیا۔

د: کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اللہ تعالی کے سابق علم اور مشیت کے مطابق ہو رہا ہے۔

ر: اللہ تعالی کا علم اتنا مضبوط ہے کہ اس نے مستقبل کی اخبار و واقعات کو معلوم کر لیا، یہی معلومات تقدیر ہیں۔

مولانا عبید اللہ مبارکپوری نے اس موضوع پر مرعاۃ المفاتیح میں عمدہ بحث پیش کی ہے، یہاں اس کی تلخیص قلمبند کرنا مناسب رہے گا، وہ کہتے ہیں:

تقدیر پر ایمان لانے کا مفہوم یہ ہے کہ عالم میں جو امور طے پا رہے ہیں، وہ اللہ تعالی کی قضا، تقدیر، ارادے، مشیت، تخلیق اور تاثیر کی بنا پر ہیں۔ وہ امور خیر و شرّ کی صورت میں ہوں یا منفعت و مضرت کی صورت میں، وہ موت و حیات کی صورت میں ہوں یا ایجاد و تخلیق کی صورت میں، وہ ایمان و کفر کی صورت میں ہوں یا اطاعت و معصیت کی صورت میں، وہ ہدایت و ضلالت کی صورت میں ہوں یا رہنمائی و گمراہی کی صورت میں۔ لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالی ایمان و اطاعت کو پسند کرتا ہے اور ان پر اجر و ثواب دینے کا وعدہ کرتا ہے اور کفر و معصیت کو ناپسند کرتا ہے اور ان پر عذاب وعقاب کی دھمکی دیتا ہے۔

اہل السنہ نے کہا: اللہ تعالی نے اشیا کی تخلیق سے قبل ان کی مقادیر، احوال اور ازمان کو پا لیا، پھر اپنے علم کے مطابق ان کو ایجاد کیا۔ علوی عالم ہو یا سفلی، جس میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اللہ تعالی کے علم، قدرت اور ارادے سے صادر ہو رہا ہے۔ کائنات کی تمام مخلوقات اور سارے امور اللہ تعالی کی طرف مضاف و منسوب ہوتے ہیں۔

ابن سمعانی نے کہا: تقدیر کے باب کی معرفت کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ قرآن و حدیث کو پہلا اور آخری فیصل مان کر ان پر توقف کیا جائے اور اس ضمن میں عقل و قیاس کو کوئی دخل نہ دیا جائے، اس سلسلے میں جو شخص قرآن و حدیث کے مضمون کا پابند نہیں بنتا وہ گمراہ ہو جاتا ہے اور حیرانی کے سمندروں میں بھٹک جاتا ہے، وہ شفایاب ہو سکتا ہے نہ مطمئن، کیونکہ تقدیر اللہ تعالی کا راز ہے، علیم و خبیر ربّ نے اس کو اپنے ساتھ مختص کیا ہے، اس کے سامنے پردے لٹکا دیئے ہیں اور اس کو مخلوقات کے قلوب و اذہان اور علوم و معارف سے اوجھل رکھا ہے، نہ کسی نبی کو اس کا علم تھا اور نہ کسی مقرب فرشتے کو۔ اس موضوع پر امام بیہقی کی "كتاب الاسماء والصفات"، امام بخاری کی "خلق افعال العباد"، امام ابن قیم کی "مدارج السالكين" اور امام زبیدی کی "شرح الاحياء" کا مطالعہ مفید رہے گا۔ (تلخيص از مرعاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح)

تقدیر برحق ہے، لیکن انسان کا اختیار

(۷۲)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ فِي الْقَبْضَتَيْنِ: ((هٰؤُلَاءِ لِهٰذِهِ وَهٰؤُلَاءِ لِهٰذِهِ.)) (الصحيحة:٤٦)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے دو مٹھیوں کے بارے میں فرمایا: ''اس مٹھی والے (بندے) اس (جنت) کے لئے اور اس مٹھی والے (بندے) اس (جہنم) کے لئے ہیں۔''

تخريج: رواه المخلص فى "الفوائد المنتقاة": ١/ ٣٤/ ٢، والبزار: ٣/ ٢٠/ ٢١٤١، كشف الأستار: والطبرانى فى "المعجم الصغير": ٧٣

(۷۳)۔ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ قَتَادَةَ السُّلَمِيِّ مَرْفُوْعًا: ((إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ خَلَقَ آدَمَ، ثُمَّ أَخَذَ الْخَلْقَ مِنْ ظَهْرِهِ، وَقَالَ: هٰؤُلَاءِ إِلَى الْجَنَّةِ وَلَا أُبَالِيْ، وَهٰؤُلَاءِ إِلَى النَّارِ وَلَا أُبَالِيْ.)) فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! فَعَلٰى مَاذَا نَعْمَلُ؟ قَالَ: ((عَلٰى مَوَاقِعِ الْقَدَرِ.)) (الصحيحة:٤٨)

سیدنا عبد الرحمٰن بن قتادہ سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، پھر ان کی پیٹھ سے ان کی اولاد کو نکالا اور فرمایا: یہ جنت کے لئے ہیں اور میں بے پروا ہوں اور یہ جہنم کے لئے ہیں اور میں کوئی پروا نہیں کرتا۔'' کسی نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم کس چیز کے مطابق عمل کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تقدیر کے مطابق۔''

تخريج: رواه أحمد: ٤/ ١٨٦، وابن سعد فى "الطبقات": ١/ ٣٠و٧/ ٤١٧، وابن حبان فى "صحيحه": ١٨٠٦، وعبدالباقى ابن قانع فى ترجمة عبدالرحمن الاتى من "المعجم"، والحاكم: ١/ ٣١، والحافظ عبدالغنى المقدسى فى "الثالث والتسعين من تخريجه": ٤١/ ٢، وابن جرير فى "التفسير": ١٥٣٧٧، والآجرى فى "الشريعة": ١٧٢

فوائد :...... بلاشک وشبہ اللہ تعالی نے بنو آدم کو نیکی و بدی کرنے کے اختیارات سونپ رکھے ہیں۔ ارشادِ باری

تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّا هَدَيْنَـٰهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا﴾ (سورۂ دھر:۳)...... ''ہم نے اس (انسان) کو راہ دکھائی، اب خواہ وہ شکر گزار بنے، خواہ ناشکرا۔''

لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ معلوم کرلیا کہ کون کیا عمل کرے گا اور کس کا کیا انجام ہوگا، پھر اس کو قلمی شکل دے دی، اس کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر یا اس کا علم کہتے ہیں۔ یا یوں سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے بنو آدم کے طرزِ حیات اور ان کے انجام کی پیشین گوئی کی، جو حق ثابت ہوئی۔ اب کوئی انسان مجبور ہو کر نیک یا برے اعمال نہیں کر رہا، بلکہ اسے اختیار ہے، اس نے خود انتخاب کرنا ہے، یہ بات علیحدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے انتخاب کا علم ہے۔ اب انسان کے عمل اور اللہ تعالیٰ کے علم میں من وعن موافقت ہے، اسی کو کہتے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق عمل کر رہا ہے۔

(٧٤)۔ عَنْ اَنَسٍ مَرْفُوْعًا: ((اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَبَضَ قَبْضَةً، فَقَالَ: فِي الْجَنَّةِ بِرَحْمَتِي وَقَبَضَ قَبْضَةً، فَقَالَ: فِي النَّارِ وَلَا أُبَالِيْ .)) (الصحیحۃ:٤٧)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک اللہ تعالیٰ نے ایک مٹھی بھری اور فرمایا: یہ میری رحمت سے جنت میں ہوں گے اور دوسری مٹھی بھری اور فرمایا: یہ جہنم میں ہوں گیا اور میں کوئی پروا نہیں کرتا۔''

تخريج: رواه أبو يعلى فى "مسنده": ١٧١/ ٢ ، والعقيلي فى "الضعفاء": صـ٩٣ ، وابن عدى فى "الكامل": ٦٦/ ٢ ، والدولابى فى "الأسماء والكنى": ٢/ ٤٨

(٧٥)۔ عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ مَرْفُوْعًا: ((خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ حِيْنَ خَلَقَهُ، فَضَرَبَ كَتِفَهُ الْيُمْنٰى، فَاَخْرَجَ ذُرِّيَّةً بَيْضَاءَ كَاَنَّهَا الذَّرُّ، وَضَرَبَ كَتِفَهُ الْيُسْرٰى، فَاَخْرَجَ ذُرِّيَّةً سَوْدَاءَ، كَاَنَّهُمُ الْحُمَمُ، فَقَالَ لِلَّذِيْ فِيْ يَمِيْنِهِ: اِلَى الْجَنَّةِ وَلَا أُبَالِيْ، وَقَالَ لِلَّذِي فِيْ كَتِفِهِ الْيُسْرٰى: اِلَى النَّارِ وَلَا أُبَالِيْ .)) (الصحیحۃ:٤٩)

سیدنا ابو درداءؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو اس کے دائیں کندھے پر ضرب لگائی اور وہاں سے سفید رنگ کی اولاد نکالی، جو چھوٹی چیونٹیوں کی جسامت کی تھی۔ پھر بائیں کندھے پر ضرب لگائے اور کوئلوں کی طرح سیاہ اولاد نکالی۔ پھر دائیں طرف والی اولاد کے بارے میں کہا: یہ جنت میں جائیں گے اور میں کوئی پرواہ نہیں کرتا اور بائیں کندھے سے نکلنے والے اولاد کے بارے میں کہا: یہ جہنم میں جائیں گے اور میں بے پرواہ ہوں۔''

تخريج: رواه أحمد ، وابنه فى "زوائد المسند": ٦/ ٤٤١ ، والبزار: ٢١٤٤ ، وابن عساكر فى "تاريخ دمشق" ١٥/ ١٣٦/ ١

(٧٦)۔ عَنْ اَبِيْ نَضْرَةَ، قَالَ: مَرِضَ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَدَخَلَ عَلَيْهِ اَصْحَابُهُ يَعُوْدُوْنَهُ، فَبَكٰى، فَقِيْلَ لَهُ: مَا

ابو نضرہ کہتے ہیں: ایک صحابی بیمار ہو گئے، اس کے ساتھی اس کی تیمار داری کرنے کے لئے اس کے پاس گئے، وہ رونے لگ گئے۔ ان سے پوچھا گیا: اللہ کے بندے! کیوں رو رہے

يُبْكِيْكَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ؟ اَلَمْ يَقُلْ لَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((خُذْ مِنْ شَارِبِكَ ثُمَّ اَقِرَّهُ حَتّٰى تَلْقَانِيْ .)) قَالَ: بَلٰى ، وَلٰكِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَبَضَ قَبْضَةً بِيَمِيْنِهِ ، فَقَالَ: هٰذِهٖ لِهٰذِهٖ وَلَا اُبَالِيْ ، وَقَبَضَ قَبْضَةً اُخْرٰى۔ يَعْنِيْ: بِيَدِهِ الْاُخْرٰى۔ ، فَقَالَ: هٰذِهٖ لِهٰذِهٖ وَلَا اُبَالِيْ .)) فَلَا اَدْرِيْ فِيْ اَيِّ الْقَبْضَتَيْنِ اَنَا۔ (الصحيحة: ٥٠)

ہو؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے تم کو یہ نہیں فرمایا تھا کہ ''اپنی مونچھیں کاٹ دو اور پھر اسی چیز پر برقرار رہنا، یہاں تک کہ مجھے آ ملو۔''؟ اس نے کہا: کیوں نہیں، (آپ ﷺ نے واقعی یہ بشارت مجھے دی تھی) لیکن میں نے آپ ﷺ کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا کہ ''بیشک اللہ تبارک وتعالی نے دائیں ہاتھ سے (اپنے بندوں کی) ایک مٹھی بھری اور فرمایا کہ اس مٹھی والے (جنت) کے لئے ہیں اور مجھے کسی کی کوئی پروا نہیں ہے، پھر دوسرے ہاتھ سے دوسری مٹھی بھری اور فرمایا کہ اس مٹھی والے (جہنم) کے لئے ہیں اور میں کسی کی کوئی پروا نہیں کرتا۔'' (میرے رونے کہ وجہ یہ فکر ہے کہ) میں یہ نہیں جانتا کہ میں کس مٹھی میں ہوں گا۔

تخريج: رواه أحمد: ٤/ ١٧٦ و ١٧٧ و ٥/ ٦٨، والبزار: ٣/ ٢٠

فوائد :......اللہ تعالی کے علم کو تقدیر کہتے ہیں، ازل سے اسے علم ہے کہ فلاں فلاں جنت میں جائے گا اور فلاں فلاں جہنم میں۔ لیکن اس سے قطعی طور پر یہ لازم نہیں آتا کہ ہم عمل صالح کے معاملے میں غفلت برتیں، کیونکہ جو ہستی مستقبل کے تمام امور سے بخوبی آگاہ ہے، اسی نے اعمالِ صالحہ کرنے کا حکم دیا ہے اور انسان کو اچھے یا برے اعمال کرنے کے اختیارات سونپے ہیں۔

امام البانی رحمہ اللہ نے مندرجہ بالا احادیث پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے کہا:

بعض لوگوں کو یہ وہم ہوا ہے کہ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اختیاری اعمال کرنے پر مجبور ہے، کیونکہ اس کے پیدا ہونے سے پہلے اس کی جنت یا جہنم کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔

جبکہ بعض نے کہا کہ معاملہ بدنصیبی اور خوش نصیبی کا ہے، پس جو دائیں مٹھی میں آ گیا، وہ خوش بختوں میں سے ہوگا اور جو دوسری میں آ گیا، وہ بدبختوں میں سے ہوگا۔

ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالی اپنی ذات، صفات اور صفات کے تقاضوں میں بے مثال ہے، جیسا کہ اس کا ارشاد ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ (سورۂ شوری: ۱۱)......''کوئی چیز اس (اللہ) کی مثل نہیں ہے۔''

چونکہ اللہ تعالی خوب علم والا، خوب حکمت والا اور خوب عدل والا ہے، اس نے دائیں مٹھی میں ان افراد کو جگہ دی، جن کے بارے میں اسے علم تھا کہ یہ لوگ اس کے احکام کی تعمیل کریں گے اور دوسری مٹھی میں ان افراد کو جگہ دی، جن کے بارے میں اسے علم تھا کہ یہ لوگ اس کی نافرمانی کریں گے۔ اللہ تعالی کے عدل کا تقاضا ہے کہ دائیں مٹھی کے مستحق کو

دوسری مٹھی میں لے لینا محال ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ ○ مَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ○﴾(سورۂ قلم: ۳۵۔ ۳۶) ...... ''کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کی طرح بنا دیں۔ تم کو کیا ہو گیا ہو، تم کیسے فیصلے کرنے لگ گئے ہو؟''

پھر اہل جنت کو دائیں مٹھی اور اہل جہنم کو دوسری مٹھی میں لے لینے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ ان کو جنتی یا جہنمی ہونے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ یہ دراصل ان کے اعمال کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کا ان کے بارے میں حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ فلاں مومن ہو گا اور فلاں کافر، اس لیے ان کو مٹھیوں میں تقسیم کر دیا اور ایمان اور کفر دونوں چیزیں اختیاری ہیں، اللہ تعالیٰ کسی کو ایمان یا کفر اختیار کرنے پر مجبور نہیں کرتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ (سورۂ کہف: ۲۹) ...... ''جو چاہتا ہے، ایمان قبول کر لے اور جو چاہتے ہے، کفر کر لے۔'' اور ہم اسی چیز کا مشاہدہ کر رہے ہیں کہ ہر ایک کو فرمانبرداری کرنے یا نافرمانی کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، اگر ایسے نہ ہوتا ہے تو نیکیوں کی بنا پر اجر و ثواب اور برائیوں کی بنا پر عذاب و عقاب فضول اور بے مقصد قرار پاتا، جبکہ اللہ تعالیٰ عبث امور سے پاک ہے۔

لیکن بڑا افسوس ہے کہ اکثر لوگوں، بلکہ بعض اساتذہ و مشائخ کا خیال ہے کہ انسان مجبور ہے اور اس کا اپنا کوئی ارادہ نہیں۔ ان نا عاقبت اندیشیوں کی اس اس رائے کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرتا ہے کہ ایک آدمی کو برائیوں پر مجبور کر کے اسے جہنم کا حقدار قرار دیتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے بارہا دفعہ یہ اعلان کیا کہ وہ ذرّہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا، حالانکہ وہ ایسا کرنے پر قادر ہے، لیکن اس نے اپنے آپ کو اس صفت سے پاک کر دیا ہے، حدیث قدسی ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ((یَا عِبَادِیْ اِنِّیْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِیْ......)) (مسلم) ...... ''اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے آپ پر حرام قرار دیا ہے۔''

جب ان لوگوں پر حقیقتِ حال کا اظہار کیا گیا کہ انسان مختار ہے، مجبور نہیں ہے، تو انھوں نے آگے سے یہ جواب دیا: ﴿لایسأل عما یفعل﴾ (سورۂ انبیا: ۲۳) یعنی: ''اللہ تعالیٰ جو کچھ کر گزرے، اس سے اس کی بابت پوچھا ہی نہیں جا سکتا (کہ اس نے ایسا کیوں کیا ہے)۔'' اس آیت سے ان کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلم کرتا ہے، لیکن اس کے بارے میں اس سے سوال نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ ان کے الزاموں سے بہت بلند و بالا ہے۔

ان بیچاروں کو تو یہ پتہ نہ چل سکا کہ یہ آیت ان کے حق میں نہیں، بلکہ ان کی مخالفت میں حجت ہے، جیسا کہ امام ابن قیم نے (شفاء العلیل) وغیرہ میں کہا: اللہ تعالیٰ کے احکام اور فیصلوں میں اس قدر حکمت و دانائی اور عدل و انصاف پایا جاتا ہے کہ کوئی اس سے ان کے بارے میں سوال ہی نہیں کر سکتا، کیونکہ اس کے تمام احکام واضح عدل والے ہیں، سوال کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔

شیخ یوسف دجوی نے اس آیت کی تفسیر میں ایک مفید رسالہ لکھا ہے، ایسے لگتا ہے کہ انھوں نے زیادہ تر مواد ابن قیم کی کتاب سے لیا تھا، شائقین کو مطالعہ کر لینا چاہیے۔

اس باب کی احادیث کا معنی و مفہوم سمجھانے کے لیے اور بعض لوگوں کے شکوک وشبہات زائل کرنے کے لیے میں یہ مختصر سی بحث کی۔ امام ابن قیم اور امام ابن تیمیہ کی کتب میں اس موضوع پر کافی سارا مفید مواد پایا جاتا ہے۔

(صحیحہ: ٥٠)

تقدیر کے موضوع پر گفتگو کرنے والے بدترین لوگ ہیں

(٧٧)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوعاً: ((أُخِّرَ الْكَلَامُ فِي الْقَدَرِ لِشِرَارِ أُمَّتِي فِي آخِرِ الزَّمَانِ.)) (الصحيحة: ١١٢٤)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تقدیر (کے انکار پر) مشتمل گفتگو کو پچھلے زمانوں میں میری امت کے بدترین لوگوں تک مؤخر کر دیا گیا ہے۔''

تخريج: رواه ابن الأعرابي في "المعجم" ٣/ ١، ٣٧/ ٢، والدولابي: ٢/ ٣٨، والبزار في "مسنده" صـ ٢٣٠ـ زوائد، وابن أبي عاصم في "السنة" ٣٥٠، والحاكم: ٢/ ٤٧٣، و الجرجاني في "الفوائد" ١٦٠/ ٢، والطبرانی فی "الاوسط"

فوائد: ......تقدیر میں بحث مباحثے، کٹ حجتی اور جھگڑے کی صورتیں:

اگر ساری چیزوں کے وقوع پذیر ہونے یا نہ ہونے کا معاملہ تقدیر سے متعلقہ ہے، تو پھر ثواب وعقاب کا کیا تک بنتا ہے؟

سوال ہوا کہ ایک گروہ جنت میں اور ایک گروہ جہنم میں، اس کی کیا حکمت ہے؟ جواب دیا گیا: اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو اختیار و اور قوت دی ہے۔ لیکن کہا گیا کہ ان کو یہ قوت و اختیار اور نیکی یا برائی کرنے کی قدرت کس نے عطا کی ہے؟

تقدیر میں جو کچھ طے پا چکا ہے، بندہ ویسے ہی کرنے پر مجبور ہے، اس کو اپنی پسند یا ناپسند کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر وہ برائیاں کر رہے ہیں تو یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں کیا ہے، اس میں ان کا کیا قصور ہے۔

بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں اور سارے کے سارے معاملات از سرِ نو ترتیب پا رہے ہیں، قضا و قدر کا کوئی سلسلہ نہیں ہے۔

حقیقتِ حال: حق بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اچھائی یا برائی کو اپنانے کا اختیار دیا ہے، قرآن وحدیث کی کئی نصوص سے یہ بات عیاں ہوتی ہے، تقدیر کی تعریف کرتے ہوئے (ج) جز میں کہا جا چکا ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہونا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے قوی علم کی روشنی میں اس کا ریکارڈ تیار کر لیا۔ اگر تقدیر کا مطلب یہ نکالا جائے کہ بندہ نیکی یا

بدی کرنے میں مختار نہیں، بلکہ مجبور ہے، تو اللہ تعالی کے عدل و انصاف، حکمت و دانائی، اجر و ثواب، عذاب و عقاب اور جنت و جہنم کے سلسلے کا کیا بنے گا؟

ہم امتِ محمدیہ کے متاخرین میں سے ہیں، آپ ﷺ نے ان زمانوں کے لوگوں کے بارے میں جو پیشین گوئی کی ہے، ہمیں اس کا مصداق بننے سے بچنا چاہیے اور کسی صورت میں تقدیر کی بحث میں نہیں پڑھنا چاہیے۔ اپنے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے نیکیوں میں اضافہ اور برائیوں میں کمی کرنی چاہیے۔

قارئین کرام! اگر کوئی آدمی تقدیر کے موضوع پر اوٹ پٹانگ باتیں کرے تو اس کا علاج یہ ہے کہ وہ اپنی کمزوری کی بنا پر جس آدمی سے انتقام نہ لے سکتا ہو، وہ آدمی اس کے چہرے پر زور سے تھپڑ مارے اور پھر یہ کہہ دے کہ اللہ تعالی نے ایسے ہی لکھا تھا، پھر ہم دیکھیں گے کہ وہ اللہ تعالی کی تقدیر پر راضی ہوتا ہے یا نہیں یا پھر نماز و روزہ ترک کرنے میں ہی تقدیر کا سہارا لیتا ہے؟

بوقتِ تخلیق ایمان یا کفر کا فیصلہ

(٧٨)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ مَرْفُوْعاً: ((خَلَقَ اللّٰهُ يَحْيٰى بْنَ زَكَرِيَّا فِي بَطْنِ أُمِّهِ مُؤْمِناً وَخَلَقَ فِرْعَوْنَ فِي بَطْنِ أُمِّهِ كَافِراً.)) (الصحيحة:١٨٣١)

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب اللہ تعالی نے حضرت زکریا (علیہ السلام) کے پیدا کیا تو وہ اپنی ماں کے پیٹ میں ہی مومن تھے اور جب فرعون کو پیدا کیا تو وہ اپنی ماں کے پیٹ میں ہی کافر تھا۔“

تخريج: رواه أبو الشيخ في "التاريخ": صـ ١٢٨، وابن حيويه في "حديثه": ٤١/ ٢، و اللالكائي في "السنة": ١٣٠/ ١ـ ٢، وأبونعيم في "أخبار أصبهان": ٢/ ١٩٠، والطبراني: ١٠٥٤٣، وابن عدى: ٣٠٤/ ١، وابن عساكر في "التاريخ": ١٨/ ٤٣/ ٢، ٤٤/ ١

فوائد :...... یہ حدیث بھی تقدیر سے متعلقہ ہے کہ اللہ تعالی کو ولادت تو کیا، ولادت سے پہلے ہی معلوم ہوتا ہے کہ فلاں مومن ہو کر فوت ہو گا اور فلاں کافر ہو کر مرے گا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہر کوئی اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دنوں تک نطفہ رہتا ہے، پھر چالیس ایام تک گاڑھا جما ہوا خون رہتا ہے، پھر چالیس دنوں تک گوشت کا ٹکڑا رہتا ہے، پھر اللہ تعالی فرشتے کو چار کلمات لکھنے کے لیے بھیجتا ہے۔ سو وہ اس کا (اچھا یا برا) عمل، موت، رزق اور اس کے بد بخت یا خوش بخت ہونے کے بارے میں لکھتا ہے،......“ (بخاری، مسلم)

قارئین کرام! یہ اللہ تعالی کا علم ہے، یعنی اسے کسی انسان کی تخلیق کے وقت اور اس کی ولادت سے پہلے اس کے سعادت و شقاوت کا علم ہوتا ہے، بہرحال ہر انسان کو اچھے یا برے اعمال کرنے کا اختیار ہے اور اللہ تعالی ایمان و

اطاعت کو پسند کرتا ہے اور ان پر اجر و ثواب دینے کا وعدہ کرتا ہے اور کفر و معصیت کو ناپسند کرتا ہے اور ان پر عذاب وعقاب کی دھمکی دیتا ہے۔

مبلغین کی صفات

(۷۹)۔ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَبِي مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ: بَعَثَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَمُعَاذاً إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ: ((أُدْعُوَا النَّاسَ، وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا، وَيَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا.)) فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَفْتِنَا فِي شَرَابَيْنِ كُنَّا نَصْنَعُهُمَا بِالْيَمَنِ: الْبِتْعُ، وَهُوَ مِنَ الْعَسَلِ يُنْبَذُ حَتَّى يَشْتَدَّ وَالْمِزْرُ، وَهُوَ مِنَ الذُّرَةِ يُنْبَذُ حَتَّى يَشْتَدَّ؟ قَالَ: وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَدْ أُعْطِيَ جَوَامِعَ الْكَلِمِ بِخَوَاتِمِهِ، فَقَالَ: ((أَنْهَى عَنْ كُلِّ مُسْكِرٍ أَسْكَرَ عَنِ الصَّلَاةِ.)) وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ (٦/ ٩٩): (وَعَلِّمَا) بَدَلَ (وَلَا تُعَسِّرَا)۔

(الصحيحة: ١٤٢١)

حضرت ابو بردہ اپنے باپ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا: ''لوگوں کو (اسلام کی) دعوت دینا، خوشخبریاں سنانا، متنفر نہ کرنا اور آسانیاں پیدا کرنا (دین کو) دشوار نہ بنا دینا۔'' میں نے کہا: دو قسم کی شراب، جو ہم یمن میں تیار کرتے تھے، کے بارے میں شرعی حکم کی وضاحت کریں: (۱) بِتْع ۔یعنی شہد کی نبیذ جو سخت ہو کر (شراب کی صورت اختیار کر لے)۔ اور (۲) مِــــزْر ۔یعنی مکئی کی نبیذ، وہ بھی سخت ہو کر (شراب کی صورت اختیار کر جائے)۔ راوی کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کو حد درجہ جامع و مانع کلمات عطا کئے گئے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''میں ہر اس نشہ آور چیز سے منع کرتا ہوں جو نماز سے بے ہوش کر دے (وہ جس چیز کی بھی بنی ہوئی ہو)۔'' صحیح مسلم کی روایت میں ''وَلَا تُعَسِّرَا'' کی بجائے ''وَعَلِّمَا'' (اور لوگوں کو تعلیم دینا) کے الفاظ ہیں۔

تخريج: أخرجه مسلم: ٦/ ١٠٠

فوائد: ......داعی اور مبلغ لوگوں کا حکیم اور دانا ہونا اشد ضروری ہے، ان کی حکمت اور دانائی ان کے لیے فیصلہ کرے گی کہ کافر کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا جائے، اسے متاثر کرنے کے لیے اسلام کا کون سے کلیہ اپنایا جائے، دنیادار اور عام دوسرے مسلمانوں کی کیسے رہنمائی کی جائے، کسی بے نمازی کو نماز کی طرف راغب کرنے کے لیے کیا کیا جائے، کسی گنہگار کو مختلف گناہوں سے باز رکھنے کے لیے اس سے کیا رویہ اختیار کیا جائے۔ فلاں مجمع کے سامنے وعظ و نصیحت کا کون سا پہلو یا موضوع اختیار کیا جائے۔ اس سلسلے میں شریعت کا مقصود یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مبلغین کی بے ترتیبی کی وجہ سے سامعین اکتا جائیں یا اسلام سے نفرت کرنے لگیں یا اپنے گناہوں سے باز نہ آئیں۔

نبی کریم ﷺ کی مکمل حیاتِ مبارکہ حکمت و دانائی کے فیصلوں سے بھری پڑی ہے۔ ایک طرف غزوۂ احد میں

پچاس تیر اندازوں کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرتے ہیں، جن کی وجہ سے فتح، شکست میں تبدیل ہو گئی اور مسجد میں پیشاب کرنے والے اور نماز میں کلام کرنے والے کو باندازِ احسن سمجھاتے ہوئے نظر آتے ہیں، لیکن دوسری طرف معمولی معمولی غلطیوں پر اپنے صحابہ سے نالاں اور غصے میں پائے جاتے ہیں۔ یہ آپ ﷺ کی حکمت تھی۔ اسی طرح آپ ﷺ مختلف سائلین کی مختلف کیفیتوں کو مدنظر رکھ کر ان کے ایک ہی سوال کے مختلف جوابات دیتے تھے۔

نیکی کا بدلہ دس سے سات سو گنا تک

(٨٠)۔ عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: حَدَّثَنَا الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ فِيْمَا يَرْوِيْهِ عَنْ رَبِّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى أَنَّهُ قَالَ: ((اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا أَوْ أَزِيْدُ وَالسَّيِّئَةُ وَاحِدَةٌ أَوْ أَغْفِرُهَا، وَلَوْ لَقِيْتَنِي بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطَايَا مَالَمْ تُشْرِكْ بِيْ، لَقِيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً.)) (الصحيحة:١٢٨)

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمیں صادق و مصدوق (محمد ﷺ) نے اپنے رب سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''نیکی کا بدلہ دس گنا یا اس سے بھی زیادہ عطا کرتا ہوں اور برائی کا بدلہ ایک گنا دوں گا یا اسے بھی معاف کر دوں گا۔ (اے میرے بندے!) اگر تو زمین کے لگ بھگ گناہ لے کر مجھے ملے، تو میں تجھے اتنی ہی بخشش عطا کروں گا، بشرطیکہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو۔''

تخريج: رواه الحاكم: ٤/ ٢٤١، وأحمد: ٥/ ١٠٨، وابن حبان: ١/ ٢٢٥/ ٢٢٦، وهو عند مسلم (٨/ ٦٧)بأتم منه۔

(٨١)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا أَحْسَنَ أَحَدُكُمْ إِسْلَامَهُ، فَكُلُّ حَسَنَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، إِلٰى سَبْعِ مِئَةِ ضِعْفٍ وَكُلُّ سَيِّئَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهُ بِمِثْلِهَا حَتّٰى يَلْقَى اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ.)) (الصحيحة:٣٩٥٩)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی آدمی اپنے اسلام میں حسن پیدا کر لیتا ہے، تو اس کی ہر نیکی دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بڑھا کر لکھی جاتی ہے اور برائی کو ایک برائی کی صورت میں ہی لکھا جاتا ہے، (یہی سلسلہ جاری رہتا ہے حتی کہ وہ فوت ہو کر) اللہ تعالیٰ سے جا ملتا ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٤٢، ومسلم: ١/ ٨٢، وأبو عوانة:١/ ٨٣، وابن حبان في"صحيحه" ١/ ٢٢٦، والبيهقي في"الأسماء والصفات": صـ ٧١، والبغوي في"شرح السنة": ١٤/ ٣٣٩/ ٤١٤٨، وأحمد: ٢/ ٣١٧

(٨٢)۔ عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا أَسْلَمَ الْعَبْدُ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب آدمی اسلام قبول کرتا ہے اور اس کے

فَحَسُنَ إِسْلَامُهُ ، كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ كُلَّ حَسَنَةٍ كَانَ أَزْلَفَهَا وَمُحِيَتْ عَنْهُ كُلُّ سَيِّئَةٍ كَانَ أَزْلَفَهَا ، ثُمَّ كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ الْقِصَاصُ: الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلٰى سَبْعِ مِئَةِ ضِعْفٍ وَالسَّيِّئَةُ بِمِثْلِهَا إِلَّا أَنْ يَتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَنْهَا .)) (الصحيحة: ٢٤٧)

اسلام میں حسن آ جاتا ہے، تو اس نے جو نیکی کی ہوتی ہے اللہ تعالی اسے لکھ کر (محفوظ کر لیتا) ہے اور اس نے جس برائی کا ارتکاب کیا ہوتا ہے اسے مٹا دیا جاتا ہے۔ پھر (اس کے بعد اللہ تعالی کی طرف سے) مزید بدلہ یوں ہوتا ہے کہ ایک نیکی دس سے سات سو گنا تک کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور رہا مسئلہ برائی کا، تو وہ ایک ہی رہتی ہے، الا یہ کہ اللہ تعالی اسے بھی معاف کر دے۔"

تخريج: أخرجه النسائي: ٢/ ٢٦٧ ـ ٢٦٨

فوائد :...... ان احادیث میں اللہ تعالی کے خاص فضل و احسان کا بیان ہے، ہمیں مثبت انداز اختیار کرتے ہوئے چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ توشۂ آخرت تیار کرنے کے لیے نیکیوں کے انبار لگاتے جائیں، نہ کہ یہ کہ ان احادیث کو مدنظر رکھ کر اپنی نیکیوں اور برائیوں کے موازنے پڑھ کر اعمالِ صالحہ میں کمی کر دیں اور بعض دفعہ برائیوں کا ارتکاب کرنے لگیں۔ اللہ تعالی کی وسیع رحمت کے اس انداز کے باوجود جو لوگ ناکام ہوں گے، وہ انتہائی بد بخت و کم بخت ہوں گے۔

حسن اسلام سے مراد یہ ہے کہ آدمی اپنے اعتقاد اور اخلاص کو درست کرے، ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے اسلام میں داخل ہو جائے اور عمل کرتے وقت اپنے ربّ کے قرب اور اطلاع کا یقین رکھتے ہوئے اپنے عمل میں مزید نکھار پیدا کرے۔

امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: محقق علمائے اسلائے کے مسلک کے مطابق درست بات یہ ہے کہ جو کافر حالتِ کفر میں صدقہ و خیرات اور صلہ رحمی جیسی نیکیاں سرانجام دینے کے بعد مسلمان ہوتا ہے تو اس کی سابقہ نیکیوں کا ثواب بھی محفوظ رکھا جاتا ہے۔ بعض نے تو اس رائے پر مسلمانوں کے اجماع و اتفاق کا دعوی کیا ہے۔

جبکہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مسلک شرعی قواعد کے مخالف ہے۔ لیکن یہ مسلک غیر مسلم ہے، کیونکہ دنیا میں کافر کے بعض افعال کا اعتبار کیا جاتا ہے، جیسے اگر کوئی کافر حالتِ کفر میں ظہار کا کفارہ ادا کرتا ہے تو قبولیتِ اسلام کے بعد دوبارہ ادا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث میں ثواب کے لکھے جانے کا ذکر ہے، نہ کہ ان کے قبول ہونے کا۔ ممکن ہے کہ قبولیت کو اسلام کے ساتھ معلق کر دیا گیا ہو، یعنی اگر وہ کافر مسلمان ہو گیا تو اس کی نیکیاں قبول بھی کی جائیں اور اس کو ثواب بھی دیا جائے گا، وگرنہ نہیں۔ یہی مذہب قوی ہے۔ قدما میں سے امام نووی، ابراہیم حربی اور ابن بطال وغیرہ نے اور متاخرین میں سے امام قرطبی اور ابن منیر وغیرہ نے اسی مسلک کی تائید کی۔ (صحیحہ: ۲۴۷)

آدمی اپنی جائے موت تک کیسے پہنچتا ہے؟

(٨٣)۔ عَنْ أَبِي عِزَّةَ الْهُذَلِّي ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ قَبْضَ عَبْدٍ بِأَرْضٍ جَعَلَ لَهُ فِيهَا حَاجَةً .)) (الصحيحة:١٢٢١)

حضرت ابوعزہ ہذلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالی کسی بندے کو زمین کے کسی خطے میں فوت کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے لئے اس (مقام) کی طرف جانے کے لئے کسی ضرورت (کا بہانا) بنا دیتے ہیں۔''

تخريج: أخرجه ابن عدي في "الكامل" ق ٢٣٦/ ٢ ، وأبونعيم في "الحلية" ٨/ ٣٧٤ ، والبخاري في "الادب المفرد": ١٢٨٢ ، وابن حبان: ١٨١٥ ، واحمد: ٣/ ٤٢٩

فوائد :......اس کتاب کے عنوان ''تقدیر کے موضوع پر گفتگو کرنے والے بدترین لوگ ہیں'' میں تقدیر کے تعارف پر سیر حاصل بحث ہو چکی ہے، اللہ تعالی اپنے تقدیری فیصلوں کو ان کے اسباب پیدا کرنے کے بعد سرانجام دیتے ہیں۔

کسی آدمی کا مرنا محض تقدیری مسئلہ ہے، یعنی ہر ایک کی موت کا جیسے اللہ تعالی نے فیصلہ کر دیا ہے، وہ لکیر کا فقیر بن کر اس اندازِ موت کو تلاش کر رہا ہوتا ہے۔ قارئین کرام! آپ نے دیکھا ہو گا کہ گھر سے باہر مرنے والے لوگ اپنی جائے موت تک کیسے پہنچ جاتے ہیں، یہ بڑی واضح بات ہے، اللہ تعالی بالکل واضح اسباب پیدا کر کے جائے موت تک یوں پہنچاتے ہیں، جیسے مرنے والے کو کھینچ کر لایا جا رہا ہو۔

وحی کے وقت اہل آسمان کی کیفیت

(٨٤)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((إِذَا تَكَلَّمَ اللّٰهُ تَعَالَى بِالْوَحْيِ سَمِعَ أَهْلُ السَّمَاءِ لِلسَّمَاءِ صَلْصَلَةً كَجَرِّ السِّلْسِلَةِ عَلَى الصَّفَا ، فَيَصْعَقُوْنَ ، فَلَا يَزَالُوْنَ كَذٰلِكَ حَتّٰى يَأْتِيَهُمْ جِبْرِيْلُ ، حَتّٰى إِذَا جَاءَ جِبْرِيْلُ فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ ، قَالَ: فَيَقُوْلُوْنَ: يَاجِبْرِيْلُ! مَاذَا قَالَ رَبُّكَ: فَيَقُوْلُ: الْحَقَّ، فَيَقُوْلُوْنَ: الْحَقَّ الْحَقَّ .)) (الصحيحة: ١٢٩٣)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالی وحی کرنے کے لئے کلام کرتا ہے تو آسمان والوں کو چکنے پتھر پر گھسٹنے والے زنجیر کی سی جھنکار کی آواز سنائی دیتی ہے اور وہ بیہوش ہو جاتے ہیں اور حضرت جبریل کے آنے تک اسی حالت پر رہتے ہیں۔ جب وہ پہنچتا ہے تو ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے۔ وہ پوچھتے ہیں: اے جبریل! تیرے ربّ نے کیا فرمایا؟ وہ جوابًا کہتا ہے: حق فرمایا۔ (یہ سن کر) وہ بھی کہتے ہیں: حق فرمایا، حق فرمایا۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ٢/ ٥٣٦ ـ ٥٣٧ ـ الحلبي ، وابن خزيمة في "التوحيد" صـ ٩٥ ، والبيهقي

في "الأسماء و الصفات" صـ ٢٠٠

(٨٥)۔ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ أَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ الْأَنْصَارِ: أَنَّهُمْ بَيْنَمَاهُمْ جُلُوْسٌ لَيْلَةً مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رُمِيَ بِنَجْمٍ فَاسْتَنَارَ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ: ((مَاذَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا رُمِيَ بِمِثْلِ هٰذَا؟)): قَالُوْا: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ۔ كُنَّا نَقُوْلُ: وُلِدَ اللَّيْلَةَ رَجُلٌ عَظِيْمٌ، وَمَاتَ رَجُلٌ عَظِيْمٌ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّهَا لَا يُرْمٰى بِهَا لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، وَلٰكِنْ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اسْمُهُ إِذَا قَضٰى أَمْراً، سَبَّحَ حَمَلَةُ الْعَرْشِ، ثُمَّ سَبَّحَ أَهْلُ السَّمَاءِ الَّتِي يَلُوْنَهُمْ، حَتّٰى يَبْلُغَ التَّسْبِيْحُ أَهْلَ هٰذِهِ السَّمَاءِ الدُّنْيَا، ثُمَّ قَالَ الَّذِيْنَ يَلُوْنَ حَمَلَةَ الْعَرْشِ لِحَمَلَةِ الْعَرْشِ: مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟: فَيُخْبِرُوْنَهُمْ مَاذَا قَالَ، قَالَ: فَيَسْتَخْبِرُ بَعْضُ أَهْلِ السَّمَاوَاتِ بَعْضًا حَتّٰى يَبْلُغَ الْخَبَرُ هٰذِهِ السَّمَاءَ الدُّنْيَا فَتَخْطِفُ الْجِنُّ السَّمْعَ، فَيَقْذِفُوْنَ إِلٰى أَوْلِيَائِهِمْ، وَيُرْمَوْنَ بِهِ، فَمَا جَاؤُوْا بِهِ عَلٰى وَجْهِهِ، فَهُوَ حَقٌّ وَلٰكِنَّهُمْ يَقْرِفُوْنَ فِيْهِ وَيَزِيْدُوْنَ .))

(الصحيحة: ٣٥٨٧)

علی بن حسین سے روایت ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے ایک انصار صحابی نے بیان کیا کہ وہ ایک رات کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، ایک سیارہ ٹوٹ کر گر پڑا اور اس کی وجہ سے روشنی پھیل گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: ”تم جاہلیت میں اس قسم کے سیارے کے بارے میں کیا کہتے تھے؟“ انھوں نے کہا: (حقیقی صورتحال تو) اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ ہم یوں کہا کرتے تھے: آج رات کوئی عظیم آدمی پیدا ہوا ہے یا فوت ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کسی کی موت و حیات کی وجہ سے سیارے نہیں ٹوٹتے۔ (درحقیقت) جب اللہ تبارک وتعالیٰ کوئی فیصلہ کرتے ہیں تو حاملینِ عرش اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں، پھر اس سے نچلے والے آسمان کے فرشتے اللہ کی تسبیح شروع کرتے ہیں، حتی کہ آسمانِ دنیا والے فرشتے بھی تسبیح میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ پھر (ساتویں) آسمان والے فرشتے حاملینِ عرش سے پوچھتے ہیں: تمھارے ربّ نے کیا کہا؟ وہ انھیں جواب دیتے ہیں کہ یہ کچھ کہا، اسی طرح ایک آسمان والے دوسرے سے پوچھتے ہیں اور بات چلتے چلتے آسمانِ دنیا تک پہنچ جاتی ہے، (جب آسمانِ دنیا پر اللہ تعالیٰ کے فیصلے کی بات ہوتی ہے تو اس کے نیچے تک پہنچ جانے والے) جن بات اچک کر اپنے (شیطانی) اولیا تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں، (ان کو جلانے کے لئے) ان پر سیارے گرائے جاتے ہیں۔ (بسا اوقات جل جاتے ہیں اور بعض اوقات نکل آتے ہیں) وہ جو کچھ وہاں سے سن کر آتے

ہیں وہ تو حق ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ کئی جھوٹ گھڑتے
ہیں اور اپنی طرف سے اضافے کرتے ہیں۔''

تخریج: رواه مسلم: ٧/ ٣٦، والترمذی: ٣٢٢٤، والنسائی فی "السننه الکبری": ١١٢٧٢

فوائد: ...... یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت و دانائی کے مطابق اس کا نظم ونسق ہے کہ جب وہ وحی پر مشتمل کلام کرتا ہے تو فرشتوں پر بیہوشی طاری ہو جاتی ہے، پھر ان کو حاملین عرش اور جبریل امین وحی کے بارے میں آگاہ کرتے ہیں، جب یہی فرشتے آسمان دنیا پر وحی کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو شیطان ان کی باتیں سن لیتے ہیں، اس چیز کی مزید وضاحت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں کی گئی ہے، وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَنْزِلُ فِي الْعَنَانِ ـ وَهُوَ السَّحَابُ ـ فَتَذْكُرُ الْأَمْرَ قُضِيَ فِي السَّمَاءِ، فَتَسْتَرِقُ الشَّيَاطِينُ السَّمْعَ فَتَسْمَعُهُ فَتُوحِيهِ إِلَى الْكُهَّانِ، فَيَكْذِبُونَ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ.)) (بخاری: ٣٢١٠) ...... ''جب فرشتے آسمانِ دنیا میں اترتے ہیں اور آسمان میں کیے جانے والے فیصلے پر ذکر کرتے ہیں تو شیطان ان کی بات کو چوری کرتے ہیں، پھر اس کو کاہنوں (اور نجومیوں) تک پہنچا دیتے اور اس کے ساتھ اپنی طرف سے سو سو جھوٹ ملا دیتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے انتظام و انصرام کے بعض امور انسانوں کے لیے آزمائش ہوتے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے وحی کی حفاظت کے لیے شہابِ ثاقب کا انتظام کیا ہے، وہاں ممکن تھا کہ ان جنوں کو سرے سے آسمانوں کی طرف چڑھنے ہی نہ دیتا، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے اور بنو آدم کے لیے آزمائش ہے، بالخصوص ان لوگوں کے لیے جو نجومیوں اور کاہنوں کے پاس جا کر اپنے عقائد کو دیمک لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ نجومیوں کے پاس ایک سو ایک دعووں میں سے ایک سچا ہو سکتا ہے، جس کی بنا پر ان کے مریدوں کے یقین میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

قارئین کرام! اگر نجومی اور کاہن لوگوں مستقبل کی پیشین گوئی کرنے کا دعوی کرتے ہیں تو یہ لوگ ایئر پورٹ، اسٹیشن اور لاری اڈے جیسے مقامات پر بیٹھ کر ان جہازوں، ریل گاڑیوں اور بسوں کو کیوں نہیں روک لیتے، جن کا حادثہ ہونے والا ہوتا ہے۔ جو نجومی بزعم خود یہ حساب و کتاب لگا سکتا ہے کہ فلاں آدمی کا بیٹا گم ہونے کے بعد کہاں ہے، وہ اس جہاز اور ٹرین کے بارے میں کیوں غافل ہو جاتا ہے، جو تھوڑے وقت کے بعد سینکڑوں لوگوں کو موت کے کنویں میں پھینکنے والے ہوتے ہیں۔ بسا اوقات بارشیں نہ ہونے یا کثرت سے ہونے کی وجہ سے زمینداروں کی اربوں کی فصلوں کا نقصان ہو جاتا ہے، یہ لوگ زمینداروں کو فصل کاشت ہی کیوں کرنے دیتے ہیں۔

دو بچوں کا باپ ہمارا ایک دوست ایک نجومی کی آزمائش کے لیے اس کے پاس گیا اور کہا: حضور! میری شادی نہیں ہو رہی، مختلف حربے استعمال کیے، لیکن ناکام رہا، اب آپ ہی ہیں، جو حساب و کتاب لگا کر میرا معاملہ مجھ پر واضح کر سکتے ہیں اور شادی میں میرا تعاون کر سکتے ہیں۔ وہ نجومی مختلف حربوں، وظیفوں اور تعویذوں کے ذریعے قسمت آزمائی کرنے لگا

اور اس مقصد میں کامیابی کے لیے مختلف مشورے دینے لگا۔ اتنے میں میرے دوست نے چھلانگ لگائی، اس کے کمرے سے باہر آ گیا اور اسے مخاطب ہو کر کہا کہ مجھے تو اللہ تعالی ایک بیوی سے دو بچے بھی دے چکا ہے، تجھے تو میرے ماضی کی خبر نہیں، تو میرے مستقبل کے بارے میں خاک فیصلہ کرے گا۔

اسی طرح ایک نجومی پولیس والوں کے پاس اپنے مال کی چوری کی شکایت لے کر گیا اور تعاون کی درخواست کی، اللہ کا کرنا کہ پولیس والے صحیح عقائد کے مالک تھے، انھوں نے کہا: حضور! لوگوں کی چوریوں کے بارے میں تو آپ بڑی چھان بین کر کے مجرم تک رسائی حاصل کرتے ہیں، اپنی چوری میں کچھ نہیں کر سکتے؟

مزید کیا حقائق ہیں، اس مقام پر ان کو قلمبند نہیں کیا جا سکتا، زبانی وضاحت ضروری جا سکتی ہے، لیکن کاہنوں پر یقین رکھنے والے لوگوں سے التماس ہے کہ وہ فرضی کہانی بتا کر ان کو ایک دو دفعہ آزمائیں، وہ ان شاء اللہ تیسری دفعہ جانے کی جرأت ہی نہیں کریں گے، کیونکہ سارے کے سارے معاملات ان پر واضح ہو جائیں گے۔

شیطان وحی کی باتیں کیسے اچک لیتے ہیں؟

(٨٦)۔ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ الْأَنْصَارِ: أَنَّهُمْ بَيْنَمَاهُمْ جُلُوْسٌ لَيْلَةً مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رُمِيَ بِنَجْمٍ فَاسْتَنَارَ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَاذَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا رُمِيَ بِمِثْلِ هٰذَا؟)) قَالُوْا: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ! كُنَّا نَقُوْلُ: وُلِدَ اللَّيْلَةَ رَجُلٌ عَظِيْمٌ، وَمَاتَ رَجُلٌ عَظِيْمٌ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّهَا لَا يُرْمٰى بِهَا لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، وَلٰكِنْ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اسْمُهُ إِذَا قَضٰى أَمْرًا، سَبَّحَ حَمَلَةُ الْعَرْشِ، ثُمَّ سَبَّحَ أَهْلُ السَّمَاءِ الَّتِي يَلُوْنَهُمْ، حَتّٰى يَبْلُغَ التَّسْبِيْحُ أَهْلَ هٰذِهِ السَّمَاءِ الدُّنْيَا، ثُمَّ قَالَ الَّذِيْنَ يَلُوْنَ حَمَلَةَ الْعَرْشِ لِحَمَلَةِ الْعَرْشِ: مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ:

علی بن حسین سے روایت ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے ایک انصار صحابی نے بیان کیا، وہ ایک رات کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، ایک سیارہ ٹوٹ کر گر پڑا اور اس کی وجہ سے روشنی پھیل گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: ”تم جاہلیت میں اس قسم کے سیارے کے بارے میں کیا کہتے تھے؟“ انھوں نے کہا: (حقیقی صورتحال تو) اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ ہم یوں کہا کرتے تھے: آج رات کوئی عظیم آدمی پیدا ہوا ہے یا فوت ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کسی کی موت و حیات کی وجہ سے سیارے نہیں ٹوٹتے۔ (درحقیقت) جب اللہ تبارک وتعالی کوئی فیصلہ کرتے ہیں تو حاملینِ عرش اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں، پھر اس سے نچلے والے آسمان کے فرشتے اللہ کی تسبیح شروع کرتے ہیں، حتی کہ آسمانِ دنیا والے فرشتے بھی تسبیح میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ پھر حاملینِ عرش سے نیچے (ساتویں) آسمان والے فرشتے حاملینِ عرش سے پوچھتے ہیں: تمھارے رب نے کیا کہا؟ وہ انھیں جواب دیتے ہیں کہ یہ

فَيُخْبِرُوْنَهُمْ مَاذَا قَالَ، قَالَ: فَيَسْتَخْبِرُ بَعْضُ أَهْلِ السَّمَاوَاتِ بَعْضًا حَتّٰى يَبْلُغَ الْخَبَرُ هٰذِهِ السَّمَاءَ الدُّنْيَا فَتَخْطِفُ الْجِنُّ السَّمْعَ، فَيَقْذِفُوْنَ إِلٰى أَوْلِيَائِهِمْ، وَيُرْمَوْنَ بِهٖ، فَمَا جَاؤُوْا بِهٖ عَلٰى وَجْهِهٖ، فَهُوَ حَقٌّ وَلٰكِنَّهُمْ يَقْرِفُوْنَ فِيْهِ وَيَزِيْدُوْنَ.)) (الصحيحة: ٣٥٨٧)

کچھ کہا، اسی طرح ایک آسمان والے دوسرے سے پوچھتے ہیں اور بات چلتے چلتے آسمانِ دنیا تک پہنچ جاتی ہے، (جب آسمانِ دنیا پر اللہ تعالیٰ کے فیصلے کی بات ہوتی ہے تو اس کے نیچے تک پہنچ جانے والے) جن بات اچک کر اپنے (شیطانی) اولیا تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں، (ان کو جلانے کے لئے) ان پر سیارے گرائے جاتے ہیں۔ (بسا اوقات جل جاتے ہیں اور بعض اوقات نکل آتے ہیں) وہ جو کچھ وہاں سے سن کر آتے ہیں وہ تو حق ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ کئی جھوٹ گھڑتے ہیں اور اپنی طرف سے اضافے کرتے ہیں۔''

تخریج: رواه مسلم: ٧/ ٣٦، والترمذي: ٣٢٢٤، والنسائي في "السنن الكبرى": ١١٢٧٢

فوائد: ...... اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، اس کی منشا و مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا اور یہ اس کا ایک نظام ہے، جس میں مختلف اسباق اور آزمائشیں مخفی ہیں، پہلے تفصیل گزر چکی ہے۔

ایمان کی علامت

(٨٧)۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا الْإِيْمَانُ؟ قَالَ: ((إِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ، فَأَنْتَ مُؤْمِنٌ.)) قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَمَا الْإِثْمُ؟ قَالَ: ((إِذَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ شَيْءٌ فَدَعْهُ.)) (الصحيحة: ٥٥٠)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تجھے تیری نیکی خوش کرے اور برائی ناگوار گزرے تو تو مومن ہے۔'' اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! گناہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کوئی چیز تیرے دل میں کھٹکنے لگے تو اسے (گناہ سمجھ کر) چھوڑ دے۔''

تخریج: أخرجه أحمد: ٥/ ٢٥١، ٢٥٢، ٢٥٦، وابن حبان: ١٠٣، والحاكم: ١/ ١٤، ٢/ ١٣

فوائد: ...... جب کوئی مسلمان نیکی کرتا ہے اور اسے نیکی پر خوشی محسوس ہوتی ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی ہے اور اسے مرنے کے بعد اجر و ثواب سے نوازا جائے گا، لیکن ایسے انسان سے برائی سرزد ہوتی ہے تو وہ نادم و پشیمان ہو جاتا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کیوں کی ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ گناہ نہ بخشا تو کیا بنے گا۔

اس حدیثِ مبارکہ میں یقیناً ان لوگوں کے لیے وعید ہے جو نماز یا تلاوتِ قرآن جیسی عظیم عبادت کرنے کے بعد بے حس ہوتے ہیں یا وہ قبل از نماز اور بعد از نماز کی کیفیت میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتے اور اسی طرح جو لوگ اپنی

زندگیوں میں بعض برائیاں بار بار کرتے ہیں، لیکن ان کو کوئی ندامت نہیں ہوتی، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ لوگ جس ہستی کی نافرمانی کر رہے ہیں، اس کو سمجھ نہیں پا رہے۔ ایسے لوگ حقیقی معرفتِ الٰہی سے محروم ہیں۔

ہمیں چاہیے کہ سب سے پہلے نیکی والے امور کا علم حاصل کریں، پھر ان پر عمل پیرا ہو کر باطن میں خوشی اور مسرت محسوس کریں، اسی طرح قرآن و حدیث کی روشنی میں گناہوں کی فہرست تیار کی جائے، پھر ان سے اجتناب کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے، اگر بتقاضۂ شریعت کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر اسی انداز میں اظہارِ ندامت کیا جائے، جیسے دنیا کے خزانے چھن جانے پر افسوس کیا جاتا ہے۔ ذہن نشین رہے کہ کسی گناہ سے توبہ کرنے کا سب سے بڑا رکن ندامت اور اس کو ترک کرنا ہے۔

برائیوں کی وجہ سے ایمان میں نقص آ جاتا ہے

(۸۸)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((لَايَزْنِي الزَّانِيْ حِيْنَ يَزْنِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَايَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَسْرِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَايَنْتَهِبُ نُهْبَةً يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ أَبْصَارَهُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ.)) (الصحيحة: ۳۰۰۰)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب زانی زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا، جب شرابی شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا، جو چور چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جب (ڈاکو) زبردستی لوٹ مار کرتا ہے اور لوگ اس کو دیکھ رہے ہوتے ہیں تو وہ مومن نہیں ہوتا۔''

تخريج: أخرجه البخاري:۵/ ۹۰، ۱۲/ ۴۸، ومسلم:۱/ ۵۴، والنسائي:۲/ ۳۳۰، وابن ماجه:۲/ ۴۶۰، والنسائي: ۲/ ۲۵۴، وابوداود: ۲/ ۲۷۰، واحمد: ۲/ ۳۷۶

فوائد: ...... یہ حدیث زانی، شرابی، چور اور ڈاکو کے حق میں سخت وعید پر مشتمل ہے، مسلمانوں کو ایسے جرائم سے گریز کرنا چاہیے، جن کی بنا پر ایمان کی نفی کر دی جاتی ہو۔

اس حدیثِ مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ یہ مجرم کامل ایمان سے محروم ہو جاتے ہیں اور ان کے ایمان میں نقص آ جاتا ہے، جیسا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِذَا زَنَى الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْهُ الْإِيْمَانُ وَكَانَ كَالظُّلَّةِ فَإِذَا انْقَلَعَ مِنْهَا رَجَعَ إِلَيْهِ الْإِيْمَانُ.)) (صحيحه: ۵۰۹)..... ''جب بندہ زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان (کا نور) نکل جاتا اور اس کے اوپر سائبان کی طرح (منتظر) رہتا ہے، جب وہ باز آ جاتا ہے تو ایمان اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔''

امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: اہل السنۃ نے اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ ایسا آدمی مکمل ایمان والا نہیں رہتا، اس کے ایمان میں نقص آ جاتا ہے، یعنی زانی، شرابی، چور اور ڈاکو مکمل ایمان سے محروم رہتے ہیں۔ یہ حدیث احناف کے مخالف حجت ہے، جو سلف صالحین کی مخالفت کرتے ہوئے اس بات پر مصرّ ہیں کہ ایمان میں زیادتی ہوتی ہے نہ کمی۔ ان

کے نزدیک ایمان کا ایک مرتبہ ہے، وہ ناقص ایمان کا تصور نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب الزاہد الکوثری حنفی نے اس حدیث کو رد کرنے کے لیے کوشش کی ہے۔

ابن بطال نے کہا: اہل السنہ نے اس حدیث میں ایمان کی نفی کو کامل ایمان کی نفی پر محمول کیا ہے، کیونکہ نافرمان مومن کے ایمان کی حالت نافرمانیاں نہ کرنے والے مومن سے کم تر ہوتی ہے۔

امام نووی نے کہا: محقق علمائے کرام کا خیال یہ ہے کہ جو آدمی ان برائیوں کا ارتکاب کرے گا، وہ کامل الایمان نہیں رہے گا۔ اس حدیث میں نفی کے سیاق میں جو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، ان سے مراد سرے سے ایمان کی نفی نہیں، بلکہ کمالِ ایمان کی نفی ہے۔ یہی رائے راجح ہے۔

بڑی عجیب بات ہے کہ ملا علی قاری حنفی نے (المرقاۃ: ١/ ١٠٥) میں اس حدیث کی وہی تفسیر بیان کی، جو ابن بطال اور امام نووی نے کی ہے، انھوں نے کہا: ہمارے اصحاب نے بھی اس حدیث کی تاویل کرتے ہوئے کہا کہ اس سے کامل مومن مراد لیا ہے۔

پھر یہ بھی کہہ دیا: لیکن ایمان کا اطلاق تصدیق پر ہوتا ہے اور اعمال اس سے خارج ہیں۔ ملا علی قاری کا یہ آخری فیصلہ، سابقہ تاویلوں کے مخالف ہے۔ آپ خود سوچ لیں۔ (صحیحہ: ٣٠٠٠)

بدکار کیسے ایمان سے خالی ہوتا ہے؟

(٨٩)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا زَنَى الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْهُ اَلْإِيْمَانُ وَكَانَ كَالظُّلَّةِ فَإِذَا انْقَلَعَ مِنْهَا رَجَعَ إِلَيْهِ اَلْإِيْمَانُ.)) (الصحیحة:٥٠٩)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب بندہ زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان (کا نور) نکل جاتا اور اس کے اوپر سائبان کی طرح (منتظر) رہتا ہے، جب وہ باز آ جاتا ہے تو ایمان اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔''

تخريج: أخرجه أبو داود: ٤٦٩٠، وابن جرير الطبري في "تهذيب الآثار": ٢/ ١٥٤/ ١٤٠٩، ١٤١٠، والحاكم: ١/ ٢٢

فوائد:...... اس حدیث مبارکہ میں درج ذیل حدیث کی تفسیر بیان کی گئی ہے:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا يَزْنِي الزَّانِي حِيْنَ يَزْنِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ......)) (بخاری، مسلم) ..... ''جب کوئی زانی زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا، جب کوئی چور چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جب شراب پینے والا شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا......''

معلوم ہوا کہ مومن نہ ہونے سے مراد نورِ ایمان کا نکل جانا ہے، اس میں گناہ کرنے والے کے لیے سخت وعید ہے

کہ جب وہ گناہ کر رہا ہوتا ہے کہ اس کا ایمان اس سے خارج ہو جاتا ہے۔ جب برائی کی کیفیت ختم ہو جاتی ہے تو ناکمل ایمان واپس آتا ہے۔

نیکی یا برائی کا پتہ کیسے چلتا ہے؟

(۹۰)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَيْفَ لِي أَنْ أَعْلَمَ إِذَا أَحْسَنْتُ؟ قَالَ: ((إِذَا سَمِعْتَ جِيْرَانَكَ يَقُوْلُوْنَ: أَحْسَنْتَ، فَقَدْ أَحْسَنْتَ، وَإِذَا سَمِعْتَهُمْ يَقُوْلُوْنَ: قَدْ أَسَأْتَ فَقَدْ أَسَأْتَ.)) (الصحيحة:۱۳۲۷)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! جب میں نیکی کروں تو مجھے کیسے معلوم ہوگا کہ میں نے نیکی کی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب تو اپنے پڑوسیوں کو یوں کہتا سنے کہ تو نے نیکی کی ہے، تو تو نے نیکی کی ہوگی اور جب ان کو یوں کہتا سنے کہ تو نے برائی کی ہے تو تو نے برائی کی ہوگی۔“

تخريج: رواه النسائي في ”مجلس من الأمالي“ ۵۵/ ۲، والطبراني: ۳/ ۷۷/ ۲

فوائد: ......اس آدمی کے سوال کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ کوئی ایسا کام کرے، جس کا شرعی حسن یا قباحت مخفی ہو، تو اسے ایسے کام کے بارے میں کیسے علم ہوگا کہ وہ اچھا ہے یا برا ہے، کیونکہ شریعت میں واضح طور پر جن امور کو نیکی اور جن امور کو برا قرار دیا گیا ہے، اس کے بارے میں لوگوں کی رائے کی کوئی ضرورت نہیں۔ نیز ایسے کام کو اچھا یا برا کہنے والے لوگ سلیم الفطرت اور نیکوکار ہونے چاہئیں، جو نیکی و بدی میں شریعت کا مزاج سمجھتے ہوں۔

گناہ کی تعریف

(۹۱)۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! مَا الْإِيْمَانُ؟ قَالَ: ((إِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَ تْكَ سَيِّئَتُكَ، فَأَنْتَ مُؤْمِنٌ.)) قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَمَا الْإِثْمُ؟ قَالَ: ((إِذَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ شَيْءٌ فَدَعْهُ.)) (الصحيحة:۵۵۰)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب تجھے تیری نیکی خوش کرے اور برائی ناگوار گزرے تو تو مومن ہے۔“ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! گناہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب کوئی چیز تمھارے دل میں کھٹکنے لگے تو اسے (گناہ سمجھ کر) چھوڑ دے۔“

تخريج: أخرجه أحمد: ۵/ ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۶، وابن حبان: ۱۰۳، والحاكم: ۱/ ۱۴، ۲/ ۱۳

فوائد :...... بلا شک وشبہ شریعتِ اسلامیہ میں نیکی اور گناہ والے امور کا وضاحت کے ساتھ تعین کر دیا گیا ہے۔ اس حدیث میں جو قانون پیش کیا گیا ہے، یہ انتہائی سلیم الفطرت اور خدا شناس لوگوں سے متعلقہ ہے، نہ کہ عوام الناس سے، کیونکہ عام لوگوں کے پاس اتنی معرفتِ الٰہی یا اتنا شعور نہیں ہوتا کہ وہ اپنے نفس کی روشنی میں نیکی یا برائی کا تعین کر سکیں۔ جیسا کہ عبیداللہ مبارکپوری صاحب نے کہا: اس حدیث کا تعلق ان لوگوں سے ہے، جن کے باطن آلائشوں سے

صاف اور دل گناہوں سے پاک ہوتے ہیں، یہ حدیث عوام الناس سے متعلقہ نہیں ہے، بالخصوص گنہگار لوگ، کیونکہ وہ بیچارے تو بسا اوقات گناہ کو نیکی اور نیکی کو گناہ سمجھ بیٹھتے ہیں۔ (مرعاۃ المفاتیح: ۱/ ۱۱۷) عصر حاضر میں لوگوں کی کیفیت نے مبارکپوری صاحب کے مفہوم کی بہت حد تک تائید کی ہے۔ ہر ایک نے اپنی زندگی کے لیے نیکی و بدی کے اپنے معیار بنا رکھے ہیں، جو عالم ان کی کسوٹی کی مخالفت میں فتوی یا دلائل پیش کرے گا، اسے یا تو اتنی اہمیت ہی نہیں دی جائے گی کہ اس کی بات پر توجہ کی جائے یا پھر اسے کہا جائے گا کہ اسلام میں اتنی سختی نہیں ہے۔

ایک مثال یہ ہے کہ ایک آدمی بہت کم بولتا تھا، دوسروں کے بارے میں تبصرہ نہیں کرتا ہے اور بے ضرر سا انسان تھا، لیکن بے نماز تھا، تلاوتِ کلام پاک سے بعید تھا، عورتوں کے پردے والے معاملات کی پابندی نہیں کرتا تھا، ہلکا ہلکا نشہ بھی کرتا تھا اور داڑھی مونڈتا تھا۔ صرف اس کی خاموشی کو دیکھ کر دنیوی سطح کے مطابق ایک پڑھے لکھے آدمی نے کہا کہ وہ تو کوئی فرشتہ ہے، کیونکہ وہ خاموش رہتا ہے اور کسی دوسرے آدمیوں کے معاملے میں کوئی دخل نہیں دیتا۔ یہ کسی کو نیک یا بد کہنے کا عوام الناس کا معیار ہے کہ بے نماز کو فرشتہ کہا جا رہا ہے، جائز حد تک خاموشی اچھا وصف ہے، لیکن سارے کا سارا اسلام اس میں مخفی نہیں ہے۔

عوام الناس کے لیے معیار قرآن اور حدیث ہیں، ان کو چاہیے کہ وہ قرآن و حدیث کی روشنی میں نیکیوں اور گناہوں کی فہرستیں تیار کریں۔

مومن پر لعنت کرنے کی مذمت

(۹۲)۔ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِأَخِيهِ: يَا كَافِرُ! فَهُوَ كَقَتْلِهِ وَلَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ .)) (الصحيحة:۳۳۸۵)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب آدمی اپنے بھائی کو یوں کہتا ہے: ''او کافر!'' تو اس (کا گناہ) اس کو قتل کرنے کے مترادف ہے اور مومن پر لعنت کرنا بھی اسے قتل کرنے کی طرح ہے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ۱۸/ ۱۹۳، ورواه البزار مفرقا: ۲/ ۴۳۱/ ۲۰۳۴، ۲۰۳۵

فوائد:..... لعنت سے مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محرومی یا اس کے عذاب وعقاب اور غیظ وغضب کی بد دعا کرنا ہے۔ مومن اپنے ایمان و عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے قریب ہوتا ہے، اس کے لیے یہ بد دعا کرنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہو جائے، یہ ایسی قبیح حرکت ہے کہ اسے جرم میں مومن کے قتل کرنے کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

ہمارے ہاں عام طور پر لوگ ایک دوسرے کو لعنتی کہہ دیتے ہیں یا لعنت کی بد دعا دے دیتے ہیں، ایسے لوگ ناعاقبت اندیش ہیں، ان کو درج ذیل حدیث ذہن نشین کر لینی چاہیے:

سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی بندہ کسی چیز پر لعنت کرتا ہے تو وہ لعنت آسمان کی طرف چڑھتی ہے، لیکن اس کے لیے آسمان کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، پھر وہ زمین کی طرف

اترتی ہے، اس کے دروازے بھی بند کر دیئے جاتے ہیں، پھر دائیں اور بائیں سمت اختیار کرتی ہے، جب (کہیں گھسنے کی) کوئی گنجائش نہیں پاتی تو وہ اس چیز پر لوٹتی ہے، جس پر لعنت کی گئی ہوتی ہے۔ اگر وہ اس لعنت کی مستحق ہوتی تو اس پر پڑ جاتی ہے، ورنہ وہ لعنت کرنے والے کی طرف لوٹ آتی ہے۔'' (ابو داود، وَلَهُ شَاهِدٌ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ عند احمد (٣٨٧٦، ٤٠٣٦)

قارئین کرام! کسی معین شخص پر لعنت نہیں کی جا سکتی، اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، ہاں مطلق طور پر کافروں اور مختلف مجرموں پر لعنت کی جا سکتی ہے، مثلاً: کافروں پر لعنت ہو، ظالموں پر لعنت ہو، سود خوروں پر لعنت ہو۔ اس مسئلہ کے کئی دلائل موجود ہیں۔

کسی کو کافر کہنے کے بارے میں محتاط رہنا

(٩٣)۔ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِأَخِيهِ: يَا كَافِرُ! فَهُوَ كَقَتْلِهِ وَلَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ.)) (الصحيحة:٣٣٨٥)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب آدمی اپنے بھائی کو یوں کہتا ہے: ''او کافر!'' تو اس (کا گناہ) اس کو قتل کرنے کے مترادف ہے اور مومن پر لعنت کرنا بھی اسے قتل کرنے کی طرح ہے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ١٨/ ١٩٣، ورواه البزار مفرقا: ٢/ ٤٣١/ ٢٠٣٤، ٢٠٣٥

(٩٤)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((أَيُّمَا امْرِئٍ قَالَ لِأَخِيهِ: يَا كَافِرُ! فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا إِنْ كَانَ كَمَا قَالَ، وَإِلَّا رَجَعَتْ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةٍ: عَلَى الْآخَرِ.)) (الصحيحة:٢٨٩١)

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس آدمی نے اپنے بھائی کو کافر کہا تو ان میں سے ایک کافر ہو کر رہے گا۔ اگر وہ آدمی واقعی کافر ہوا تو ٹھیک ورنہ یہی وصف کہنے والے کی طرف لوٹ آئے گا۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ١/ ٥٧، وأبو عوانة: ١/ ٢٣، وابن حبان: ١/ ٢٣٤/ ٢٥٠، وأحمد: ٢/ ٤٤، وأخرجه البخاري: ٦١٠٤، والترمذي: ٧/ ٢٩٣/ ٢٦٣٩ وغيره دون قوله: ((ان كان ...))

فوائد ...... اللہ تعالیٰ نے کفر کی صورتوں کا تعین کر دیا ہے، اگر کسی انسان میں ان صورتوں میں سے کوئی صورت پائی جاتی ہو تو اسے کافر ہی کہا جائے گا، لیکن جہاں وہ کیفیتیں معدوم ہوں اور بندہ مسلمان ہو تو اسے کافر کہنا سنگین جرم ہے، بلکہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کو بلا وجہ کافر کہنا کفر ہے۔

ہمارے ہاں بعض علاقوں میں کم عقل لوگ ایک دوسرے کو ''کراڑا، سکھا، یہودیا، کافرا، خنزیرا'' وغیرہ وغیرہ کہہ دیتے ہیں۔

امتِ مسلمہ میں باقی رہنے والے امورِ جاہلیت

(۹۵)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوعاً: ((أَرْبَعٌ فِي أُمَّتِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ لَنْ يَدَعَهُنَّ النَّاسُ: اَلنِّيَاحَةُ، وَالطَّعْنُ فِي الْأَحْسَابِ، وَالْعَدْوٰى: أَجْرَبَ بَعِيرٌ فَأَجْرَبَ مِئَةُ بَعِيرٍ، مَنْ أَجْرَبَ الْبَعِيرَ الْأَوَّلَ؟ وَالْأَنْوَاءُ: مُطِرْنَا بِنَوْءٍ كَذَا وَكَذَا.))

(الصحیحة:۷۳۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جاہلیت کے چار اوصاف میری امت میں موجود رہیں، یہ ان کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے: (۱) نوحہ کرنا، (۲) حسب ونسب میں طعن کرنا، (۳) بیماری کو متعدی قرار دیتے ہوئے کہنا کہ ایک خارشی اونٹ کی وجہ سے سو اونٹوں کو خارش لگ گئی۔ بھلا سوال یہ ہے کہ پہلے اونٹ کو کس نے خارش لگائی؟ اور (۴) ستارے، یعنی یہ کہنا کہ فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے۔''

تخریج: أخرجه الترمذي: ۱/ ۱۸٦طبع بولاق، والطحاوي: ۲/ ۳۷۸، والطيالسي: ۲۳۹۵، وأحمد: ۲/ ۲۹۱و ٤١٤و ٤١٥و ٤٥٥و ٥٢٦و ٥٣١

(۹٦)۔ عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ مَرْفُوعاً: ((أَرْبَعٌ فِي أُمَّتِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يَتْرُكُونَهُنَّ: اَلْفَخْرُ فِي الْأَحْسَابِ، وَالطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ، وَالْاِسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُومِ، وَالنِّيَاحَةُ.))

(الصحیحة:۷۳٤)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت میں جاہلیت کے چار اوصاف پائے جائیں گے، وہ ان کو نہیں چھوڑیں گے: (۱) حسب (خاندانی عظمت) پر فخر کرنا، (۲) نسب پر طعن کرنا، (۳) ستاروں کے ذریعے بارش طلب کرنا اور (۴) نوحہ کرنا۔''

تخریج: أخرجه مسلم: ۳/ ٤٥، وأحمد: ٥/ ٣٤٢و ٣٤٣و ٣٤٤

(۹۷)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوعاً: ((ثَلَاثٌ مِنْ عَمَلِ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ، لَا يَتْرُكُهُنَّ أَهْلُ الْإِسْلَامِ: اَلنِّيَاحَةُ، وَالْاِسْتِسْقَاءُ بِالْأَنْوَاءِ وَكَذَا.)) قُلْتُ لِسَعِيدٍ (يَعْنِي الْمَقْبُرِيَّ) وَمَا هُوَ؟ قَالَ: دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ: يَا آلَ فُلَانٍ، يَا آلَ فُلَانٍ يَا آلَ فُلَانٍ۔

(الصحیحة: ۱۸۰۱)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین امور کا تعلق جاہلیت سے ہے، لیکن اہل اسلام بھی ان کو ترک نہیں کریں گے: نوحہ کرنا، ستاروں کے ذریعے بارش طلب کرنا اور اس طرح کرنا۔'' میں نے سعید مقبری سے پوچھا کہ ''اس طرح کرنے'' سے کیا مراد ہے؟ انھوں نے کہا: جاہلیت کی پکار پکارنا، (یعنی یوں کہنا): او آلِ فلان! او آلِ فلان! او آلِ فلان۔

تخریج: أخرجه أحمد: ۲/ ۲٦۲، وابن حبان: ۷۳۹

(۹۸)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((شُعْبَتَانِ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يَتْرُكُهُمَا النَّاسُ أَبَداً: النِّيَاحَةُ وَالطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ.)) (الصحيحة: ۱۸۹۶)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لوگ جاہلیت کے دو امور کو ترک نہیں کریں گے: نوحہ کرنا اور نسب میں طعن کرنا۔“

تخریج: أخرجه أحمد: ۲/ ۴۳۱، والبخاري في "الادب المفرد": ۳۹۵

(۹۹)۔ عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((ثَلَاثٌ لَنْ تَزَالَ فِي أُمَّتِي: التَّفَاخُرُ فِي الْأَحْسَابِ، وَالنِّيَاحَةُ وَالْأَنْوَاءُ.)) (الصحيحة:۱۷۹۹)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تین امور میری امت میں برقرار رہیں گے: خاندانی عظمت پر فخر کرنا، نوحہ کرنا اور ستاروں (کے ذریعے بارش طلب کرنا)۔“

تخریج: أخرجه أبویعلي: ۳/ ۹۷۵، والضیاء: ۱۵۶/ ۲

فوائد :......مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ درج ذیل امور قابل مذمت ہیں، اہل اسلام کو ان سے اجتناب کرنا چاہیے:

ستاروں کے ذریعے بارش طلب کرنا، نوحہ کرنا، حسب پر فخر کرنا، حسب و نسب پر طعن کرنا، بیماری کو متعدی سمجھنا۔

امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: "انواء"، "نوء" کی جمع ہے، یہ وہ ستارہ ہے جو طلوع فجر کے وقت مغرب میں غروب ہوتا ہے اور اسی وقت ایک دوسرا ستارہ مشرق سے طلوع ہو رہا ہوتا ہے۔

آپ ﷺ نے ستاروں کے معاملہ میں کافی سختی کی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب لوگ بارش کے نزول کو ستاروں کی طرف منسوب کرتے تھے اور اس معاملے میں ستاروں کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں۔ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ جو آدمی اللہ تعالی کے سابقہ نظام کی روٹین کو دیکھ کر یہ کہتا ہے کہ جب فلاں ستارہ فلاں مقام پر پہنچتا ہے تو اللہ تعالی بارش نازل کرتا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اللہ تعالی نے بارش وغیرہ کے اوقات کے لیے کچھ علامات مقرر کر دی ہیں۔ (صحیحہ : ۱۷۹۹)

بین کرنے کو نوحہ کہتے ہیں، یعنی میت کی خوبیوں کا یا اس کے بعد آنے والی متوقع مشکلات کا اونچی اونچی آواز سے ذکر کر کے رونا پیٹنا۔ مثلا: روتے ہوئے اور چیخ و پکار کرتے ہوئے کہنا: او پہاڑ!، ہائے میرے شیرا، او میرے چاند، او میرے سہارے، میرے بچوں کو یتیم کر جانے والے، عورتوں کے سہاگ اجاڑ دینے والے۔ بلند آواز سے رونا اور ہائے ہائے کی طرح مختلف آوازیں نکالنا بھی نوحہ میں شامل ہیں۔ نوحہ کرنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے، بلکہ نبی کریم ﷺ نوحہ نہ کرنے پر عورتوں سے بیعت لیتے تھے۔ (بخاری، مسلم) سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر نوحہ اور بین کرنے والی عورت نے مرنے سے پہلے توبہ نہ کی تو اسے قیامت کے دن اس طرح

کھڑا کیا جائے گا کہ اس پر تارکول کا کرتہ اور خارش کی زرہ ہوگی۔'' (مسلم: ٩٣٤)

حسب ونسب پر فخر کرنے یا اس معاملے میں کسی پر طعن کرنے میں کوئی کمال یا کمی نہیں ہے۔ کیونکہ خاندانوں اور قبیلوں کی تقسیم محض اللہ تعالی کا فیصلہ ہے، نیز اس کے ہاں خاندان کے اعلی یا ادنی ہونے کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اس کے ہاں اچھا یا برا اور اعلی یا ادنی ہونے کا معیار تقوی ہے، جو جتنا زیادہ متقی ہوگا، وہ اتنا ہی اللہ تعالی کے ہاں بلند مرتبت ہوگا، اگرچہ خاندانی اعتبار سے اسے کم تر سمجھا جاتا ہو اور جو جس قدر برا ہوگا، وہ اتنا ہی اللہ تعالی کے ہاں مبغوض اور ناپسندیدہ ٹھہرے گا، اگرچہ وہ اعلی کنبے سے تعلق رکھتا ہو۔

رہا مسئلہ بیماری کے متعدی ہونے کا، تو حقیقت میں کوئی بیماری متعدی نہیں ہے، اگر یہ بات درست ہوتی تو پہلی چیز کو بیماری لگنے کا سبب کس کو قرار دیا جاتا، جیسا کہ آپ ﷺ نے اس حدیث میں وضاحت کر دی ہے۔ اس کتاب کے عنوان ''کوئی بیماری متعدی نہیں ہے'' میں اس موضوع پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

نجامت

(١٠٠)۔ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، قَالَ: قَحُطَ الْمَطَرُ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَسَأَلْنَاهُ أَنْ يَسْتَقِيَ لَنَا فَاسْتَقَى فَغَدَا النَّبِيُّ فَإِذَا هُوَ بِقَوْمٍ يَتَحَدَّثُوْنَ يَقُوْلُوْنَ: سُقِيْنَا بِنَجْمِ كَذَا وَكَذَا! فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((مَا أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَى قَوْمٍ نِعْمَةً إِلَّا أَصْبَحُوْا بِهَا كَافِرِيْنَ .)) (الصحيحة: ٣٠٣٩)

سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے زمانے قحط پڑ گیا۔ ہم نے آپ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ بارش کے لئے دعا کریں۔ آپ ﷺ نے بارش کے نزول کی دعا کی (اور بارش نازل بھی ہوئی)۔ جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کو یہ کہتے سنا: فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش نازل ہوئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب بھی اللہ تعالی بندوں پر کوئی انعام کرتے ہیں تو وہ اس کی وجہ سے کافر بنے ہوتے ہیں۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "مسند الشاميين": ٢/ ١٥٧/ ١١٠٢، والبزار في "مسنده": ١/ ٣١٦/ ٦٥٨

فوائد :......اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تمام نعمتوں کو اللہ تعالی کی طرف منسوب کرتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

(١٠١)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعاً: ((مَنِ اقْتَبَسَ عِلْمًا مِنَ النُّجُوْمِ، اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِنَ السِّحْرِ .)) (الصحيحة: ٧٩٣)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے علم نجوم حاصل کیا، اس نے جادو کے ایک جز کی تعلیم حاصل کر لی۔''

تخريج: رواه أبوداود: ٣٩٠٥، وابن ماجه: ٣٧٢٦، وأحمد: ١/ ٢٢٧ و٣١١، والحربي في "الغريب": ٥/ ١٩٥/ ١، والبيهقي في "السنن": ١٣٨ ـ ١٣٩، والطبراني في "الكبير": ١١/ ١٣٥/ ١١٢٧٨

(۱۰۲)۔ عَنْ أَبِي مَالِكِ الْأَشْعَرِيِّ مَرْفُوعاً: ((أَرْبَعٌ فِي أُمَّتِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يَتْرُكُونَهُنَّ: الْفَخْرُ فِي الْأَحْسَابِ، وَالطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ، وَالْاِسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُومِ، وَالنِّيَاحَةُ.)) (الصحيحة: ۷۳٤)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں جاہلیت کے چار اوصاف پائے جائیں گے، وہ ان کو نہیں چھوڑیں گے: (۱) حسب (خاندانی عظمت) پر فخر کرنا، (۲) نسب پر طعن کرنا، (۳) ستاروں کے ذریعے بارش طلب کرنا اور (۴) نوحہ کرنا۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ۳/ ٤٥، وأحمد: ٥/ ٣٤٢و ٣٤٣و ٣٤٤

فوائد:......ستارے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو تین مقاصد کے لیے پیدا کیا ہے:

۱۔ آسمانوں کی زینت

۲۔ شیطانوں کی مرمت، یعنی جب شیطان وحی کی باتیں چوری کرنے کے لیے آسمان پر جانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ ان پر شعلہ بن کر گرتے ہیں۔

۳۔ بعض معاملات میں انسانوں کی رہنمائی، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ﴾ (سورۂ انعام: ۹۷) ...... ''اور وہ اللہ ایسا ہے جس نے تمہارے لیے ستاروں کو پیدا کیا، تاکہ تم ان کے ذریعہ سے اندھیروں میں، خشکی میں اور دریا میں راستہ معلوم کر سکو۔''

پرانے زمانے میں بحری سفر کرنے والے ستاروں کو دیکھ کر اپنے سفر کی سمت کا تعین کرتے تھے، عصر حاضر میں سائنسی آلات سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔ ستاروں کے علم کو علم نجوم کہتے ہیں۔

ستاروں کے تیسرے مقصد کا تعلق انسانوں سے ہے، اس کے علاوہ بنی آدم کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے، مزید شارح ابوداود علامہ عظیم آبادی رحمہ اللہ اس باب کی حدیث ((مَنِ اقْتَبَسَ عِلْمًا مِنَ النُّجُوْمِ، اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِنَ السِّحْرِ.)) ...... ''جس نے علم نجوم حاصل کیا، اس نے جادو کے ایک جز کی تعلیم حاصل کر لی۔'' پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خطابی نے کہا: نجومی لوگ جس علم نجوم کی روشنی میں مستقبل میں پیش آنے والے حادثات و واقعات کو معلوم کر لینے کا دعوی کرتے ہیں، مثال کے طور پر بارشوں کا نزول اور اشیا کی قیمتوں کا بڑھ جانا، اس سے نبی کریم ﷺ نے منع فرما دیا ہے۔ لیکن ستاروں کا وہ علم جس سے نماز کے اوقات کا اور جہتِ قبلہ کے تعین کا اندازہ ہوتا ہے، اس کو سیکھنے سے منع نہیں کیا گیا۔ شرح السنہ میں ہے: علم نجوم کی جس قسم کی بنا پر نجومی لوگ مستقبل میں پیش ہونے والے حوادث کی معرفت کا دعوی کرتے ہیں اور بسا اوقات ان کی پیشین گوئی مستقبل میں درست ثابت ہوتی ہے، مثلا: مستقبل میں ہواؤں کے چلنے، بارش برسنے، برف باری ہونے، گرمی یا سردی پڑنے اور اشیا کے نرخوں کے بڑھ جانے کی خبر دینا۔ بعض اوقات یہ لوگ اس قسم کا دعوی بھی کر دیتے ہیں کہ ستاروں کی چلنے، ان کے جمع ہونے اور ان کے جدا ہونے سے آنے والے زمانے میں

پیش آنے والے واقعات کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں۔ شریعتِ اسلامیہ میں علم نجوم کی اس قسم سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے جس علم کا دعوی کیا جاتا، صرف اللہ تعالی نے اس کے ساتھ اپنے ذات کو موصوف کیا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ﴾ (سورۂ لقمان: ٣٤) ...... ''بیشک اللہ تعالی کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہ بارش نازل کرتا ہے۔''

لیکن علم نجوم کی جس قسم کے ذریعے زوال، اوقاتِ نماز اور جہتِ قبلہ وغیرہ کا تعین کر لیا جاتا ہے، وہ نہی میں داخل نہیں ہے، کیونکہ اس کا علم ظاہری مشاہدے سے ہی ہو جاتا ہے، (جیسے طلوعِ آفتاب نماز فجر کے وقت کے ختم ہونے اور غروبِ آفتاب سے نمازِ مغرب کے وقت کے ختم ہونے کا علم ہوتا ہے)، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ﴾ (سورۂ انعام: ٩٧) ...... ''اور وہ اللہ ایسا ہے جس نے تمہارے لیے ستاروں کو پیدا کیا، تاکہ تم ان کے ذریعہ سے اندھیروں میں، خشکی میں اور دریا میں راستہ معلوم کر سکو۔'' مزید ارشاد فرمایا: ﴿وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾ (سورۂ نحل: ١٦) ...... ''اور وہ ستاروں کے ذریعے رہنمائی پاتے ہیں۔''

اللہ تعالی نے ان آیات میں بتلایا ہے کہ ستارے تو اوقات اور راستوں کی پہچان کے لیے ہیں، اگر یہ نہ ہوتے تو لوگ قبلہ رخ نہ ہو سکتے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ستاروں کا اتنا علم سیکھو کہ جس کے ذریعے قبلہ کی سمت اور راستے کو پہچان سکو، اتنی مقدار کے بعد ان کا مزید علم حاصل کرنے سے باز آ جایا کرو۔ (عون المعبود: ٢/ ١٧٧٤)

ان احادیثِ مبارکہ میں آپ ﷺ نے علم نجوم سے منع فرما دیا اور اسے جاہلیت کی علامت قرار دیا، جبکہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو آدمی کاہن (یعنی نجومی) کے پاس گیا اور اس کی بات کی تصدیق کی یا جس آدمی نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کیا تو وہ اس چیز سے بری ہو گیا، جو آپ ﷺ پر اتاری گئی۔'' (ابوداود: ٣٩٠٤، ترمذی: ١٣٥، ابن ماجه: ٦٣٩)

قارئین کرام! نبی کریم ﷺ نے سرے سے نجومیوں کے پاس جانے سے منع کر دیا، تاکہ ان کے اٹکل پچو سے مومنوں کے عقائد متاثر نہ ہوں۔ اجرام فلکی کا نظم و نسق صدیوں سے جاری و ساری ہے، آج تلک اس میں کوئی فساد یا بگاڑ پیدا نہیں ہے، یہ نظام بعض امورِ کائنات پر دلالت کرتا ہے، اس لیے ان کا بغور مطالعہ کرنے والا کوئی نہ کوئی اندازہ لگا سکتا ہے، جیسے ہر کوئی سورج کو دیکھ کر وقت کا اور چاند کو دیکھ کر تاریخ کا اندازہ لگا لیتا ہے۔ لیکن عقائد کے تحفظ کے لیے نبی کریم ﷺ نے علم نجوم کی اس قسم کے علم کے حصول سے سرے سے منع کر دیا، بلکہ جو لوگ اس علم میں دلچسپی لیتے ہیں، ان کی مجلس میں بیٹھنے سے منع کر دیا۔ امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: "انواء"، "نوء" کی جمع ہے، یہ وہ ستارہ ہے جو طلوع فجر کے ساتھ مغرب میں غروب ہوتا ہے اور اسی وقت ایک دوسرا ستارہ مشرق سے طلوع ہو رہا ہوتا ہے۔

آپ ﷺ نے ستاروں کے معاملہ میں کافی سختی کی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب لوگ بارش کے نزول کو ستاروں کی طرف منسوب کرتے تھے اور اس معاملے میں ستاروں کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں۔ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ جو آدمی اللہ

تعالی کے سابقہ نظام کی روٹین کو دیکھ کر یہ کہتا ہے کہ جب فلاں ستارہ فلاں مقام پر پہنچتا ہے تو اللہ تعالی بارش نازل کرتا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اللہ تعالی نے بارش وغیرہ کے اوقات کے لیے علامات مقرر کر دی ہیں۔ (صحیحہ: ۱۷۹۹) لیکن اس میں علامت بننے والے چیز کا ذاتی کوئی کردار نہیں ہوتا، سارے کا سارا کمال اللہ تعالی کا ہوتا ہے۔ دیکھئے کہ سورج کی روشنی یا سورج کا دن اور رات کے آنے جانے کے ساتھ گہرا تعلق ہے، لیکن اس میں سورج کا تو کوئی کمال نہیں، کیونکہ وہ اللہ تعالی کے حکم کا تابع ہے۔

بہرے، مجنون اور انتہائی بوڑھے کا میدانِ حشر میں دوبارہ امتحان

(۱۰۳)۔ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ سُرَيْعٍ مَرْفُوْعاً: ((أَرْبَعَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُدْلُوْنَ بِحُجَّةٍ: رَجُلٌ أَصَمُّ لَا يَسْمَعُ، وَرَجُلٌ أَحْمَقُ، وَرَجُلٌ هَرِمٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي الْفَتْرَةِ، فَأَمَّا الْأَصَمُّ فَيَقُوْلُ: يَارَبِّ جَاءَ الْإِسْلَامُ وَمَا أَسْمَعُ شَيْئًا، وَأَمَّا الْأَحْمَقُ فَيَقُوْلُ: جَاءَ الْإِسْلَامُ وَالصِّبْيَانُ يَقْذِفُوْنَنِي بِالْبَعْرِ وَأَمَّا الْهَرِمُ فَيَقُوْلُ: لَقَدْ جَاءَ الْإِسْلَامُ وَمَا أَعْقِلُ، وَأَمَّا الَّذِي مَاتَ عَلَى الْفَتْرَةِ فَيَقُوْلُ: يَارَبِّ مَا أَتَانِي رَسُوْلُكَ، فَيَأْخُذُ مَوَاثِيْقَهُمْ لَيُطِيْعُنَّهُ، فَيُرْسِلُ إِلَيْهِمْ رَسُوْلاً أَنِ ادْخُلُوْا النَّارَ، قَالَ: فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ دَخَلُوْهَا لَكَانَتْ عَلَيْهِمْ بَرْداً وَسَلَاماً .)) (الصحيحة:١٤٣٤)

حضرت اسود بن سریع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''روزِ قیامت چار افراد اپنے دعوی پر دلیل پیش کریں گے: بہرا، مجنون، انتہائی عمر رسیدہ اور فترہ (یعنی دو انبیا کے درمیانی وقفے) میں مرنے والا۔ بہرہ کہے گا: اے میرے ربّ! اسلام تو پہنچا تھا، لیکن میں سنتا نہیں تھا (اس لئے میں کچھ نہ کر سکا)۔ مجنون کہے گا: اسلام تو پہنچا تھا، لیکن بچے مجھے مینگنیاں مارتے تھے (یعنی میں پاگل تھا اور اسلام کو نہ سمجھ سکا)۔ عمر رسیدہ آدمی کہے گا: اسلام تو موصول ہوا تھا، لیکن میں (بڑھاپے کی وجہ سے) سمجھتا نہیں تھا۔ فترہ میں مرنے والا کہے گا: اے میرے ربّ! میرے پاس تو تیرا رسول آیا ہی نہیں تھا۔ اللہ تعالی ان سب سے عہد و پیمان لے گا کہ وہ ضرور ضرور اس کی اطاعت کریں گے۔ پھر اللہ تعالی (ان کو آزمانے کے لئے) ان کی طرف اپنا قاصد بھیجے گا کہ آگ میں گھس جاؤ۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر وہ داخل ہو جائیں گے تو وہ ان کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی والی ہو گی۔''

تخريج: رواه الطبراني: ٧٩/ ٢، رواه الضياء في "المختارة" ١/ ٤٦٣، وهو في المسند: ٤/ ٢٤، و صحيح ابن حبان: ١٨٢٧

فوائد: ......اس حدیث میں اس شخص کو متنبہ کیا گیا ہے، جس کو اللہ تعالی نے قوتِ سماعت عطا کر رکھی ہو، عقل مند ہو، رسول کا پیغام وصول کر چکا ہو اور اسے سمجھنے کی اہلیت بھی رکھتا ہو، ایسے شخص کی سابقہ زندگی کی روشنی میں روزِ

قیامت فیصلہ کیا جائے گا اور اس سے دوبارہ امتحان نہیں لیا جائے گا۔

حدیثِ مبارکہ اپنے مفہوم میں واضح ہے کہ جب بہرا، مجنون، انتہائی عمر رسیدہ اور فترہ میں مرنے والا حشر کے میدان میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا عذر پیش کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کا عذر قبول کرے گا اور وہیں ان کا دوبارہ امتحان لے گا۔ یہی مضمون درج ذیل حدیث سے ثابت ہوتا ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يُوْتَى بِأَرْبَعَةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: بِالْمَوْلُوْدِ، وَبِالْمَعْتُوْهِ، وَبِمَنْ مَاتَ فِي الْفَتْرَةِ، وَالشَّيْخِ الْفَانِيْ، كُلُّهُمْ يَتَكَلَّمُ بِحُجَّتِهِ، فَيَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لِعُنُقٍ مِنَ النَّارِ: اَبْرِزْ، فَيَقُوْلُ لَهُمْ: اِنِّيْ كُنْتُ اَبْعَثُ اِلَى عِبَادِيْ رُسُلاً مِنْ اَنْفُسِهِمْ، وَاِنِّيْ رَسُوْلُ نَفْسِيْ اِلَيْكُمْ، اُدْخُلُوْا هٰذِهِ فَيَقُوْلُ مَنْ كُتِبَ عَلَيْهِ الشَّقَاءُ: يَارَبِّ! اَيْنَ نَدْخُلُهَا وَمِنْهَا كُنَّا نَفِرُّ؟ قَالَ: وَمَنْ كُتِبَ عَلَيْهِ السَّعَادَةُ يَمْضِيْ فَيَقْتَحِمُ فِيْهَا مُسْرِعًا، قَالَ: فَيَقُوْلُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى اَنْتُمْ لِرُسُلِيْ اَشَدُّ تَكْذِيْبًا وَمَعْصِيَةً، فَيَدْخُلُ هٰؤُلَاءِ الْجَنَّةَ، وَهٰؤُلَاءِ النَّارَ.)) رُوِيَ مِنْ حَدِيْثِ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، وَاَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، وَمَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، وَالْاَسْوَدِ بْنِ سَرِيْعٍ، وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ. (مسند أبی یعلی: ۳/ ۱۰۴۴، مسند البزار:ص ۲۳۲، معجم اوسط، معجم کبیر، الصحیحة:۲۴۶۸)

''روزِ قیامت اِن چار افراد کو لایا جائے گا: بچہ، مجنون، دو رسولوں کے درمیانی وقفے میں مرنے والا اور بہت بوڑھا۔ ان میں سے ہر کوئی اپنی اپنی دلیلیں پیش کرے گا، اللہ تعالیٰ آگ کی گردن (یعنی لپٹ) سے فرمائے گا: نمایاں ہو، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں اپنے بندوں کی طرف ان میں سے رسول بھیجتا رہا اور اب میں تمہارے لیے اپنا قاصد خود ہوں اور کہتا ہوں کہ (اب سب کے سب) اس آگ میں داخل ہو جاؤ۔ بد بخت لوگ کہیں گے: اے ہمارے ربّ! ہم اس میں کیسے داخل ہوں، ہم تو اس سے دور بھاگتے تھے؟ سعادت مند لوگ (اللہ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے) چل پڑیں گے اور اس میں جلدی جلدی اور زبردستی گھسیں گے۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم (آگ میں داخل نہ ہونے والے بد بخت) لوگ میرے رسولوں کو جھٹلانے اور اس کی نافرمانی کرنے میں بڑے ہوتے، (کیونکہ تم نے میری براہ راست بات ہی نہیں مانی)۔ اب یہ جنت میں داخل ہوں گے اور یہ آگ میں۔'' یہ حدیث سیدنا انس بن مالک، سیدنا ابو سعید خدری، سیدنا معاذ بن جبل، سیدنا اسود بن سریع اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

"وِلْدَان" سے مراد مشرکین کی اولاد کے اخروی انجام کے بارے میں گفتگو کرنا ہے کہ آیا وہ جنت میں ہوں گے، یا جہنم میں یا اعراف پر، جیسا امام کہ ابو حاتم نے کہا: اَلْوِلْدَانُ اَرَادَ بِهِ اَطْفَالَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (ابن حبان)

......"وِلْدَان" سے مشرکوں کے بچے مراد لیے گئے ہیں۔

ہر نیکی کی جائے اگرچہ وہ طبعًا ناپسند ہو

(١٠٤)۔ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِرَجُلٍ: ((أَسْلِمْ.)) قَالَ: أَجِدُنِي كَارِهاً۔ قَالَ: ((أَسْلِمْ وَإِنْ كُنْتَ كَارِهًا.)) (الصحيحة ١٤٥٤)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی سے فرمایا: ''اسلام قبول کر۔'' اس نے کہا: مجھے ناپسند لگتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام قبول کر لے، اگرچہ تجھے ناپسند لگ رہا ہو۔''

تخريج: رواه أحمد: ٣/ ١٩/ ١٨١، وأبوبكر الشافعي في"الرباعيات" ١/ ٩٨/ ١، والضياء في"المختارة" ١٠٠/ ١-٢

فوائد :......اسلام میں اچھائی یا برائی کا معیار طبیعت کی پسند یا ناپسند نہیں ہے۔ شریعت نے امورِ خیر اور امورِ شر کا تعین کر دیا ہے۔ وہ چیز اچھی ہے جس کو شریعت نے سراہا ہو، اگرچہ وہ طبعی طور پر ہمیں ناپسند ہو اور وہ چیز بری ہے، جس کو شریعت نے برا قرار دیا ہو، اگرچہ وہ ہمیں طبعی طور پر اچھی لگتی ہو۔

یہ حدیث اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ ہماری طبائع کی پسند یا ناپسند کی کسوٹی، شریعت کی پسند اور ناپسند ہونی چاہیے۔

دورانِ عبادت عابد کی کیفیت

(١٠٥)۔ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ حِيْنَ حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ، قَالَ: أُحَدِّثُكُمْ حَدِيْثاً سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ۔ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((أُعْبُدِ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِن لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ، وَاعْدُدْ نَفْسَكَ فِي الْمَوْتٰى، وَإِيَّاكَ وَدَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَإِنَّهَا تُسْتَجَابُ، وَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَن يَّشْهَدَ الصَّلَاتَيْنِ الْعِشَاءَ وَالصُّبْحَ وَلَوْ حَبْوًا فَلْيَفْعَلْ.)) (الصحيحة: ١٤٧٤)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ان کی وفات کا وقت آ پہنچا تو انھوں نے کہا: میں تمھیں ایک حدیث بیان کرتا ہوں، جو میں نے نبی کریم ﷺ سے خود سنی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو، گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر تم نہیں دیکھ رہے تو وہ تو یقیناً تمھیں دیکھ رہا ہے اور اپنے آپ کو مردہ شمار کرو اور مظلوم کی بددعا سے بچو، کیونکہ وہ قبول ہوتی ہے اور جو آدمی عشا اور فجر کی نمازوں میں آ سکتا ہے تو وہ آئے اگرچہ اسے گھسٹ کر آنا پڑے۔''

تخريج: رواه الطبراني في"الكبير" وابن عساكر في"تاريخ دمشق" ١٩/ ١٥٣/ ٢

(١٠٦)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: أَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِبَعْضِ جَسَدِي فَقَالَ: ((أُعْبُدِ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، وَكُنْ فِي الدُّنْيَا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے میرے جسم کا ایک حصہ پکڑا اور فرمایا: ''اللہ کی عبادت کرو، گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور دنیا میں اس طرح ہو جاؤ کہ گویا

كَــأَنَّكَ غَـرِيْـبٌ أَوْ عَـابِـرُ سَبِيْـلٍ .)) کہ تم اجنبی یا مسافر ہو۔"

(الصحيحة:١٤٧٣)

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ١٣٢، وأبو نعيم في "الحلية" ٦/ ١١٥، ورواه البخاري دون قوله: ((اعبد الله كانك تراه.))

(١٠٧)۔ عَنْ مُعَاذٍ، قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَوْصِنِي، قَالَ: ((اُعْبُدِ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، وَاعْدُدْ نَفْسَكَ فِي الْمَوْتٰى، وَاذْكُرِ اللّٰهَ عِنْدَ كُلِّ حَجَرٍ، وَعِنْدَ كُلِّ شَجَرٍ، وَإِذَا عَمِلْتَ سَيِّئَةً فَاعْمَلْ بِجَنْبِهَا حَسَنَةً، السِّرَّ بِالسِّرِّ، وَالْعَلَانِيَةَ بِالْعَلَانِيَةِ.))

(الصحيحة: ١٤٧٥)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے وصیت فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو، گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، اپنے آپ کو مردہ تصور کرو، ہر پتھر اور درخت کے پاس اللہ کا ذکر کرو اور جب برائی کا ارتکاب کر بیٹھو تو اس کے ساتھ ہی نیکی کر لو (تاکہ برائی کا اثر زائل ہو جائے)، مخفی برائی کے بدلے نیکی بھی مخفی کی جائے اور اعلانیہ برائی کے بدلے نیکی بھی اعلانیہ کی جائے۔"

تخريج: رواه الطبراني في الكبير عن أبي سلمة قال: قال معاذ: قلت: يا رسول الله أوصني قال فذكره، قال الهيثمي: ٤/ ٢١٨

فوائد :...... مذکورہ بالا احادیث میں یہ قدر مشترک ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو، گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔" حدیثِ جبریل میں عابد کی اس کیفیت کو "احسان" کہا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: عبادت کے اس انداز یا احسان کا معنی و مفہوم یہ ہوتا ہے کہ عبادت کو پُر خلوص بنایا جائے، اس میں خشوع و خضوع کا خوب اہتمام کیا جائے، عبادت کے دوران اسی کی طرف مکمل توجہ کیا جائے اور دل میں معبودِ برحق کا خوف رکھا جائے۔ سیدنا ابو دردا رضی اللہ عنہ کی حدیث میں دو کیفیتوں کو بیان کیا گیا ہے، سب سے اعلیٰ کیفیت اور حالت یہ ہے کہ عبادت کرنے والے پر یہ تصور غالب آجائے کہ وہ دل سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا تھا اور یہ تصور اتنا مضبوط ہو کہ بالآخر اسے یوں محسوس ہو کہ وہ اپنی آنکھوں سے حق تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے "کَاَنَّکَ تَرَاہُ" کا یہی معنی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کم از کم وہ یہ حقیقت تو ذہن نشین کر لے اللہ تعالیٰ اس کے ہر عمل سے آگاہ ہے، "فَاِنَّہٗ یَرَاکَ" کا یہ مفہوم ہے۔ ان دونوں حالتوں کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ تعالیٰ سے معرفت ہوگی اور دل میں اس کی خشیت پیدا ہوگی۔

امام نووی نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ جب تم اور اللہ تعالیٰ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہو گے تو تم تمام آداب کا لحاظ کرو گے، بہر حال تم نہیں دیکھ رہے ہوتے، جبکہ وہ ہر وقت تم کو دیکھ رہا ہوتا ہے، اس لیے تم کو چاہیے کہ عبادت میں حسن پیدا کرو۔ اس حدیث کا تقدیری معنی یہ ہوگا: اگر تم اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ رہے تو پھر بھی اچھے انداز میں عبادت کو جاری رکھو،

کیونکہ وہ تو تجھے دیکھ رہا ہوتا ہے، حدیثِ جبریل کا یہ حصہ ''اللہ تعالی کی عبادت اس طرح کرو، گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر تم نہیں دیکھ رہے تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔'' اصولِ دین میں سے ایک عظیم اصل اور قواعد المسلمین میں سے ایک اہم قاعدہ ہے۔ یہ صدیقوں کو سہارا ہے، سالکین کا مقصد ہے، عارفین کا خزانہ ہے اور صالحین کی عادت ہے۔ نبی کریم ﷺ کو جو جوامع الکلم عطا کیے گئے، یہ جملہ ان میں سے ایک ہے۔ غور فرمایئے کہ اہل تحقیق نے صالح لوگوں کی مجالس میں بیٹھنے کو مستحب قرار دیا ہے، تاکہ ان کے احترام میں اور ان سے شرم محسوس کرتے ہوئے معائب و نقائص سے بچا جا سکے، تو پھر اس آدمی کے بارے میں کیا خیال ہونا چاہیے کہ اللہ تعالی جس کے ظاہری و مخفی حالات سے آگاہ رہتا ہے۔

(فتح الباری: ١/ ١٦٠)

دنیا میں مومن اجنبی ہے یا مسافر

(١٠٨)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: أَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِبَعْضِ جَسَدِي فَقَالَ: ((أُعْبُدِ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، وَكُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ.))

(الصحیحة:١٤٧٣)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے میرے جسم کے ایک حصے کو پکڑا اور فرمایا: ''اللہ کی عبادت کرو، گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور دنیا میں اس طرح ہو جاؤ کہ گویا کہ تم اجنبی (یعنی پردیسی) ہو بلکہ مسافر۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ١٣٢، وأبونعيم في "الحلية" ٦/ ١١٥، ورواه البخاري دون قوله: ((اعبد الله كانك تراه.))

فوائد:...... ذہن نشین رہے کہ یہ مثال اس دور میں پیش کی گئی جب سفر کرنے کا سب سے بڑا سبب اونٹ، گھوڑے، خچر اور گدھے تھے، یہ سواریاں دستیاب نہ ہونے کی صورت میں مہینوں کی مسافتیں پیدل طے کرنا پڑتی تھیں۔ بحری سفر کرنے والے کشتیاں یا پانی میں نہ ڈوبنے والی کوئی چیز استعمال کیا کرتے تھے۔ دور دور کے سفروں میں سرائے اور ہوٹلوں کی سہولتیں دستیاب نہ تھیں یا بہت کم تھیں۔ مسافروں کو بعض سفروں میں پینے کا پانی بھی اپنے ہمراہ اٹھانا پڑتا تھا۔ پڑاؤ کے دوران چٹانوں، ریت اور مٹی پر سونا پڑتا تھا۔ پگڈنڈیوں، صحراؤں اور کچی سڑکوں پر مشتمل راستے ہوتے تھے، بلکہ بسا اوقات مسافروں کو راستہ بھی خود ایجاد کرنا پڑتا تھا۔ یہ انداز سفر اور طرزِ حیات عہد قدیم سے اس سائنسی دور، جس کی ابتدا تقریباً دو صدیاں پہلے ہوئی، تک جاری رہا۔ احادیث مبارکہ کی روشنی میں مستقبل میں جس دور کی پیشین گوئی کی گئی ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ بالآخر یہ جدید دور ختم ہو جائے اور از سر نو پرانے والا دیسی زمانہ شروع ہو جائے گا۔

ممکن ہے کہ موجودہ ترقی یافتہ دور میں ہوائی جہازوں اور بحری کا پڑوں اور عمدہ لائنوں اور شاہراہوں پر ریل گاڑیوں، بسوں اور موٹر کاروں کے ذریعے سفر کرنے والے اور دورانِ سفر جگہ جگہ پر عمدہ ریسٹورینٹ، سرائے اور ہوٹلیں پانے والے اس مثال کی دقت اور مقصود کو نہ سمجھ پائیں۔ اگرچہ آج بھی مسافر تھوڑا سا ساز و سامان اور معمولی نقدی کے

ہمراہ سفر کرنے کا قائل ہے، ہر کوئی اپنے شہر تک پہنچنے کے لیے جلدی کرتا ہے، ایک سیٹ پر بیٹھنے والے مسافر ایک دوسرے سے مانوس نہیں ہوتے، ہر مسافر دوسرے ہر فرد سے خوف اور وحشت محسوس کرتا ہے، ہر کسی کو ڈاکوؤں، چوروں اور حادثات کا خطرہ ستائے رکھتا ہے اور انہی وجوہات کی بنا پر دورانِ سفر اچھے اور صاف ستھرے لباس، وضع قطع اور میک اپ وغیرہ کرنے پر وہ توجہ نہیں دی جاتی، جس کا اہتمام حضر میں کیا جاتا ہے، بلکہ بعض خواتین و حضرات کو دیکھا گیا ہے کہ وہ سفر کے دوران حال و بے حال اور اپنے آپ سے تنگ ہوتے ہیں، لیکن جونہی ان کی منزل قریب آ رہی ہوتی ہے، وہ اپنے لباس اور جسم کو سنوارنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس حدیثِ مبارکہ میں یہی نقطہ سمجھایا گیا کہ کسی مسافر کا دل سفر میں، وہ جیسا بھی ہو، نہیں لگتا، ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی پوری زندگی کو ایک دنیا کا ایک سفر سمجھیں اور اس سفر میں دل نہ لگائیں اور اس کو قرآن و حدیث کی ہدایات کے مطابق عبور کر کے اپنے اصلی وطن جنت تک پہنچنے کی کوشش کریں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: "أَوْ" بمعنی "بَلْ" ہے، یعنی: "دنیا میں اس طرح ہو جاؤ کہ گویا کہ تم اجنبی ہو، بلکہ مسافر ہو"، یعنی آپ ﷺ نے عابد و زاہد کو پہلے اس اجنبی اور پردیسی سے تشبیہ دی، جس کی کوئی جائے پناہ اور گھر نہیں ہوتا، پھر بات کو آگے بڑھایا اور مسافر سے تشبیہ دی، کیونکہ بسا اوقات ایسے بھی ہوتا ہے کہ اجنبی آدمی کو پردیس میں رہائش کے لیے کوئی نہ کوئی گھر مل ہی جاتا ہے، لیکن جس مسافر نے دور دراز علاقوں کا سفر طے کرنا ہو، جبکہ اس کے راستے میں ہلاکت گاہ وادیاں، بے آب و گیاہ مہلک صحرا اور ڈاکو اور چور بھی ہوں، تو اس کی صورتحال یہ ہو گی کہ وہ دورانِ سفر کہیں بھی لمحہ بھر کے لیے قیام نہیں کرے گا، اسی لیے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد کہا کرتے تھے: اگر شام ہو جائے تو صبح کی انتظار نہ کیا کر اور اگر صبح ہو جائے تو شام کا انتظار نہ کیا کر اور بیماری کے لیے اپنی صحت میں سے اور موت کے لیے اپنی زندگی میں سے کچھ لے لے۔ نیز وہ یہ بھی کہا کرتے تھے: اپنے آپ کو قبرستان والے مردوں میں شمار کر۔

معنی یہ ہوا: اے مسافر! چلتا رہ اور سست نہ پڑ، اگر تو نے سستی کی تو راستے میں ہی رہ جائے گا، مہلک وادیوں میں ہلاک ہو جائے گا (اور اپنی منزل مقصود تک نہ پہنچ پائے گا)۔

ابن بطال نے کہا: اجنبی اور پردیسی آدمی دوسرے لوگوں سے بے تکلفی اختیار نہیں کرتا، بلکہ وہ ان سے وحشت زدہ ہوتا ہے، وہ اپنے آپ کو کم تر اور خوفزدہ محسوس کرتا ہے۔ مشکل ہی ہے کہ دورانِ سفر اسے کوئی ایسا آدمی مل جائے، جس سے وہ مانوس ہو جائے۔ یہی معاملہ مسافر کا ہے کہ وہ اپنی قوت و طاقت کے مطابق سفر پر روانہ ہوتا ہے، اپنے ساتھ کم سے کم وزن والا سامان لے کر جاتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اس کے پاس اتنا زادِ راہ اور سواری ہونی چاہیے کہ وہ منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ (یہی معاملہ مومن کا ہے کہ وہ دنیا میں زیادہ بے تکلفی اختیار نہ کرے، اس سے زیادہ مانوس نہ ہو، اس کے پاس اتنا زادِ راہ اور سامانِ دنیا ہونا چاہیے کہ کسی کے سامنے دستِ سوال پھیلائے بغیر دنیا کے ایام بیت جائیں)۔

اس مثال سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ دنیا سے بے رغبتی اختیار کرنی چاہیے اور گزر بھر، ضرورت بھر اور بقدر کفاف چیزوں کا اہتمام کرنا چاہیے۔ جس طرح مسافر کو صرف اتنے ساز و سامان اور زادِ راہ کی ضرورت ہوتی کہ جس سے اس کا

سفر طے ہو جائے اور وہ منزل مقصود تک پہنچ جائے، اسی طرح مومن کو اتنے دنیوی ساز و سامان کا اہتمام کرنا چاہیے کہ اس کی دنیا کا سفر طے ہو جائے۔

دوسرے شارحین نے کہا: یہ حدیث دنیا سے بے رغبتی اختیار کرنے، اس کو حقیر سمجھنے اور اس میں ضرورت بھر اسباب زندگی پر قناعت کرنے کی بنیاد ہے۔ امام نووی نے کہا: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ دنیا کی طرف جھکاؤ اختیار نہ کرو، اس کو اپنا (مستقل) وطن نہ سمجھو، اس میں اپنی بقا کے بارے میں مت سوچو اور اس سے اتنا تعلق رکھو، جتنا کہ کسی دوسرے وطن میں پردیسی آدمی کا ہوتا ہے۔

بعض نے کہا: مسافر اپنے وطن تک پہنچنے کے لیے راستے پر چل رہا ہوتا ہے۔ دنیا میں بندہ بھی اس آدمی کی طرح ہے، جس کو اس کے آقا نے کسی حاجت کے لیے دوسرے وطن میں بھیجا ہو، اس کی صورتحال یہ ہوتی ہے کہ وہ حاجت پوری کر کے اپنے وطن کی طرف لوٹنے میں جلدی کرتا ہے اور کسی دوسری غیر متعلقہ چیز میں کوئی دلچسپی نہیں لیتا، (یہی معاملہ مومن کا ہے کہ اس کے آقا یعنی رب تعالی نے اسے دنیا میں توشۂ آخرت کی تیاری کے لیے بھیجا، اسے چاہیے کہ اپنی زندگی کے دورانیے میں زیادہ سے زیادہ نیک اعمال ذخیرہ کرے اور پھر یہاں سے روانہ ہو کر اپنے آقا کے پاس پہنچ جائے)۔

کسی نے کہا: اس حدیث کا مرادی معنی یہ ہے کہ جس طرح پردیسی آدمی غیر وطن میں عارضی سکونت اختیار کرتا ہے، اپنے مقصد کی تکمیل کی کوشش میں رہتا ہے اور اس کا دل اپنے وطن کے ساتھ معلّق رہتا ہے اور واپس جانے کی سوچتا رہتا ہے۔ یہی معاملہ مومن کا ہے کہ وہ دنیا میں آخرت کی ضروریات پوری کرنے اور اپنے اصل وطن (جنت) کی طرف لوٹ جانے کی سوچ میں رہے۔ یا جس طرح مسافر کسی سرائے میں مستقل سکونت اختیار نہیں کرتا، بلکہ اپنے شہر پہنچنے کے لیے سفر جاری رکھتا ہے، اسی طرح مومن دنیا میں اپنے وطن جنت تک رسائی حاصل کرنے کے لیے اعمال صالحہ کا سفر جاری رکھتا ہے۔ (فتح الباری: ١١/ ٢٨١) اللہ تعالی شارحین احادیث نبویہ کی مساعیٔ جمیلہ قبول فرمائے اور ان پر رحمت نازل فرمائے۔ (آمین)

دورانِ حیات مومن اپنے آپ کو کیا سمجھے؟

(١٠٩)۔ عَنْ مُعَاذٍ، قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَوْصِنِي، قَالَ: ((أُعْبُدِ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، وَاعْدُدْ نَفْسَكَ فِي الْمَوْتٰى، وَاذْكُرِ اللّٰهَ عِنْدَ كُلِّ حَجَرٍ، وَعِنْدَ كُلِّ شَجَرٍ، وَإِذَا عَمِلْتَ سَيِّئَةً فَاعْمَلْ بِجَنْبِهَا حَسَنَةً، السِّرَّ بِالسِّرِّ، وَالْعَلَانِيَةَ بِالْعَلَانِيَةِ.)) (الصحيحة: ١٤٧٥)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے وصیت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالی کی عبادت اس طرح کرو، گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، اپنے آپ کو مردہ تصور کرو، ہر پتھر اور درخت کے پاس اللہ کا ذکر کرو اور جب برائی کا ارتکاب کر بیٹھو تو اس کے ساتھ ہی نیکی کر لو (تاکہ برائی کا اثر زائل ہو جائے)، مخفی برائی کے بدلے نیکی بھی مخفی کی جائے اور اعلانیہ برائی کے بدلے نیکی

بھی اعلانیہ کی جائے۔''

تخریج: رواه الطبراني في الكبير عن أبي سلمة قال: قال معاذ: قلت: يا رسول الله أوصني قال فذكره، قال الهيثمي: ٤/ ٢١٨

(۱۱۰)۔ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ حِيْنَ حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ، قَالَ: أُحَدِّثُكُمْ حَدِيْثاً سَمِعْتُهُ مِن رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ـ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((اُعْبُدِ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِن لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ، وَاعْدُدْ نَفْسَكَ فِي الْمَوْتٰى، وَإِيَّاكَ وَدَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَإِنَّهَا تُسْتَجَابُ، وَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَّشْهَدَ الصَّلَاتَيْنِ الْعِشَاءَ وَالصُّبْحَ وَلَوْ حَبْوًا فَلْيَفْعَلْ.)) (الصحيحة: ١٤٧٤)

حضرت ابودرداؓ بیان کرتے ہیں کہ جب ان کی وفات کا وقت آ پہنچا تو انھوں نے کہا: میں تمھیں ایک حدیث بیان کرتا ہوں، جو میں نے نبی کریم ﷺ سے خود سنی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو، گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر تم نہیں دیکھ رہے تو وہ تو یقیناً تمھیں دیکھ رہا ہے اور اپنے آپ کو مردہ شمار کرو اور مظلوم کی بددعا سے بچو، کیونکہ وہ قبول ہوتی ہے اور جو آدمی عشا اور فجر کی نمازوں میں آ سکتا ہے تو وہ آئے اگرچہ اسے گھسٹ کر آنا پڑے۔''

تخریج: رواه الطبراني في "الكبير" وابن عساكر في "تاريخ دمشق" ١٩/ ١٥٣/ ٢

فوائد:......ان احادیثِ مبارکہ میں مومن کو کہا گیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مردہ شمار کرے۔ امام عبدالرحمٰن مبارکپوری نے کہا: اس جملے میں درج ذیل قول کی طرف اشارہ ہے:

مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا وَحَاسِبُوْا اَنْفُسَكُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسِبُوْا۔ یعنی: (دنیا میں ہی) مر جاؤ، قبل اس کے کہ تم کو حقیقی موت آئے اور (یہاں ہی) اپنے آپ کا محاسبہ کر لو، قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔

مومن کو چاہیے کہ جس طرح مردے کا تعلق دنیا سے کٹ جاتا ہے، دنیا پر اس کا اعتماد ختم ہو جاتا ہے، وہ مرنے کے بعد دنیا کے ساز و سامان اور عہدہ و منصب کو دھوکہ اور فراڈ سمجھنے لگتا ہے، نیکیوں میں سستی کرنے اور برائیوں میں زیادتی کرنے پر نادم و پشیمان ہوتا ہے، اسی طرح زندہ مسلمان بھی اپنے آپ کو لاتعلق سمجھے، اس پر اور اپنے منصبوں پر ضرورت سے زیادہ اعتماد نہ کرے، اس کی رنگینیوں سے دھوکہ نہ کھائے، بلکہ خیرات و حسنات کے معاملے میں ترقی کرتا جائے۔ یا یوں کہیے کہ جس طرح مردے کا دنیا کے تہذیب و تمدن اور کلچر و ثقافت سے کوئی تعلق نہیں رہتا، وہ موت کے بعد دنیا والوں کے ماحول سے متاثر نہیں ہوتا، بلکہ مردے کا مردہ پڑے رہنے اور اَن سلی چادروں کو زیبِ تن کرنے پر راضی ہو جاتا ہے، اسے کوئی خیال نہیں ہوتا کہ اس کے ارد گرد اپنے بیٹھے ہیں یا بیگانے، وہ اس کی تعریف کر رہے ہیں یا اس پر طعن۔ اسی طرح مومن کو چاہیے کہ دنیا میں مگن ہو کر نہ رہ جائے، اس کے نازنخروں اور عیش و عشرت میں نہ پڑ جائے، لوگوں کی تعریف پر خوش ہو نہ ان کی مذمت پر ناراض، خواہ مخواہ اپنوں کی تائید کرے نہ دوسروں کی مخالفت

اور اہل دنیا کے چونچلوں سے مرعوب نہ ہو، بلکہ اپنی دینی غیرت وحمیت کو برقرار رکھتے ہوئے قرآن و حدیث کی ہدایات پر عمل کرے۔

ان گزارشات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اپنی روزی اور اہل وعیال کی کفالت کے لیے کوئی محنت نہ کی جائے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی موجودگی میں کاروبار اور کھیتی باڑی جیسے کام کرتے تھے۔ ہمارا مقصود یہ ہے کہ زندگی کے تمام معاملات دین کے احکام کے تابع ہونے چاہئیں اور ایسے افراد کی تعداد بہت کم ہے، یہ الگ بات ہے کہ لاعلمی کی وجہ سے ہر کوئی اپنے آپ کو دین کا رکن سمجھتا ہے۔

اللہ تعالی کے عذاب سے نجات اور جنت میں داخلے کے اسباب

(۱۱۱)۔ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَحَادَةَ، عَنْ رَجُلٍ عَنْ زَمِيْلٍ لَّهُ، عَنْ أَبِيْهِ۔ وَكَانَ أَبُوْهُ يُكَنَّى أَبَا الْمُنْتَفِقِ۔ قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ بِعَرَفَةَ، فَدَنَوْتُ مِنْهُ حَتَّى اخْتَلَفَتْ عُنُقُ رَاحِلَتِي وَعُنُقُ رَاحِلَتِهِ فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، أَنْبِئْنِيْ بِعَمَلٍ يُنْجِيْنِيْ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ، وَيُدْخِلُنِيْ جَنَّتَهُ قَالَ: ((أُعْبُدِاللّٰهَ وَلَاتُشْرِكْ بِهِ شَيْئًا وَأَقِمِ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوْبَةَ، وَأَدِّ الزَّكَاةَ الْمَفْرُوْضَةَ، وَحُجَّ وَاعْتَمِرْ، قَالَ: أَشْهَدُ: وَأَظُنُّهُ قَالَ: وَصُمْ رَمَضَانَ۔ وَانْظُرْ مَاذَا تُحِبُّ مِنَ النَّاسِ أَنْ يَّأْتُوْهُ فَافْعَلْهُ بِهِمْ، وَمَاتَكْرَهُ مِنَ النَّاسِ أَنْ يَّأْتُوْهُ إِلَيْكَ فَذَرْهُمْ مِنْهُ.))

(الصحيحة: ۱٤۷۷)

محمد بن جحادہ، ایک آدمی سے، وہ اپنے ایک دوست سے، وہ اپنے باپ، جن کی کنیت ابو منتفق تھی، سے روایت کرتا ہے، وہ کہتے ہیں: میں عرفہ مقام پر نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، میں آپ کے اتنا قریب ہوا، کہ میری سواری کی گردن آپ کی سواری کی گردن کے ساتھ لگ گئی، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ایسا عمل بتاؤ جو مجھے اللہ کے عذاب سے نجات دلائے اور جنت میں داخل کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، فرضی نماز قائم کرو، فرضی زکاۃ ادا کرو، حج ادا کرو، عمرہ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو، مزید دیکھو کہ تم لوگوں کی جانب سے اپنے لئے کیا پسند کرتے ہو، وہی سلوک ان کے ساتھ کرو اور جو چیز لوگوں کی طرف سے اپنے لئے ناپسند کرتے ہو، ان کو بھی اس سے محفوظ رکھو۔“ (”اشہد“ والا لفظ کہنے والے راویٔ حدیث ابن حاتم ارطبائی ہے، جو روزے کے بارے میں اپنے خیال کا اظہار کر رہا ہے۔)

تخريج: رواه الطبراني: ج ٤، رقم ٣٢٢٢، صفحة ١٦، ورواه احمد: ٥/ ٣٧٢، ٦/ ٣٨٣، وفيه قصة ايضا

فوائد: ......حدیثِ مبارکہ میں سادہ سے انداز میں عبادتِ الٰہی، عدمِ شرک، نماز، زکوۃ، حج، عمرہ اور فرضی روزوں کو اللہ تعالی کے عذاب وعقاب سے نجات کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ ذہن نشین رہنا چاہیے کہ عبادات کا یہ سلسلہ ان لوگوں کے حق میں انتہائی آسان ہے، جو رغبت کے ساتھ ان کو ادا کرنا چاہتے ہے، بلکہ آسان سے آسان تر ہے، بلکہ ان

کی ادائیگی میں ان کی زندگی کا سکون ہے۔ لیکن پہلوتہی کرنے والے افراد کے لیے یہ سلسلہ انتہائی مشکل ہے، آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض افراد کے لیے نمازِ فجر کے وقت سوئے رہنا قیامت بن جاتا ہے، جبکہ بعض کے لیے اس وقت بیدار ہونا کسی مشقت سے کم نہیں ہوتا اور نتیجتًا وہ سوئے رہتے ہیں۔

یہ حقیقت قابل توجہ ہے کہ اس حدیث کے آخر میں مسلمانوں کے جس حق کی وضاحت کی گئی ہے، اکثر نمازی اور حاجی لوگ بھی برادری، ذات پات اور سیاست کے مسائل میں الجھ کر اس حق سے مکمل بے رخی برتتے ہیں۔ سونے کا چمچ لے کر پیدا ہونے والے یہ نہیں چاہتے کہ ان کے مقابل یا ان کے ماتحت لوگوں کو فراوانی کے ساتھ مال و دولت ملے، اعلی دنیوی مناصب پر فائز لوگوں کا خیال ہے کہ دوسرے ان کے در کے بھکاری بنے رہیں، اعلی تعلیم پر مشتمل ڈگریاں حاصل کرنے والے دوسروں کو جاہل ہی دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے تعلقات اور دوستیوں کی بنیاد اسلام پر نہیں رکھی گئی، نتیجتًا ہم ایک دوسرے کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے اور کینہ و کدورت اور بغض و حسد جیسی بیماریوں میں مبتلا ہو گئے۔ ہمیں چاہیے کہ اپنی محبتوں کی بنیاد اللہ تعالی، اس کے رسول اور اسلام کے نام پر رکھیں اور دنیا و آخرت کی جو خیر و بھلائی اپنے لیے پسند کریں، ہر مسلمان کے لیے اسی کا انتخاب کریں، ارادۃً بھی اور عملاً بھی اور اپنے آپ کو مقابلہ بازی سے محفوظ رکھیں۔

مومن کی ظاہر علامات

(١١٢)۔ عَنِ الشَّرِيْدِ بْنِ سُوَيْدٍ الثَّقَفِيِّ، قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ أُمِّي أَوْصَتْ إِلَيَّ أَنْ أُعْتِقَ عَنْهَا رَقَبَةً، وَإِنَّ عِنْدِي جَارِيَةً سَوْدَاءَ نُوبِيَّةً؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أُدْعُ بِهَا .)) فَقَالَ: ((مَنْ رَبُّكِ ؟)) قَالَتْ: اللّٰهُ۔ قَالَ: ((مَنْ أَنَا ؟)) قَالَتْ: رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ قَالَ: ((أَعْتِقْهَا، فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ .)) (الصحيحة:٣١٦١)

حضرت شرید بن سوید ثقفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں نے مجھے وصیت کی کہ میں اس کی طرف سے ایک غلام آزاد کروں اور میرے پاس (مصر کے جنوبی حصے میں واقع) نوبی قوم کے وطن کی ایک لونڈی ہے، (تو کیا میں اسے آزاد کر دوں)؟ آپ نے فرمایا: ''اسے بلاؤ۔'' (اسے بلایا گیا) آپ نے اس سے پوچھا: ''تیرا ربّ کون ہے؟'' اس نے کہا: اللہ۔ آپ نے پوچھا: ''میں کون ہوں؟'' اس نے کہا: اللہ کے رسول۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ مومن ہے، تم اسے آزاد کر سکتے ہو۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ٣/ ٥٨٨/ ٣٢٨٣، والنسائي: ٢/ ١٢٩، والدارمي: ٢/ ١٨٧، وابن حبان في "صحيحه": ٦/ ٢٥٦/ ٤٢٩٦، والبيهقي في "السنن": ٧/ ٣٨٨، وأحمد: ٤/ ٢٢٢، ٣٨٨، ٣٨٩. والبزار في "مسنده": ١/ ٢٩/ ٣٨/ - الكشف، والطبراني: ٧/ ٣٨٣/ ٧٢٥٧

فوائد: ......جس آدمی کے مومن ہونے کے بارے میں علم نہ ہو تو اس سے اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کے

بارے میں سوال کیے جائیں، اگر وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور رسول اللہ ﷺ کو اپنا رسول تسلیم کر لے تو اسے مومن ہی سمجھا جائے۔ ہاں اگر کوئی آدمی ایسی شہادت دینے کے بعد واضح شرکیہ کام کرتا ہے تو اسے مشرک سمجھنا ضروری ہے۔

ہر زمان و مکاں میں اللہ کا ذکر کرنے کی تلقین

(١١٣)۔ عَنْ مُعَاذٍ، قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَوْصِنِي، قَالَ: ((اُعْبُدِ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، وَاعْدُدْ نَفْسَكَ فِي الْمَوْتٰى، وَاذْكُرِ اللّٰهَ عِنْدَ كُلِّ حَجَرٍ، وَعِنْدَ كُلِّ شَجَرٍ، وَإِذَا عَمِلْتَ سَيِّئَةً فَاعْمَلْ بِجَنْبِهَا حَسَنَةً، السِّرَّ بِالسِّرِّ، وَالْعَلَانِيَةَ بِالْعَلَانِيَةِ.)) (الصحيحة: ١٤٧٥)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے وصیت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو، گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، اپنے آپ کو مردہ تصور کرو، ہر پتھر اور درخت کے پاس اللہ کا ذکر کرو اور جب برائی کا ارتکاب کر بیٹھو تو اس کے ساتھ ہی نیکی کر لیا کرو (تاکہ برائی کا اثر زائل ہو جائے)، مخفی برائی کے بدلے نیکی بھی مخفی کی جائے اور اعلانیہ برائی کے بدلے نیکی بھی اعلانیہ کی جائے۔“

تخريج: رواه الطبراني في الكبير عن أبي سلمة قال: قال معاذ: قلت: يا رسول الله أوصني قال فذكره، قال الهيثمي: ٤/ ٢١٨

فوائد: ...... دنیا سے مطلوبہ حد تک بے رغبتی کے لیے یہ حدیث بنیادی حیثیت کی حامل ہے، توشۂ آخرت کی تیاری کے سلسلے میں ذکرِ الٰہی کو کلیدی حیثیت حاصل ہے، اس حدیث میں یہ تلقین کی گئی ہے کہ ہر وقت اور ہر جگہ پر اللہ تعالیٰ کو یاد رکھا جائے، تاکہ کئی شجر و حجر کو گواہی دینے کے لیے میدانِ حشر میں جمع کیا جائے۔

ہر برائی کے بعد نیکی کرنے کی تلقین

(١١٤)۔ عَنْ مُعَاذٍ، قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَوْصِنِي، قَالَ: ((اُعْبُدِ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، وَاعْدُدْ نَفْسَكَ فِي الْمَوْتٰى، وَاذْكُرِ اللّٰهَ عِنْدَ كُلِّ حَجَرٍ، وَعِنْدَ كُلِّ شَجَرٍ، وَإِذَا عَمِلْتَ سَيِّئَةً فَاعْمَلْ بِجَنْبِهَا حَسَنَةً، السِّرَّ بِالسِّرِّ، وَالْعَلَانِيَةَ بِالْعَلَانِيَةِ.)) (الصحيحة: ١٤٧٥)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے وصیت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو، گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، اپنے آپ کو مردہ تصور کرو، ہر پتھر اور درخت کے پاس اللہ کا ذکر کرو اور جب برائی کا ارتکاب کر بیٹھو تو اس کے ساتھ ہی نیکی کر لو (تاکہ برائی کا اثر زائل ہو جائے)، مخفی برائی کے بدلے نیکی بھی مخفی کی جائے اور اعلانیہ برائی کے بدلے نیکی بھی اعلانیہ کی جائے۔“

تخريج: رواه الطبراني في الكبير عن أبي سلمة قال: قال معاذ: قلت: يا رسول الله أوصني قال فذكره، قال

الهيثمي: ٤/ ٢١٨

فوائد :...... بتقاضۂ بشریت ہر مسلمان غلطیوں اور گناہوں کے دہانے پر کھڑا ہوتا ہے، انبیائے کرام اور رسُل عظام کے بعد کوئی بھی عصمت و معصومیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا ہے، اس فطری، طبعی اور بشری تقاضے کی لغزشوں کی تلافی کے لیے نبی کریم ﷺ نے سہولت آمیز شریعت میں یہ قانون پیش کیا ہے کہ برائی ہو جانے کے بعد اس کے اثر کو زائل کرنے کے لیے نیکی کی جائے۔ جیسا کہ سیدنا ابوذر جندب بن جنادہ اور سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ وَاتَّبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ .)) (ترمذی) ...... ''تم جہاں کہیں بھی ہو، اللہ تعالیٰ سے ڈرو، برائی کے بعد نیکی کرو تاکہ وہ اس (کے اثر) کو مٹا دے اور لوگوں سے حسن اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔''

صبر وسماحت بھی ایمان میں سے ہیں

(١١٥)۔ عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ مَرْفُوْعاً: ((أَفْضَلُ الْإِيْمَانِ الصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ .)) (الصحيحة: ١٤٩٥)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''صبر کرنا اور عفو و درگزر کرنا افضل ایمان ہے۔''

تخريج: أخرجه الديلمي: ١/ ١/ ١٢٨

(١١٦)۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ مَرْفُوْعاً: ((اَلْإِيْمَانُ الصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ .)) (الصحيحة: ٥٥٤)

سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایمان تو صبر کرنے اور عفو و درگزر کرنے کا نام ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد من حديث أبي أمامة، وابن أبي شيبة وابن أبي الدنيا وغيرهما

فوائد :...... صبر، مومن کا کارگر ہتھیار ہے، جس سے اسے استقامت نصیب ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ رشتہ و ناطہ مضبوط ہوتا ہے، صبر کرنا بے مثل کردار ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''صبر روشنی ہے۔'' (مسلم: ٢٢٣) نیز فرمایا: ''جو صبر کا دامن پکڑتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے صبر کرنے کی توفیق دیتا ہے اور کسی شخص کو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ایسا عطیہ نہیں دیا گیا جو صبر سے زیادہ بہتر اور وسعت والا ہو۔'' (بخاری: ١٤٦٩، مسلم: ١٠٥٣) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے امام عطا سے کہا: یہ سیاہ رنگ کی عورت جنتی ہے، وہ اس طرح کہ یہ دربارِ نبوی میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! مجھے مرگی کا دورہ پڑ جاتا ہے، آپ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ مجھے اس بیماری سے نجات مل جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیری مرضی ہے، اگر تو چاہے تو اس تکلیف پر صبر کر لے، اس کے بدلے تجھے جنت ملے گی اور اگر تیری چاہت اس بیماری سے شفا حاصل کرنا ہی ہے تو عافیت کے لئے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کر دیتا ہوں۔'' وہ کہنے لگی: ٹھیک ہے، میں صبر کروں گی۔ (بخاری: ٥٦٥٢، مسلم: ٢٥٧٦) قرآن و حدیث میں صبر کی

بہت زیادہ تلقین اور اس کے فضائل بیان کئے گئے ہیں، لیکن یہ یاد رہے کہ صرف امراض و تکالیف میں جزع وفزع اور اول فول سے پرہیز کرنا صبر نہیں، بلکہ صبر کی تین اقسام ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر کرنا، یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کرنے کا حکم دیا ہے، معاشرے کی طرف سے وصول ہونے والی طعن وتشنیع اور گالی گلوچ کی پروا کئے بغیر وہ سب کچھ کر گزرنا۔

۲۔ اللہ کی نافرمانی نہ کرنے پر صبر کرنا، یعنی جن امور سے اللہ تعالیٰ نے باز رہنے کا حکم دیا ہے، ہر صورت میں صبر کے ساتھ ان سے پرہیز کرنا۔

۳۔ جسمانی تکالیف، اموال میں کمی، عزیزوں کی اموات جیسے صبر آزما مواقع پر اللہ تعالیٰ کے احکام کو سامنے رکھ کر "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن" پڑھنا اور اللہ کی تقدیر پر راضی ہو کر صبر کا دامن پکڑنا۔

جو شخص ان تین اقسام، بالخصوص پہلی دو، کو عملاً اپناتا ہے، اسے ایمان کی مٹھاس اور شیرینی نصیب ہوتی ہے، ایسے آدمی کے بارے میں کہا جا سکے گا کہ وہ ''صابر'' ہے۔

قدرت وطاقت اور وسائل و ذرائع سے بہرہ ور ہونے کے باوجود، محض اللہ کیلئے کسی کو معاف کر دینا اور اپنے غصے کو پی جانا، ایمان کا ممتاز اور باکمال شعبہ ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے غصے کو نافذ کرنے پر قادر ہونے کے باوجود اسے پی جاتا ہے، اللہ تعالیٰ بروز قیامت اسے تمام مخلوقات کے سامنے بلائے گا اور کہے گا: جس آہو چشم حور کو چاہے، اپنے لئے پسند کر لے۔'' (ابو داود: ٤٧٧٧، ترمذی: ٢٠٢١، ابن ماجه: ٤١٨٦)

سبحان اللہ! واقعی ہمارا پروردگار قدردان اور شکور ہے، جو اپنے بندے کو عاجزی وفروتنی اختیار کرنے پر تمام مخلوقات کے سامنے اس بیش قیمت تمغۂ امتیاز سے نوازتا ہے، حدیث نبوی ہے کہ میدان مار جانے والے طاقتور نہیں، اصل طاقتور پہلوان تو وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھتا ہے۔ (بخاری: ٦١١٤، مسلم: ٢٦٠٩)

حیا بھی ایمان ہے

(١١٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((اَلْحَيَاءُ مِنَ الْإِيْمَانِ وَأَحْيَا أُمَّتِي عُثْمَانُ.)) (الصحيحة: ١٨٢٨)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حیا، ایمان کا حصہ ہے اور میری امت میں سب سے زیادہ حیا کرنے والا عثمان ہے۔''

تخريج: رواه ابن عساكر: ١١/ ٩٧/ ١، وهو عند البخاري: ٢/ ٤٤٥، ومسلم، واحمد: ٢/ ١٨٩ بلفظ: ((استقرؤا القرآن...... .))

فوائد: ......حیا سے مراد وہ شرم و جھجک اور وقار و سنجیدگی نہیں جس کا تعین موجودہ معاشرہ کرے، شریعت کی روشنی میں حیا سے مراد اخلاق حسنہ کا وہ پہلو ہے جو برے اقوال و افعال سے اجتناب کرنے اور کسی مستحق کے حق میں کوتاہی برتنے سے باز رہنے پر آمادہ کرے۔ اس مفہوم میں حیا کو ایمان کی ایک شاخ قرار دیا گیا ہے، کیونکہ ایسا حیا خیر ہی خیر

ہے، جو انسان کو دھوکہ، فریب دہی اور جعل سازی وغیرہ جیسے غلط کاموں سے محفوظ و مامون رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''حیا، خیر و بھلائی کا ہی نام ہے۔'' (بخاری: ۶۱۱۷ ، مسلم: ۳۷)

معلوم ہوا کہ شریعت پر عمل پیرا ہونے کو حیا کہتے ہیں، لہٰذا مسلمان کو مجسمۂ حیا ہونا چاہیے، وہ اپنے تہذیب و تمدن، کلچر و ثقافت، چلن پھرن، اٹھک بیٹھک، نقل و حرکت، بول چال، خورد و نوش، میل ملاپ، دوستی و دشمنی، خوشی و غمی، غرضیکہ تمام معاملات میں شرم و حیا کا پیکر بن کر سامنے آئے۔

حیا، حسنِ اخلاق کا اتنا اہم پہلو ہے کہ پہلی شریعتوں میں بھی اس کو بحال رکھا گیا۔

حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((آخِرُ مَا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الأُوْلٰى: إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ .)) (صحيحه: ٦٨٤)...... ''پہلی نبوت کے کلام سے لوگوں کو آخری بات یہ ملی ہے کہ جب تجھے حیا نہ رہے تو جو چاہے کرتا پھرے۔''

شریعت مطہرہ میں جس ''حیا'' کی تعریف کی گئی ہے، حافظ ابن حجر نے اس کی توضیح یوں کی ہے: وَفِي الشَّرْعِ: خُلُقٌ يَبْعَثُ عَلَى اجْتِنَابِ الْقَبِيْحِ وَيَمْنَعُ مِنَ التَّقْصِيْرِ فِيْ حَقِّ ذِيْ الْحَقِّ۔ (فتح الباری: ۷۲/۱)...... ''شریعت میں (حیا سے مراد) وہ خصلت ہے جو قبیح چیز سے اجتناب کرنے اور کسی حقدار کے حق میں کمی کرنے سے باز رہنے پر آمادہ کرے۔''

اس مفہوم میں حیا ایسی عظیم صفت ہے، جو منکرات و سیئات سے پرہیز کرنے اور تزکیہ نفس میں مؤمن کی سب سے بڑی معاون ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق کی پاسداری کرنے پر ابھارتی ہے اور ان میں کسی قسم کی کم و کاست کرنے سے روکتی ہے۔

مذکورہ حدیث میں ''......مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُوْلٰى'' سے مراد یہ ہے تمام انبیا و رسل کی شریعتوں میں شرعی حیا کی اہمیت بحال رہی۔

اس حدیث مبارکہ میں باحیا ہونے کی ترغیب دلائی گئی ہے، یعنی جب کوئی انسان حیائے شرعی کو ترک کر دیتا ہے تو وہ طبعی طور پر ایسے دہانے پر کھڑا ہو جاتا ہے، جہاں ہر قسم کی برائی کا ارتکاب ممکن ہوتا ہے۔ اس حدیث پر اسلام کا مدار ہے، کیونکہ یہ حیا ہی ہے کہ جس کی بنا پر مومن فرض اور مستحب کو ترک کرنے سے اور حرام اور مکروہ کا ارتکاب کرنے سے شرماتا ہے۔ نیز یہ بھی اشارہ ملتا ہے جو آدمی استطاعت کے باوجود کوئی نیکی کرنے یا کسی برائی سے باز آنے کے سلسلے میں لوگوں سے شرم محسوس کرتا ہے، تو اسے حیادار نہیں کہا جا سکتا، بلکہ وہ بزدل اور ضعیف الایمان ہے، جو شریعت کی روشنی میں بے حیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے دوستی و دشمنی رکھنا ایمان کا مضبوط کڑا ہے

(۱۱۷)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِأَبِي ذَرٍّ: ((أَيُّ عُرَى

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''ایمان کا کون سا کڑا (یعنی نیک

اَلْإِيْمَان)) أَظُنُّهُ قَالَ: ((أَوْثَقُ؟)) قَالَ: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ۔ قَالَ: ((اَلْمُوَالَاةُ فِي اللّٰهِ، وَالْمُعَادَاةُ فِي اللّٰهِ، وَالْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ .)) (الصحيحة:١٧٢٨)

عمل) زیادہ مضبوط ہے؟'' انھوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے لئے دوستی کرنا، اللہ کے لئے دشمنی کرنا، اللہ کے لئے محبت کرنا اور اللہ کے لئے بغض رکھنا۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ١١٥٣٧

(١١٨)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِأَبِي ذَرٍّ: ((أَيُّ عُرَى اَلْإِيْمَان)) أَظُنُّهُ قَالَ: ((أَوْثَقُ)) قَالَ: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ۔ قَالَ: ((اَلْمُوَالَاةُ فِي اللّٰهِ، وَالْمُعَادَاةُ فِي اللّٰهِ وَالْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ .)) (الصحيحة: ٩٩٨)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہے: رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اسلام کا کون سا کڑا (یعنی نیک عمل) زیادہ مضبوط ہے؟'' انھوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے لئے دوستی کرنا، اللہ کے لئے دشمنی کرنا، اللہ کے لئے محبت کرنا اور اللہ کے لئے بغض رکھنا۔''

تخريج: رواه الطبراني: ٣/ ١٢٥/ ١، والبغوي في "شرح السنة": ١٣/ ٥٣/ ٣٤٦٨

فوائد: ...... یہ مسلمان کا طرۂ امتیاز ہے کہ اس کی دوستی اور دشمنی کا معیار اللہ تعالی کی ذات ہے، وہ اس معاملے میں رنگ ونسل، سیاست و سیادت، ذات پات اور قبیلہ و برادری کو ترجیح نہیں دیتا ہے، اگر اس نے کسی سے تعلق کو مضبوط کیا ہے تو اس بنا پر کہ وہ اللہ تعالی کا فرمانبردار ہے اور اگر کسی سے دشمنی اختیار کی ہے تو وہ بھی اس بنا پر کہ وہ اللہ تعالی کا نافرمان ہے۔

عصرِ حاضر میں اس قسم کا تعلق انتہائی شاذ و نادر ہے، بلا شبہ ہر کوئی اپنی دوستی کی پینگیں بڑھا رہا ہے، لیکن کسی کی بنیاد حسن و جمال ہے، کوئی برادری ازم کو ترجیح دیتا ہے، کوئی سکول کی کلاس اور علاقہ کو مدنظر رکھتا ہے، کوئی اپنے بڑوں کے تعلق کا لحاظ کر رہا ہے، کوئی اپنے پیشے کے لوگوں کو اپنی محبتوں کا مستحق سمجھ رہا ہے، غرضیکہ محض اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کے لیے دوسروں لوگوں سے محبت کرنے والے بہت کم لوگ ہیں۔

قارئین کرام! یہ نقطہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ کسی برے آدمی سے بغض یا عدم دوستی کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے مکمل طور پر قطع تعلقی کی جائے یا جہاں وہ ملے اس سے اعراض کیا جائے۔ شریعتِ اسلامیہ نے کافروں اور مشرکوں سے بھی حالات کے مطابق حسن سلوک اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، بلکہ آپ ﷺ غیر مسلموں کی دعوت بھی قبول کر لیا کرتے تھے۔ شریعت نے جس دوستی و دشمنی کی تعلیم دی ہے، اس کا تعلق دل سے ہے اور جنگ جیسے مخصوص زمان و مکاں میں ظاہری حالات سے بھی ہوتا ہے۔ اس چیز کو آپ اس مثال سے سمجھیں کہ آپ کے سامنے پانچ پانچ سال عمر کے دو بچے کھڑے ہیں، ایک آپ کا اپنا بچہ ہے اور دوسرا کسی ایسے آدمی کا ہے، جس کے ساتھ آپ کے تعلقات اچھے نہیں ہیں۔

لیکن آپ شریعت کا لحاظ کر کے دونوں بچوں سے ظاہری طور پر برابر کا پیار کرتے ہیں، دونوں کے سروں پر دستِ شفقت رکھتے ہیں، دونوں کو کھانے کے لیے برابر مقدار کی چیز دیتے ہیں، لیکن اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ آپ کے دل میں جتنا پیار و محبت اپنے بچے کا ہے، اتنا کسی دوسرے کا نہیں ہو سکتا، آپ کو جو لطف اپنے بچے سے پیار کر کے ہو گا، وہ دوسروں کے بچوں کے ساتھ محبت کرنے سے محسوس نہیں ہوتا، بلکہ بعض لوگ اپنے غیر نمازی بچے کو دوسروں کے نمازی بچوں پر بھی ترجیح دیتے ہیں۔ یہی معاملہ اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کے بارے میں ہے کہ آپ کے دل میں جو مقام مکمل مسلمان کا ہو، وہ ناقص مسلمانوں اور دوسرے لوگوں کا نہیں ہونا چاہیے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ روزِ قیامت فرمائے گا: کہاں ہیں وہ لوگ جو میری عظمت کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے؟ آج میں ان کو اپنے سائے میں جگہ دوں گا، اور آج میرے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہے۔'' (مسلم: ٢٥٦٦)

ایمان اور جہاد افضل اعمال ہیں

(١١٩)۔ عَنْ أَبِي ذَرٍّ مَرْفُوْعاً: ((أَفْضَلُ الْعَمَلِ إِيْمَانٌ بِاللّٰهِ، وَجِهَادٌ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ.)) (الصحيحة: ١٤٩٠)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ پر ایمان لانا اور اس کے راستے میں جہاد کرنا افضل عمل ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن حبان: ٩٤، ورواه مسلم: ١/ ٦٢، بلفظ: قلت: يا رسول الله! أي الأعمال افضل؟ قال: ((الايمان بالله، والجهاد في سبيله۔ ......))

فوائد: ......اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی ذات وصفات کو من وعن تسلیم کیا جائے اور صفات کے تقاضوں پر یقینِ کامل رکھا جائے، بطورِ مثال رزق دینا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور رزق کے لئے جائز اسباب و ذرائع استعمال کرنے کا حکم بھی اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، اب جو انسان حرام وسائل کے ذریعے رزق اکٹھا کرتا ہے یا حلال اسباب استعمال کرنے کے بعد کمی کے ڈر سے صدقہ نہیں کرتا یا نماز کے وقت دوکان بند کر کے نماز نہیں پڑھتا، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رزّاق ہونے کا تقاضا پورا نہیں کر رہا، اور اسے اللہ تعالیٰ کی صفت ''رزق دینا'' پر مکمل اعتماد نہیں ہے، ایمان و ایقان صرف خیالی پلاؤ کا نام نہیں بلکہ اعمال کے ساتھ اس کا گہرا تعلق ہے۔

دین اسلام کی حفاظت وحمایت اور اللہ کے کلمے کی سر بلندی کیلئے باغیوں، سرکشوں، ملحدوں اور بے دین لوگوں سے لڑنے میں پوری جدوجہد کرنا جہاد فی سبیل اللہ کہلاتا ہے، یہ انتہائی باکمال اور باعظمت عمل ہے، حدیث نبوی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے لئے جنت میں سو درجے تیار کر رکھے ہیں، دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ زمین و آسمان کے مابین ہے۔ (بخاری: ٢٧٩٠) اللہ کے راستے میں خاک آلود ہونے والے پاؤں آتشِ دوزخ سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ (بخاری: ٢٨١١) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجاہد کی مثال اس روزے دار اور قیام کرنے والے کی

طرح ہے جو روزے رکھنے اور قیام کرنے سے اکتاتا ہی نہیں۔'' (بخاری: ۲۷۸۷، مسلم: ۱۸۷۸) نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں تو چاہتا ہوں کہ مجھے اللہ کے راستے میں شہید کر دیا جائے، پھر زندہ کر دیا جائے، پھر شہید کر دیا جائے، پھر زندہ کر دیا جائے، پھر شہید کر دیا جائے، پھر زندہ کر دیا جائے، پھر شہید کر دیا جائے۔'' (بخاری: ۲۷۹۷، مسلم: ۱۸۷۶) اگر زندگی میں جہاد کرنے کا موقع مل جائے تو اسے اپنی سعادت اور خوش قسمتی سمجھا جائے وگرنہ کم از کم جہاد فی سبیل اللہ کی پختہ نیت رکھنا واجب ہے، موقع میسر آنے پر قطعاً گریز نہ کیا جائے، اسلامی زندگی اسی جذبۂ قربانی سے وابستہ ہے۔ اللہ تعالی ہمارے لئے بھی ایسے وسائل و ذرائع پیدا فرمائے کہ ہم بھی اس عظیم عبادت میں اپنا حصہ ڈال سکیں۔ (آمین)

اسلام، جہاد اور ہجرت کی اقسام

(۱۲۰)۔ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ زِيَادٍ، قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ فَقَالَ: أَيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَفْضَلُ إِسْلَامًا؟ قَالَ: ((أَفْضَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ إِسْلَامًا مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، وَأَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي ذَاتِ اللّٰهِ وَأَفْضَلُ الْمُهَاجِرِيْنَ مَنْ جَاهَدَ لِنَفْسِهِ وَهَوَاهُ فِي ذَاتِ اللّٰهِ.)) قَالَ: أَنْتَ قُلْتَهُ يَا عَبْدَاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو أَوْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَ: بَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَهُ (الصحيحة: ١٤٩١)

علا بن زیاد کہتے ہیں: ایک آدمی نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: اسلام کے لحاظ سے کون سے مومن افضل ہیں؟ انھوں نے کہا: ''اسلام کے لحاظ سے افضل مومن وہ ہیں جن کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہتے ہیں۔ اللہ تعالی کی ذات کے لئے اپنے نفس نے جہاد کرنا افضل جہاد ہے اور اللہ تعالی کی ذات کی خاطر اپنے نفس اور خواہش کا مقابلہ کرنا افضل ہجرت ہے۔'' اس نے کہا: اے عبد اللہ بن عمر! یہ باتیں آپ کی ہیں یا رسول اللہ ﷺ کی؟ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائیں ہیں۔

تخريج: أخرجه ابن نصر في "الصلاة" ٢/١٤٢، ورواه الطبراني في "الكبير" نحوه۔

نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے خطبے میں فرمایا تھا: ''بے شک تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم پر ایسے ہی حرام ہیں جیسے مکہ شہر میں اور ذوالحجہ کے مہینے میں اس دن (یعنی دس ذوالحجہ) کی حرمت ہے۔'' (صحیح بخاری: ۱۰۵، صحیح مسلم: ۱۶۷۹) اب ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ انانیت اور چودھراہٹ کے جذبات سے سرشار ہو کر کسی دوسرے ادنی سے ادنی مسلمان کی حرمت کو پامال نہ کرے وگرنہ اسے بروز قیامت اللہ تعالی کے ہاں جواب دہ ہونا پڑے گا۔

حقیقی مجاہد اور مہاجر وہی ہے جو اپنے نفس کی مخالفت کرتے ہوئے اللہ تعالی کی نافرمانیوں کو ترک کر دے، اگر ایک انسان ہجرت (یعنی ترک وطن) اور جہاد کے باوجود اللہ تعالی کی معصیتوں سے پرہیز نہیں کرتا تو ایسی ہجرت اور جہاد کا کیا

فائدہ جو اس کے نفس میں ہی نیکی کا رجحان پیدا نہ کر سکے؟ ہجرت اور جہاد تو اس چیز کا نام ہے کہ اللہ تعالی کی خوشنودی کی خاطر اس کے اوامر ونواہی کی پابندی کی جائے، وہ پابندی اپنا وطن چھوڑنے کی صورت میں ہو یا اسلام کی سربلندی کے لئے اللہ کے دشمنوں سے پنجہ آزمائی کرنے کی صورت میں یا شریعت کی منع کردہ چیزوں سے باز رہنے کی صورت میں۔

افضل ہجرت

(۱۲۱)۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْسَةَ مَرْفُوْعاً: ((اَفْضَلُ الْهِجْرَةِ أَن تَهْجُرَ مَاكَرِهَ رَبُّكَ عَزَّوَجَلَّ .)) (الصحيحة: ٥٥٣)

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالی کی ناپسندیدہ چیزوں کو ترک کر دینا افضل ہجرت ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد

فوائد:...... حقیقی ہجرت تو یہی ہے کہ مسلمان اپنے نفس کی مخالفت کرتے ہوئے اللہ تعالی کی نافرمانیوں کو چھوڑ دے، اسی مقصد کی تکمیل کے لیے اپنے وطن کو خیر آباد کہا جاتا ہے، وگرنہ اس ہجرت کا کیا فائدہ، جس کے بعد بھی انسان میں نیکی کی رغبت اور بدی سے نفرت پیدا نہ ہو۔ ہجرت کا اصل مفہوم تو یہ ہے کہ اللہ تعالی کے اوامر ونواہی کی پابندی کی جائے، وہ وطن ترک کرنے کی صورت میں ہو یا اللہ تعالی کے ناپسندیدہ امور کو ترک کرنے کی صورت میں۔

کامیابی کا راز

(۱۲۲)۔ عَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((اَفْلَحَ مَنْ هُدِيَ إِلَى الْإِسْلَامِ، وَكَانَ عَيْشُهُ كِفَافاً، وَقَنَعَ بِهِ .)) (الصحيحة: ١٥٠٦)

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''وہ آدمی کامیاب ہو گیا جسے اسلام کی طرف ہدایت نصیب ہو گئی ہو، اس کی گزر بسر کا سامان برابر برابر ہو اور وہ اس پر قناعت کرنے والا ہو۔''

تخريج: أخرجه الحاكم: ٤/ ١٢٢، وأخرجه الترمذي: ٢/ ٥٦، وابن حبان: ٢٥٤١، والحاكم: ١/ ٣٥، واحمد: ٦/ ١٩ بلفظ: ((طوبى لمن هدى ....))

فوائد:...... مشرف باسلام ہونا ہی مقصدِ تخلیقِ انسانیت ہے، اس سلسلے میں امیر وغریب اور اعلی وادنی برابر ہیں۔ لیکن عام طور پر قبولیتِ اسلام کے بعد اس مذہب سے کما حقہ مستفید ہونے والے مفلس و نادار لوگ ہوتے ہیں، سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے غریب، معاشرے کے بے وقعت اور غلام لوگ تھے اور صحابۂ کرام کی اکثریت نے فقر و فاقہ کی زندگی بسر کی۔

اس سلسلے میں یہ حقیقت ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ مال و دولت کی کثرت و بہتات نے زیادہ تر لوگوں کے مزاجوں میں فساد پیدا کر دیا ہے۔ امیر لوگ اپنی امیری کی بنا پر ناز کرتے ہوئے اپنے آپ کو بلند مرتبت اور کم آمدنی والوں کو کم تر سمجھتے ہیں، ان کے تعلق یا دوستی کی بنیاد روپے پیسے پر ہوتی ہے۔ اگر عبادات کے معاملے کو سامنے رکھیں تو

عام لوگوں کی فتح نظر آتی ہے، کسی مسجد کے نمازیوں کی تعداد میں عام لوگوں اور سونے کا چمچ لے کر پیدا ہونے والوں کا تناسب دیکھا جا سکتا ہے، تلاوتِ قرآن اور حفظِ قرآن کے سلسلے میں موازنہ کیا جا سکتا ہے، میں نے اپنی زندگی میں چند امیر افراد پائے جنھوں نے قرآن مجید حفظ کیا اور پھر آرام پرستی کی وجہ سے اس کو بھلا دیا۔ علی ہذا القیاس۔ دوسری بات یہ ہے کہ امیر لوگ دنیا میں من پسند ماکولات کھاتے ہیں، چاہت کے مطابق لباس پہنتے ہیں، پرشکوہ اور پرسکون محلات میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ ،غرضیکہ ان کو دنیا کی ہر قسم کی سہولت دستیاب ہوتی ہے، دوسری طرف غریب اور معمولی آمدنی والوں کا معاملہ واضح ہے، یہی وجوہات ہیں کہ مساکین امیروں کی بہ نسبت پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

قارئین کرام! ہماری مندرجہ بالا گزارشات کسی خاص فرد سے متعلقہ نہیں ہے. ہم نے مطلق طور پر ماحول کو دیکھ کر یہ فرق بیان کیا، اگر مخصوص افراد کو دیکھا جائے تو بعض امیر لوگ بعض غریبوں سے افضل ہوں گے۔

تورات میں رسول اللہ ﷺ کی صفات کا تذکرہ

(١٢٣)۔ عَنْ أَبِي صَخْرٍ الْعُقَيْلِيِّ: حَدَّثَنِي رَجُلٌ مِّنَ الْأَعْرَابِ قَالَ: جَلَبْتُ جُلُوْبَةً إِلَى الْمَدِيْنَةِ فِي حَيَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنْ بَيْعَتِي، قُلْتُ: لَأَلْقِيَنَّ هٰذَا الرَّجُلَ، فَلَأَسْمَعَنَّ مِنْهُ قَالَ: فَتَلَقَّانِي بَيْنَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ، يَمْشُوْنَ فَبَعَثْهُمْ فِي أَقْفَائِهِمْ حَتّٰى أَتَوْا عَلٰى رَجُلٍ مِنَ الْيَهُوْدِ نَاشِرًا التَّوْرَاةَ يَقْرَؤُهَا، يُعَزِّي بِهَا نَفْسَهُ عَلٰى ابْنٍ لَهُ فِي الْمَوْتِ، كَأَحْسَنِ الْفِتْيَانِ وَأَجْمَلِهِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَنْشُدُكَ بِالَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ! هَلْ تَجِدُ فِي كِتَابِكَ صِفَتِي وَمَخْرَجِي؟)) فَقَالَ بِرَأْسِهِ هٰكَذَا، أَيْ: لَا، فَقَالَ ابْنُهُ: إِي وَالَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ! إِنَّا لَنَجِدُ فِي كِتَابِنَا صِفَتَكَ وَمَخْرَجَكَ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ: ((أَقِيْمُوْا الْيَهُوْدِيَّ عَنْ أَخِيْكُمْ)) يَعْنِي: ابْنَ

ابوصخر عقیلی کہتے ہیں: مجھے ایک بدو نے بیان کرتے ہوئے کہا: میں رسول اللہ کی زندگی میں مدینہ میں کچھ سامانِ تجارت لایا، میں نے اپنی تجارت سے فارغ ہو کر کہا: میں ضرور اس آدمی (یعنی محمد ﷺ) کے پاس جاؤں گا اور اس کی باتیں سنوں گا۔ جب رسول اللہ ﷺ مجھے ملے تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی آپ کے ہمراہ تھے، آپ نے ان کو پیچھے بھیج دیا، ہم ایک یہودی کے پاس گئے، وہ تورات کھول کر پڑھ رہا تھا، اس کے ذریعے اپنے آپ کو تسلی دے رہا تھا، کیونکہ اس کا انتہائی حسین و جمیل نوجوان بچہ موت و حیات کی کشمکش میں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: ''میں تجھے تورات نازل کرنے والی ذات کی قسم دیتا ہوں! کیا تو اپنی کتاب میں میری صفات اور جائے ظہور کا تذکرہ پاتا ہے؟'' اس نے سر سے ''نہیں'' کا اشارہ کیا۔ لیکن اس کے بیٹے نے کہا: جی ہاں، تورات کو نازل کرنے والی ذات کی قسم! ہم اپنی کتاب میں آپ کی صفات اور جائے ظہور کا تذکرہ پاتے ہیں اور میں اب گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ہی معبودِ برحق ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (یہ سن کر) آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس یہودی کو

الْيَهُوْدِيِّ الَّذِيْ أَسْلَمَ، ثُمَّ وَلِيَ كَفَنَهُ وَحَنَّطَهُ، وَصَلَّى عَلَيْهِ۔

(الصحيحة:٣٢٦٩)

اپنے بھائی سے ہٹا دو۔'' آپ کی مراد یہودی کا بیٹا تھا، جس نے اسلام قبول کیا۔ پھر آپؐ نے اس کے کفن کا انتظام وانصرام کیا، اسے حنوط خوشبو لگائی اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٤١١

فوائد:......اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کے مذہبی ادب، جو اصل حالت پر برقرار تھا، میں رسول اللہ ﷺ کی نبوت ورسالت، اس کے وقت اور آپ کے شہروں کا بھی تعین کر دیا گیا تھا۔ سورۂ فتح کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح کیا کہ صحابہ کرام کی صفات بھی تورات وانجیل میں بیان کی گئی تھیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَالْإِنْجِيْلِ ﴾ (سورۂ اعراف: ١٥٦)

''جو لوگ ایسے رسول نبی امی کی اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔''

قرآن مجید کی اس شہادت سے معلوم ہوا کہ تورات وانجیل میں آپ ﷺ کا تذکرہ موجود تھا۔ حیران کن بات یہ ہے کہ عیسائی، یہودی اور ہندو نبیٔ آخر الزمان، اسلام اور اہل اسلام کے دشمن ہیں، انھوں نے جان بوجھ کر اپنی اپنی کتابوں میں تحریفیں کیں ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کی کتب میں ایسی عبارات موجود ہیں، جن کا واضح طور پر مصداق حضرت محمد ﷺ ٹھہرتے ہیں۔ آپ ﷺ کی زندگی میں ورقہ بن نوفل، نجاشی اور ہرقل جیسے عظیم لوگوں نے ان حقائق کا اعتراف کر لیا تھا، اس سلسلے میں سب سے زیادہ سبق آموز واقعہ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا ہے۔

تورات تاریخ یہودیت کے پہلے تین ادوار میں ہی ضیاع اور آتش زنی کا شکار ہو چکی تھی، .... بہر حال یہ ایک الہامی کتاب ہے، ہم اپنے موضوع سے متعلقہ چند ایک اقتباسات نقل کریں گے، تاکہ آپ ﷺ کی شان میں اضافہ ہو جائے۔

تورات سِفر التثنیہ میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ بنی اسرائیل سے کہہ دیجئے کہ میں ان کے لیے آخری زمانہ میں آپ کی ہی طرح کا ایک نبی بھیجوں گا، جو ان کے بھائیوں کی اولاد میں سے ہو گا اور میں اپنے کلام کو اس کی زبان پر جاری کروں گا۔

ڈاکٹر محمد لقمان سلفی نے کہا: اور یہ بات معلوم ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہر نبی بنی اسرائیل میں سے ہوا اور ان میں آخری نبی عیسیٰ علیہ السلام ہوئے اور ان کے بھائیوں کی اولاد میں سے حضرت محمد ﷺ نبی ہوئے، اس لیے کہ وہ اسماعیل کی اولاد میں سے تھے اور اسماعیل، اسحاق کے بھائی تھے۔ اگر یہ بشارت بنی اسرائیل کے نبیوں میں سے کسی نبی کے بارے

میں ہوتی تو ان کے بھائیوں کا ذکر بے معنی ہوتا۔ (الصادق الامین: ص ۹۲)

سفر التثنیہ میں ہے: اور رب سینا سے آیا، اور ان کے لیے ساعیر سے چمکا اور جبل فاران سے آتا ہوا جلوہ افروز ہوا اور اس کے ساتھ دس ہزار پاکباز لوگ آئے اور اس کے دائیں ہاتھ سے ان کے لیے شریعت کی آگ ظاہر ہوئی۔ (سفر التثنیہ: باب ۳۲، عربی ترجمہ)

چار ممنوعہ امور

(۱۲٤)۔ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ قَيْسٍ الْأَشْجَعِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ: ((أَلَا إِنَّمَا هُنَّ أَرْبَعٌ: أَنْ لَّا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا، وَلَا تَقْتُلُوْا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَلَا تَزْنُوْا، وَلَا تَسْرِقُوْا.)) قَالَ: فَمَا أَنَا بِأَشَحَّ عَلَيْهِنَّ مِنِّي إِذَا سَمِعْتُهُنَّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔

حضرت سلمہ بن قیس اشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: ”خبردار! یہ چار چیزیں ہیں: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کسی نفس کو قتل نہ کرنا مگر حق کے ساتھ، زنا نہ کرنا اور چوری نہ کرنا۔“ جب میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ کلمات سنے ہیں، تو اب ان کو بیان کرنے میں کسی قسم کی بخیلی نہیں کروں گا۔

(الصحيحة: ۱۷۵۹)

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ۳۳۹، والطبراني: ٦۳۱٦۔ ٦۳۱۷

فوائد: ......اسلام میں تین افراد کو قتل کرنا حق ہے: (۱) قاتل، (۲) شادی شدہ زانی اور (۳) مرتد۔

اسلام میں دور اندیشی کیا ہے؟

(۱۲۵)۔ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رضي الله عنه أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ فِي مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ يُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ لَا يَزِيْدُ عَلَيْهَا، فَيُقَالُ لَهُ: أَتُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ لَا تَزِيْدُ عَلَيْهَا يَا أَبَا إِسْحَاقَ؟ فَيَقُوْلُ: نَعَمْ، إِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((الَّذِيْ لَا يَنَامُ حَتّٰى يُوْتِرَ حَازِمٌ.))

سیدنا سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں عشا کی نماز مسجد نبوی میں پڑتا تھا، اس کے بعد ایک رکعت وتر پڑھتا تھا۔ مجھے کہا جاتا تھا: ابو اسحق! آپ نماز وتر کی ایک ہی رکعت پڑھتے ہیں، زیادہ نہیں پڑھتے، (کیا وجہ ہے)؟ میں کہتا: جی ہاں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ”وہ دور اندیشی سے کام لے رہا ہے جو سونے سے پہلے وتر ادا کر لیتا ہے۔“

(الصحيحة: ۲۲۰۸)

تخريج: أخرجه أحمد: ۱/ ۱۷۰

فوائد: ......معلوم ہوا کہ اسلام کے ہاں دور اندیشی اور عقلمندی یہ ہے کہ زندگی کے امور کو ایسے انداز میں مرتب

کیا جائے کہ فرائض تو فرائض، مستحبات بھی فوت نہ ہونے پائیں، اس حدیث میں ایک مثال بیان کی گئی ہے۔ نمازِ فجر کے لیے اٹھنے کے لیے کسی ساتھی کو جگانے کا کہہ دینا یا الارم وغیرہ کا انتظام کرنا، سفر کے دوران کی نمازوں کی ادائیگی کا سوچنا، ہمسائیوں اور قرابتداروں کے سلسلے میں ہر اس امر سے اجتناب کرنا، جس سے قطع تعلقی لازم آتی ہو۔ علی ہذا القیاس۔ دوسرے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی احکام کی روشنی میں حکمت و دانائی کے ساتھ زندگی گزارنا اور ہر کام کرنے سے پہلے اس کے انجام پر غور کرنا دور اندیشی ہے۔

کسی کی عبادت کرنے کا مفہوم
﴿اِتَّخَذُوْا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کی تفسیر

(۱۲۶)۔ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَفِي عُنُقِي صَلِيْبٌ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ: ((يَاعَدِيُّ! أُطْرُحْ هٰذَا الْوَثَنَ.)) وَسَمِعْتُهُ يَقْرَأُ فِي سُوْرَةِ بَرَاءَةٍ: ﴿اِتَّخَذُوْا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (سورة التوبة:۳۱) فَقُلْتُ: إِنَّا لَسْنَا نَعْبُدُهُمْ قَالَ: ((أَمَا إِنَّهُمْ لَمْ يَكُوْنُوْا يَعْبُدُوْنَهُمْ وَلٰكِنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا أَحَلُّوْا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحَلُّوْهُ، وَإِذَا حَرَّمُوْا عَلَيْهِمْ، شَيْئًا حَرَّمُوْهُ، فَتِلْكَ عِبَادَتُهُمْ.)) (الصحيحة:۳۲۹۳)

سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور میری گردن میں سونے کی صلیب تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''عدی! اس بت کو پھینک دے۔'' پھر میں نے آپ ﷺ کو سورۂ براہ کی یہ آیت پڑھتے سنا: ﴿ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے﴾ میں نے کہا: ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''آگاہ ہو جا! وہ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے، لیکن جب وہ کوئی چیز حلال کرتے تو ان کو ماننے والے اس چیز کو حلال سمجھتے اور جب وہ کوئی چیز حرام کرتے تو وہ اسے حرام سمجھتے، تو یہ ان کی عبادت ہوئی۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "التاريخ": ٤/ ١/ ١٠٦، والترمذي في "السنن": ٣٠٩، و الطبراني في "المعجم الكبير": ١٧/ ٩٢/ ٢١٨ و ٢١٩، وابن جرير في "التفسير": ١٠/ ٨٠، والبيهقي في "السنن": ١٠/ ١١٦

فوائد: ...... عبادت کا مفہوم صرف نماز روزہ اور حج وعمرہ کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور کو حرام سمجھنا اور حلال کردہ امور کو حلال سمجھنا بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، کیونکہ حلال وحرام کے تعین کا اختیار اور حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اگر کوئی شخص کسی اور کے اندر اس حق کو تسلیم کرتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اس کو اپنا ربّ بنا لیا ہے۔

اس آیت اور حدیث میں ان لوگوں کے لیے بڑی تنبیہ ہے، جنہوں نے اپنے اپنے اماموں، پیشواؤں، پیروں اور

اماموں کو تحلیل و تحریم کا منصب دے رکھا ہے، جب ان کے سامنے ایسی آیات و احادیث پیش کی جاتی ہیں، جو ان کے اماموں کے فتووں کی مخالف ہوتی ہیں تو وہ سوچ و بچار میں پڑ جاتے ہیں اور پس و پیش سے کام لیتے ہوئے اپنے امام کے قول پر اکتفا کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کو ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ یہ روش تو یہود و نصاریٰ کی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صرف قرآن و حدیث کا مکلّف ٹھہرایا ہے، کسی کی سمجھ اور فقہ کا نہیں۔

کب تک لوگوں سے قتال کیا جائے؟

(١٢٧)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((أُقَاتِلُ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَيُؤْمِنُوْا بِي وَبِمَاجِئْتُ بِهِ، فَإِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ، عَصَمُوْا مِنِّي دِمَاءَ هُمْ وَأَمْوَالَهُمْ، إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ.)) (الصحيحة:٤١٠)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں لوگوں سے اس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک ایسا نہ ہو جائے کہ وہ یہ گواہی دیں کہ اللہ ہی معبودِ برحق ہے اور مجھ پر اور میری لائی ہوئی شریعت پر ایمان لے آئیں۔ جب وہ ایسا کریں گے تو اپنے خونوں اور مالوں کو مجھ سے محفوظ کر لیں گے، ما سوائے اسلام کے حق کے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہوگا۔''

تخريج: أخرجه مسلم:١/ ٣٩، وهو حديث متواتر

(١٢٨)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، وَأَنْ يَّسْتَقْبِلُوْا قِبْلَتَنَا وَيَأْكُلُوْا ذَبِيْحَتَنَا، وَأَنْ يُّصَلُّوْا صَلَاتَنَا، فَإِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَاؤُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا، لَهُمْ مَالِلْمُسْلِمِيْنَ، وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ.)) (الصحيحة:٣٠٣)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے اس وقت تک لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا جب تک ایسا نہ ہو جائے کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ ہی معبودِ برحق ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں، (نیز) وہ ہمارے قبلہ کی طرف متوجہ ہوں، ہمارا ذبیحہ کھائیں اور ہماری نماز پڑھیں۔ جب وہ ایسا کریں گے تو ہم پر ان کے خون اور مال حرام ہو جائیں گے، ما سوائے اسلام کے حق کے، انھیں وہی حقوق ملیں گے جو مسلمانوں کے ہوتے ہیں اور ان پر وہی ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو عام مسلمانوں پر ہوتی ہیں۔''

تخريج: أخرجه أبو داود: ٢٦٤١، ٢٦٤٢، والترمذي: ٢/ ١٠٠، عن سعيد بن يعقوب الطالقاني، والنسائي: / ١٦١و٢٦٩، وابن حبان: ٧/ ٥٥٧/ ٥٨٦٥۔ الاحسان، عن حبان۔ وهو ابن موسى المروزي، وأحمد: ٣/ ١٩٩

(١٢٩)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ ﷺ: ((أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَمَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ، إِلَّا بِحَقِّهِ، وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ.)) (الصحيحة:٤٠٧)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اس وقت تک لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جب تک وہ ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه'' نہیں کہہ دیتے۔ جب وہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' کہہ دیں گے تو مجھ سے اپنے مال و جان کو محفوظ کر لیں گے، ما سوائے اسلام کے حق کے، اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہو گا۔''

تخريج: هو حديث متواتر وله طرق عن ابى هريرة، انظر التفصيل فى الصحيحة ونحن نذكر ملخصا و ما لا بد منه، فنقول: أخرجه البخارى: ٣/ ٢٠٦، ١٢/ ٢٣٢۔ ٢٣٤، ١٣/ ٢٠٦، ومسلم: ١/ ٣٨، ٣٩، و أبوداود: ١/ ٢٤٣، والنسائى؛ ٢/ ١٦١، ١٦٢، والترمذى:٢/ ١٠٠۔ طبع بولاق، وابن ماجه: ٢/ ٤٧٥، وأحمد: ١/ ١٩، ٣٥، ٤٧۔ ٤٨، ٢/ ٣١٤، ٤٢٣، ٤٢٩، ٤٧٥، ٤٨٢، ٥٠٢، ٥٢٧، ٥٢٨، وابن الجارود فى "المنتقى": ١٠٣٢، و ابن حبان: ١/ ١٩٩۔ ٢٠٠

(١٣٠)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ ﷺ: ((أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَيُقِيْمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَإِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ، عَصَمُوْا مِنِّي دِمَاءَ هُمْ وَأَمْوَالَهُمْ، إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ.)) (الصحيحة: ٤٠٨)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ (اس توحید و رسالت کے اقرار کے بعد) وہ نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں۔ جب وہ ایسا کر لیں گے تو مجھ سے اپنا خون اور اپنا مال محفوظ کر لیں گے، سوائے حقِ اسلام کے۔ اور ان (کے باطن) کا حساب اللہ کے سپرد ہو گا۔''

تخريج: أخرجه البخارى: ١/ ٦٣۔ ٦٤، ومسلم: ١/ ٣٩

(١٣١)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ ﷺ: ((أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَإِذَا قَالُوْا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، عَصَمُوْا مِنِّي دِمَاءَ هُمْ وَأَمْوَالَهُمْ، إِلَّا بِحَقِّهَا، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ۔ لَّسْتَ

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا کہ میں اس وقت تک لوگوں سے لڑتا رہوں، جب تک وہ ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه'' نہیں کہہ دیتے۔ جب وہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' کہیں گے، تو وہ اپنے خون اور مال مجھ سے محفوظ کر لیں گے، سوائے حقِ اسلام کے اور ان (کے باطن) کا حساب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔'' پھر آپ ﷺ

عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾ .)) (الصحيحة:٤٠٩)

نے یہ آیت تلاوت کی: ﴿ آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔ آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں ﴾

تخريج: أخرجه مسلم، والترمذي: ٢/ ٢٣٧۔ طبع بولاق، وأحمد: ٣/ ٣٠٠ و الحاكم: ٢/ ٥٢٢ وله طرق غيرها عن ابى الزبير۔

فوائد :......ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ خلیفۂ مسلمین ان لوگوں سے قتال کرے گا، جو درج ذیل تمام امور یا ان میں سے کوئی ایک سرانجام نہیں دیں گے:

☆ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کی شہادت دینا

☆ نبی کریم ﷺ کے رسول اور بندہ ہونے پر ایمان لانا

☆ آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان لانا اور اس کو برحق سمجھنا

☆ مسلمانوں کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا

☆ مسلمانوں کا ذبیحہ کھانا

☆ اور زکوۃ ادا کرنا

یہی وجہ ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق نے منکرین احادیث سے قتال کیا تھا۔

''مگر اسلام کے حق کی وجہ سے'' کا مطلب یہ ہے کہ اگر قبولِ اسلام کے بعد کسی نے کوئی ایسا جرم کیا جو قابل حد ہے، تو وہ حد اس پر نافذ ہوگی، جیسے: چوری کی وجہ سے ہاتھ کا کٹنا، زنا کی وجہ سے سو کوڑے لگنا یا سنگسار کیا جانا، ناحق قتل کے قصاص میں قتل کیا جانا۔ اسی طرح اسلامی احکام کی روشنی میں اس کا مال بھی لیا جائے گا، مثلا زکوۃ وغیرہ۔

امام البانی رحمہ اللہ نے سیدنا جابر بن عبد اللہ کی حدیث پر لکھا: اس حدیث میں واضح دلالت موجود ہے کہ اسلام کی دعوت کو نشر کرنے کے لیے بتقاضۂ ضرورت قتال کرنا واجب ہے۔ (صحیحہ: ٤٠٩)

مختلف آدابِ اسلامی

(١٣٢)۔ عَنْ جَابِرٍ: أَمَرَنَا ﷺ بِأَرْبَعٍ، وَنَهَانَا عَنْ خَمْسٍ: (١) إِذَا رَقَدتَّ فَأَغْلِقْ بَابَكَ (٢) وَأَوْكِ سِقَائَكَ (٣) وَخَمِّرْ إِنَائَكَ (٤) وَأَطْفِ مِصْبَاحَكَ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ بَاباً، وَلَا يَحِلُّ وِكَاءً، وَلَا يَكْشِفُ غِطَاءً، وَإِنَّ الْفَأْرَةَ الْفُوَيْسِقَةَ تَحْرِقُ عَلَى أَهْلِ الْبَيْتِ بَيْتَهُمْ۔ (١)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں چار چیزوں کا حکم دیا اور پانچ چیزوں سے منع کیا: (۱) سوتے وقت دروازہ بند کرنا، (۲) مشکیزے کا منہ باندھنا، (۳) برتن ڈھانکنا اور (۴) (سوتے وقت) چراغ بجھا دینا، کیونکہ شیطان (بند کیا ہوا) دروازہ نہیں کھولتا، مشکیزے کا منہ نہیں کھولتا، برتن سے اس کا ڈھکن نہیں اتارتا اور یہ فاسق جانور چوہیا (جلتے چراغ کی وجہ سے) گھر کو گھر والوں سمیت جلا دیتی ہے۔ (جن پانچ

وَلَاتَـأْكُـلْ بِشِمَـالِكَ، (٢) وَلَاتَشْـرَبْ بِشِـمَالِكَ (٣) وَلَاتَمْشِ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ، (٤) وَلَاتَشْتَمِـلِ الصَّمَّاءَ (٥) وَلَاتَحْتَبِ فِي الْإِزَارِ مُفْضِيًا.))

(الصحيحة: ٢٩٧٤)

چیزوں سے منع کیا وہ یہ ہیں:) (۱) بائیں ہاتھ سے نہیں کھانا، (۲) بائیں ہاتھ سے نہیں پینا، (۳) ایک جوتے میں نہیں چلنا، (۴) چادر کو پہلے دائیں ہاتھ اور بائیں مونڈھے پر اور پھر بائیں ہاتھ اور دائیں مونڈھے پر ڈال کر نہیں لپیٹنا (یا چادر کو ہر طرف سے اس طرح نہیں لپیٹنا کہ ہاتھ بھی باہر نہ نکل سکیں) اور (۵) اس طرح حبوہ نہیں باندھنا کہ شرمگاہ نظر آ رہی ہو۔''

تخريج: أخرجه بهذا التمام ابن حبان: ١٣٤٢- موارد، وأخرجه ابو عوانة في "صحيحه": ٥/ ٥٠٨، واحمد: ٣/ ٢٩٧، ومسلم: ٦/ ١٥٤ مع زيادة و نقص في بعض الامور

فوائد: ...... حدیث اپنے مفہوم میں انتہائی واضح ہے، بجلی کے عام بلب، زیرو بلب اور ٹیوب لائیٹ وغیرہ کو چراغ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

حبوہ: وہ نشست جس میں آدمی سرین کے بل بیٹھ کر اپنی دونوں پنڈلیاں ملا کر گھٹنے کھڑے کر لیتا ہے اور ہاتھ پنڈلیوں پر باندھ لیتا ہے یا کمر اور پنڈلیوں کے گرد کپڑا وغیرہ باندھ لیتا ہے۔ یہ صورت اس وقت منع ہے جب شرمگاہ نظر آ رہی ہو۔

اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اہل اسلام کے لیے مضر

(١٣٣)۔ عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ رَجُلٌ قَرَأَ الْقُرْآنَ، حَتّٰى إِذَا رُئِيَتْ بَهْجَتُهُ عَلَيْهِ، وَكَانَ رِدْءً لِلْإِسْلَامِ، انْسَلَخَ مِنْهُ وَنَبَذَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ، وَسَعٰى عَلٰى جَارِهِ بِالسَّيْفِ وَرَمَاهُ بِالشِّرْكِ.)) قُلْتُ: يَانَبِيَّ اللّٰهِ! أَيُّهُمَا أَوْلٰى بِالشِّرْكِ، الرَّامِيُّ أَوِ الْمَرْمِيُّ؟ قَالَ: ((بَلِ الرَّامِيُّ.))

(الصحيحة: ٣٢٠١)

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تمھارے حق میں سب سے زیادہ ڈر اس آدمی سے ہے جو قرآن مجید پڑھے گا، جب اس کی آواز کے حسن کا چرچا ہو جائے گا، تو اسے اسلام کا پشت پناہ سمجھا جائے گا، لیکن (حقیقت حال یہ ہو گی کہ) وہ اسلام سے عاری ہو گا، اسے پشت کے پیچھے پھینک دے گا، اپنے پڑوسی پر تلوار اٹھائے گا اور اس پر شرک کا الزام دھرے گا۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! ان دونوں میں سے شرک کے قریب تر کون ہو گا، الزام لگانے والا یا جس پر الزام لگایا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''الزام لگانے والا۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "التاريخ": ٤/ ٣٠١/ ٢٩٠٧، وأبويعلي في "مسنده الكبير": - كما في "تفسير ابن كثير": ٢/ ٢٦٥ و"المطالب العالية": ٤/ ٢٧٣/ ٤٤٢٣- ومن طريق أبي يعلي: ابن حبان في "صحيحه":

١/ ١٤٨/ ٨١، والبزار في"مسنده": ١/ ٩٩/ ١٧٥

فوائد:......اسلام صرف کسی کی آواز، ذات یا شکل وصورت کے خوبصورت ہونے کا نام نہیں ہے، اسلام کا تعلق کسی کے زبانی دعوی سے نہیں ہے، اسلام میں حسن و جمال یا حسب ونسب کو معیار نہیں قرار دیا۔ اسلام عملی اور اعتقادی احکام کا نام ہے، جو ان پر پورا اترے گا، اس کو قابل قدر سمجھا جائے گا، وہ جو بھی ہو اور جیسا بھی ہو۔

ہمیں چاہیے کہ محض کسی کی آواز یا خطابت کے زور پر اس کا دیوانہ نہیں بن جانا چاہیے، بلکہ محبت ونفرت کا معیار اسلامی عملی احکام کی پابندی یا پہلوتہی کو قرار دینا چاہیے۔

کسی کو مشرک قرار دینے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں شرک کی واضح علامت پائی جاتی ہو۔ آجکل مسلمانوں میں ایسے گروہ موجود ہیں، جو دوسرے مسلک والوں کو قتل کرنے کے درپے رہتے ہیں، ان کے مال کو حلال سمجھتے ہیں اور ان کی مساجد پر حملہ کر دینے میں بھی اجر وثواب کی امید رکھتے ہیں۔ ان قبیح امور کی بنیادی وجہ جہالت اور انانیت ہے۔

فوت شدہ مومنوں کی ارواح کا مقام

(١٣٤)۔ عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: لَمَّا حَضَرَ كَعْباً الْوَفَاةُ دَخَلَتْ عَلَيْهِ أُمُّ مُبَشِّرٍ بِنْتُ الْبَرَاءِ بْنِ مَعْرُوْرٍ فَقَالَتْ: يَا أَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ! إِنْ لَقِيْتَ ابْنِيْ فَأَقْرِئْهُ مِنِّى السَّلَامَ۔ فَقَالَ: يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكِ يَا أُمَّ مُبَشِّرٍ! نَحْنُ أَشْغَلُ مِنْ ذٰلِكَ، فَقَالَتْ: يَا أَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ! أَمَا سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((إِنَّ أَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي أَجْوَافِ طَيْرٍ خُضْرٍ تَعْلُقُ بِشَجَرِ الْجَنَّةِ.)) قَالَ: بَلٰى، قَالَتْ: فَهُوَ ذٰلِكَ (الصحيحة:٩٩٥)

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب کعب کی وفات کا وقت قریب ہوا تو ام مبشر بنت برا بن معرور ان کے پاس آئیں اور کہا: اے ابوعبد الرحمن! اگر میرے بیٹے سے ملاقات ہوئی تو اسے میرا سلام کہنا۔ انھوں نے کہا: ام مبشر! اللہ تجھے معاف کرے، ہم مشغول ہوں گے اور ایسا کام نہیں کر سکیں گے۔ اس نے کہا: اے ابوعبد الرحمن! متنبہ رہو! کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''بیشک مومنوں کی روحیں سبز پرندوں کے اندر ہوتی ہیں، وہ جنت کے درختوں پر چگتے رہتے ہیں۔'' انھوں نے کہا: کیوں نہیں (میں نے سنا ہے)۔ اس نے کہا: یہی بات ہے (جو میں کہہ رہی ہوں)۔

تخريج: رواه ابن ماجه: ١٤٤٩، الحربي في "غريب الحديث": ٥/ ٢١٠/ ١، وابن منده في "المعرفة": ٢/ ٣٦٣/ ١، والطبراني في "الكبير": ١٩/ ٦٤/ ١٢٢، واحمد: ٣/ ٤٥٥، والطبراني: ١٩/ ١١٩، ومالك في "المؤطا": ١/ ٢٤٠/ ٤٩، والترمذي: ١/ ٣٠٩

فوائد:......اس میں مومنوں کی فضیلت کا بیان ہے، اس کی حقیقت وکیفیت کو اللہ تعالی کے سپرد کر دینا چاہیے اور مختلف احادیث مبارکہ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اتنا کہہ دینا چاہیے کہ موت کے بعد اچھے لوگ اچھے مقام پر ہوتے ہیں اور برے لوگ برے مقام پر ہوتے ہیں۔

یہ بات آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ موت کے بعد ایک مقام پر اکٹھی ہونے والی روحیں آپس میں ہم کلام ہوتی ہیں اور دنیا والوں کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''......فرشتے مومن کی روح قبض کر کے آسمان کے دروازے پر پہنچ جاتے ہیں، وہ کہتے ہیں: یہ کتنی پاکیزہ خوشبو ہے، جو تمہارے پاس زمین کی طرف سے آئی ہے۔ وہ اس کو مومنوں کی ارواح میں پہنچا دیتے ہیں۔ جیسے تم میں سے کوئی اپنے غائب آدمی کے آنے پر خوشی محسوس کرتا ہے، اسی طرح وہ بھی اس کی وجہ سے بہت خوش ہوتی ہیں۔ وہ (پہلے سے موجود روحیں) اس سے پوچھتی ہیں: فلاں کی سناؤ، فلاں کیا کر رہا تھا؟ وہ روح جواب دیتی ہے: اس کو چھوڑو، وہ دنیا کی فکر میں مگن تھا۔ لیکن جب وہ کسی کے بارے میں یہ جواب دیتی ہے کہ (وہ تو مر چکا ہے) کیا تمہارے پاس نہیں آیا؟ وہ آگے سے کہتی ہیں: (مرنے کے بعد ہمارے پاس نہ پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ) اسے اس کے ٹھکانے ہاویہ کی طرف لے جایا جا چکا ہے،......۔'' (نسائی : ۱۸۳۳)

اہل اسلام کی ابتدائی اور انتہائی کیفیت

(۱۳۵)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ الْإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيْباً، وَسَيَعُوْدُ غَرِيْباً كَمَا بَدَأَ، فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ.)) قِيْلَ: مَنْ هُمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: ((اَلَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ إِذَا فَسَدَ النَّاسُ.)) (الصحيحة: ۱۲۷۳)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب اسلام کی ابتدا ہوئی تو وہ اجنبی (اور نامانوس) تھا اور عنقریب دوبارہ اجنبی بن جائے گا، سو (اس دین کو اپنانے والے) غربا کے لئے خوشخبری ہے۔'' کہا گیا: اے اللہ کے رسول! یہ لوگ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ ہیں جو لوگوں کے بگاڑ کے وقت ان کی اصلاح کرتے ہیں۔''

تخريج: أخرجه أبو عمرو الداني في "السنن الواردة في الفتن" ۲۵/ ۱، ورواه الآجري فی "الغرباء": ۱/ ۲، والترمذي: ۲/ ۱۰٤ دون السوال

فوائد :...... نبی کریم ﷺ کے تیرہ سالہ مکی دور کو دیکھا جائے یا دس سالہ مدنی دور کو یا عہدِ رسالت سے لے کر آج تک کی تاریخ کو، ہر دور میں اہل باطل کی تعداد کئی گنا زیادہ رہی اور وہ ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام کو نامانوس، اجنبی، پردیسی اور قدامت پرست سمجھتے رہے اور سرے سے ان کا نام ونشان مٹانے کے مکر وفریب میں مصروف رہے۔

افسوس اس بات پر ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد اس امت کے لوگ ہی دین اور دینداروں سے نامانوس ہونے لگ گئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان بھی کہلوانا چاہتے ہیں اور اسلامی احکام سے پہلو تہی بھی کرنا چاہتے ہے۔ آجکل یہ معاملہ ان لوگوں پر واضح ہے، جو دین دار ہیں، جو ہر دور میں لوگوں کی غلطیوں کی نشاندہی کر کے ان کی اصلاح کے لیے کوشاں رہے، مختلف علاقوں اور وقتوں میں مروّجہ بدعات کی مخالفت کرتے رہے، مسلمانوں

اور ان کے بچوں کو قرآن و حدیث کی تعلیم دینے میں مگن رہے، اذان دینے، نماز پڑھنے پڑھانے، جنازے پڑھانے اور ضرورت کے وقت نماز استسقا پڑھانے کو اپنی ذمہ داری سمجھتے رہے۔ ہمیشہ سے یہی قرآن مجید حفظ کرتے رہے، احادیث رسول کی حفاظت کرتے رہے اور نبی کریم ﷺ کی سنتوں کے شیدائی رہے۔ لیکن مسلمانوں کا دوسرا طبقہ اسی طبقے کو حقارت والی نظر سے دیکھتا ہے، ان پر کڑتا ہے، ان کے ناقص پہلوؤں کی تشہیر کر کے ان کو بدنام کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ان سے براءت و دست برداری کا اظہار کرتا ہے۔

اس غریب طبقے کو تسلی دیتے ہوئے محمد رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا کہ اس مذہب کی ابتدا بھی اسی طرح ہوئی اور انتہا بھی اسی طرح ہوگی۔

الوداع کہنے کی دعا

(١٣٦)۔ عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: خَرَجْتُ إِلَى الْعِرَاقِ، وَشَيَّعَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہ، فَلَمَّا فَارَقَنَا، قَالَ: إِنِّي لَيْسَ عِنْدِيْ شَيْءٌ أُعْطِيْكُمْ، وَلٰكِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((إِنَّ اللّٰهَ إِذَا اسْتُوْدِعَ شَيْئًا حَفِظَهُ.)) وَإِنِّي أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكُمْ وَأَمَانَتَكُمْ، وَخَوَاتِيْمَ أَعْمَالِكُمْ.

(الصحيحة :٢٥٤٧)

مجاہد کہتے ہیں: میں عراق کی طرف گیا، سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہمیں الوداع کرنے کے لئے ہمارے ساتھ چلے، جب وہ ہم سے جدا ہونے لگے تو انھوں نے کہا: تمھیں دینے کے لے میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے، لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''جب کوئی چیز اللہ تعالی کے سپرد کی جاتی ہے تو وہ اس کی حفاظت کرتے ہیں۔'' اور میں تمھارے دین، امانت اور خاتمۂ اعمال کو اللہ تعالی کے سپرد کرتا ہوں۔''

تخريج: أخرجه النسائي فى"عمل اليوم": ٥٠٩، وابن حبان: ٢٣٧٦۔الموارد، و البيهقي: ٩/ ١٧٣، والطبراني: ٣/ ٢٠٦/ ٢، وعلي بن المفضل المقدسي فى"الأربعين فى فضل الدعاء والداعين": ٥/ ٢٥٠/ ١

فوائد: ......سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی اس حدیث ((إِنَّ اللّٰهَ إِذَا اسْتُوْدِعَ شَيْئًا حَفِظَهُ.)) سے استدلال کرتے ہوئے یہ دعا پیش کی: وَإِنِّي أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكُمْ وَأَمَانَتَكُمْ، وَخَوَاتِيْمَ أَعْمَالِكُمْ۔ یعنی: میں تمھارے دین، امانت اور خاتمۂ اعمال کو اللہ تعالی کے سپرد کرتا ہوں۔

جبکہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ کی دوسری روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کسی بندے کو الوداع کہتے تو اس کا ہاتھ پکڑ لیتے اور اس وقت تک نہ چھوڑتے جب تک وہ بندہ خود نہ چھوڑ دیتا، پھر اسے یہ دعا دیتے: ((أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَأَمَانَتَكَ وَآخِرَ عَمَلِكَ.)) یعنی: ''میں تیرے دین، امانت اور خاتمۂ اعمال کو اللہ تعالی کے سپرد کرتا ہوں۔'' (جامع ترمذی: ٣٤٤٢)

معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ لوگ ہونے کی وجہ سے سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے جمع کی ضمیر استعمال کی۔
ثابت ہوا کہ اگر الوداع ہونے والا ایک فرد ہو تو اسے ان الفاظ سے الوداع کہا جائے:
اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَ آخِرَ عَمَلِكَ۔ یعنی: ”میں تیرے دین، امانت اور خاتمۂ اعمال کو اللہ تعالی کے سپرد کرتا ہوں۔“

اور اگر زیادہ ہوں تو یہ دعا پڑھی جائے:
وَإِنِّي أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكُمْ وَأَمَانَتَكُمْ، وَخَوَاتِيْمَ أَعْمَالِكُمْ۔ یعنی: میں تمھارے دین، امانت اور خاتمۂ اعمال کو اللہ تعالی کے سپرد کرتا ہوں۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ سفر پر روانہ ہونے والے کے لیے یہ دعا کی: زَوَّدَكَ اللّٰهُ التَّقْوٰى، وَغَفَرَ ذَنْبَكَ وَيَسَّرَ لَكَ الْخَيْرَ حَيْثُ مَا كُنْتَ۔ یعنی: ”اللہ تعالی تجھے تقوی کا زادِ راہ عطا فرمائے اور تیرے گناہ بخش دے اور تو جہاں بھی ہو تیرے لیے نیکی آسان کر دے۔“ (جامع ترمذی: ٣٤٤٤)

اگر ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دعاؤں پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ مسافر اور الوداع ہونے والے کے حق میں کمال خیر خواہی برتی گئی ہے اور اس کے لیے دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی کو جمع کیا گیا ہے، لیکن ہم غیروں کی تہذیب پر نازاں ہیں اور الوداع ہوتے وقت (OK، Ta Ta، By By اور اچھا جناب) جیسے بے مقصد الفاظ کہنے پر یا پھر سر اور ہاتھ ہلانے پر اکتفا کرتے ہیں اور بچوں کو ان ہی لایعنی آداب کی تعلیم دیتے ہیں۔

قربِ الٰہی کے حصول کے اسباب اور نتائج

ولی اللہ کی علامتیں اور اس سے دشمنی کرنے والے کا انجام بد اللہ تعالی کی صفت ”تردّد“ کا بیان

(١٣٧)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ: مَنْ عَادٰى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ، وَمَا زَالَ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيْذَنَّهُ، وَمَا تَرَدَّدْتُ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس شخص نے میرے کسی دوست سے دشمنی کی، میرا اس سے اعلان جنگ ہے، میں نے بندے پر جو چیزیں فرض کی ہیں، ان سے زیادہ مجھے کوئی چیز محبوب نہیں جس سے وہ میرا قرب حاصل کرے (یعنی فرائض کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرنا مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے) اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے سے (بھی) میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتی کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں اور جب میں اس سے (اس کے ذوقِ عبادت، فرائض کی ادائیگی اور نوافل کے اہتمام کی وجہ سے) محبت کرتا ہوں تو (اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ) میں

عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِيْ عَنْ قَبْضِ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ، يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَ تَهُ.)) (الصحيحة:١٦٤٠)

اس کا وہ کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی وہ آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا وہ پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے کسی چیز کا سوال کرے تو میں اسے وہ ضرور عطا کرتا ہوں اور اگر کسی چیز سے پناہ طلب کرے تو میں اسے ضرور اس سے پناہ دیتا ہوں اور کسی چیز کو سرانجام دینے سے مجھے کوئی تردد نہیں ہوتا، سوائے مومن کا نفس قبض کرنے کے، کہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور مجھے اس کا غم واندوہ ناپسند لگتا ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٤/ ٢٣١، وأبو نعيم في "الحلية": ١/ ٤، والبغوي في "شرح السنة": ١/ ١٤٢/ ٢، وأبو القاسم المهرواني في "الفوائد المتخبة الصحاح": ٢/ ٣/ ١، وابن الحمامي الصوفي في "منتخب من مسموعاته": ١٧١/ ١، وصححه ثلاثتهم، ورزق الله الحنبلي في "أحاديث من مسموعاته": ١/ ٢-٢/ ١، ويوسف بن الحسين النابلسي في "الأحاديث الستة العراقية": ق ٢٦/ ١، والبيهقي في "الزهد": ق ٨٣/ ٢، وفي "الأسماء"، "الصفات": صـ ٤٩١

فوائد: ...... یہ حدیث اس مفہوم میں انتہائی واضح ہے کہ اللہ تعالی کا قرب حاصل کرنے کے لیے فرائض و واجبات کی ادائیگی ضروری ہے، اللہ تعالی کو بھی یہی امر پسند ہے کہ اس کے فرائض ادا کر کے اس کا قرب حاصل کیا جائے، فرائض کی تکمیل کے بعد نفلی عبادات اللہ تعالی کی مزید محبت کا سبب بنتی ہیں۔ فرائض وسنن کی پابندی کرنے والے کو ہی اللہ کا ولی کہتے ہیں۔ کسی مخصوص وضع و ہیئت کے حامل کو، کسی گدی نشین کو، کسی نیم پاگل کو، ذکر و عبادت کے خود ساختہ اطوار اختیار کرنے والے کو، گردنوں میں سنگل اور منکوں کے ہار لٹکا کر ڈگڈگی بجانے والے کو، پنڈلیوں پر گھنگرو باندھنے والے، چند روپوں کی خاطر در در کی ٹھوکریں کھانے والے کو، کسی دربار کے دیوانے اور چوبے کو اور گندگی چاٹنے والے کو اللہ کا ولی نہیں کہتے۔ فرائض وسنن کی ادائیگی کے بغیر اللہ تعالی کے قرب کی خواہش محض ایک خام خیالی ہے۔ اللہ تعالی کا ولی اور دوست وہ ہے جو فرائض اسلام کا پابند ہو، نوافل و مستحبات کا شوقین ہو اور زندگی کے ہر شعبے میں اطاعتِ الٰہی کا خوگر ہو۔

اللہ تعالی کا اپنے کسی فرنبردار بندے کا کان، آنکھ اور بازو وغیرہ بن جانے کا یہ مطلب ہے کہ ایسے آدمی کو اللہ تعالی کی خاص محبت حاصل ہو جاتی ہے، اللہ تعالی اسے اپنی حفاظت میں لے لیتا ہے اور اس کے اعضا کی نگرانی فرماتا ہے، چنانچہ وہ ان اعضا سے اللہ تعالی کی نافرمانی کرنے سے بچتا ہے۔ یعنی کانوں سے وہی کچھ سنتا ہے، آنکھوں سے وہی کچھ دیکھتا ہے، ہاتھوں سے وہی کچھ پکڑتا ہے، زبان سے وہی کچھ بولتا ہے اور دل و دماغ میں وہی کچھ سمجھتا ہے، جو اللہ تعالی کا پسند ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: (علمائے کرام نے حدیث کے اس حصے کے مختلف مفاہیم بیان کیے ہیں، ان میں سے

ایک یہ ہے کہ) وہ بندہ مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مشغول ہو جاتا ہے، چنانچہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ امور رسنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق دیکھتا ہے۔ طوفی نے کہا: معتبر علما کا اتفاق ہے کہ یہ الفاظ مجازی طور پر استعمال ہوئے ہیں، مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے اعضا کی اتنی مخصوص تائید ونصرت کرتا ہے کہ گویا کہ وہ خود اس کے اعضا میں داخل ہو گیا ہے۔ (فتح الباري: ١١/ ٤١٨)

اس حدیث سے ایک اور اہم سبق یہ ملتا ہے کہ جو آدمی اسلام کے فرائض و واجبات کا اہتمام کرتا ہو اور نوافل و مستحبات پر توجہ دھرتا ہو، تو اس سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنی چاہیے۔ جو آدمی ایسے آدمی کو پسند نہیں کرے گا، بلکہ اس سے عداوت اختیار کرے گا اور اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا، ایسا آدمی اللہ تعالیٰ کی دشمنی مول لے گا۔

اس حدیث کا آخری جملے پر غور کریں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اور کسی چیز کو سرانجام دینے سے مجھے کوئی تردد نہیں ہوتا، سوائے مومن کا نفس قبض کرنے کے، کہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور مجھے اس کا غم واندوہ ناپسند لگتا ہے۔'' اس جملے کا معنی و مفہوم کیا ہے؟

بندۂ خدا اپنے طبعی فیصلے کو مدنظر رکھ کر موت کو ناپسند کرتا ہے، لیکن در حقیقت موت اس کے لیے بہتر ہے، کیونکہ موت کے بغیر اللہ تعالیٰ سے ملاقات، اس کی طرف سے انعام وتکریم اور جنت و بہشت تک رسائی حاصل کرنا ناممکن ہے۔

دوسری طرف چونکہ اللہ تعالیٰ کی پسند وہی ہے جو اس کے بندے کی پسند ہے اور اس کی ناپسند وہی ہے جو اس کے بندے کی ناپسند ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے حق میں اپنے تقدیری فیصلے کو لاگو کر کے اسے موت دینا چاہتے ہیں اور وہ مرنا ناپسند کرتا ہے تو اللہ بھی اس کے لیے موت کو ناپسند کرتے ہیں، لیکن اس کو موت دینا ضروری اور زیادہ اہم ہے، تاکہ وہ اپنے اعمالِ خیر کے بہترین انجام تک پہنچ سکے۔ اللہ تعالیٰ کی اسی کیفیت کو تردّد کہا گیا ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے اللہ تعالیٰ کے تردّد کے بارے میں سوال کیا گیا، انھوں نے اس سوال کا بہت معتدل اور انتہائی قیمتی جواب دیا۔ میں ان کے جواب کی وقعت و اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا اختصار پیش کرتا ہوں، امام صاحب رحمہ اللہ نے (المجموع: ١٨/ ١٢٩- ١٣١) میں کہا: یہ عظیم حدیث ہے، اس میں اولیائے کرام کی صفات بیان کی گئی ہے، بعض لوگوں نے اس حدیث میں بیان کیے گئے بعض امور کو ردّ کرتے ہوئے کہا: بیشک اللہ تعالیٰ کو ''تردّد'' جیسی صفت سے متصف نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہ ان ہستیوں کا وصف ہوتا ہے، جو معاملات کے انجام سے غافل ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ کو تو تمام امور کے نتائج اور انجام کا علم ہوتا ہے۔ جبکہ بعض نے اللہ تعالیٰ کی اس صفت کی تاویل کرتے ہوئے کہا: بظاہر اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے، جس کو تردّد والا معاملہ کہا جا سکتا ہے، حقیقت میں اللہ تعالیٰ تردّد سے پاک ہے۔

میں (ابن تیمیہ) کہتا ہوں: تحقیق یہ کہتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کلام حق ہے اور آپ ﷺ ہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ آپ ﷺ اپنی امت کے حق میں سب سے بڑھ کر خیر خواہ تھے،

فصاحت و بلاغت والے تھے اور شریعت کی وضاحت کرنے میں لاثانی اور عدیم النظیر تھے۔

نبی کریم ﷺ کی ان صفات کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی احادیث کے مفاہیم کی مخالفت میں گپیں اور بڑھکیں مارنے والے اور فرمودات نبویہ کا انکار کرنے والے انتہائی گمراہ، پرلے درجے کے جاہل اور بے ادب ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے مقدس کلام کو باطل ظنون اور فاسد اعتقادات سے محفوظ رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ تادیبی کاروائی کی جائے اور ان کو تعزیر لگائی جائے۔

اب غور فرمائیں: انسان کو کسی معاملے میں اس بنا پر تردّد ہوتا ہے کہ وہ معاملات کے انجام سے غافل ہوتا ہے۔ تردّد کا یہ مفہوم اللہ تعالیٰ کے حق میں بیان نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ یعنی: ''کوئی چیز اس کی مانند نہیں ہے۔''

یہ بات بھی ذہن نشین کر لیں کہ انسان کو صرف اس امر کی بنا پر تردّد نہیں ہوتا کہ وہ معاملات کے انجام سے غافل ہوتا ہے، بلکہ بسا اوقات ایسے بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی ایک ہی کام کو کسی مصلحت کی بنا پر کرنا چاہتا ہے، لیکن اس میں پائی جانے والی مفسدت اور خرابی کی وجہ سے اسے ناپسند بھی کر رہا ہوتا ہے، یہ سارا کچھ جہالت کی بنا پر تو نہیں ہوتا، بلکہ علم کی بنیاد پر ہو رہا ہوتا ہے اور تردّد اس وجہ سے ہوتا ہے کہ نہ کریں تو فلاں مصلحت فوت ہوتی ہے اور کریں تو فلاں مفسدت لازم آتی ہے۔ غور فرمائیں کہ عربوں کے ہاں درج ذیل ضرب المثل وہ مریض بیان کرتا ہے، جو ناپسندیدہ اور مکروہ دوا لے رہا ہوتا ہے:

الشيب كُرْه وكُره أن افارقه
فاعْجَبْ لشيء على البغضاءِ محبوبُ

''بڑھاپا ناپسندیدہ چیز ہے اور اسے چھوڑنا بھی ناپسندیدہ ہے۔ پس کتنی تعجب انگیز ہے وہ چیز کہ جو ناپسندیدہ ہونے کے باوجود پسندیدہ ہوتی ہے۔''

بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ تمام اعمالِ صالحہ، جو طبعی طور پر نفس پر گراں گزرتے ہیں، اسی قبیل سے ہیں کہ جہاں ان کو سرانجام دینے کی وجہ سے اجر و ثواب ملتا ہے، وہاں نفس کو مشقت میں بھی ڈالنا پڑتا ہے، اس اعتبار سے وہ محبوب بھی ہیں اور مکروہ بھی۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((حفت النار بالشهوات وحفت الجنة بالمكاره .)) یعنی: ''جہنم کو پسندیدہ چیزوں کے ساتھ اور جنت کو ناپسندیدہ امور کے ساتھ گھیر دیا گیا ہے۔''

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ﴾ (سورۂ بقرہ: ۲۱۶) ...... ''تم پر جہاد فرض کر دیا گیا ہے، حالانکہ وہ تم کو دشوار معلوم ہوتا ہے۔''

ان مثالوں کا مطلب یہ ہے کہ نیکی اور برائی دونوں ایک اعتبار سے پسندیدہ ہیں اور ایک اعتبار سے ناپسند۔ نیکی والا معاملہ وقتی طور پر طبیعت پر گراں گزرتا ہے، لیکن انجام کے لحاظ سے بہت بہتر ہے، اسی طرح برائی والا معاملہ وقتی طور

طبیعت کی مکمل موافقت کرتا ہے، لیکن اس کا نتیجہ طبیعت کے لیے باعثِ تکلیف ٹھہرتا ہے۔

ان مثالوں سے حدیثِ مبارکہ کے لفظ ''تردّد'' کی وضاحت ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا: ((لَا يَـزَالُ عَبْدِيْ يَتَـقَـرَّبُ إِلَـيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ .))...... ''میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے، حتی کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔''

پس جو بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب و محبّ ٹھہرتا ہے، وہ پہلے فرائض کی ادائیگی کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، پھر وہ مزید تگ و دو کر کے ایسی نفلی عبادات کا سلسلہ شروع کرتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ جن کو اور جن کے فاعل کو پسند کرتا ہے، نتیجتًا وہ بندہ ایسے تمام امورِ حق سرانجام دینا شروع کر دیتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے محبوب کو سرانجام دینے چاہئیں۔ بالآخر اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ امور کی ادائیگی کی وجہ سے ایسے بندے کو اپنا ایسا محبوب بنا لیتا ہے کہ اس کی پسند کو پسند اور اس کی ناپسند کو ناپسند کرتا ہے۔

اب جو بات اللہ تعالیٰ کے محبوب کو بری لگتی ہے، وہ اسے بھی ناپسند ہوتی ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جب بندۂ خدا اپنے لیے موت کو ناپسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے لیے موت کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس کے حق میں موت کا ارادہ کر کے اس کا فیصلہ بھی کر چکے ہیں، جس کا وقوع پذیر ہوئے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ہوتا۔

اب اللہ تعالیٰ تقدیری فیصلے کے مطابق اپنے بندے کے لیے موت کا ارادہ کرتے ہیں، لیکن اس کے حق میں اس کو ناپسند بھی کرتے ہیں، کیونکہ اس کا بندہ موت کو مکروہ سمجھتا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ایک لحاظ سے موت اللہ تعالیٰ کی مقصود ہے اور ایک اعتبار سے مکروہ۔ یہ ''تردّد'' کا حقیقی معنی ہے، کہ ایک چیز ایک اعتبار سے پسند ہے اور دوسرے اعتبار سے ناپسند اور ان میں ایک کا وقوع پذیر ہونا بھی ضروری ہے اور وہ ہے موت کا فیصلہ۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے دوسرے مقام (۱۰/ ۵۸۔ ۵۹) میں کہا: اس حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحت کر دی ہے کہ اسے تردّد ہوتا ہے اور دو ارادوں کے پیش آ جانے کو تردد کہتے ہیں۔ بندۂ خدا کی پسند اللہ کی پسند ہے اور اس کی ناپسند اس کی ناپسند ہے۔ جب بندہ موت کو ناپسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے موت کو ناپسند کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود کہا: ''میں اپنے بندے کا غم و اندوہ ناپسند کرتا ہوں۔''

لیکن دوسری طرف اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے حق میں موت کا فیصلہ بھی کر چکے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو مارنے کے لیے موت کا ارادہ بھی کرنا ہے۔ اس صورتحال کو تردد کہا گیا ہے، پھر وضاحت کر دی گئی ہے کہ بہر حال موت کا واقع ہونا ضروری ہے۔ (صحیحہ: ۱٦٤٠) اے اللہ! امتِ مسلمہ کے سلف صالحین پر رحم فرما۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں حسنِ ظن یا سوئے ظن کا نتیجہ

(۱۳۸)۔ عَنْ يُوْنُسَ بْنِ مَيْسَرَةَ بْنِ حَلْبَسٍ قَالَ: دَخَلْنَا عَلٰى يَزِيْدَ بْنِ الْأَسْوَدِ فَدَخَلَ

یونس بن میسرہ بن حلبس کہتے ہیں: ہم یزید بن اسود کے پاس گئے اور سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ بھی وہاں پہنچ گئے۔ جب یزید نے

عَلَيْهِ وَاثِلَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ، فَلَمَّا نَظَرَ إِلَيْهِ مَدَّ يَدَهُ ، فَأَخَذَ بِيَدِهِ فَمَسَحَ بِهَا وَجْهَهُ وَصَدَرَهُ لِأَنَّهُ بَايَعَ بِهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لَهُ: يَايَزِيْدُ كَيْفَ ظَنُّكَ بِرَبِّكَ؟ قَالَ: حَسَنٌ، قَالَ: أَبْشِرْ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِيْ، إِنْ خَيْراً فَخَيْرٌ، وَإِنْ شَرًّا فَشَرٌّ .))
(الصحيحة:١٦٦٣)

ان کو دیکھا تو اپنا ہاتھ لمبا کر کے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے اپنے چہرے اور سینے پر اس لئے پھیرا کہ انھوں نے اس ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی تھی۔ انھوں نے کہا: یزید! اپنے رب کے بارے میں کیا گمان ہے؟ اس نے کہا: اچھا ظن رکھتا ہوں۔ انھوں نے کہا: خوش ہو جاؤ، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''بیشک اللہ تعالی فرماتا ہے: میں اپنے بندے (کے ساتھ کوئی معاملہ کرنے میں) اس کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں، اچھا گمان ہونے کی صورت میں معاملہ بھی اچھا ہوگا اور برا گمان ہونے کی صورت میں معاملہ بھی برا ہوگا۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في"الأوسط": رقم ٨١١٥ بترقيمي، ومن طريقه أبونعيم في "الحلية": ٩/ ٣٠٦، وابـن المبارك في "الزهد": ٩٠٩، والدارمي: ٢/ ٣٠٥، واحمد: ٣/ ٤٩١، وابن حبان: ٧١٧، والحاكم: ٤/ ٢٤٠

(١٣٩)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ، عَن رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي وَأَنَا مَعَهُ إِذَا دَعَانِي .))
(الصحيحة:٢٩٤٢)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالی نے فرمایا: میں اپنے بندے کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں جو وہ مجھ سے گمان کرتا ہے اور جب وہ مجھے پکارتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔''

تخريج: أخرجه البخاري في"الأدب المفرد": ٦١٦، وأخرجه احمد: ٢/ ٤٨٠ بزيادة فى متنه بلفظ: ((...... عبـدى عـند ظنه بى، وانا معه اذا دعانى، فان ذكرنى فى نفسه ذكرته فى نفسى، وان ذكرنى فى ملأ ذكرته فـى مـلأ خيـر مـنهـم واطيب، وان تقرب منى شبرا تقربت منه ذراعا، وان تقرب منى ذراعا، تقربت منه باعا، ان اتانى يمشى اتيته هرولة .)) وهو فى "الصحيحين": بلفظ: ((...... وانا معه اذ ذكرنى ......))

فوائد :......ان احادیث میں پس پردہ اعمال صالحہ کرنے اور برے کاموں سے اجتناب کرنے کی ترغیب دلائی جا رہی ہے، کیونکہ اللہ تعالی کے بارے میں حسنِ ظن رکھنے کا یہی مفہوم ہے۔

بلا شک و شبہ ان احادیثِ مبارکہ میں اللہ تعالی کے ساتھ حسن ظن رکھنے کا سبق دیا گیا ہے، لیکن جس طرح بغیر ہل چلائے اور بیج بوئے، فصل کی پیداوار کی امید رکھنا حماقت ہے اور کاروبار چلائے بغیر اس کے منافع کی امید رکھنا بیوقوفی ہے، اسی طرح اعمال صالحہ کے بغیر اور برے کاموں سے اجتناب کیے بغیر اللہ تعالی سے اچھی امید رکھنا نادانی ہے۔ یہ

ایک فطری عمل ہے کہ اچھے عمل کرنے والا اللہ تعالی سے اچھی امید رکھے گا اور برے عمل کرنے والا بری امید وابستہ کرے گا۔ اور اسی کے مطابق اللہ تعالی کا اپنے بندوں کے ساتھ معاملہ ہے۔

ہمیں چاہیے کہ نیک اعمال سرانجام دیں اور پھر ان کی بنا پر اللہ تعالی کی رحمت کی امید رکھیں، نہ کہ یہ کہ ہم بڑے دھڑلے کے ساتھ برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں اور اللہ تعالی کی وسیع رحمت کا سہارا بھی لیتے رہیں، یہ شیطانی وسوسہ ہو گا۔ نبی کریم ﷺ کو اپنے ربّ کے ساتھ سب سے زیادہ حسن ظن تھا، لیکن آپ ﷺ کی عملی کیفیت کیسی تھی؟ نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول و کردار کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ﴾ (سورۂ مائدہ: ۴۴)
﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ﴾ (سورۂ مائدہ: ۴۵)
﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ﴾ (سورۂ مائدہ: ۴۷) کی تفسیر

(۱٤٠)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ أَنْزَلَ: ﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ﴾ وَ ﴿أُولٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ﴾ وَ ﴿أُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ﴾ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَنْزَلَهَا اللّٰهُ فِي الطَّائِفَتَيْنِ مِنَ الْيَهُوْدِ، وَكَانَتْ إِحْدَاهُمَا قَدْ قَهَرَتِ الْأُخْرٰى فِي الْجَاهِلِيَّةِ حَتّٰى ارْتَضَوْا وَاصْطَلَحُوْا عَلٰى أَنَّ كُلَّ قَتِيْلٍ قَتَلَهُ (الْعَزِيْزَةُ) مِنَ الذَّلِيْلَةِ فَدِيَتُهُ خَمْسُوْنَ وَسْقاً، وَكُلُّ قَتِيْلٍ قَتَلَهُ (الذَّلِيْلَةُ) مِنَ (الْعَزِيْزَةِ) فَدِيَتُهُ مِئَةُ وَسْقٍ، فَكَانُوْا عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى قَدِمَ النَّبِيُّ الْمَدِيْنَةَ، فَذَلَّتِ الطَّائِفَتَانِ كِلْتَاهُمَا لِمَقْدَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَيَوْمَئِذٍ لَّمْ يَظْهَرْ وَلَمْ يُوَطِّئْهُمَا عَلَيْهِ وَهُوَ فِي الصُّلْحِ، فَقَتَلَتِ (الذَّلِيْلَةُ) مِنَ (الْعَزِيْزَةِ) قَتِيْلاً فَأَرْسَلَتِ (الْعَزِيْزَةُ) إِلَى (الذَّلِيْلَةِ) أَنِ ابْعَثُوْا إِلَيْنَا بِمِئَةِ وَسْقٍ،

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ تعالی نے یہ آیات نازل کیں: ﴿اور جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں﴾ اور ﴿وہ لوگ ظالم ہیں﴾ اور ﴿وہ لوگ فاسق ہیں﴾ انھوں نے کہا: اللہ تعالی نے یہ آیات یہودیوں کے دو گروہوں کے بارے میں نازل کیں، ان میں سے ایک نے دورِ جاہلیت میں دوسرے کو زیر کر لیا تھا، حتی کہ وہ راضی ہو گئے اور اس بات پر صلح کر لی کہ عزیزہ قبیلے نے ذلیلہ قبیلے کا جو آدمی قتل کیا، اس کی دیت پچاس وسق ہو گی اور ذلیلہ نے عزیزہ کا جو آدمی قتل کیا اس کی دیت سو (۱۰۰) وسق ہو گی، وہ اسی معاہدے پر برقرار تھے کہ نبی کریم ﷺ مدینہ میں تشریف لائے، آپ ﷺ کے آنے سے وہ دونوں قبیلے بے وقعت ہو گئے، حالانکہ ابھی تک آپ ان پر وصفائی کا زمانہ تھا۔ اُدھر ذلیلہ نے عزیزہ کا بندہ قتل کر دیا، عزیزہ نے ذلیلہ کی طرف پیغام بھیجا کہ سو وسق ادا کرو۔ ذلیلہ والوں نے کہا: جن قبائل کا دین ایک ہو، نسب ایک ہو اور شہر ایک ہو، تو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک کی دیت دوسرے کی بہ نسبت نصف ہو؟ ہم تمھارے ظلم و ستم کی وجہ سے تمھیں (سو

فَقَالَتِ (النَّذَلِيْلَةُ) وَهَلْ كَانَ هٰذَا فِي حَيَّيْنِ قَطُّ دِيْنُهُمَا وَاحِدٌ، وَنَسَبُهُمَا وَاحِدٌ، وَبَلَدُهُمَا وَاحِدٌ، دِيَةُ بَعْضِهِمْ نِصْفُ دِيَةِ بَعْضٍ؟ إِنَّا إِنَّمَا أَعْطَيْنَاكُمْ هٰذَا ضَيْماً مِنْكُمْ لَنَا، وَفَرَقًا مِنْكُمْ فَأَمَّا إِذْ قَدِمَ مُحَمَّدٌ فَلَا نُعْطِيْكُمْ ذٰلِكَ، فَكَادَتِ الْحَرْبُ تَهِيْجُ بَيْنَهُمَا، ثُمَّ ارْتَضَوْا عَلٰى أَنْ يَّجْعَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَهُمْ، ثُمَّ ذَكَرَتِ (الْعَزِيْزَةُ) فَقَالَتْ: وَاللّٰهِ مَامُحَمَّدٌ بِمُعْطِيْكُمْ مِنْهُمْ ضِعْفَ مَايُعْطِيْهِمْ مِنْكُمْ، وَلَقَدْ صَدَقُوْا، مَا أَعْطَوْنَا هٰذَا إِلَّا ضَيْماً مِنَّا، وَقَهْراً لَّهُمْ، فَدُسُّوْا إِلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ مَنْ يُخْبِرُ لَكُمْ رَأْيَهُ، إِنْ أَعْطَاكُمْ مَاتُرِيْدُوْنَ حَكَّمْتُوْهُ، وَإِنْ لَّمْ يُعْطِكُمْ حَذِرْتُمْ فَلَمْ تُحَكِّمُوْهُ، فَدَسُّوْا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ نَاساً مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ لِيُخْبِرُوْا لَهُمْ رَأْيَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَلَمَّا جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَخْبَرَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ بِأَمْرِهِمْ كُلِّهٖ وَمَا أَرَادُوْا، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿يَأَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَايَحْزُنْكَ الَّذِيْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوَا آمَنَّا﴾ إلى قوله: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُم بِمَا أنْزَلَ اللّٰهُ فَأُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ﴾ ثُمَّ قَالَ: فِيْهِمَا وَاللّٰهِ نَزَلَتْ، وَإِيَّاهُمَا عَنَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ۔ (الصحيحة:٢٥٥٢)

وسق) دیتے رہے، اب جبکہ محمد (ﷺ) آ چکے ہیں، ہم تمھیں نہیں دیں گے۔ ان کے مابین جنگ کے شعلے بھڑ کنے والے ہی تھے کہ وہ آپس میں رسول اللہ ﷺ پر بحیثیت فیصل راضی ہو گئے۔ عزیزہ کے ورثا آپس میں کہنے لگے: اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) تمھارے حق میں دوگنا کا فیصلہ نہیں کرے گا، ذلیلہ والے ہیں بھی سچے کہ وہ ہمارے ظلم وستم اور قہر و جبر کی وجہ سے دوگناہ دیتے رہے، اب محمد (ﷺ) کے پاس کسی آدمی کو بطورِ جاسوس بھیجو جو تمھیں اس کے فیصلے سے آگاہ کر سکے، اگر وہ تمھارے ارادے کے مطابق فیصلہ کر دے تو تم اسے حاکم تسلیم کر لینا اور اگر اس نے ایسے نہ کیا تو محتاط رہنا اور اسے فیصل تسلیم نہیں کرنا۔ سو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ منافق لوگوں کو بطورِ جاسوس بھیجا، جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان کی تمام سازشوں اور ارادوں سے آگاہ کر دیا اور یہ آیات نازل فرمائیں: ﴿اے رسول! آپ ان لوگوں کے پیچھے نہ کڑھیے جو کفر میں سبقت کر رہے ہیں خواہ وہ ان میں سے ہوں جو زبانی تو ایمان کا دعوی کرتے لیکن حقیقت میں ان کے دل باایمان نہیں .... اور جو اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں۔﴾ (سورۂ مائدہ: ۴۱۔۴۴) پھر کہا: اللہ کی قسم! یہ آیتیں انہی دونوں کے بارے میں نازل ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کی مراد یہی لوگ تھے۔

تخريج: أخرجه أحمد: ١/ ٢٤٦، والطبراني في "المعجم الكبير": ٣/ ٩٥/ ١، وعند ابى داود: ٣٥٧٦ نزول الآيات الثلاث في اليهود خاصة في قريظة و النضير

فوائد: ......اس حدیث سے ہمیں یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ ہر معاملے میں نبی کریم ﷺ کو آخری اور حتمی فیصل تسلیم کیا جائے اور آپ ﷺ کے فیصلے کو بغیر کسی چون و چرا کے تسلیم کیا جائے۔

امام البانی رحمہ اللہ اس حدیث میں مذکورہ آیات پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

یہودیوں نے نبی کریم ﷺ کے فیصلے کے بارے میں کہا: اگر وہ نبی تم کو تمہارے ارادے کے مطابق دے دے تو اس کو حاکم تسلیم کر لینا اور اگر کچھ نہ دے تو بچ جانا اور اسے حاکم تسلیم نہ کرنا۔

قرآن مجید میں بھی ان کے اس قبیح کا اصول ذکر موجود ہے، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿يقولون ان أوتيتم هذا فخذوه وان لم تؤتوه فاحذروا﴾ (سورۂ مائدہ:۴۱) یعنی: ''یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ چیز دی گئی تو لے لینا اور نہ دی گئی تو بچ جانا۔''

درج ذیل تین آیات ان یہودیوں اور ان کے اس فیصلے کے بارے میں نازل ہوئیں:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ﴾ (سورۂ مائدہ:۴۴)

یعنی: ''اور جو لوگ اللہ تعالی کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کریں گے، وہ کافر ہیں۔''

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (سورۂ مائدہ:۴۵)

یعنی: ''اور جو لوگ اللہ تعالی کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کریں گے، وہ ظالم ہیں۔''

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ﴾ (سورۂ مائدہ:۴۷)

یعنی: ''اور جو لوگ اللہ تعالی کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کریں گے، وہ فاسق ہیں۔''

اگر یہ آیات یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں تو ان کی روشنی میں ان مسلم حکمرانوں اور قاضیوں کو کافر اور غیر مسلم نہیں قرار دیا جا سکتا، جو اللہ تعالی اور رسول اللہ پر ایمان رکھتے ہوں اور ملکی معاملات میں اللہ تعالی کے احکام سے ہٹ کر فیصلہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ مجرم ہیں جو مذکورہ انداز میں فیصلہ کرنے میں یہودیوں کی طرح ہیں، لیکن اللہ تعالی اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے کی وجہ سے یہودیوں سے مختلف ہیں، کیونکہ یہودیوں نے تو کہا تھا کہ اگر ان کی خواہش کے مطابق فیصلہ نہ کیا گیا تو وہ اللہ کے رسول کو سرے سے حاکم ہی تسلیم نہیں کریں گے، جبکہ مسلم حکمرانوں کا معاملہ ان کے برعکس ہے، یہ رسول اللہ ﷺ کو حقیقی حاکم تسلیم کرتے ہیں اور آپ کی تعلیمات کو برحق سمجھتے ہیں، لیکن عملی طور پر فیصلہ کرتے وقت آپ ﷺ کے احکام سے پہلو تہی کر جاتے ہیں۔

اس بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ کفر کی دو قسمیں ہیں: (۱) اعتقادی اور (۲) عملی۔ اعتقادی کفر کا محل دل اور عملی کفر کا محل ظاہری اعضا سے ہے۔ اگر کوئی آدمی شریعت کی مخالفت کرتے ہوئے کفریہ عمل کرتا ہے اور اس کا دل اس کے اس فیصلے پر مطمئن ہو جاتا ہے تو یہ اعتقادی کفر کہلائے گا، ایسے کافر کی بخشش نہیں ہوگی اور یہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ لیکن اگر کسی آدمی کا دل شرعی احکام کی روشنی میں اس کے کفریہ عمل کی مخالفت کر رہا ہو اور اسے غلط سمجھ رہا ہو تو یہ عملی کفر کہلائے گا، ایسا

مجرم مسلم ہی تصور ہوگا، اس کا یہ بدعمل اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہوگا، اس نے چاہا تو بخش دے گا اور چاہا تو سزا دے گا۔
جن احادیث میں مسلمانوں کی بعض معصیتوں کو کفر کہا گیا ہے، اس سے مراد عملی کفر ہے، مثلا:

۱۔ نسب میں طعن کرنا اور میت پر نوحہ کرنا کفر ہے۔

۲۔ قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔

۳۔ مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے قتل کرنا کفر ہے۔

۴۔ اپنے نسب سے براءت کا اظہار کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا بیان کرنا شکر ہے اور ایسا نہ کرنا کفر ہے۔

۶۔ میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگ جاؤ۔

علاوہ ازیں اس موضوع پر دلالت کرنے والی بے شمار احادیث ہیں، اس مقام پر ان کا احاطہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان ان برائیوں اور معصیتوں کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا کفر عملی ہوتا ہے، یعنی وہ وہ عمل کرتا ہے، جو عام طور پر کافر کرتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی آدمی کسی برائی کو حلال اور جائز سمجھ کا اس کا ارتکاب کرتا ہے اور سرے سے اسے نافرمانی ہی تصور نہیں کرتا تو وہ کافر ہوگا، کیونکہ وہ عقائد میں کفار کی طرح ہو جاتا ہے۔

سلف صالحین ''کفر دون کفر'' کی اصطلاح استعمال کرتے رہے، ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہ قاعدہ منقول ہے، پھر بعض تابعین نے ان سے نقل کیا۔ اس اصطلاح کا یہی تقاضا ہے کہ ہر عملی کفر کو اعتقادی کفر نہیں کہا جا سکتا اور یہ کہ عملی کفر کی مختلف اقسام ہیں، کسی کا گناہ زیادہ ہوتا ہے اور کسی کا کم۔

عصر حاضر میں بھی بعض لوگ اس نازک مسئلہ میں گمراہ ہو گئے ہیں، انھوں نے خارجیوں کا روپ دھار لیا ہے، جو بعض گناہوں کی وجہ سے صوم و صلاۃ کے پابند مسلمانوں کو کافر قرار دیتے تھے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں متقدمین کے بعض اقوال ذکر کر دیئے جائیں، شاید وہ ان لوگوں کے کے لیے مشعلِ ہدایت ثابت ہوں۔

۱۔ ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر (۱۰/ ۳۵۵/ ۱۲۰۵۳) میں صحیح سند کے ساتھ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ اس آیت کا مصداق بننے والا کافر تو ہے، لیکن اس سے اللہ تعالیٰ، فرشتوں، آسمانی کتابوں اور رسولوں کے ساتھ کفر لازم نہیں آتا۔

۲۔ ایک روایت کے مطابق اسی آیت کے بارے میں انھوں نے کہا: اس آیت سے مراد وہ کفر نہیں، جو ملتِ اسلام سے خارج کر دیتا ہے، جیسا کہ خوارج کا خیال ہے، بلکہ یہ آیت ''کفر دون کفر'' کی اصطلاح کا مصداق ہے۔ (مستدرک حاکم: ۲/ ۳۱۳)

۳۔ ابن جریر کی ایک روایت کے مطابق سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہا: جس نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کا انکار کیا، اس نے (اعتقادی) کفر کیا اور جس نے ان احکام کو برحق تسلیم کیا، لیکن

ان کی روشنی میں فیصلہ نہ کیا تو وہ ظالم اور فاسق ٹھہرے گا۔

۴۔ ابن جریر (۱۲۰۲۵، ۱۲۰۲۶) دوسندوں کے ساتھ عمران بن حدیر سے بیان کرتے ہیں کہ بنو عمرو کے کچھ لوگ ابومجلز کے پاس آئے اور کہا: کیا آپ ان تین آیات کو حق سمجھتے ہیں:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ﴾ (سورۂ مائدہ: ٤٤)

یعنی: ''اور جولوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کریں گے، وہ کافر ہیں۔''

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (سورۂ مائدہ: ۴۵)

یعنی: ''اور جولوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کریں گے، وہ ظالم ہیں۔''

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ﴾ (سورۂ مائدہ: ٤٧)

یعنی: ''اور جولوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کریں گے، وہ فاسق ہیں۔''

ابومجلز: جی ہاں۔

بنو عمرو: ابومجلز! تو کیا ہمارے حکمران اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں؟

ابومجلز: ہمارے حکمرانوں کا دین اسلام ہے، وہ اسی کے قائل ہیں اور اسی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اگر یہ لوگ دیدہ دانستہ طور پر دین کے بعض امور کو نظر انداز کر دیتے ہیں تو گنہگار ہوں گے، نہ کہ کافر۔

بنو عمرو: اللہ کی قسم! جو کچھ تم کہہ رہے ہو ایسے ہرگز نہیں ہے۔ تم ان سے ڈر رہے ہو۔ (یہ لوگ کافر ہیں)۔

ابومجلز: اگر تم لوگ کوئی حرج محسوس کیے بغیر ایسا کہنا چاہتے ہو تو کہو، بہرحال میری رائے یہ نہیں ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ یہ آیات یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں نازل ہوئی تھیں، جو مشرک تھے۔

قرآن مجید کی اس آیت ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ﴾ (سورۂ مائدہ: ٤٤) میں کفر سے کیا مراد ہے؟ ابن جریر نے اپنی تفسیر (۱۰/ ۳۴۶۔ ۳۵۷) میں علمائے کرام کے پانچ اقوال بیان کیے ہیں اور یوں کہتے ہوئے بات کو ختم کیا ہے: میرے نزدیک ان میں سے راجح ترین قول یہ ہے کہ یہ آیت اہل کتاب کے کافروں کے بارے میں نازل ہوئی، کیونکہ اس سے پہلے والی اور بعد والی آیات میں ان ہی لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، سیاق وسباق کا یہی تقاضا ہے کہ اس سے مراد یہود ونصاریٰ لیے جائیں۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عام بات کی ہے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرے گا، وہ کافر ٹھہرے گا، آپ لوگ اس کو بعض لوگوں کے ساتھ خاص کیوں کرتے ہیں؟

جواب یہ دیا جائے گا کہ اس آیت میں عام الفاظ ان لوگوں کے بارے میں ہی استعمال ہی کیے گئے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کرنے والے تھے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرتے ہوئے ان کو ترک کرے گا، وہ کافر کہلائے گا، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔

خلاصۂ قول یہ ہے کہ یہ آیت احکام الٰہی کا انکار کرنے والے یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی، پس جو آدمی ان کی طرح کا انکار کرے گا، وہ ان کی طرح کا ہی اعتقادی کافر کہلائے گا اور جو آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار نہیں کرتا، بلکہ ان کو حق تسلیم کرتا ہے، لیکن فیصلہ کرتے وقت ان احکام سے پہلوتہی کر جاتا ہے تو اس کا کفر عملی ہوگا، وہ گنہگار ہوگا، لیکن ملتِ اسلام سے خارج نہیں ہوگا، جیسا سیدنا ابن عباس کی رائے بیان کی جا چکی ہے۔ حافظ ابوعبید قاسم بن سلام نے (کتاب الایمان: باب الخروج من الایمان بالمعاصی ص: ٨٤۔ ٩٧ بتحقیقی) میں اس مضمون پر شاندار بحث کی ہے، خواہشمند افراد خود مطالعہ کر لیں۔

پھر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (٢٥٤/٧) نے کہا: امام احمد رحمہ اللہ سے اس آیت میں مذکورہ کفر کے بارے میں سوال کیا گیا۔ انھوں نے کہا: یہ ایسا کفر ہے، جس کی وجہ سے بندہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ جیسے ایمان کے مختلف مراتب ہیں، اسی طرح کفر کے بھی مختلف مراتب ہیں۔ کسی مسلمان کو اس وقت تک کافر نہیں قرار دیا جا سکتا، جب تک وہ کسی ایسے جرم کا ارتکاب نہ کر لے، جس کی بنا پر بالاتفاق ملتِ اسلام سے خارج ہو جاتا ہو۔

شیخ الاسلام (٣١٢/٧) نے مزید کہا: جس طرح سلف صالحین کا خیال ہے کہ ایک آدمی میں ایمان اور نفاق دونوں صفات ہو سکتی ہے، اسی طرح کسی آدمی میں ایمان اور کفر دونوں کا وجود ممکن ہے، لیکن یاد رہے کہ جس کفر سے ایمان ضائع نہیں ہوتا، وہ مسلمان کو ملتِ اسلام سے خارج نہیں کرتا، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے تلامذہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ﴾ (سورۂ مائدہ: ٤٤) میں مذکورہ کفر کے بارے میں کہا کہ اس سے کوئی بندہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ پھر امام احمد رحمہ اللہ جیسے ائمہ نے ان کی موافقت بھی کی ہے۔

(١٤١)۔ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((قَوْلُهُ: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ﴾، ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ﴾، ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ﴾ قَالَ: ((هِيَ فِي الْكُفَّارِ كُلِّهَا.)) (الصحيحة: ٢٧٠٤)

سیدنا برا بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "﴿اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہ پورے اور پختہ کافر ہیں﴾ (سورۂ مائدہ: ۴۴) ﴿اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق حکم نہ کریں وہی لوگ ظالم ہیں﴾ (سورۂ مائدہ: ۴۵) ﴿اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ سے ہی حکم نہ کریں وہ بدکار فاسق ہیں﴾ (سورۂ مائدہ: ۴۷) یہ تمام آیات کفار کے بارے میں نازل ہوئیں۔"

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ٢٨٦

فوائد: ...... امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: یہ حدیثِ مبارکہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ یہ تین آیات یہود و نصاریٰ اور ان کی طرح کے دوسرے کافروں کے بارے میں نازل ہوئیں، جو شریعتِ اسلامیہ اور اس کے احکام کا انکار کرتے

ہیں، نیز ہر اس شخص کو ان تین آیات میں بیان کردہ حکم دیا جائے گا، جس میں انکار کا وصف پایا جاتا ہو، اگرچہ اس نے ظاہری طور پر اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا ہو اور صرف ایک حکم کا انکار کیا ہو۔

لیکن متنبہ رہنا چاہیے کہ جو شرعی احکام کا انکار نہیں کرتا اور ان کی روشنی میں فیصلہ بھی نہیں کرتا، اس پر کفر اور ملتِ اسلام سے خارج ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا، کیونکہ وہ مسلمان ہے۔ ہاں وہ عملی کفر کا ارتکاب کرنے والا ہے۔ یہ بڑا اہم نکتہ ہے، اسلام سے منسلک اکثر نوجوان اس سے غافل ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ ان مسلمان حکمرانوں کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیتے ہیں، جو اسلامی احکام کی روشنی میں فیصلہ نہیں کرتے۔ نتیجتاً فتنے برپا ہو جاتے ہیں اور بریٔ الذمہ لوگ قتل ہو جاتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ اسلام کو باطل عقائد، بے کار اور فضول شقوں اور گھٹیا اور کھوٹی آرا سے پاک و صاف کر دیا جائے اور پھر کھرے اور سچے اسلام کی روشنی میں نئی نسل کی تربیت کی جائے۔ (صحیحہ: ۲۷۰٤) سابق حدیث کی شرح میں اس مسئلہ پر سیر حاصل گفتگو ہو چکی ہے۔

کیا برا آدمی ناصر الدین بن سکتا ہے؟

(۱٤۲)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ مَرْفُوْعاً: ((إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنِ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ.)) (الصحيحة: ۱٦٤۹)

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس دین کو فاجر آدمی کے ذریعے مضبوط کرے گا۔''

تخريج: رواه ابن حبان في: صحيحه": ۱٦۰۷، والطبراني في "الكبير": ۸۹٦۳، ۹۰۹٤، ومحمد بن مخلد في "المنتقي من حديثه" ۲/ ٦/ ۱

فوائد: ......اللہ تعالیٰ دین کی تائید و نصرت میں فاجر آدمی سے کیسے مدد لیتا ہے؟ اس کی ایک صورت درج ذیل حدیث میں بیان کی گئی ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ حنین میں شریک تھے، ایک آدمی مسلمان ہونے کا دعوی کرتا تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں یہ فرما دیا کہ ''یہ جہنمی ہے۔''

جب ہم نے جنگ لڑنا شروع کی تو اس آدمی نے (لشکرِ اسلام کی طرف سے) بڑی زبردست لڑائی کی۔ خود اس کو بھی ایک زخم لگ گیا۔ کسی نے کہا: اے اللہ کے رسول! جس آدمی کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے، وہ تو آج بہت خوب لڑا اور شہید ہو گیا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ جہنمی ہے۔'' قریب تھا کہ بعض مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی وجہ سے شک میں پڑ جائیں۔ اتنے میں کہا گیا کہ وہ آدمی تو ابھی تک نہیں مرا، لیکن شدید زخمی ضرور ہے۔ رات کا وقت تھا، اس نے زخم پر صبر نہ کیا اور خودکشی کر لی، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس صورتحال پر مطلع کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ اکبر، میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ یہ اعلان کریں: ''جنت میں صرف مسلمان داخل ہوگا اور بیشک اللہ تعالیٰ فاجر آدمی کے ذریعے اس دین کو مضبوط کرتا ہے۔'' (بخاری: ۳۰۶۲، مسلم)

قاتل اور مقتول دونوں جنت میں

(۱۴۳)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه مَرْفُوْعاً: ((إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَضْحَكُ مِنْ رَجُلَيْنِ يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الآخَرَ فَيُدْخِلُهُمَا اللّٰهُ الْجَنَّةَ يَكُوْنُ أَحَدُهُمَا كَافِراً فَيَقْتُلُ الْاٰخَرَ، ثُمَّ يُسْلِمُ فَيَغْزُوْ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلُ.)) (الصحيحة:٢٥٢٥)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ایسے دو آدمیوں پر ہنستا ہے، جن میں سے ایک دوسرے کو قتل کرتا ہے اور وہ ان دونوں کو جنت میں داخل کرتا ہے۔ ان میں سے ایک کافر ہوتا ہے، جو دوسرے مومن کو شہید کر دیتا ہے، پھر وہ مسلمان ہو کر اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے اور شہید ہو جاتا ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ٥١١، والنسائي: ٢/ ٦٣، وأخرجه البخاري: ٣/ ٢١٠، ومسلم: ٦/ ٤٠ بلفظ: ((يضحك الله الى رجلين يقتل احدهما الآخر كلاهما في الجنة، يقاتل هذا في سبيل الله عز وجل فيستشهد، ثم يتوب الله على القاتل فيسلم، فيقاتل في سبيل الله عز وجل فيستشهد.))

فوائد: ......توبہ سے بڑے سے بڑے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، قبولیتِ اسلام سے پہلے ان کا ارتکاب کیا گیا ہو یا اس کے بعد۔ ہنسنا اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے، جس پر یہ ایمان لانا ضروری ہے۔ رہا مسئلہ کہ اس کے ہنسنے کی کیفیت کیا ہے؟ اس معاملے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہیے۔ وہ اسی طرح ہنستا ہے، جیسے اس کی شان و عظمت کو زیب دیتا ہے۔

ہر صدی کے بعد تجدید دین

(١٤٤)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: ((إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِئَةِ سَنَةٍ مَّنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا.)) (الصحيحة:٥٩٩)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر سو سال کے بعد دین کی تجدید کرنے کے لئے بعض افراد کو بھیجتا رہے گا۔''

تخريج: أخرجه أبو داود: ٤٢٩١، وأبو عمرو الداني في"الفتن": ١/٤٥، والحاكم: ٤/ ٥٢٢، والبيهقي في"معرفة السنن والآثار":صـ ٥٢، والخطيب في"التاريخ": ٢/ ٦١، والهروي في"ذم الكلام": ١١١/ ٢

فوائد: ......امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا: بیشک اللہ تعالیٰ ہر صدی کے آخر میں ایسے افراد کی تقرری کرتا ہے، جو لوگوں کو سنتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے والی جھوٹی باتوں کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی کرتے ہیں۔ جب ہم نے اپنی زندگی میں غور و فکر کیا تو پہلی صدی کے آخر میں عمر بن عبد العزیز کو اور دوسری صدی کے آخر میں امام شافعی کو دین کی تجدید کرنے والا پایا۔ (سير الأعلام النبلاء: ١٠/ ٤٦) امام زہری رحمہ اللہ اور متقدمین و

متاخرین ائمہ کا امام احمد رحمہ اللہ کے اس قول پر اتفاق ہے۔ (دیکھیں: عون المعبود: حدیث نمبر ٤٢٩١)

شارح ابوداود علامہ عظیم آبادی رحمہ اللہ نے کہا: جب علم اور سنت مغلوب ہو جاتے ہیں اور جہالت اور بدعت غالب آ جاتے ہیں تو اللہ تعالی ایسا صاحبِ علم پیدا کر دیتا ہے، جو سنت اور بدعت کی علیحدہ علیحدہ وضاحت کر کے سنت کا احیا کرتا ہے، علم شرعی کی نشر و اشاعت کرتا ہے، اہل علم کی تائید و نصرت کرتا ہے اور بدعتی لوگوں کو شکست دے کر ان کو ذلیل کرتا ہے۔

علما کا کہنا ہے: دین کی تجدید کرنے والا ظاہری طور پر اور باطنی طور پر دینی علوم سے مزین ہوگا۔

علقمی رحمہ اللہ نے اپنی شرح میں کہا: تجدید دین سے مراد یہ ہے کہ کتاب وسنت کے احکام پر مٹ چکنے والے عمل کا احیا کیا جائے اور ان کے تقاضوں کے مطابق حکم دیا جائے۔

طیبی رحمہ اللہ نے کہا: بھیجنے سے مراد یہ ہے کہ جب صدی کی تکمیل ہو تو وہ عالم زندہ ہو اور لوگوں میں معروف ہو۔

مجالس الابرار میں کہا: مجدّد کے حالات کے قرائن اور اس کے علم کے فائدہ مند ہونے کو دیکھ کر اس کے ہم عصر علما ظن غالب کی روشنی میں اس کے حق میں فیصلہ کریں کہ وہ واقعی مجدّد دین ہے، کیونکہ ضروری ہے کہ تجدید کرنے والا ظاہری اور باطنی دینی علوم سے مزین ہو، سنت کی تائید و نصرت کرنے والا ہو، بدعت کا قلع قمع کرنا والا ہو اور اس کا علم اس کے ہم عصروں میں نشر ہو جانے والا ہو۔

معلوم ہوا کہ مجدد وہ ہوگا جو شرعی علوم سے مزین ہو، اس کا ہدف اور عزم یہ ہو کہ سنتوں کا احیا کیا جائے، ان کو نشر کیا جائے، سنت والوں کی تائید و نصرت کی جائے، بدعت کا ملیا میٹ کر دیا جائے اور زبان کے ساتھ، قلم کے ساتھ اور تدریس و تعلیم کے ساتھ بدعتیوں کا قلع قمع کیا جائے۔ جس عالم کی یہ صفات نہیں ہوں گی، وہ مجدد دین نہیں ہو سکتا، اگرچہ وہ مختلف علوم میں مشہور ہو اور مرجع الناس بنا ہوا ہو۔ (عون المعبود: حدیث ٤٢٩١)

علمائے حق کا خیال ہے کہ اس سلسلہ کے مرتب علامہ البانی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى رَحْمَةً وَاسِعَةً مجدد دین ہیں، جو پندرہویں صدی ہجری کے اوائل میں انتقال فرما گئے۔ اگر بغیر کسی تعصب کے ان کے لیل و نہار کو دیکھا جائے اور ان کی تصانیف پر نظر دوڑائی جائے تو وہ ناصر السنہ اور قامع البدعہ ہی معلوم ہوں گے۔

ہر ہنر اور ہنر مند اللہ تعالی کی تخلیق ہے

(١٤٤م)۔ عَنْ حُذَيْفَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((إِنَّ اللّٰهَ يَصْنَعُ كُلَّ صَانِعٍ وَصُنْعَتَهُ .)) (الصحيحة:١٦٣٧)

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالی ہر قسم کا کاریگر (یا صنعت کار) اور اس کا ہنر (یا صنعت) پیدا کرتا ہے۔“

تخريج: أخرجه البخاري في "خلق أفعال العباد": صـ٧٣، وابن أبي عاصم في "السنة": ٣٥٧ و ٣٥٨، وابن منده في "التوحيد": ق ٣٩/ ٢، وابن عدي: ٢٦٣/ ٢، والحاكم: ١/ ٣١، والبيهقي في "الأسماء و الصفات": صـ٢٦ و ٣٨٨، وكذا المحاملي في "الأمالي": ج ٦ رقم ١٣، والديلمي: ١/ ٢/ ٢٢٨

فوائد :......امام بخاری کی روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں: وتلا بعضهم عند ذلك: ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (سورۂ صافات: ۹۶) یعنی: بعض راوی اس حدیث کو بیان کرتے وقت اس آیت کی تلاوت کرتے: ''اور اللہ تعالیٰ نے تم کو اور تمہارے افعال کو پیدا کیا۔''

پھر انھوں نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول روایت کیا: ان الله خلق كل صانع و صنْعَتَه، ان الله خلق صانع الخَزَم و صنعته۔ یعنی: ''بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر کاریگر (یا صنعت کار) اور اس کا ہنر (یا صنعت) پیدا کی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے ''خزم'' اور اس کے ہنر کو پیدا کیا۔''

خزم: اس کے دو معانی ہیں: (۱) ایک درخت جس کی چھال سے رسی بنائی جاتی ہے۔ (۲) کھجور کے درخت جیسا ایک درخت جس کے پتوں سے عورتوں کے لیے ٹوکریاں بنائی جاتی ہیں۔

معلوم ہوا کہ اس عہدِ جدید میں جتنے علوم وفنون منظرِ عام پر آئے ہیں اور ان کی بنا پر محنت کرنے والوں کو ڈاکٹر، انجینیئر اور سائنسدان جیسے جن القاب سے نوازا گیا ہے، یہ سب ہنر اور ہنر مند اللہ تعالیٰ کے مرہون منت ہیں، ان ماہرین کو اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

اخلاص، قبولیتِ عمل کی بنیادی شرط ہے

(۱٤٥)۔ عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ قَيْسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ: أَنَا خَيْرُ شَرِيْكٍ، فَمَنْ أَشْرَكَ بِي أَحَداً فَهُوَ لِشَرِيْكِي۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَخْلِصُوْا الْأَعْمَالَ لِلّٰه فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَا يَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا خَلَصَ لَهُ، وَلَا تَقُوْلُوْا: هٰذَا لِلّٰهِ وَلِلرَّحِمِ، وَلَيْسَ لِلّٰهِ مِنْهُ شَيْءٌ! وَلَا تَقُوْلُوْا: هٰذَا لِلّٰهِ وَلِوُجُوْهِكُمْ فَإِنَّهُ لِوُجُوْهِكُمْ، وَلَيْسَ لِلّٰهِ مِنْهُ شَيْءٌ.)) (الصحيحة: ٢٧٦٤)

سیدنا ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں بہترین حصہ دار ہوں اور وہ اس طرح کہ جو میرے ساتھ کسی کو حصہ دار بنائے گا، میں اپنا سارے کا سارا حصہ اپنے حصے دار کو دے دوں گا (اور خود کچھ نہیں لوں گا)۔ لوگو! اللہ تعالیٰ کے لئے خالص عمل کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف وہی عمل قبول کرتا ہے جو خالص اسی کے لئے کیا گیا ہو۔ یہ نہ کہا کرو: یہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور یہ رشتہ وقرابت کے لئے ہے، ایسی (تقسیم) میں سے اللہ کے لئے کچھ نہیں ہوتا اور یہ بھی نہ کہا کرو: یہ اللہ کے لئے ہے اور یہ جناب کے لئے ہے، کیونکہ یہ سارے کا سارا جنابوں کو ہی مل جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔''

تخريج: أخرجه عبدالباقي بن قانع في ترجمة الضحاك بن قيس الفهري في "معجم الصحابة"

فوائد :......ادنی سے ادنی اور اعلی سے اعلی نیک عمل کی بنیاد خلوص اور نیت پر ہے۔ نیت اعلی ہو تو ادنی سا عمل نجات کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور نیت میں کھوٹ ہو تو اعلی عمل بھی وبالِ جان بن جاتا ہے۔ امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ

نے کہا: كَمْ مِنْ عَمَلٍ صَغِيْرٍ تُعَظِّمُهُ النِّيَةُ وَرُبَّ عَمَلٍ كَبِيْرٍ تُصَغِّرُهُ النِّيَّةُ .
یعنی: نیت کئی چھوٹے چھوٹے عملوں کو عظیم اور کئی بڑے بڑے عملوں کو گھٹیا بنا دیتی ہے۔

ہمیں چاہیے کہ اعمالِ صالحہ کے سلسلے میں متنبہ رہیں اور صوم وصلاۃ، حج وعمرہ اور صدقہ وخیرات کے سلسلے میں اللہ تعالی کے علاوہ کسی ہستی کو سامنے نہ رکھیں۔ ریا کاری، نمود ونمائش، دکھلاوے اور شہرت طلبی سے مکمل طور پر اجتناب کیا جائے۔ حدیثِ مبارکہ کے پہلے جملے کا معنی ومفہوم یہ ہے کہ جس عمل میں اخلاص نہ ہو، وہ اللہ تعالی کے ہاں سرے سے شرفِ قبولیت حاصل نہیں کر سکتا ہے، اللہ تعالی وہ سارے کا سارا عمل بندے کو واپس کر دیتے ہیں۔

ریا کاری، شرکِ اصغر ہے

(١٤٦)۔ عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ .)) قَالُوْا: وَمَا الشِّرْكُ الأَصْغَرُ؟ قَالَ: ((اَلرِّيَاءُ، يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وجَلَّ لِأَصْحَابِ ذَالِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِذَا جَازَى النَّاسَ: اِذْهَبُوْا إِلَى الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُرَاؤُوْنَ فِي الدُّنْيَا، فَانْظُرُوْا هَلْ تَجِدُوْنَ عِنْدَهُمْ جَزَاءً؟)) (الصحيحة: ٩٥١)

سیدنا محمود بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے تمھارے حق میں سب سے زیادہ ڈر شرکِ اصغر کا ہے۔“ صحابہ نے عرض کی: شرکِ اصغر کیا ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ریا کاری کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالی قیامت والے دن جب لوگوں کو بدلہ دے گا تو ریا کاروں سے کہے گا: ان ہستیوں کی طرف چلے جاؤ، جن کے سامنے دنیا میں ریا کاری کرتے تھے اور دیکھو کہ آیا ان کے پاس کوئی بدلہ ہے؟“

تخريج: رواه أحمد: ٥/ ٤٢٨و٤٢٩، وأبومحمد الضراب في"ذم الرياء": ٢٧٧/ ٢، ٢٩٩/ ٢، والبيهقي: ٦٨٣١، والبغوي في"شرح السنة": ٤/ ٢٠١/ ١، والطبراني في "المعجم الكبير": ١/ ٢١٧/ ١

فوائد :...... دکھاوے، تصنع، عدمِ خلوص، نفاق، نمود ونمائش اور شہرت طلبی جیسے امورِ خبیثہ کو سامنے رکھ کر کوئی ایسا کام کرنا، جو اللہ تعالی کی رضامندی کے حصول کے لیے سرانجام دیا جاتا ہے، کو ریا کاری کہتے ہیں۔

امام مبارکپوری رحمہ اللہ نے کہا: لوگوں کو دکھانے کی خاطر عبادت کا اظہار کرنا، تاکہ لوگ اس عبادت گزار کی تعریف کریں۔ جبکہ امام غزالی رحمہ اللہ نے کہا: ریا کاری کا اصل معنی لوگوں کو محمود اور قابلِ تعریف خصائل دکھا کر ان کے دلوں میں مقام حاصل کرنا ہے، تو ریا کاری کی تعریف یہ ہوئی کہ لوگوں کو دکھانے کے لیے اللہ تعالی کی عبادت واطاعت کرنا۔ (تحفة الاحوذي: ٣/ ٢٧٩)

ریا کار عارضی طور پر لوگوں کی نظروں میں تو متقی اور پارسا بن جاتا ہے، لیکن اپنے عمل کو برباد اور اس کے اجر کو ضائع کر دیتا ہے۔ یہ ریا کاری کی شناعت وقباحت ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اپنی عبادات میں اخلاص پیدا کریں اور ریا کاری،

خوشامد اور چاپلوسی جیسی غیر اخلاقی امور سے مکمل اجتناب کریں۔

شرک اکبر اور شرک صریح کا مرتکب دائمی جہنمی ہے۔ ریا کاری جیسا شرک اصغر قابل معافی جرم ہے، اگر معاف نہ ہوا تو اس کی سزا بھگتنے کے لیے عارضی طور پر جہنم میں جانا پڑے گا۔

ہمارے ہاں کئی اعمال کی بنیاد دوسرے کو دکھانے اور اپنے آپ کو ظاہر کرنے پر ہے، مثلا نمازِ جنازہ میں شرکت، کسی کی دعوت کرنا یا کسی کی دعوت قبول کرنا، کسی سے حسن اخلاق سے پیش آنا جیسے امور کی بنیاد اللہ تعالی کی ذات پر نہیں، بلکہ ذاتی دوستی و دشمنی پر ہوتی ہے۔

ریا کار شہید، سخی اور قاری و عالم کا انجام

(١٤٧)۔ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ ، قَالَ: تَفَرَّقَ النَّاسُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه فَقَالَ لَهُ نَاتِلُ أَهْلِ الشَّامِ: أَيُّهَا الشَّيْخُ! حَدِّثْنَا حَدِيْثًا سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: نَعَمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ يُقْضٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَيْهِ: رَجُلٌ أُسْتُشْهِدَ فَأُتِيَ بِهٖ ، فَعَرَّفَهُ نِعْمَهُ فَعَرَفَهَا۔ قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ: قَاتَلْتُ فِيْكَ حَتّٰى اسْتُشْهِدْتُ ، قَالَ: كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِيُقَالَ: جَرِيْءٌ ، فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهٖ ، فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى أُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهُ وَقَرَأَ الْقُرْآنَ ، فَأُتِيَ بِهٖ ، فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ: تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهُ ، وَقَرَأْتُ فِيْكَ الْقُرْآنَ۔ قَالَ: كَذَبْتَ ، وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ: عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ لِيُقَالَ: هُوَ قَارِئٌ ، فَقَدْ قِيْلَ۔ ثُمَّ أُمِرَبِهٖ ، فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى أُلْقِيَ فِي النَّارِ۔ وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ

سلیمان بن یسار کہتے ہیں: جب لوگ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ارد گرد سے بکھر گئے تو اہل شام کے ایک سرکردہ آدمی نے کہا: محترم! ہمیں کوئی حدیث بیان کرو، جو تم نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو۔ انھوں نے کہا: جی ہاں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''قیامت کے روز سب سے پہلے ان (تین قسم کے) افراد کا فیصلہ کیا جائے گا:

(۱) جس آدمی کو شہید کیا گیا، اسے لایا جائے گا، اللہ تعالی اسے اپنی نعمتوں کا تعارف کرائے گا، وہ پہچان لے گا۔ پھر اللہ تعالی پوچھے گا: تو کیا عمل کر کے لایا ہے؟ وہ کہے گا: میں نے تیرے راستے میں جہاد کیا، حتی کہ شہید ہو گیا۔ اللہ تعالی فرمائے گا: تو جھوٹ بول رہا ہے، تو نے تو اس لئے جہاد کیا تھا تا کہ تجھے بہادر کہا جائے اور ایسے (دنیا میں) کہا جا چکا ہے۔ پھر اس کے بارے میں حکم دیا جائے گا اور اسے چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

(۲) علم سیکھنے سکھانے اور قرآن مجید پڑھنے والا آدمی، اسے لایا جائے گا، اللہ تعالی اسے اپنی نعمتوں کا تعارف کرائے گا، وہ اقرار کرے گا۔ اللہ تعالی فرمائے گا: تو کون سا عمل کر کے لایا ہے؟ وہ کہے گا: میں نے تیری خاطر علم سیکھا سکھایا اور قرآن مجید پڑھا۔ اللہ تعالی فرمائے گا: تو جھوٹ بول رہا ہے،

عَلَيْهِ ، وَأَعْطَاهُ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهِ ، فَأُتِيَ بِهِ ، فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا ، قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ: مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيْلٍ تُحِبُّ أَنْ يُنْفِقَ فِيْهَا إِلَّا اَنْفَقْتُ فِيْهَا لَكَ ، قَالَ: كَذَبْتَ ، وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ: هُوَ جَوَّادٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهِ ، فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهِ ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ .)) (الصحيحة:٣٥١٨)

حصولِ علم سے تیرا مقصد یہ تھا کہ تجھے عالم کہا جائے اور قرآن اس لئے پڑھا کہ قاری کہا جائے، سو ایسے تو کہا جا چکا ہے۔ پھر اس کے بارے میں حکم دیا جائے گا اور چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

(۳) وہ آدمی جسے اللہ تعالی نے خوشحال و مالدار بنایا اور اسے مال کی تمام اقسام عطا کیں، اسے لایا جائے گا۔ اللہ تعالی اسے اپنی نعمتوں کا تعارف کروائے گا، وہ پہچان لے گا۔ پھر اللہ تعالی فرمائے گا: کون سا عمل کر کے لایا ہے؟ وہ کہے گا: جن مصارف میں خرچ کرنا تجھے پسند تھا، میں نے ان تمام مصارف میں تیرے لئے خرچ کیا۔ اللہ تعالی فرمائے گا: تو جھوٹ بول رہا ہے، تیرا خرچ کرنے کا مقصد تو یہ تھا کہ تجھے سخی کہا جائے اور وہ تو کہہ دیا گیا ہے۔ پھر اس کے بارے میں حکم ہوگا، جس کے مطابق اسے چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٦/ ٤٧ ، والنسائي: ٢/ ٥٨ ، و الحاكم: ١/ ١٠٧ ، ٢/ ١١٠ ، والبيهقي: ٩/ ١٦٨ ، وأبونعيم في "الحلية": ٢/ ١٩٢ ، والخطيب في "تقييد العلم": ١٩٧ ، وأحمد: ٢/ ٣٢٢

فوائد :...... معلوم ہوا کہ ریاکاروں کا سخت محاسبہ ہوگا۔ شریعتِ اسلامیہ کا تقاضا ہے کہ اخلاص کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا، چاہے بظاہر وہ عمل کتنا بڑا ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن ریاکاری کی وجہ سے اس پر ثواب ملنے کی بجائے، عذاب ہوگا اور ایسا ''نیکوکار'' جنت کے بجائے جہنم میں جائے گا۔

معلوم ہوا کہ ہر نیک عمل کرنے اور ہر برائی سے بچنے سے پہلے اس چیز کا تعین کر لیا جائے کہ اس عمل کا مقصود کیا ہے، اگر مقصود اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور کو راضی کرنا ہو تو سرے سے وہ لوگوں کے سامنے نہ کیا جائے، نیز اللہ تعالی سے خلوصِ نیت کی بکثرت دعا کی جائے۔

شہرت کا حریص ہونا باعثِ وبال ہے

(١٤٨)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو ﷠ مَرْفُوْعاً: ((مَنْ سَمَّعَ النَّاسَ بِعَمَلِهِ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهِ مَسَامِعَ خَلْقِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَحَقَّرَهُ وَصَغَّرَهُ .)) (الصحيحة:٢٥٦٦)

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو اپنے عمل کے ذریعے لوگوں میں مشہور ہونا چاہتا ہے، اللہ تعالی روزِ قیامت اپنی مخلوقات کو اس کی بابت سنا دے گا اور اسے حقیر و ذلیل کر دے گا۔''

تخريج: أخرجه ابن المبارك في "الزهد": رقم ١٤١ ، وأحمد في "مسنده": رقم ٦٥٠٩ ، ٦٩٨٦ ، ٧٠٨٥ ، والطبراني في "الأوسط": ٤/ ٤٨٤ ـ مصورة الجامعة الأسلامية ، وأبو نعيم في "الحلية": ٤/ ٢٤ ، ٥/ ٩٩

فوائد :......شہرت طلبی، ریا کاری، نمود ونمائش اور دکھلاوے جیسی چیزوں کا طلبگار ہونا انتہائی کمینگی اور گھٹیا پن ہے۔ اللہ تعالی ایسے لوگوں کو دنیا میں ان کی خواہش کے مطابق مشہور کر دیتے ہیں، لیکن میدانِ حشر میں ذلیل کرتے ہیں۔ مومن کو چاہئے کہ اپنے عمل میں خلوص پیدا کرے۔

اللہ تعالی سے تجدید ایمان کی دعا اور وجہ

(۱٤۹)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((إِنَّ الْإِيْمَانَ لَيَخْلُقُ فِي جَوْفِ أَحَدِكُمْ كَمَا يَخْلُقُ الثَّوْبُ فَاسْأَلُوْا اللّٰهَ أَن يُجَدِّدَ الْإِيْمَانَ فِي قُلُوْبِكُمْ .)) (الصحيحة:١٥٨٥)

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایمان بھی کپڑے کی طرح تمھارے سینوں میں بوسیدہ ہو جاتا ہے، سوتم اللہ تعالی سے سوال کرتے رہا کرو کہ وہ تمھارے دلوں میں ایمان کی تجدید کرتا رہے۔''

تخريج: أخرجه الحاكم: ١/ ٤ ، والطبرانی فی "الكبير"

فوائد :......اس حدیث مبارکہ میں جس کیفیت کو بیان کیا گیا ہے، ہر صاحبِ ایمان اس کو محسوس کرتا ہے، بالخصوص اس وقت جب بیماری، سفر یا کسی مجبوری کی وجہ سے عبادات کی روٹین متاثر ہوتی ہے، صاحب ایمان خواتین ماہواری کے ایام کی وجہ سے ایمان میں ہونے والی کمی کو محسوس کرتی ہے۔

بسا اوقات ایسے ہوتا ہے کہ طبیعت کو نفلی عبادت کی بھی بڑی رغبت ہوتی ہے اور بعض اوقات فرضی عبادت بھی گراں گزر رہی ہوتی ہے۔ مومنوں کو گمراہ کرنے کے لیے شیطان مختلف حربے استعمال کرتا رہتا ہے، کبھی کبھار اس کا وار اثر کر جاتا ہے، جس کا ازالہ اللہ تعالی سے تجدیدِ ایمان کی دعا کر کے کیا جا سکتا ہے۔

فرزندانِ امت کسی بندے کے نیک یا برا ہونے پر گواہ ہیں

(۱٥۰)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: مَرُّوْا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ بِجَنَازَةٍ فَأَثْنَوْا عَلَيْهَا خَيْراً فَقَالَ: ((وَجَبَتْ)) ثُمَّ مَرُّوْا بِأُخْرٰى فَأَثْنَوْا شَرًّا، فَقَالَ: ((وَجَبَتْ .)) ثُمَّ قَالَ: ((إِنَّ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ شُهَدَاءٌ .)) (الصحيحة:٢٦٠٠)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کچھ لوگ جنازہ لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس سے گزرے، لوگوں نے اس میت کا تذکرۂ خیر کیا۔ آپ نے (سن کر) فرمایا: ''واجب ہوگئی ہے۔'' پھر کوئی دوسرا جنازہ لے کر گزرے، لوگوں نے اس کا تذکرۂ شرّ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''واجب ہوگئی ہے۔'' پھر فرمایا: ''تم ایک دوسرے پر گواہ ہو۔''

تخريج: أخرجه الطيالسی :٢٣٨٨ ، وأحمد: ٢/ ٤٦٦ ، ٤٧٠ ، وأبوداود: ٣٢٣٣، والنسائی : ٢/ ٢٧٣ ، ورواه ابن ماجه: ١٤٩٢ نحوه

فوائد :......اس حدیث میں فرزندانِ امت کی شہادت کا ذکر ہے، کہ جس کو وہ اچھا سمجھتے ہیں، اللہ تعالی بھی اس

کو اچھا سمجھتے ہیں اور جس کو وہ برا سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی اس کو برا سمجھتا ہے، جیسا کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَیُّمَا مُسْلِمٍ شَهِدَ لَهٗ اَرْبَعَةٌ بِخَیْرٍ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ .)) یعنی: ''جس مسلمان کی خیر و بھلائی کی شہادت چار مسلمان دے دیں، اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔'' (بخاری) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین اور دو افراد کا بھی تذکرہ کیا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب صحابہ نے ایک میت کا تذکرۂ خیر اور دوسری کا تذکرۂ شر کیا تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ اَثْنَیْتُمْ عَلَیْهِ خَیْرًا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ اَثْنَیْتُمْ عَلَیْهِ شَرًّا وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ، اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ، اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ، اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ وَفِیْ رِوَایَةٍ: وَالْمُؤْمِنُوْنَ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ .)) (بخاری، مسلم)

یعنی: ''جس میت کی تم نے اچھی تعریف کی، اس کے لئے جنت واجب ہو گئی اور جس کا تم نے تذکرۂ شر کیا، اس کے لئے آگ واجب ہو گی۔ (دراصل) تم لوگ زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو، تم لوگ زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو، تم لوگ زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو اور ایک روایت میں ہے: مومن زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہیں۔''

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ان گواہوں سے مراد اس میت کے حالات کو پہچاننے والے اہل علم، اہل صلاح اور سچے مسلمان ہیں۔ تفصیل کے لیے امام البانی رحمہ اللہ کی کتاب (احکام الجنائز) دیکھیں۔ بہر حال اتنی بات ضرور ہے کہ اس شہادت کی بنیاد اسلامی عادات و خصائل کی بنا پر ہے۔ یعنی نماز، روزہ، تلاوت، ذکر و اذکار، احترامِ انسانیت، خدمتِ انسانیت، صدقہ و خیرات، اخلاق حسنہ اور غریب نوازی جیسے اسلامی احکام کو اپنانے کی وجہ سے لوگوں کی شہادت کا مستحق بننا۔

پرخلوص اعمال کو وسیلہ بنانا...... غار والوں کا واقعہ

(۱۵۱)۔ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ رضی اللہ عنہ: اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَذْكُرُ الرَّقِیْمَ فَقَالَ: ((اِنَّ ثَلَاثَةً كَانُوْا فِیْ كَهْفٍ فَوَقَعَ الْجَبَلُ عَلٰی بَابِ الْكَهْفِ فَأَوْصَدَ عَلَیْهِمْ، قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ: تَذَاكَرُوْا، اَیُّكُمْ عَمِلَ حَسَنَةً لَعَلَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ بِرَحْمَتِهٖ یَرْحَمُنَا! فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ: قَدْ عَمِلْتُ حَسَنَةً مَرَّةً، كَانَ لِیْ أُجَرَاءُ یَعْمَلُوْنَ، فَجَاءَ عُمَّالٌ لِیْ، فَاسْتَأْجَرْتُ

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غار والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ''ایک غار میں تین آدمیوں نے پناہ لی، پہاڑ کا کچھ حصہ غار کے دروازہ پر گرا اور اس کا راستہ بند کر دیا۔ ایک نے کہا: یاد کرو، تم میں سے کس نے نیک عمل کیا ہے، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے سبب ہم پر رحم کر دے۔ ایک آدمی نے کہا: میں نے ایک دفعہ ایک نیکی کی تھی، (اس کی تفصیل یہ ہے کہ) میرے کچھ مزدور کام کرتے تھے، میرے عمال میرے پاس آئے،

كُلَّ رَجُلٍ مِنْهُمْ بِأَجْرٍ مَعْلُومٍ فَجَاءَنِيْ رَجُلٌ ذَاتَ يَوْمٍ وَسْطَ النَّهَارِ فَاسْتَأْجَرْتُهُ بِشَطْرِ أَصْحَابِهِ، فَعَمِلَ فِي بَقِيَّةِ نَهَارِهِ كَمَا عَمِلَ كُلُّ رَجُلٍ مِنْهُمْ فِي نَهَارِهِ كُلِّهِ فَرَأَيْتُ عَلَيَّ فِي الذِّمَامِ أَنْ لَّا أَنْقُصَهُ مِمَّا اسْتَأْجَرْتُ بِهِ أَصْحَابَهُ، لِمَا جَهِدَ فِي عَمَلِهِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ: أَتُعْطِي هٰذَا مِثْلَ مَا أَعْطَيْتَنِيْ، وَلَمْ يَعْمَلْ إِلَّا نِصْفَ نَهَارٍ، فَقُلْتُ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ! لَمْ أَبْخَسْكَ شَيْئًا مِنْ شَرْطِكَ وَإِنَّمَا هُوَ مَالِيْ، أَحْكُمُ فِيْهِ مَا شِئْتُ۔ قَالَ: فَغَضِبَ وَذَهَبَ وَتَرَكَ أَجْرَهُ۔ قَالَ: فَوَضَعْتُ حَقَّهُ فِي جَانِبٍ مِنَ الْبَيْتِ مَاشَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ مَرَّتْ بِي بَعْدَ ذٰلِكَ بَقَرٌ، فَاشْتَرَيْتُ بِهِ فَصِيْلَةً مِنَ الْبَقَرِ فَبَلَغَتْ مَاشَاءَ اللّٰهُ فَمَرَّ بِي بَعْدَ حِيْنٍ شَيْخاً ضَعِيْفًا لَا أَعْرِفُهُ، فَقَالَ: إِنَّ لِيْ عِنْدَكَ حَقًّا، فَذَكَّرَنِيْهِ حَتّٰى عَرَفْتُهُ، فَقُلْتُ: إِيَّاكَ أَبْغِي، هٰذَا حَقُّكَ فَعَرَضْتُهُ عَلَيْهِ جَمِيْعَهَا! فَقَالَ: يَا عَبْدَاللّٰهِ! لَا تَسْخَرْ بِي! إِنْ لَّمْ تَصَدَّقْ عَلَيَّ فَأَعْطِنِيْ حَقِّي، قُلْتُ: وَاللّٰهِ! لَا أَسْخَرُ بِكَ، إِنَّهَا لَحَقُّكَ، مَا لِيْ مِنْهَا شَيْءٌ، فَدَفَعْتُهَا إِلَيْهِ جَمِيْعاً۔ اَللّٰهُمَّ! إِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذٰلِكَ لِوَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا! قَالَ: فَانْصَدَعَ الْجَبَلُ حَتّٰى رَأَوْا مِنْهُ وَأَبْصَرُوْا۔ قَالَ الْآخَرُ: قَدْ عَمِلْتُ حَسَنَةً مَرَّةً كَانَ لِي فَضْلٌ، فَأَصَابَتِ النَّاسَ

میں نے ہر ایک کو معین مزدوری دی۔ ایک دن ایک آدمی نصف النھار کے وقت میرے پاس آیا، میں نے اسے مزدوری پر تو لگا دیا، لیکن (نصف دن) کی وجہ سے دوسرے مزدوروں کی مزدوری کے نصف کے بقدر دینے کا طے کیا، لیکن اس نے اس نصف دن میں اتنا کام کیا، جو دوسروں نے پورے دن میں کیا تھا، اس لیے میں نے اپنی ذمہ داری سمجھی کہ اسے اس کے ساتھیوں کی طرح پوری اجرت دوں، کیونکہ اس نے اپنا کام کرنے میں پوری محنت کی ہے۔ ان میں سے ایک آدمی نے (اعتراض کرتے ہوئے) کہا: کیا تو اس کو وہی اجرت دے رہا ہے جو مجھے دی، حالانکہ اس نے نصف دن کام کیا ہے؟ میں نے کہا: اللہ کے بندے! جو کچھ تجھ سے تیرے بارے میں طے ہوا تھا، اس میں میں نے کوئی کمی نہیں کی، یہ میرا مال ہے، میں جیسے چاہوں اس کے بارے میں فیصلہ کرسکتا ہوں۔ (میری اس بات سے) اسے غصہ آیا اور وہ اجرت چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے گھر کے ایک کونے میں اس کا حق رکھ دیا، پھر ایک دن میرے پاس سے گائے گزری، میں نے اس کی اجرت والے مال سے دودھ چھڑایا ہوا گائے کا بچہ خرید لیا، (اس کی نسل بڑھتی رہی اور) گائیوں میں اضافہ ہوتا رہا۔ ایک دن وہی مزدور میرے پاس سے گزرا، وہ بوڑھا اور کمزور ہو چکا تھا، اس لئے میں نے اسے نہیں پہچانا۔ اس نے کہا: میرا حق تیرے پاس ہے، جب اس نے مجھے یاد کرایا تو بات میری سمجھ میں آ گئی۔ میں نے کہا: میں تو تیری ہی تلاش میں تھا، میں نے اس پر (ساری گائیں) پیش کرتے ہوئے کہا: یہ تیرا حق ہے۔ اس نے کہا: او اللہ کے بندے! میرے ساتھ مذاق تو نہ کر، اگر میرے ساتھ ہمدردی نہیں کرسکتا تو میرا حق تو مجھے دے دے۔ میں نے کہا. اللہ کی قسم! میں تیرے ساتھ

شِدَّةٌ، فَجَاءَتْنِي امْرَأَةٌ تَطْلُبُ مِنِّي مَعْرُوْفاً، قَالَ: فَقُلْتُ: وَاللّٰهِ مَا هُوَ دُوْنَ نَفْسِكِ! فَأَبَتْ عَلَيَّ فَذَهَبَتْ ثُمَّ رَجَعَتْ فَذَكَّرَتْنِيْ بِاللّٰهِ، فَأَبَيْتُ عَلَيْهَا وَقُلْتُ: لَا وَاللّٰهِ مَاهُوَ دُوْنَ نَفْسِكِ! فَأَبَتْ عَلَيَّ وَذَهَبَتْ، وَذَكَرَتْ لِزَوْجِهَا، فَقَالَ لَهَا: أَعْطِيْهِ نَفْسَكِ! وَاَغْنِيْ عِيَالَكِ فَرَجَعَتْ إِلَيَّ فَنَاشَدَتْنِيْ بِاللّٰهِ فَأَبَيْتُ عَلَيْهَا وَقُلْتُ: وَاللّٰهِ!مَاهُوَدُوْنَ نَفْسِكِ! فَلَمَّا رَأَتْ ذَالِكَ أَسْلَمَتْ إِلَيَّ نَفْسَهَا، فَلَمَّا تَكَشَّفْتُهَا وَهَمَمْتُ بِهَا، إِرْتَعَدَتْ مِنْ تَحْتِي فَقُلْتُ: مَاشَأْنُكِ؟ قَالَتْ: أَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعَالَمِيْنَ! فَقُلْتُ لَهَا: خِفْتِهِ فِي الشِّدَّةِ، وَلَمْ أَخَفْهُ فِي الرَّخَاءِ! فَتَرَكْتُهَا وَأَعْطَيْتُهَا مَا يَحُقُّ عَلَيَّ بِمَا تَكَشَّفْتُهَا، اَللّٰهُمَّ! إِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذٰلِكَ لِوَجْهِكَ، فَافْرُجْ عَنَّا قَالَ: فَانْصَدَعَ حَتّٰى عَرَفُوْا وَتَبَيَّنَ لَهُمْ۔ قَالَ الآخَرُ: عَمِلْتُ حَسَنَةً مَرَّةً كَانَ لِي أَبْوَان شَيْخَانِ كَبِيْرَانِ، وَكَانَ لِي غَنَمٌ فَكُنْتُ أُطْعِمُ أَبَوَيَّ وَأَسْقِيهِمَا، ثُمَّ رَجَعْتُ إِلٰى غَنَمِيْ قَالَ: فَأَصَابَنِي يَوْمُ غَيْثٍ حَبَسَنِي فَلَمْ أَبْرَحْ حَتّٰى أَمْسَيْتُ فَأَتَيْتُ أَهْلِيْ، وَأَخَذْتُ مَحْلَبِيْ، فَحَلَبْتُ غَنَمِيْ قَائِمَةً فَمَضَيْتُ إِلٰى أَبَوَيَّ، فَوَجَدْتُهُمَا قَدْ نَامَا، فَشَقَّ عَلَيَّ أَنْ أُوْقِظَهُمَا، وَشَقَّ أَنْ أَتْرُكَ غَنَمِيْ، فَمَا بَرِحْتُ جَالِسًا، وَمَحْلَبِي

مذاق نہیں کر رہا، یہ تیرا ہی حق ہے، اس میں کوئی چیز میری نہیں ہے، سو میں نے وہ سارا مال اسے دے دیا۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ نیکی تیری ذات کے لئے کی ہے تو اس سے ہمارے لئے گنجائش پیدا کر۔ (اس دعا کی وجہ سے) پتھر اتنا ہٹ (یا پھٹ) گیا کہ باہر کا ماحول انھیں نظر آنے لگ گیا۔ دوسرے نے کہا: میں نے بھی ایک دفعہ ایک نیکی کی تھی۔ (تفصیل یہ ہے کہ) میرے پاس زائد از ضرورت مال تھا، لوگ شدت میں مبتلا ہو گئے، ایک عورت میرے پاس کچھ مال طلب کرنے کے لئے آئی۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! تیری شرمگاہ کے علاوہ اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اس نے (ایسا کرنے سے) انکار کر دیا اور وہ چلی گئی، پھر وہ لوٹ آئی اور مجھے اللہ تعالی کا واسطہ دیا، لیکن میں انکار پر تلا رہا اور کہا: نہیں، اللہ کی قسم! تیری شرمگاہ کے علاوہ اس کی کوئی قیمت نہیں۔ اس نے میرے مطالبے کا انکار دیا اور چلی گئی۔ اس نے یہ بات اپنے خاوند کو بتلائی تو اس نے کہا: تو اسے اپنا نفس دے دے (یعنی اسے زنا کرنے دے) اور (کچھ لے کر) اپنے بچوں کی ضرورت پورا کر۔ وہ آئی اور مجھ پر اللہ تعالی کی قسم کھائی، لیکن میں نے (پہلے کی طرح) انکار ہی کیا اور کہا: پہلے اپنا نفس فروخت کرنا ہو گا (یعنی اپنی عزت لٹانی ہو گی)۔ جب اس نے یہ صورتحال دیکھی تو اپنے آپ کو میرے سپرد کر دیا۔ جب میں نے اسے ننگا کیا اور بدکاری کا ارادہ کر لیا تو اس پر میرے نیچے کپکپی طاری ہو گئی۔ میں نے اسے کہا: تجھے کیا ہو گیا ہے؟ اس نے کہا: میں جہانوں کے پالنہار اللہ سے ڈر رہی ہوں۔ میں نے اسے کہا: تو تنگدستی کے باوجود اس سے ڈرتی ہے اور میں تو خوشحالی میں بھی نہیں ڈرتا۔ پس میں نے اسے چھوڑ دیا اور اسے ننگا کرنے کے جرم میں جو کچھ مجھ پر

عَلٰى يَدِي حَتّٰى أَيْقَظَهُمَا الصُّبْحُ، فَسَقَيْتُهُمَا، اَللّٰهُمَّ! إِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذٰلِكَ لِوَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا! قَالَ النُّعْمَانُ: لَكَأَنِّي أَسْمَعُ هٰذِهِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ـ قَالَ الْجَبَلُ: طَاقٌ، فَفَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فَخَرَجُوْا.)) (الصحيحة:٣٤٦٨)

عائد ہوتا تھا، میں نے اسے دے دیا۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ نیکی تیری ذات کے لئے کی تھی تو آج اس (چٹان) کو ہٹا دے۔ (اس دعا کی وجہ سے) وہ مزید ہٹ گئی، حتی کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچاننے لگ گئے۔

تیسرے نے کہا: میں نے بھی ایک نیکی کی تھی۔ (اس کی تفصیل یہ ہے کہ) میرے والدین بوڑھے تھے اور میرے پاس بکریاں تھیں۔ میں اپنے والدین کو کھانا کھلاتا اور دودھ پلاتا تھا اور پھر اپنی بکریوں کی طرف لوٹ جاتا تھا۔ ایک دن بارش نے مجھے (وقت پر) لوٹنے سے روک لیا، وہیں شام ہوگئی۔ جب میں گھر پہنچا، برتن لیا، بکریوں کا دودھ دوہا اور اپنے والدین کے پاس لے کر گیا، لیکن وہ (میرے پہنچنے سے پہلے) سو چکے تھے۔ ایک طرف ان کو بیدار کرنا مجھ پر گراں گزر رہا تھا اور دوسری طرف بکریوں کو (یوں ہی بے حفاظتا چھوڑ آنا) پریشان کر رہا تھا۔ بہر حال میں برتن تھامے ان کے انتظار میں بیٹھا رہا، حتی کہ وہ صبح کو بیدار ہوئے اور میں نے ان کو دودھ پلایا۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ نیکی تیرے لئے کی تھی تو (اس چٹان کو) ہٹا دے۔ سیدنا نعمان کہتے ہیں: گویا کہ میں یہ الفاظ اب بھی رسول اللہ ﷺ سے سن رہا ہوں، اللہ تعالی نے اس (پتھر کو غار کے دہانے سے) ہٹا دیئے اور وہ نکل گئے۔''

تخريج: أخرجه الأمام أحمد: ٤/ ٢٧٤، وهو فى "الصحيحين" و غيرهما من حديث عبد الله بن عمر بنحوه

فوائد :......معلوم ہوا کہ نیک اعمال کے وسیلے سے دعا کرنا جائز ہے، تاہم اللہ تعالی کے علاوہ کسی کی ذات کا وسیلہ پکڑنا ایک بدعی عمل ہے، اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے، کیونکہ اس پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے اور یہ خیر القرون کے تعامل کے خلاف ہے۔

جائز وسیلہ کی تین صورتیں ہیں: (۱) اللہ تعالی کے اسمائے حسنی اور صفاتِ علیا کا وسیلہ پکڑنا، (۲) اپنے نیک اعمال کے وسیلے سے دعا کرنا اور (۳) نیکی لوگوں سے دعا کروانا۔

ان تین کے علاوہ وسیلہ کی مزید صورتیں بدعت کے زمرے میں آتی ہیں۔

یہ حدیثِ مبارکہ کئی فوائد پر مشتمل ہے، مثلا: والدین کی خدمت کو ہر دوسرے رشتہ دار اور دوستوں پر ترجیح دینا، اللہ تعالی کے ڈر سے گناہ سے رک جانے کا فضیلت والا عمل ہونا، مزدوروں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا اور کسی کا حق رہ جانے کی صورت میں اسے بہترین طریقے سے ادا کرنا، انبیائے کرام کے معجزات کی طرح اولیا کی کرامات کا برحق ہونا، اخلاص اور خشوع وخضوع اور الحاح وزاری سے کی گئی دعا کا قبول ہونا، مشکلات میں صرف اللہ تعالی کو پکارنا۔

مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ دجال کے شر سے محفوظ ہیں

(١٥٢)۔ عَنْ أَنَسٍ ﷺ: أَنَّ رَسُوْلَ

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ الدَّجَّالَ يَطْوِي الأَرْضَ كُلَّهَا إِلَّا مَكَّةَ وَالْمَدِينَةَ، فَيَأْتِي الْمَدِينَةَ فَيَجِدُ بِكُلِّ نَقْبٍ مِنْ أَنْقَابِهَا صُفُوفًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ، فَيَأْتِي سَبْخَةَ الْجُرُفِ، فَيَضْرِبُ رِوَاقَهُ، ثُمَّ تَرْجُفُ الْمَدِينَةُ ثَلَاثَ رَجَفَاتٍ، فَيَخْرُجُ إِلَيْهِ كُلُّ مُنَافِقٍ وَمُنَافِقَةٍ.)) (الصحيحة:٣٠٨٤)

فرمایا: ''بیشک دجال مکہ و مدینہ کے علاوہ ساری زمین پر گھومے گا، جب مدینہ کی طرف آنا چاہے گا تو اسے (اس کی طرف جانے والے) ہر راستے پر فرشتوں کی صفیں نظر آئیں گی، وہ ''سبخۃ الجرف'' مقام (یا جرف کی شوریلی زمین) پر آئے گا اور اس کے سامنے والے حصے پر پڑاؤ ڈالے گا۔ پھر مدینہ زور زور سے تین دفعہ ہلے گا اور ہر منافق مرد اور عورت اس کے پاس چلا جائے گا۔''

تخريج: أخرجه ابن أبي شيبة في "المصنف": ١٢/ ١٨١ و ١٥/ ١٤٣، أخرجه مسلم: ٨/ ٢٠٦ ولم يسق لفظه بتمامه، وانما احال به على ما قبله من حديث انس بن مالك بلفظ: ((ليس من بلد الا سيطؤه الدجال، الا مكة والمدينة ......)) والباقي نحوه، وأخرج البخاري: ١٨٨١ أيضا مثله۔

فوائد :......دجال، علامات قیامت میں سے ایک ہے، اہل ایمان کے لیے بہت بڑا فتنہ ہوگا، کئی خارق عادت صفات سے متصف ہوگا اور ربوبیت کا دعوی کرے گا، حضرت عیسی علیہ السلام کے نزول سے پہلے آئے گا اور چالیس دنوں تک زمین میں قیام کرے گا، لیکن پہلا دن ایک سال کے برابر، دوسرا دن ایک مہینے کے برابر، تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر اور باقی ایام عام دنوں کی طرح ہوں گے۔ حضرت عیسی علیہ السلام اس کو بیت المقدس کے قریب ''لُدّ'' شہر کے دروازے پر اس کو قتل کریں گے۔ اللہ تعالی نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی حفاظت کی اور ان کو اس سے محفوظ کر دیا۔

عزل کی تعریف اور حکم

(١٥٣)۔ عَنْ أَبِي سَعِيدِ الزُّرَقِيِّ رضی اللہ عنہ، قَالَ: أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ: إِنَّ امْرَأَتِي تُرْضِعُ وَأَنَا أَكْرَهُ أَنْ تَحْمِلَ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِنَّ مَاقُدِّرَ فِي الرَّحِمِ سَيَكُوْنُ.)) (الصحيحة:١٠٣٢)

سیدنا ابوسعید زرقی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عزل کے بارے میں دریافت کرتے ہوئے کہا: میری بیوی ابھی تک دودھ پلا رہی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ وہ حاملہ ہو، (تو آیا ایسی صورت میں میں عزل کر سکتا ہوں)؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بچہ دانی کے بارے میں تقدیر میں جو فیصلہ ہو چکا ہے، وہ ہو کر رہے گا۔''

تخريج: أخرجه النسائي: ٢/ ٨٥، وأحمد: ٣/ ٤٥٠

(١٥٤)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَسَأَلَ عَنِ الْعَزْلِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَو أَنَّ

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عزل کے بارے میں سوال کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس مادۂ منویہ سے بچہ پیدا ہونا ہوتو

الْمَاءَ الَّذِي يَكُوْنُ مِنْهُ الْوَلَدُ أَهْرَقْتَهُ عَلٰى صَخْرَةٍ لَأَخْرَجَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْهَا أَوْ لَخَرَجَ مِنْهَا وَلَدٌ وَلَيَخْلُقَنَّ اللّٰهُ نَفْساً هُوَ خَالِقُهَا .)) (الصحيحة:١٣٣٣)

اگر تو اسے چٹان پر بھی بہا دے، اللہ تعالی اس سے بچہ پیدا کر دے گا۔ اللہ تعالی نے جس نفس کو پیدا کرنا ہے، اسے ضرور پیدا کرے گا۔‘‘

تخریج: أخرجه أحمد: ٣/ ١٤٠، وابن ابی عاصم فی "السنة": ٣٢٠

فوائد :......خاوند کا بیوی سے جماع کرنا اور انزال کے وقت آلۂ تناسل کو عورت کی شرمگاہ سے باہر نکال کر مادۂ منویہ ضائع کر دینا عزل کہلاتا ہے، عورت کو حمل سے بچانے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔

اس باب کی احادیث میں عزل کے جائز یا ناجائز ہونے کی وضاحت نہیں کی گئی، بلکہ مبہم سا جواب دے کر عزل نہ کرنے کی طرف اشارہ کیا گیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ عزل جائز ہے، لیکن مکروہ ہے۔ جیسا کہ

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: كُنَّا نَعْزِلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ .)) (بخاری: ٥٢٠٩، مسلم: ١٤٤٠) یعنی: ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عزل کرتے تھے اور قرآن مجید نازل ہو رہا ہوتا تھا۔

دوسری روایت میں ہے: كُنَّا نَعْزِلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَبَلَغَ ذَالِكَ نَبِيَّ اللّٰهِ فَلَمْ يَنْهَنَا)) (مسلم: ١٤٤٠) یعنی: ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عزل کرتے تھے، یہ بات آپ ﷺ تک پہنچی، لیکن آپ ﷺ نے ہمیں منع نہیں کیا۔

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نے غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر آپ ﷺ سے عزل کے بارے میں سوال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ((مَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَفْعَلُوْا ، مَا مِنْ نَسْمَةٍ كَائِنَةٍ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلَّا وَهِيَ كَائِنَةٌ .)) (بخاری: ٢٥٤٢، مسلم: ١٤٣٨) یعنی: ’’اگر تم (عزل) نہ کرو تو تم پر کوئی حرج نہیں، کیونکہ روزِ قیامت تک جس روح نے پیدا ہونا ہے، وہ پیدا ہو کر رہے گی۔‘‘

جن احادیث سے اس کا ممنوع ہونا ثابت ہوتا ہے، ان کو کراہت پر محمول کیا جائے گا، جیسا کہ سیدہ جذامہ بن وہب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ کچھ لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے عزل کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((ذَالِكَ الْوَادُ الْخَفِيُّ)) یعنی: ’’یہ خفیہ طریقے سے درگور کرنا ہے۔‘‘ (مسلم: ١٤٤٢) اگر دوسری احادیث کی روشنی میں اس حدیث پر غور کیا جائے تو اس سے سرے سے حرمت یا منع ہونا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ یہ حقیقی زندہ درگور کرنا نہیں ہے، اس لیے حرام نہیں ہے۔

کیا تعویذ لٹکانا شرک ہے؟

(١٥٥)۔ عَنْ قَيْسِ بْنِ السَّكَنِ الْأَسَدِيِّ ، قَالَ: دَخَلَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

قیس بن سکن اسدی کہتے ہیں: سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے پاس گئے اور دیکھا کہ ان کی بیوی نے خسرہ

عَلَى امْرَأَتِهِ فَرَأَى عَلَيْهَا حِرْزاً مِنَ الْحُمْرَةِ، قَطَعَهُ قَطْعًا عَنِيفاً، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ آلَ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ الشِّرْكِ أَغْنِيَاءُ، وَقَالَ: كَانَ مِمَّا حَفِظْنَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((إِنَّ الرُّقَى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ.)) (الصحيحة:۲۹۷۲)

بیماری کی وجہ سے تعویذ لٹکا رکھا تھا۔ انھوں نے اس کو بڑی سختی سے کاٹ دیا اور کہا: عبد اللہ کی آل و اولاد شرک سے غنی ہے۔ پھر کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک جھاڑ پھونک، تعویذات اور حُبّ کے اعمال سب شرک ہیں۔''

تخريج: أخرجه الحاكم: ٤/ ٢١٧

فوائد :...... شارح ابوداود علامہ عظیم آبادی رحمہ اللہ نے کہا: خطابی کہتے ہیں کہ وہ دم منع ہے، جو غیر عربی زبان میں ہو اور اس چیز کا علم نہ ہو کہ وہ کیا ہے۔ رہا مسئلہ اس دم کا کہ جس کی عبارت کا مفہوم سمجھا جا سکے اور وہ اللہ تعالی کے ذکر پر مشتمل ہو تو وہ مستحب ہوگا اور اس سے برکت حاصل کی جائے گی۔ تمیمہ کی جمع تمائم ہے، ان سے مراد وہ تعویذ ہیں، جو بچوں پر لٹکائے جاتے ہیں اور ان میں اللہ تعالی کے نام ہوتے ہیں نہ کہ اس کی آیات اور نہ منقول دعائیں۔ نہایہ میں کہا: تمائم سے مراد وہ منکے، دانے اور نگینے ہیں، جو عرب لوگ اپنے بچوں پر لٹکاتے تھے، تاکہ وہ نظرِ بد سے بچ سکیں، لیکن اسلام نے ان کے اس خیال کو باطل قرار دیا۔ ''تِوَلہ'' کی وضاحت کرتے ہوئے خطابی کہتے ہیں: یہ جادو کی ایک قسم ہے۔ اصمعی نے کہا: اس سے مراد وہ عمل ہے جو عورت کو اس کے خاوند کا محبوب بنا دیتا ہے۔ جبکہ ملا علی قاری نے کہا: یہ جادو کی ایک قسم ہے یا دھاگہ ہے، جس پر جادو والی عبارتیں پڑھی جاتی ہے یا ورق ہے، جس میں جادو کی عبارتیں لکھی جاتی ہیں، مقصد محبت وغیرہ کا حصول ہوتا ہے۔

ان تمام امور کا انجام شرک جلی یا شرک خفی کی صورت میں نکلتا ہے۔ قاضی کہتے ہیں: آپ ﷺ نے ان تین چیزوں کو شرک قرار دیا، کیونکہ آپ ﷺ کے عہد میں یہ چیزیں شرک پر مشتمل تھیں یا شرک کے اطلاق کا مطلب یہ ہے کہ ان امور کی وجہ سے اعتقاد میں خرابی اور فساد پیدا ہوتا ہے، جس کا نتیجہ شرک کی صورت میں نکلتا ہے۔ (عون المعبود: حديث: ۳۸۸۳)

رہا مسئلہ اس تعویذ کا، جو اللہ تعالی کے اسمائے حسنی، آیاتِ قرآنی اور احادیث نبویہ میں منقول دعاؤں پر مشتمل ہے، تو اس کے بارے میں امام مبارکپوری رحمہ اللہ کہتے ہیں: شیخ ابو طیب صدیق بن حسن قنوجی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الدین الخالص'' میں کہا: صحابہ کرام، تابعین عظام اور بعد والے اہل علم قرآنی اور اللہ تعالی کے اسما و صفات پر مشتمل تعویذوں میں مختلف فیہ نظر آتے ہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ اس قسم کا تعویذ جائز ہے، سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اسی کے قائل ہیں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا ظاہری مفہوم یہی ہے، ابو جعفر باقر رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی خیال ہے۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود کی حدیث (جو اس باب میں مذکور ہے) سے مراد وہ تعویذ ہیں، جن میں شرک پایا جاتا ہے۔

جبکہ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ تعویذوں کی یہ قسم بھی ناجائز ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود، سیدنا عبد اللہ بن عباس، سیدنا حذیفہ، سیدنا عقبہ بن عامر، سیدنا بن علکیم رضی اللہ عنہم کا یہی مسلک ہے، اسی طرح سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں سمیت تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی خیال ہے، امام احمد رحمہ اللہ ایک روایت کے مطابق اور ان کے اکثر تلامذہ اور کئی متاخرین اسی کے قائل ہیں۔ ان اہل علم کی دلیل سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث (جو اس باب میں مذکور ہے) اور اس معنی پر دلالت کرنے والی دوسری روایات ہیں۔

تین وجوہات کی بنا پر یہی مسلک درست نظر آتا ہے کہ قرآنی اور اللہ تعالیٰ کے اسما و صفات پر مشتمل تعویذات کو بھی ناجائز قرار دیا جائے:

۱۔ نہی والی روایات عام ہیں، اس عموم کی تخصیص کرنے والی کوئی روایت نہیں ہے، (لہٰذا ہر قسم کے تعویذ کو ممنوع قرار دیا جائے گا)۔

۲۔ اصول فقہ کی اصطلاح ''سد الذرائع'' کا تقاضا یہی ہے کہ قرآنی تعویذوں سے بھی منع کر دیا جائے، کیونکہ ممکن ہے کہ اس قسم کے تعویذ لٹکانے والے دوسری ممنوعہ قسم کے تعویذ لٹکانے شروع کر دیں۔

۳۔ ممکن ہے کہ تعویذ لٹکانے والے قضائے حاجت اور استنجا وغیرہ کے وقت اپنا تعویذ نہ اتار سکیں۔

اگر آپ ان احادیثِ مبارکہ اور سلف صالحین کے عمل پر نظر دوڑائیں تو آپ کو یقین ہو جائے گا کہ اسلام واقعی اجنبی اور پردیسی بن چکا ہے اور اس سے مانوس ہونے والے لوگ کم ہیں۔ خیر و بھلائی اور فضیلت والی صدیوں کے بعد تو لوگوں نے قبروں کی تعظیم شروع کر دی، ان پر مساجد تعمیر کر لیں، دل اور چہرے کے ساتھ ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور دعا و پکار کو، رغبت و رہبت اور عبادات کی کئی قسموں کو قبر والوں کی طرف پھیر دیا ہے، جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق تھیں۔

لیکن میں (مبارکپوری) کہتا ہوں: اسلام کی غربت اور اجنبیت اور چیز ہے اور کسی مسئلہ کا حکم اور چیز ہے، رہا مسئلہ تعویذ کے ممنوع ہونے کی تیسری وجہ کا تو اس کا جواب یہ ہے کہ قضائے حاجت جیسے اوقات میں تعویذ اتار لیا جائے۔ بہر حال راجح بات یہ ہے کہ علمائے اسلام جن تعویذوں کو جائز قرار دیا، ان کو ترک کرنا ہی افضل ہے۔

(تحفة الاحوذی)

ہم نے یہ دیکھا ہے کہ جس صحیح العقیدہ شخص نے تعویذ لٹکانے کا اہتمام کیا، دن بدن اس کے عقیدے میں خرابی آتی گئی، آہستہ جانوروں کے گردنوں میں لٹکانے اور ان کی رسیوں کے ساتھ باندھنے کا سلسلہ شروع ہوا، پھر تعویذوں میں گھروں جلایا جانے لگا، پھر حساب و کتاب لگوانے تک بات پہنچ گئی، علی ہذا القیاس۔ واللہ اعلم۔

بنو تمیم کے فضائل

فرمودات نبویہ کا صحابہ کی طبیعت پر غالب ہونا

(١٥٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ثَلَاثٌ سَمِعْتُهُنَّ لِبَنِي تَمِيمٍ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَا أُبْغِضُ بَنِي تَمِيمٍ بَعْدَهُنَّ أَبَداً: كَانَ عَلٰى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا نَذْرُ مُحَرَّرٍ مِنْ وُلْدِ إِسْمَاعِيْلَ فَسُبِيَ سَبْيٌ مِنْ بَنِي الْعَنْبَرِ۔ فَلَمَّا جِيْءَ بِذٰلِكَ السَّبِيِّ، قَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنْ سَرَّكِ أَنْ تَفِي بِنَذْرِكِ فَأَعْتِقِي مُحَرَّراً مِنْ هٰؤُلَاءِ.)) وَقَالَ: فَجَعَلَهُمْ مِنْ وُلْدِ إِسْمَاعِيْلَ وَجِيءَ بِنَعَمٍ مِنْ نَعَمِ الصَّدَقَةِ، فَلَمَّا رَآهُ رَاعَهُ حُسْنُهُ قَالَ: فَقَالَ: ((هٰذَا نَعَمُ قَوْمِي۔ ((فَجَعَلَهُمْ قَوْمَهُ، قَالَ: وَقَالَ: ((هُمْ أَشَدُّ قِتَالاً فِي الْمَلَاحِمِ.))

(الصحيحة:٣١١٤)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے بنو تمیم کے حق میں رسول اللہ ﷺ سے تین باتیں سنیں، ان کے بعد میں نے کبھی بھی بنو تمیم سے بغض نہیں رکھا۔ (ان کی تفصیل یہ ہے:) (۱) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی اولاد سے ایک غلام آزاد کرنے کی نذر مانی تھی، اتنے میں بنو عنبر کے کچھ لوگ قیدی بن گئے، جب انھیں لایا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم اپنی نذر پورا کرنا چاہتی ہو تو ان میں سے ایک غلام آزاد کر دو۔'' یعنی آپ ﷺ نے ان کو اولادِ اسماعیل (علیہ السلام) قرار دیا۔ (۲) ایک دفعہ آپ ﷺ کے پاس صدقہ کے اونٹ لائے گئے، ان کے حسن و جمال نے آپ کو حیرت میں ڈال دیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ میری قوم کے اونٹ ہیں۔'' یعنی آپ ﷺ نے ان کو اپنی قوم قرار دیا۔ نیز فرمایا: (۳) ''وہ گھمسان کی جنگوں میں سخت لڑائی کرنے والے ہیں۔''

تخريج: أخرجه الحاكم: ٤/ ٨٤، والبيهقي: ٩/ ٧٥، وأخرجه مسلم: ٧/ ١٨١۔ ولم يسق بتمامه وانما ساق منه جملة الملاحم وأحال سائره على حديث قبله من رواية ابى زرعة قال: قال ابوهريرة ...... فذكر الحديث بتمامه نحوه، وهكذا اخرجه البخاري: ٢٥٤٣

فوائد: ...... معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی محبت و نفرت کی بنیاد محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات اور آپ کے اقوال و افعال تھے، آپ ﷺ نے جس چیز کو اچھا قرار دیا، انھوں نے کی اس کی اچھائی کے تقاضے پورے کر دیئے اور آپ ﷺ نے جس چیز کو برا قرار دیا، انھوں نے اس کو برا سمجھنے کے تقاضے پورے کر دیئے۔

سرزمین عرب سے شیطان کی مایوسی

(١٥٧)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَنْ يُعْبَدَ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''شیطان اس بات سے ناامید ہو چکا ہے کہ تمھاری

بِأَرْضِكُمْ هٰذِهٖ وَلٰكِنَّهُ قَدْ رَضِيَ مِنْكُمْ بِمَاتَحْقِرُوْنَ .)) (الصحيحة:٢٦٣٥)

(جزیرۂ عرب کی) سرزمین میں اس کی عبادت کی جائے، لیکن وہ تم سے ایسے (گناہ کروا کے) راضی ہو جائے گا، جنھیں تم حقیر سمجھتے ہو۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ٣٦٨

(١٥٨)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِيِّ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّوْنَ فِي جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ، وَلٰكِنَّ فِي التَّحْرِيْشِ بَيْنَهُمْ .)) (الصحيحة: ١٦٠٨)

سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیشک شیطان اس بات سے ناامید ہو چکا ہے کہ جزیرۂ عرب میں نمازی (یعنی مسلمان) اس کی عبادت کریں، لیکن وہ انھیں فساد پر آمادہ کرتا رہے گا۔''

تخريج: وله طرق: الأولي: عن الأعمش عن أبي سفيان عنه، فأخرجه مسلم: ٨/ ١٣٨، والترمذي: ٣/ ١٢٧، وأحمد: ٣/ ٣١٣، وأبو يعلي في "مسنده": ٢/ ٦٠٩

الثانية: عن صفوان عن ماعز التميمي عنه به دون ذكر جزيرة العرب: فأخرجه أحمد: ٣/ ٣٥٤، وابن أبي عاصم في "السنة": ق ٢/ ١

الثالثة: عن أبي الزبير أنه سمع جابر بن عبدالله يقول: فذكره موقوفا دونها أيضا، فأخرجه أحمد: ٣/ ٣٨٤

فوائد :.....بعض شارحین نے کہا: حدیثِ مبارکہ کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ شیطان اس بات سے ناامید ہو چکا ہے کہ جزیرۂ عرب میں کوئی مؤمن مرتد ہو کر بتوں کی پوجا پاٹ کرنا شروع کر دے اور اپنے شرک کی طرف پلٹ جائے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے مسیلمہ کے اصحاب اور مانعینِ زکوۃ وغیرہ مرتد ہو گئے تھے، تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ انھوں نے کسی بت کی عبادت نہیں کی تھی۔ لیکن ملا علی قاری نے کہا: اس حدیث سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ شیطان کی دعوت عام ہے، جو کفر کی تمام انواع پر مشتمل ہے اور صرف بتوں کی عبادت کے ساتھ خاص نہیں ہے، زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس حدیث کو اس مفہوم پر محمول کیا جائے کہ نمازی لوگ نماز کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ شیطان کی عبادت نہیں کریں گے، جیسا کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے کیا تھا۔ (دیکھیں: تحفۃ الاحوذی: ۳/ ۱۲۷)

اس حدیث کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے شیطان جزیرۂ عرب میں غالب تھا اور شرک و بدعت عام تھے، دوبارہ وہ اس طرح کا غلبہ نہیں پا سکے گا۔

فتح مکہ والے دن ابلیس کی کیفیت

(١٥٩)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمَّا افْتَتَحَ صلی اللہ علیہ وسلم مَكَّةَ رَنَّ إِبْلِيْسُ رَنَّةً

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو ابلیس غمگین آواز سے رونے لگ گیا،

اجْتَمَعَتْ إِلَيْهِ جُنُوْدُهُ فَقَالَ: اِيْأَسُوْا أَنْ نَرٰى أُمَّةَ مُحَمَّدٍ ﷺ عَلٰى الشِّرْكِ بَعْدَ يَوْمِكُمْ هٰذَا! وَلٰكِنِ افْتِنُوْهُمْ فِي دِيْنِهِمْ، وَأَفْشُوْا فِيْهِمُ النَّوْحَ۔ (الصحيحة:٣٤٦٧)

اس کے لشکر اس کے پاس جمع ہو گئے۔ اس نے کہا: مایوس ہو جاؤ کہ ہم آج کے بعد محمد (ﷺ) کی امت کو شرک میں مبتلا دیکھ سکیں، اب ان کے دین میں فتنے برپا کرو اور نوحہ کو عام کر دو۔

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ١٢/ ١١/ ١٢٣١٨

فوائد : ...... نبی کریم ﷺ اپنی نبوت و رسالت کے روزِ اول سے حق پر تھے، لیکن عرب کے بعض قبائل اس امر کے منتظر تھے کہ اگر یہ نبی حق پر ہوا تو مکہ مکرمہ پر غالب آ جائے گا، شاید یہی بات ابلیس کو سوجھ رہی تھی۔ جب اس نے یہ حقیقت دیکھ لی تو ماضی پر نادم و پشیمان ہونے لگا اور مستقبل کے بارے میں ناامید ہو گیا۔

اب ہمیں چاہیے کہ فتنہ و فساد اور نوحہ جیسے امور سے گریز کر کے ابلیس اور اس کے حواریوں کو مزید شکست سے دوچار کر دیں۔

شیطان کے ہتھکنڈے شیطان کی نافرمانی پر جنت کی بشارت

(١٦٠)۔ عَنْ سَبُرَةَ بْنِ أَبِي فَاكِهٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَقُوْلُ: ((إِنَّ الشَّيْطَانَ قَعَدَ لِابْنِ آدَمَ بِأَطْرُقِهِ، فَقَعَدَ لَهُ بِطَرِيْقِ الإِسْلَامِ، فَقَالَ: تُسْلِمُ وَتَذَرُ دِيْنَكَ وَدِيْنَ آبَائِكَ وَآبَاءِ أَبِيْكَ؟! فَعَصَاهُ فَأَسْلَمَ ثُمَّ قَعَدَ لَهُ بِطَرِيْقِ الْهِجْرَةِ، فَقَالَ: تُهَاجِرُ وَتَدَعُ أَرْضَكَ وَسَمَاءَكَ وَإِنَّمَا مَثَلُ الْمُهَاجِرِ كَمَثَلِ الْفَرَسِ فِي الطِّوَلِ؟ فَعَصَاهُ فَهَاجَرَ، ثُمَّ قَعَدَ لَهُ بِطَرِيْقِ الْجِهَادِ، فَقَالَ: تُجَاهِدُ فَهُوَ جُهْدُ النَّفْسِ وَالْمَالِ، فَتُقَاتِلُ فَتُقْتَلُ فَتُنْكَحُ الْمَرْأَةُ، وَيُقْسَمُ الْمَالُ؟ فَعَصَاهُ فَجَاهَدَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ وَمَنْ قُتِلَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ وَإِنْ غَرِقَ كَانَ حَقًّا عَلٰى

سیدنا سبرہ بن ابو فاکہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''حضرت آدم (علیہ السلام) کے بیٹے (کو گمراہ کرنے کے لئے) شیطان اس کے مختلف راستوں میں گھات لگا کر بیٹھ گیا۔ اسلام کے راستے پر بیٹھ کر (مسلمان ہونے والے) کو کہتا ہے: کیا تو اسلام قبول کرتا ہے اور اپنے اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کو ترک کرتا ہے؟ لیکن ابن آدم اس کی نافرمانی کرتا ہے اور اسلام قبول کر لیتا ہے۔ پھر وہ ہجرت کے راستے پر بیٹھ جاتا ہے اور اسے کہتا ہے: کیا تو اب ہجرت کرتا ہے اور اپنے زمین و آسمان (یعنی علاقہ و وراثت) کو چھوڑنے لگا ہے، مہاجر کی مثال تو اس گھوڑے کی طرح ہے جو رسی میں ہو؟ لیکن وہ اس کی نافرمانی کرتے ہوئے ہجرت کر جاتا ہے۔ پھر وہ جہاد کے راستے پر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے: کیا تو جہاد کرنے کے لئے جا رہا ہے (دیکھ لے) یہ تو محنت و مشقت والا کام ہے، اس میں مال و دولت کھپ جاتا ہے، جب تو لڑے گا تو تجھے قتل کر دیا جائے گا، کوئی دوسرا تیری

اللّٰهِ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ ، أَوْ وَقَصَتْهُ دَابَّتُهُ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَن يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ .))

(الصحيحة:٢٩٧٩)

عورت سے نکاح کرے گا اور تیرا مال (ورثا میں) تقسیم کر دیا جائے گا؟ لیکن وہ اس کی رائے کو ٹھکرا دیتا ہے اور جہاد کرتا ہے۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے (شیطان کے ساتھ) ایسے کیا، تو اللہ تعالی پر حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے اور جو شہید ہوا تو اللہ پر حق ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے، اگر وہ غرق ہو گیا تو اللہ پر لازم ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے گا اور اگر اس کی سواری نے اس کو اس طرح گرایا کہ اس کی گردن ٹوٹ گئی (اور وہ فوت ہو گیا) تو اللہ تعالی پر حق ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔''

تخريج: أخرجه البخاري في"التاريخ الكبير": ٢/ ٢/ ١٨٧ـ ١٨٨ ، والنسائي :٢/ ٥٨ ، وابن حبان :٣٨٥/ ١٦٠١ـ موارد ، والبيهقي في"شعب الايمان": ٤/ ٢١/ ٤٢٤٦ ، وابن أبي شيبة في"المصنف": ٥/ ٢٩٣ ، ومن طريقه الطبراني في"المعجم الكبير": ٧/ ١٣٨ ، وأحمد: ٣/ ٤٨٣

فوائد: ...... مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کے احکام کو اپنے مال و دولت اور عزت و جان کا محافظ قرار دے، کیونکہ کائنات کے ذرّے ذرّے کی تدبیر اللہ تعالی کر رہا ہوتا ہے، اگر اس کو راضی کر لیا جائے تو دنیا کا بڑے سے بڑا نقصان کوئی معنی نہیں رکھتا۔

''طِوَل'' ایسی رسی کو کہتے ہیں جس کا ایک سرا میخ وغیرہ میں باندھ دیا جائے اور دوسرا گھوڑے کے پاؤں میں، تاکہ وہ گھاس چرتا رہے اور بھاگ نہ سکے۔

نظر لگنا برحق ہے

(١٦١)ـ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((إِنَّ الْعَيْنَ لَتُوْلِعُ بِالرَّجُلِ بِإِذْنِ اللّٰهِ حَتَّى يَصْعَدَ حَالِقاً ثُمَّ يَتَرَدَّى مِنْهُ .))

(الصحيحة:٨٨٩)

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک نظرِ بد آدمی کو اللہ کے حکم سے دیوانہ کر دیتی ہے، حتی کہ (بسا اوقات ایسے ہوتا ہے کہ) وہ اونچی جگہ پر چڑھتا ہے اور پھر وہاں سے گر پڑتا ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ١٤٦

(١٦٢)ـ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((لَاعَدْوَى ، وَلَاطِيَرَةَ ، وَالْعَيْنُ حَقٌّ .))

(الصحيحة:٧٨١)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی بیماری متعدی نہیں، نہ برے شگون کی کوئی حقیقت ہے اور نظر لگنا حق ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ٤٢٠ ، وابن ابى عاصم فى"السنة": ١/ ١٢٠/ ٢٧٦ ، وابن ابى شيبة فى "المصنف": ٩/ ٤٠/ ٦٤٤٦ ، وروى ابن ماجه الجملة الاخيرة فقط

(١٦٣)ـ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ رُفَاعَةَ الزُّرَقِيِّ ، أَنَّ

عبید بن رفاعہ زرقی کہتے ہیں: سیدہ اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا کہتی

أَسْمَاءَ بِنْتَ عُمَيْسٍ رضي الله عنها قَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ وَلَدَ جَعْفَرٍ تَسْرَعُ إِلَيْهِمُ الْعَيْنُ فَأَسْتَرْقِيْ لَهُمْ؟ فَقَالَ: ((نَعَمْ، فَإِنَّهُ لَوْكَانَ شَيْءٌ سَابِقَ الْقَدَرَ لَسَبَقَتْهُ الْعَيْنُ.))
(الصحيحة: ١٢٥٢)

ہیں: اے اللہ کے رسول! جعفر کی اولاد کو بہت جلد نظر بد لگ جاتی ہے، کیا میں ان کو دم کر دیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جی ہاں، کیونکہ اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت لے سکتی ہوتی تو وہ نظر ہوتی۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ٢/ ٦ طبع بولاق، وابن ماجه: ٢/ ٣٥٦، وأحمد: ٦/ ٤٣٨، وابن عدي: ١/ ٢٢٨

فوائد : ......ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نظر بد یا بدنظری برحق ہے، بسا اوقات اس کا ضرر بڑا قوی ہوتا ہے۔ بعض طبیعتوں میں ایسے خواص ہوتے ہیں کہ طبیب لوگ ان کی علتوں کو نہیں پہچان سکتے، بلکہ اس معاملے میں کوئی قیاس بھی ان کے لیے معاون ثابت نہیں ہوتا۔

بعض فلسفیوں، بدعتیوں اور عصر حاضر میں بعض ڈاکٹر حضرات نے نظر بد کا انکار کیا ہے۔ ان کے ردّ کے لیے یہی بات کافی ہے کہ شارع علیہ السلام نے اس کے وجود کی خبر دی ہے۔

بنو ثقیف کا کذاب اور مہلک

(١٦٤)۔ ((إِنَّ فِي ثَقِيفٍ كَذَّاباً وَمُبِيْراً.))
وَرَدَ مِنْ حَدِيْثِ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ، وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، وَسَلَامَةَ بِنْتِ الْحُرِّ الْجُعْفِيَّةِ فَعَنْ أَسْمَاءَ أَنَّهَا قَالَتْ لِلْحُجَّاجِ: أَمَا إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ حَدَّثَنَا: ((إِنَّ فِي ثَقِيْفٍ كَذَّاباً وَمُبِيْراً.)) قَالَتْ: فَأَمَّا الْكَذَّابُ، فَقَدْ رَأَيْنَاهُ، وَأَمَّا الْمُبِيْرُ، فَلَا إِخَالُكَ إِلَّا إِيَّاهُ۔ (الصحيحة:٣٥٣٨)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ثقیف قبیلہ میں ایک کذاب ہو گا اور ایک مہلک (یعنی ہلاک کرنے والے)۔'' یہ حدیث سیدہ اسما بنت ابو بکر صدیق، سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدہ سلامہ بنت حر جعفیہ رضی اللہ عنہن سے مروی ہے۔ سیدہ اسما رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے حجاج سے کہا: آگاہ ہو جا! رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بیان کیا تھا کہ ''ثقیف قبیلہ میں ایک کذاب ہو گا اور ایک مہلک۔'' کذاب تو ہم نے دیکھ لیا، رہا مسئلہ مہلک کا، تو میں تو یہی سمجھ پا رہی ہوں کہ وہ تو ہی ہے۔

تخريج: ورد من حديث أسماء بنت أبي بكر الصديق، وعبدالله بن عمر، وسلامة بنت الحرّ الجعفية

١۔ أما حديث أسماء؛ فأخرجه مسلم: ٧/ ١٩٠۔ ١٩١، والحاكم في "المستدرك": ٣/ ٥٥٣، وأبوداود الطيالسي في "المسند": ١٦٤١، وأبونعيم في "الحلية": ٢/ ٥٧، والبيهقي في "دلائل النبوة": ٦/ ٤٨١

٢۔ وأما حديث ابن عمر: فأخرجه الترمذي: ٢٢٢٠ و ٣٩٤٤، والطيالسي: ١٩٢٥، وأحمد: ٢/ ٢٦، ٨٧، ٩١، ٩٢، والدّولابي في "الكنى": ٢/ ٣٦، والبيهقي في "الدلائل": ٦/ ٤٨٢

٣- وأما حديث سلاّمة بنت الحُرّ: فأخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ٢٤/ ٣١٠/ ٧٨٢

فوائد: ......ہوازن کے ایک قبیلہ کے باپ کا نام قسی بن منبہ بن بکر بن ہوازن تھا، اس کو ثقیف کہتے تھے۔ (تحفة الاحوذی: ٣/ ٢٢٧)

امام ترمذی نے یہ حدیث روایت کرنے کے بعد کہا: ويقال الكذاب المختار بن ابی عبيد والمبير الحجاج بن يوسف۔ یعنی: کہا جاتا ہے کہ کذاب سے مراد مختار بن ابوعبید اور مہلک سے مراد حجاج بن یوسف ہے۔

مختار بن ابوعبید کا یہ دعوی تھا کہ جبریل امین اس کے پاس بھی آتے ہیں، رہا مسئلہ حجاج بن یوسف کا تو مسلمانوں کو تہہ تیغ کرنے اوران کو موت کے گھاٹ اتارنے کے سلسلے میں اس کا بدکردار بلا مقابلہ رہا۔

بنوآدم کے دلوں کا اللہ تعالی کے قابو میں ہونا اور اس کا تقاضا

(١٦٥)- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضي الله عنه ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((إِنَّ قُلُوْبَ بَنِي آدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ كَقَلْبٍ وَاحِدٍ يُصَرِّفُهُ كَيْفَ يَشَاءُ، ثُمَّ يَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ .)) (الصحيحة:١٦٨٩)

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''بنی آدم کے دل رحمن کی دو انگلیوں کے درمیان ایک دل کی مانند ہیں، وہ جیسے چاہتا ہے ان کو پلٹ دیتا ہے۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا فرمائی: ''اے دلوں کو الٹ پلٹ کرنے والے: ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔''

تخريج: رواه مسلم: ٨/ ٥١، وأحمد: ٢/ ١٦٨ و ١٧٣، والطبري: ج ٦ رقم ٦٦٥٧ صفحة ٢١٩

فوائد: ......بلا شک وشبہ اللہ تعالی مختارِ کل ہے۔ جو چاہتا ہے، جیسے چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے، وہ اسی طرح اور اسی وقت ہو جاتا ہے۔ دین پر مستقیم رہنا اللہ تعالی کی بہت بڑی نعمت ہے، اللہ تعالی سے یہ دعا کرتے رہنا چاہیے کہ وہ اسلام پر استقامت نصیب فرمائے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دین پر ثابت قدم رہنے کے لئے یہ دعا پڑھنی چاہئے: اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ۔

فرزندانِ امت کی دیدارِ نبی کی شدید خواہش

(١٦٦)- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((إِنَّ قَوْمًا يَأْتُوْنَ مِنْ بَعْدِي، يَوَدُّ أَحَدُهُمْ أَنْ يَفْتَدِيَ بِرُؤْيَتِي أَهْلَهُ وَمَالَهُ .)) (الصحيحة:٣٤٣٨)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے بعد ایسے لوگ بھی آئیں گے کہ وہ اپنے اہل وعیال اور مال ومنال کو میرے دیدار کی خاطر قربان کر دینے کو پسند کریں گے۔''

تخريج: أخرجه البزار في"مسنده": ٣/ ٣١٩/ ٢٨٤١، وأخرجه مسلم: ٨/ ١٤٥، واحمد: ٢/ ٤١٧ بلفظ: ((من أشد أمتي حبا لي: ناس يكونون بعدي، يود أحدهم لو رآني بأهله وماله.))

فوائد: ......اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسا محبِّ رسول بنا دے کہ ہم اس کے دیدار کی خاطر، اس کی عزت واحترام کی خاطر اور اس کی احادیثِ مبارکہ کی خاطر مال ومنال کو لٹا دینے بلکہ کٹ مرنے کے لیے تیار ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے دور میں پیدا کیا کہ ہم قدرت کے قوانین کے مطابق آپ ﷺ کا دیدار نہیں کر سکتے، تو اس قسمت پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، کیونکہ شریعت نے ایسے احکام وضع کر دیئے ہیں کہ جن کے ذریعے موت کے بعد آپ ﷺ کا دیدار ممکن ہو جاتا ہے۔

اسلام کی علامات

(١٦٧)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ لِلْإِسْلَامِ صُوًى وَمَنَاراً كَمَنَارِ الطَّرِيْقِ مِنْهَا أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَلَا تُشْرِكَ بِهِ شَيْئاً وَإِقَامُ الصَّلَاةِ، وَإِيْتَاءُ الزَّكَاةِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ، وَحَجُّ الْبَيْتِ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ، وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَنْ تُسَلِّمَ عَلٰى أَهْلِكَ إِذَا دَخَلْتَ عَلَيْهِمْ، وَأَنْ تُسَلِّمَ عَلَى الْقَوْمِ إِذَا مَرَرْتَ بِهِمْ، فَمَنْ تَرَكَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئاً فَقَدْ تَرَكَ سَهْماً مِنَ الْإِسْلَامِ، وَمَنْ تَرَكَهُنَّ كُلَّهُنَّ فَقَدْ وَلّٰى الْإِسْلَامَ ظَهْرَهُ.)) (الصحيحة: ٣٣٣)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''راستے کی طرح اسلام کی بھی کچھ نشانیاں اور علامتیں ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں: اللہ پر ایمان لانا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، نماز قائم کرنا، زکاۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا، بیت اللہ کا حج کرنا، نیکی کا حکم دینا، برائی سے منع کرنا، گھر والوں پر داخل ہوتے وقت ان پر سلام کرنا اور لوگوں کے پاس سے گزرتے وقت انھیں سلام کہنا۔ جس نے ان امور میں سے کسی میں کمی کی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس نے اسلام کی ایک شق ترک کر دی اور جس نے ان تمام چیزوں کو ترک کر دیا، اس نے تو اسلام کی طرف اپنی پیٹھ پھیر دی (یا اسلام کو پسِ پشت ڈال دیا)۔''

تخريج: أخرجه أبو عبيد القاسم بن سلام في كتاب"الايمان": ٣۔ بتحقيقي، وابن بشران في"الأمالي": ٢/ ٩٨، وعبدالغني المقدسي في"الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر": ٨٢/ ١، والحاكم: ١/ ٢١

فوائد: ......امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: "الصوی"، "صُوَّة" کی جمع ہے، یہ وہ پتھر (اور سنگِ میل) ہوتے ہیں، جو صحراؤں اور ویران مقامات میں مسافر کی رہنمائی کے لیے راستے پر اور اس کے دونوں کناروں پر نصب کر دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح اسلام کی بھی کچھ طرزیں، طریقے، علامات اور نشانیاں ہیں، جن سے اسلام کی طرف رہنمائی ملتی ہے۔ (صحیحہ: ٣٣٣)

اس حدیثِ مبارکہ میں توحید، شرک سے اجتناب، نماز، زکوۃ، رمضان کے روزوں، حج، امر بالمعروف، نہی علی المنکر اور سلام کو عام کرنے کی اہمیت بیان کی گئی ہے، اگر کوئی آدمی کسی ایک یا زیادہ امور میں سستی برتتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس کا اسلام ادھورا ہے، مکمل نہیں ہے۔

(١٦٨)۔ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ حَيْدَةَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ، قَالَ: قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ ﷺ! مَاأَتَيْتُكَ حَتّٰى حَلَفْتُ أَكْثَرَ مِنْ عَدَدِهِنَّ، لِأَصَابِعِ يَدَيْهِ أَلَّا آتِيَكَ وَلَا آتِيَ دِيْنَكَ، وَإِنِّي كُنْتُ امْرَأً لَّا أَعْقِلُ شَيْئًا إِلَّا مَا عَلَّمَنِيَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ، وَإِنِّي أَسْأَلُكَ بِوَجْهِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ بِمَا بَعَثَكَ رَبُّكَ إِلَيْنَا؟ قَالَ: ((بِالْإِسْلَامِ .)) قَالَ: قُلْتُ: وَمَا آيَاتُ الْإِسْلَامِ؟ قَالَ: ((أَنْ تَقُوْلَ: أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَتَخَلَّيْتُ وَتُقِيْمُ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، كُلُّ مُسْلِمٍ عَلٰى مُسْلِمٍ مُحَرَّمٌ، أَخَوَانِ نَصِيْرَانِ، لَايَقْبَلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْ مُشْرِكٍ بَعْدَ مَا أَسْلَمَ عَمَلًا أَوْ يُفَارِقَ الْمُشْرِكِيْنَ إِلَى الْمُسْلِمِيْنَ .)) (الصحيحة:٣٦٩)

سیدنا معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! میں نے اپنی انگلیوں کی تعداد کے برابر قسمیں اٹھائیں تھیں کہ میں نہ آپ کے پاس آؤں گا اور نہ آپ کا دین اختیار کروں گا، لیکن اب میں آ گیا ہوں۔ میں ایک بے سمجھ سا انسان ہوں اور مجھے اللہ اور رسول کی سکھائی ہوئی صرف چند معلومات کا علم ہے، اب میں اللہ تعالی کی ذات کا واسطہ دے کر آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ کے ربّ نے آپ کو کون سی چیز کے ساتھ مبعوث کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام کے ساتھ۔'' میں نے کہا: اسلام کی علامتیں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''تیرا یہ کہنا کہ میں نے اپنا چہرہ اللہ تعالی کے لئے مطیع کر دیا اور اس کے حق میں دست بردار ہو گیا اور نماز قائم کرنا اور زکاۃ ادا کرنا۔ (یاد رکھیئے گا کہ) ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے حرمت والا ہے، (اس مذہب میں) دو بھائی ایک دوسرے کی مدد کرنے والے ہوتے ہیں اور اللہ تعالی مشرک کے مسلمان ہونے کے بعد اس کا کوئی عمل اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک وہ مشرکوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کی طرف نہ آ جائے۔''

تخريج: أخرجه النسائي: ١/ ٣٥٨

فوائد: ......اس حدیثِ مبارکہ میں اطاعتِ الٰہی، نماز، زکاۃ، حرمتِ مسلم، تائیدِ مسلم اور مشرکوں سے علیحدگی کو اسلام کی آیات کہا گیا ہے۔ مشرکوں سے علیحدگی پر تفصیلی بحث ''غیر اسلامی ممالک میں سکونت پذیر ہونا کیسا ہے؟'' کے عنوان میں کی گئی ہے۔

ہمارے لیے کسی کے ایمان یا کفر کو پہچاننے کے لیے معیار اس کی زبان ہے

(١٦٩)۔ عَنْ فُرَاتِ بْنِ حَيَّانَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ أَمَرَ بِقَتْلِهِ، وَكَانَ عَيْنًا لِأَبِي

سیدنا فرات بن حیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں ابو سفیان کا جاسوس اور ایک انصار کا حلیف تھا، رسول اللہ ﷺ نے

سُفْيَانَ وَكَانَ حَلِيْفاً لِرَجُلٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ، فَمَرَّ بِحَلْقَةٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ، فَقَالَ: إِنِّي مُسْلِمٌ، فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ، يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ إِنَّهُ يَقُوْلُ: إِنِّي مُسْلِمٌ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ مِنْكُمْ رِجَالاً نَكِلُهُمْ إِلٰى إِيْمَانِهِمْ مِنْهُمْ فُرَاتُ بْنُ حَيَّانَ.))

(الصحيحة:١٧٠١)

مجھے قتل کرنے کا حکم دیا۔ میں انصار کی ایک جماعت کے پاس سے گزرا اور کہا: میں مسلمان ہوں۔ ایک انصار نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ تو کہہ رہا ہے کہ وہ مسلمان ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہم تم میں سے بعض لوگوں کو ان کے ایمان کے سپرد کرتے ہیں، فرات بن حیان بھی ان میں سے ہیں۔''

تخريج: أخرجه البخاري في"التاريخ": ٤/ ١/ ١٢٨، وأبوداود: ٢٦٥٢، والحاكم: ٢/ ١١٥، والبيهقي: ٩/ ١٤٧، وأحمد: ٤/ ٣٣٦، وأبونعيم في"الحلية": ٢/ ١٨

فوائد:......یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد اعتقادی منافق کا پتہ نہیں لگایا جا سکتا ہے، کیونکہ اعتقادی منافق بظاہر مسلمانوں کا طرزِ حیات اپناتا ہے اور دل میں کفر و شرک کو مخفی رکھتا ہے۔

فرات بن حیان صحابی ہیں، عجلی قبیلے سے ان کا تعلق تھا، کوفہ کے رہائشی تھے، ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور آپ ﷺ کے ساتھ غزووں میں شریک ہوتے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ فوت ہو گئے، پھر یہ کوفہ واپس چلے گئے تھے۔ یہ قریش کے جاسوس تھے، نبی کریم ﷺ نے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا، لیکن پھر انھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور بعد میں اچھے مسلمان قرار پائے تھے۔ (عون المعبود: حديث: ٢٦٥٢)

ہر دشمن سے بچانے والا اللہ ہے...... نبی کریم ﷺ کا ذاتی انتقام نہ لینا

(١٧٠)۔ عَنْ جَابِرِبْنِ عَبْدِاللّٰهِ رضی اللہ عنہ: أَنَّهُ غَزَامَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قِبَلَ نَجْدٍ، فَلَمَّا قَفَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: قَفَلَ مَعَهُ، فَأَدْرَكَتْهُمُ الْقَائِلَةُ فِي وَادٍ كَثِيْرِ الْعَضَاهِ، فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهُ ﷺ وَتَفَرَّقَ النَّاسُ فِي الْعَضَاهِ يَسْتَظِلُّوْنَ بِالشَّجَرِ، وَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ تَحْتَ سَمُرَةٍ فَعَلَّقَ بِهَا سَيْفَهُ، قَالَ جَابِرٌ: فَنِمْنَا نَوْمَةً، فَإِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدْعُوْنَا، فَجِئْنَاهُ فَإِذَا عِنْدَهُ أَعْرَابِيٌّ جَالِسٌ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ هٰذَا

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوے میں شریک تھا۔ جب آپ ﷺ واپس پلٹے تو میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ چلتے چلتے ایسی وادی میں قیلولے کا وقت ہو گیا جس میں خاردار درخت بہت زیادہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے وہاں پڑاؤ ڈالا اور لوگ درختوں کا سایہ حاصل کرنے کے لئے بکھر گئے۔ آپ ﷺ ببول کے درخت کے نیچے آ گئے اور اس کے ساتھ اپنی تلوار لٹکا دی۔ ہم سو گئے، اچانک رسول اللہ ﷺ ہمیں بلایا، جب ہم آپ کے پاس پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بدو آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے

اخْتَرَطَ سَيْفِي وَأَنَا نَائِمٌ، فَاسْتَيْقَظْتُ وَهُوَ فِي يَدِهِ صَلْتاً، فَقَالَ لِي: مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي؟ قُلْتُ: اللّٰهُ فَهَا هُوَ ذَا جَالِسٌ.)) ثُمَّ لَمْ يُعَاقِبْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔

(الصحيحة: ٣٥٤٦)

ہمیں بتایا: ”میں سویا ہوا تھا، اس بدو نے میری تلوار میان سے نکالی، جب بیدار ہوا تو میری تلوار اس کے ہاتھ میں سونتی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے کہا: کون ہے جو آپ کو مجھ سے بچائے گا؟ میں نے کہا: اللہ ہے۔ یہ دیکھو! اب یہ بیٹھا ہوا ہے (اور میرا کچھ نہ بگاڑ سکا)۔“ پھر آپ ﷺ نے اس سے کوئی انتقام نہیں لیا۔

تخريج: أخرجه البخاري: ٤١٣٤، ٤١٣٥، ومسلم: ٧/ ٦٢، والنسائي في "السنن الكبرى": ٨٧٧٢، ٨٨٥٢، والبيهقي في "السنن": ٦/ ٣١٩ وفي "دلائل النبوة": ٣/ ٣٧٣، وأحمد: ٣/ ٣٣١١

فوائد: ...... مسلمان اسلحہ سے لیس ہو، یا بے سروسامانی کی کیفیت میں، اس کی اصل محافظ اور فتح و شکست کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے۔ اس حدیثِ مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی فرد کو محض اپنی ذات سامنے رکھ کر کسی سے انتقام نہیں لینا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی امان کن صفات کی بنا پر ہے؟ غیر اسلامی ممالک میں سکونت پذیر ہونا کیسا ہے؟ ہجرت کا حکم باقی ہے

(١٧١)۔ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْخَيْرِ، قَالَ: بَيْنَا نَحْنُ بِالْمَرْبَدِ إِذْ أَتَى عَلَيْنَا أَعْرَابِيٌّ شَعْثُ الرَّأْسِ مَعَهُ قِطْعَةُ أَدِيْمٍ أَوْ قِطْعَةُ جِرَابٍ، فَقُلْنَا: كَأَنَّ هٰذَا لَيْسَ مِنْ أَهْلِ الْبَلَدِ۔ فَقَالَ: أَجَلْ، هٰذَا كِتَابٌ كَتَبَهُ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ الْقَوْمُ: هَاتِ فَأَخَذْتُهُ فَقَرَأْتُهُ فَإِذَا فِيْهِ: ((بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: هٰذَا كِتَابٌ مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِبَنِي زُهَيْرِ بْنِ أُقَيْشٍ، قَالَ أَبُو الْعَلَاءِ: وَهُمْ حَيٌّ مِنْ عُكْلٍ، إِنَّكُمْ إِنْ شَهِدْتُمْ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَفَارَقْتُمُ الْمُشْرِكِيْنَ وَأَعْطَيْتُمْ مِنَ الْغَنَائِمِ الْخُمُسَ وَسَهْمَ

یزید بن عبد اللہ بن خیر کہتے ہیں: ہم مربد میں بیٹھے ہوئے تھے، ہمارے پاس پراگندہ بالوں والا ایک بدو آیا، اس کے پاس کھال کے یا چمڑے کے تھیلے کا ایک ٹکڑا تھا۔ ہم نے کہا: یہ آدمی تو شہری لگتا ہے۔ اس نے کہا: جی ہاں، یہ خط ہے، رسول اللہ ﷺ نے میرے لئے لکھا تھا۔ لوگوں نے کہا: ہمیں دیجئے۔ میں نے وہ پکڑ لیا اور پڑھا، اس میں لکھا ہوا تھا: ”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ...... یہ خط رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بنو زہیر بن اقیش کی طرف ہے۔ بنو زہیر، عکل کا قبیلہ تھا۔ اگر تم گواہی دے دو کہ اللہ ہی معبودِ برحق ہے، نماز قائم کرو، زکاۃ ادا کرو، مشرکوں سے الگ ہو جاؤ اور غنیمتوں میں سے پانچواں حصہ، نبی ﷺ کا حصہ اور آپ ﷺ کا منتخب حصہ دے دو تو تم اللہ تعالیٰ کی امان اور رسول اللہ ﷺ کی امان میں آ جاؤ گے۔“

النَّبِیَّ ﷺ وَالصَفِیَّ۔ وَرُبَّمَا قَالَ: وَصَفِیَّهُ۔
فَأَنْتُمْ آمِنُوْنَ بِأَمَانِ اللّٰهِ وَأَمَانِ رَسُوْلِهِ.))
(الصحیحة:۲۸۵۷)

تخريج: أخرجه البيهقي:٦/ ٣٠٣، ٩/ ١٣، وأحمد: ٥/ ٧٨، والخطابي في "غريب الحديث": ٤/ ٢٣٦

فوائد :......مسلمانوں کو غور کرنا چاہیے کہ کافروں کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی امان دینے کے لیے یہ شرطیں پیش کی گئیں:

توحید، نماز، زکاۃ، مشرکوں سے علیحدگی، غنیمت کے پانچویں حصے اور آپ کے مخصوص اور منتخب حصے کی ادائیگی۔

اگر آج کوئی مسلمان نماز ادا نہ کرے یا زکوۃ ادا نہ کرے یا مشرکوں اور دشمنانِ اسلام کے علاقوں میں بسیرا کرے، تو کیا اسے اللہ اور اس کے رسول کی امان حاصل ہو گی؟

ہمارے ہاں پاکستانی لوگوں کا امریکہ، انگلینڈ، کوریا، یونان اور دوسری کفر گاہوں کی طرف جانے کا رواج عام ہوتا جا رہا ہے، بلکہ جانے والا اور بھیجنے والا دونوں اس کو اپنا اعزاز سمجھتے ہیں، کوئی پاکستان کے نا مساعد حالات کا بہانہ بناتا ہے، کوئی مال و دولت کا خواب دیکھ رہا ہے، کوئی سہولت پسندانہ زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ امام البانی رحمہ اللہ کے درج ذیل حقائق کا مطالعہ کرنے سے پہلے اس مثال کو سمجھنا ضروری ہے کہ آپ اپنی معمولی آمدنی میں سے گھر والے افراد کی زندگی کی ضروریات پوری کرتے ہیں، لیکن آپ کا بیٹا آپ کے گھر کا سادہ کھانا ترک کر کے مزیدار کھانے کی تلاش ان مسلمانوں کے گھر جا گھسنے کی اجازت طلب کرے، جن سے آپ کی پرانی دشمنی چلی آ رہی ہو۔ کیا آپ اسے اجازت دیں گے؟ بلکہ آپ کی غیرت آپ سے یہ تقاضا کرے گی کہ بیٹا! بھوک کی وجہ سے موت و ہلاکت قبول کر لو، لیکن میرے دشمنوں کے دسترخوان پر مت جاؤ۔

ارے! اگر آپ کی ذاتی غیرت وحمیت کا مسئلہ بنے تو بیٹے کو دشمنوں کے گھر کھانے کے لیے اور دشمنوں کی فیکٹریوں میں کام کرنے کے لیے نہیں بھیجا جا سکتا، جبکہ وہ مسلمان بھی ہیں۔ لیکن جب اسلام کی غیرت وحمیت اور اسلام کے باغیوں اور دشمنوں کے ممالک کا مسئلہ پیدا ہو تو آپ اپنے بیٹے کو امریکہ اور انگلینڈ بھیجنے کو اپنا اعزاز سمجھیں، دوستوں یاروں کی دعوتوں کا اہتمام کریں، یہ تضاد اور تناقض کیوں ہے؟ کیا آپ کی ذاتی غیرت کا مقام اسلام کی حمیت سے زیادہ ہے؟ (اللہ کی پناہ)

امام البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الصفیّ: اس سے مراد وہ گھوڑے، غلام اور تلوار اور ہر وہ چیز ہے، جو ہر قسم کی تقسیم سے پہلے آپ ﷺ مالِ غنیمت سے اپنی پسند کے مطابق اپنے لیے منتخب کر لیتے تھے، اس کے بعد آپ ﷺ کو پانچواں حصہ دیا جاتا تھا۔ چونکہ آپ ﷺ پر صدقہ حرام تھا، اس لئے آپ ﷺ کو مالِ غنیمت میں سے تین حصے دیئے جاتے تھے: بحیثیت مجاہد آپ

کا حصہ، کل مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ اور تقسیم سے پہلے آپ کا اپنا انتخاب۔

فائدہ :...... یہ حدیث مختلف احکام پر مشتمل ہے، ایک حکم یہ ہے کہ مشرف با سلام ہونے والے لوگوں کو چاہیے کہ وہ مشرکوں سے الگ ہو جائیں اور مسلم ممالک کی طرف ہجرت کریں، کثیر احادیث سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے، ہر حدیث میں کسی نہ کسی انداز میں مشرکوں سے مفارقت اختیار کرنے پر آمادہ کیا گیا ہے۔ مثلاً: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((أَنَا بَرِیءٌ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ يُقِيمُ بَيْنَ أَظْهُرِ الْمُشْرِكِينَ ، لَا تَتَرَاءَى نَارُهُمَا .)) ...... ''میں اس مسلمان سے بری ہوں، جو مشرکوں میں قیام پذیر ہوتا ہے، (مسلمانوں کا مشرکوں سے اتنا دور رہنا چاہیے کہ) وہ ایک دوسرے کی آگ نہ دیکھ سکیں۔'' بعض احادیث کے مطابق تو نبی کریم ﷺ نے بیعت کے دوران بیعت کرنے والے پر یہ شرط عائد کی کہ وہ مشرکوں سے علیحدگی اختیار کریں۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْ مُشْرِكٍ بَعْدَ مَا أَسْلَمَ عَمَلًا أَوْ يُفَارِقُ الْمُشْرِكِينَ إِلَى الْمُسْلِمِينَ .)) ...... ''جب کوئی مشرک اسلام قبول کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس وقت تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں کرتا، جب تک وہ مشرکوں سے مفارقت اختیار کر کے مسلمانوں کے پاس نہیں پہنچ جاتا۔'' ان کے علاوہ کئی احادیث سے یہ موضوع ثابت ہوتا ہے، میں نے (ارواء الغليل : ٥/ ٢٩ ـ ٣٣) میں بعض احادیث کی تخریج کی ہے۔

لیکن بڑا افسوس ہے کہ عصر حاضر میں مشرف با سلام ہونے والے لوگ ان احادیث پر عمل کرتے ہوئے مشرکوں سے مفارقت اختیار کر کے بلادِ اسلام کی طرف ہجرت نہیں کرتے، میرے خیال کے مطابق اس کی دو وجوہات ہیں:

(اوّل)...... چونکہ بلادِ کفر میں معیشت کے وسائل اور خوشحالی و آسودگی کے اسباب بآسانی دستیاب ہیں، اس لیے یہ لوگ بھی دیکھا دیکھی میں دنیوی زندگی کے حریص ہو گئے ہیں اور طبعی طور اسلامی ممالک کی طرف منتقلی کو گراں سمجھنے لگ گئے ہیں، حالانکہ ان کو علم ہے کہ وہ ایسی زندگی گزار رہے ہیں، جو مادی اعتبار سے پرلطف ہے، لیکن روح سے بالکل خالی ہے۔

(دوم)......ان لوگوں کو اس شرعی حکم کی کوئی خبر نہیں ہے اور اس سلسلے میں وہ معذور بھی ہیں، کیونکہ بلادِ کفر میں پائے جانے والے اکثر داعیانِ اسلام فقیہ نہیں ہیں، جیسا کہ تبلیغی جماعت کا معاملہ ہے، بلکہ جب لوگ دیکھتے ہیں کہ اکثر مسلمان اسلامی سلطنتوں سے غیر اسلامی ممالک کی طرف منتقل ہو رہے ہیں تو یہ بھی وہیں بسیرا کرنے کو عافیت سمجھنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دے، یہ اس قسم کے اسلامی احکام کی معرفت حاصل کیوں نہیں کرتے؟

کیا ان خواص و عوام کو علم نہیں کہ جہاد کی طرح ہجرت کا حکم بھی باقی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((لَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ مَا دَامَ الْعَدُوُّ يُقَاتِلُ .)) یعنی: ''جب تک دشمن سے قتال جاری رہے گا، اس وقت تک ہجرت منقطع نہیں ہو گی۔'' ایک دوسری حدیث میں ہے: ((لَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ حَتّٰى تَنْقَطِعَ التَّوْبَةُ ، وَلَا تَنْقَطِعُ التَّوْبَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا .)) یعنی: ''ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہو سکتی، جب تک توبہ منقطع نہیں ہو جاتی اور

توبہ میں اس وقت تک انقطاع نہیں آ سکتا، جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو جائے۔'' (ارواء الغلیل: ۱۲۰۸)

معلوم ہونا چاہیے کہ ہجرت کئی انواع و اسباب پر مشتمل ہے، اس مقام پر ان کا تفصیلی جائزہ نہیں لیا جا سکتا۔ اہم بات یہ ہے کہ بلادِ کفر سے بلادِ اسلام کی طرف ہجرت کرنا ضروری ہے، اگرچہ دیارِ اسلام کے حکمران اسلامی احکام کے پابند ہوں یا ان سے منحرف، کیونکہ اسلامی ممالک جیسے بھی ہوں، بہرحال کردار سازی، دین داری اور اخلاقی پہلو میں کفر گاہوں سے بہتر ہوں گے۔

معاملہ اس طرح نہیں، جس طرح کہ ایک پرلے درجے کے جاہل اور بیوقوف خطیب نے کہا: اللہ کی قسم! اگر مجھے یہودیوں کے زیرِ تحت قدس اور کسی عربی دار السلطنت میں بسیرا کرنے کا اختیار دیا جائے تو میں قدس میں سکونت پذیر ہونے کو ترجیح دوں گا، جو یہودیوں کے قبضے میں ہے۔

پھر اس سے آگے بڑھا اور کہا: میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جزائر سے تل ابیب کی طرف ہجرت کرنا ضروری ہے۔

ایسے خطیب کے دانت ٹوٹ جائیں اور اس سے قوتِ گویائی سلب کر لی جائے۔ ہر مسلمان، اگرچہ وہ غبی ہی کیوں نہ ہو، پر اس کی کلام کا بطلان واضح ہے۔

جو لوگ حق کے خواہاں ہوں، اتباعِ حق کے حریص ہوں، جادۂ حق پر استقامت اختیار کرنے والے ہوں اور جو چیخ و پکار اور واویلا کرنے والوں کے شور و غل سے مبہوت اور خوفزدہ ہونے والے نہ ہوں، ایسے لوگ کم از کم رسول اللہ ﷺ کی دو احادیث ذہن نشین کر لیں:

۱۔ ((اِنَّ الْاِيـمَـانَ لَيَأْرِزُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ اِلٰى جُحْرِهَا .)) ...... ''ایمان، مدینہ میں یوں پناہ لے لگا، جیسے سانپ اپنے بل کی طرف پناہ لیتا ہے۔'' (بخاری، مسلم)

۲۔ ((لَا تَـزَالُ طَـائِـفَةٌ مِـنْ اُمَّتِىْ ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ حَتّٰى يَأْتِيَهُمْ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ ظَاهِرُوْنَ .)) ...... ''میری امت کا ایک گروہ حق پر غالب رہے گا، یہاں تک اللہ تعالی کا امر آ پہنچے گا اور وہ غالب ہی ہوں گے۔''

یہ حدیث متواتر ہے۔ بعض احادیث میں کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اہل مغرب یعنی اہل شام ہوں گے، اس کی مزید تفسیر سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بیان کی گئی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِذَا فَسَدَ أَهْلُ الشَّامِ فَلَا خَيْرَ فِيكُمْ ، وَلَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ ....)) ...... ''اگر اہل شام میں بگاڑ آ گیا تو پھر تم میں خیر باقی نہیں رہے گی اور میری امت کا ایک گروہ ......۔'' (بخاری)

ان احادیث میں قوی اشارہ موجود ہے کہ کسی علاقے کے خیر یا شرّ ہونے کا انحصار اس کے باشندوں پر ہے، نہ کہ عمارتوں پر۔ جب سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ نے سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ارضِ مقدسہ میں آ جاؤ، تو انھوں نے جواباً لکھا: ارضِ مقدسہ کسی کو پاکیزہ نہیں بناتی، بلکہ انسان کو اس کا عمل مقدس بناتا ہے۔ (مؤطا امام مالک)

یہ تو انتہائی جہالت اور پرلے درجے کی حماقت ہو گی کہ خطیب صاحب یہودیوں کے ماتحت حواس باختہ اقامت

اختیار کریں اور ظلم وستم کی چکی میں پسنے والے جزائریوں کے لیے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور عمان وغیرہ کی بجائے تل ابیب کی طرف ہجرت کرنے کو ضرور قرار دیں، حالانکہ تل ابیب، حیفا اور یافا جیسے شہر فسق و فجور اور بے راہ روی سے لتھڑے پڑے ہیں اور برائیوں کا یہ سیلاب وہاں کے مسلم خواتین وحضرات میں بھی سرایت کر گیا ہے۔ یہ حقائق ہیں، جو ان شہروں کے سابقہ باشندوں اور ان علاقوں میں آمد و رفت رکھنے والوں کی نظروں سے اوجھل نہیں ہیں۔

ادنی اہل علم بھی جانتا ہے کہ اس خطیب کی ترجیح درج ذیل نصوص قرآنی کے واضح مخالف ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ○ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ○ فَأُولَئِكَ عَسَى اللَّهُ أَن يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ○ وَمَن يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ○﴾

(سورۂ نسا: ۹۷۔ ۱۰۰)

''جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں جب فرشتے ان کی روح نکالتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنی جگہ کمزور اور مغلوب تھے۔ فرشتے کہتے ہیں: کیا اللہ تعالی کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے؟ یہی لوگ ہیں، جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ پہنچنے کی بری جگہ ہے۔ مگر جو مرد، عورتیں اور بچے بے بس ہیں، جنہیں نہ کسی چارۂ کار کی طاقت اور نہ کسی راستے کا علم ہے، بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالی ان سے درگزر کرے۔ اللہ تعالی درگزر کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے۔ جو کوئی اللہ کی راہ میں وطن چھوڑے گا وہ زمین میں بہت سی قیام کی جگہیں بھی پائے گا اور کشادگی بھی اور جو کوئی اپنے گھر میں اللہ تعالی اور اس کے رسول کی طرف نکل کھڑا ہوا، پھر اسے موت نے آ پکڑا تو بھی یقیناً اس کا اجر اللہ تعالی کے ذمہ ثابت ہو گیا اور اللہ تعالی بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر (۱/۵۴۲) میں کہا: یہ آیت عام ہے اور اس مسلمان کو شامل ہے، جو مشرکوں میں رہائش پذیر ہے اور دینی احکام کو قائم کرنے سے عاجز ہے اور ہجرت کرنے پر قادر ہے۔ ایسا آدمی ظالم ہے اور ان آیات اور اجماع کی روشنی میں حرام کا مرتکب ہے۔

فقیہ عالم کو تو بلا شک و شبہ اور یقین کے ساتھ کہنا چاہیے کہ یہ آیت اپنے عموم کی بنا پر صرف ہجرت پر نہیں، بلکہ اس حقیقت پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اس علاقے کو بھی خیر آباد کہہ دینا چاہیے جہاں برائیوں اور معصیتوں کا زور ہو، جیسا کہ سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے کہا: جب کسی خطۂ زمین میں معصیتوں کا ارتکاب کیا جا رہا ہو تو تجھے وہاں سے نکل جانے چاہیے۔

پھر انھوں نے یہی آیت تلاوت کی ۔ (تفسیر قرطبی : ٥/ ٥٤٦)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (فتح الباری : ٨/ ٢٦٣) میں نے کہا: سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جس علاقے میں معصیتوں کا ارتکاب عام ہو، اس سے ہجرت کر جانا واجب ہے۔

بعض خطبا، ڈاکٹر (پی، ایچ، ڈی) اور اساتذہ کا خیال ہے کہ آپ ﷺ کی حدیث: ((لا هجرة بعد الفتح)) (فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں۔) نے ہجرت کا حکم مطلق طور پر منسوخ کر دیا ہے۔ لیکن ایسے کہنا کتاب و سنت اور سلف صالحین کے اقوال سے جہالت کا نتیجہ ہے، اس موضوع پر ایک استاد سے میرا مباحثہ بھی ہوا تھا، جب میں نے یہ حدیث ذکر کی: ((لَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ حَتّٰى تَنْقَطِعَ التَّوْبَةُ ، وَلَا تَنْقَطِعُ التَّوْبَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا .)) ...... ''ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہو سکتی، جب تک توبہ منقطع نہیں ہو جاتی اور توبہ میں اس وقت تک انقطاع نہیں آ سکتا، جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو جائے۔'' (ارواء الغلیل : ١٢٠٨)

تو اس سے کوئی جواب نہ بن پایا۔

میں قارئین کرام کے استفادہ کے لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی بحث نقل کرتا ہوں، جو انھوں مذکورہ بالا دو احادیث میں جمع و تطبیق دیتے ہوئے پیش کی، انھوں نے (مجموع الفتاوی : ١٨/ ٢٨١) نے کہا:

دونوں احادیث برحق ہیں۔ ((لا هجرة بعد الفتح)) (فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں۔) والی حدیث کا تعلق مکہ مکرمہ سے اور عرب کے دوسرے علاقوں سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے سے ہے۔ یہ ہجرت اس وقت مشروع تھی، جب مکہ مکرمہ دار الکفر اور دار الحرب تھا اور صرف مدینہ منورہ دار الاسلام تھا۔ اس وقت ہجرت پر قادر لوگوں پر فرض تھا کہ وہ دار الکفر کو ترک کر کے دار الایمان مدینہ منورہ پہنچیں۔ جب مکہ فتح ہوا اور دار الاسلام بن گیا اور عرب لوگ مشرف با سلام ہو گئے اور یہ ساری سرزمین دار الاسلام بن گئی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((لا هجرة بعد الفتح)) (فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں۔)

قارئین کرام! ذہن نشین کر لیں کہ کسی خطۂ زمین کا دار الکفر یا دار الایمان یا دار الفسق ہونا، اس کا مستقل وصف نہیں ہوتا، بلکہ اس امر کا تعلق اس علاقے کے باشندوں سے ہوتا ہے۔ جس زمانے میں کسی علاقے میں مومن اور متقی بسیرا کرتے ہوں، تو اسے اس زمانے میں دار الاولیا یا دار الایمان کہا جائے گا، جس علاقے میں کفار بستے ہوں، اسے دار الکفر کہا جائے گا اور جس علاقے میں فاسق لوگ رہائش پذیر ہوں، اسے دار الفسق کہا جائے گا۔

یہی معاملہ مسجد کا ہے کہ جب اسے شراب خانے یا دار الفسق یا گرجا گھر میں تبدیل کر دیا جائے گا تو اس کو وہی حکم دیا جائے گا، نہ کہ مسجد کا۔ اسی طرح جب کسی شراب خانے اور دار الفساق کو مسجد میں تبدیل کر کے وہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت شروع کر دی جائے گی، تو اسے مسجد ہی سمجھا جائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی نیک آدمی فاسق بن جائے تو اسے فاسق کہا جائے گا، اگر کوئی کافر مومن ہو جائے تو اسے مومن کہا

جائے گا اور اگر کوئی مومن کافر ہو جائے تو اسے کافر کہا جائے گا۔ یعنی ماضی یا مستقبل کو مدنظر رکھے بغیر کسی علاقہ یا کسی شخص کو کوئی صفاتی نام دیتے وقت اس کی حالیہ کیفیت کو دیکھا جائے گا۔

ارشادِ باری تعالی ہے:

﴿وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ۝﴾ (سورۂ نحل: ۱۱۲)

''اللہ تعالی اس بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو پورے امن واطمینان سے تھی، اس کی روزی اس کے پاس وافر ہر جگہ سے چلی آ رہی تھی۔ پھر اس نے اللہ تعالی کی نعمتوں کا کفر کیا تو اللہ تعالی نے اسے بھوک اور خوف کا مزہ چکھایا، جو ان کے کرتوتوں کا بدلہ تھا۔''

یہ آیت مکہ مکرمہ کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی، جب وہ دار الکفر تھا، اس کے باشندوں کو دیکھ کر یہ مثال بیان کی گئی۔ لیکن یہ شہر فی نفسہ اللہ تعالی کے ہاں بہترین اور محبوب ترین تھا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے حزورہ مقام پر کھڑے ہو کر مکہ مکرمہ سے فرمایا تھا: ((وَاللّٰهِ إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ وَأَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ ، وَلَوْ لَا أَنَّ قَوْمِي أَخْرَجُوْنِي مِنْكِ لَمَا خَرَجْتُ .)) وَفِي رِوَايَة: ((خَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ وَأَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ إِلَيَّ .)) ...... ''(اے مکہ!) اللہ کی قسم! تو اللہ تعالی کی زمین کا بہترین قطعہ ہے اور اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے، اگر میری قوم مجھے یہاں سے نہ نکالتی تو میں کبھی بھی نہ جاتا۔'' اور ایک روایت میں ہے: ''تو اللہ تعالی کی زمین کا بہترین ٹکڑا اور اللہ کی زمین میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔''

اس وقت آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کا مسکن مدینہ تھا، جو دار الہجرہ ہونے کی وجہ سے ان کے لیے مکہ میں ٹھہرنے سے بہتر تھا۔ اسی قانون کے مطابق مجاہدین کا سرحدات پر مقیم رہنا مکہ و مدینہ میں اعتکاف بیٹھنے سے افضل ہے، کیونکہ پہرہ کے دوران مجاہدین کا مقام، حرمین میں اعتکاف بیٹھنے والوں سے زیادہ ہوتا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((رِبَاطُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهِ وَمَنْ مَاتَ مُرَابِطًا مَاتَ مُجَاهِدًا وَجَرَى عَلَيْهِ عَمَلُهُ وَأُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ مِنَ الْجَنَّةِ ، وَأَمِنَ الفَتَّانُ .)) ...... ''ایک دن اور رات کے لیے سرحد پر مقیم رہنا ایک مہینے کے روزوں اور قیام سے بہتر ہوتا ہے، جب کوئی مجاہد دورانِ پہرہ فوت ہو جاتا ہے، تو اس پر اس کا عمل جاری کر دیا جاتا ہے اور جنت سے اس کے رزق کی فراہمی شروع ہو جاتی ہے اور وہ فتنوں سے محفوظ رہتا ہے۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((رِبَاطُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ يَوْمٍ فِي مَا سِوَاهُ مِنَ الْمَنَازِلِ .)) ...... ''اللہ کے راستے میں ایک دن کے لیے سرحد پر مقیم رہنا، کسی دوسرے مقام میں ہزار دن گزارنے سے بہتر ہے۔'' اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالی کے راستے میں ایک رات کے لیے سرحد پر مقیم رہنا مجھے حجر اسود کے پاس لیلۃ القدر کا قیام کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ہر انسان کے حق میں وہ خطۂ زمین افضل ہوتا ہے، جس میں وہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کر سکتا ہو۔ اس کے لیے کوئی قاعدہ کلیہ مقرر نہیں ہے، بلکہ اس کا دارومدار حالات وظروف اور شخصیات پر ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں مقام ہر شخص کے لیے بہتر ہے۔ جس کو جہاں زیادہ تقوی وطہارت، اطاعت وفرمانبرداری اور خشوع وخضوع نصیب ہوگا، وہ مقام اس کے حق میں افضل ہوگا۔ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ نے سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ ارض مقدسہ میں آ جاؤ۔ انھوں نے جواباً لکھا: کوئی زمین کسی کو پاکیزہ نہیں بناتی، بلکہ بندے کا عمل اس کو متقی بناتا ہے۔ نبی کریم ﷺ ابودردا اور سلمان کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تھا، کئی مسائل میں سلیمان، ابودردا کی بہ نسبت بڑے فقیہ ثابت ہے، ایک مثال یہ ہے۔

اللہ تعالی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے کہا: ﴿سَأُرِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ﴾ (سورۂ اعراف: ۱۴۵) ...... ''عنقریب میں تم لوگوں کو فاسقوں کا مقام دکھلاؤں گا۔''

اس وقت یہاں شام کے ملک میں عمالقہ رہتے تھے، اس لیے اس کو فاسقوں کا گھر کہا گیا۔ بعد میں یہی مقام دار المؤمنین بن گیا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جس طرح بعض بندوں پر مختلف کیفیات طاری ہوتی ہیں، کبھی مسلم، کبھی کافر، کبھی مومن، کبھی منافق، کبھی نیک، کبھی فاسق۔ یہی معاملہ علاقوں اور شہروں کا ہے، جو اچھے باشندوں کی وجہ سے اچھے کہلاتے ہیں اور برے مکینوں کی وجہ سے برے کہلاتے ہیں۔

کفر اور معصیتوں پر مشتمل علاقوں سے ایسے علاقوں کی طرف ہجرت کرنا، جہاں ایمان و ایقان اور اطاعت و فرمابرداری کی فضا عام ہوتی ہے، بالکل ایسے ہی ہے جیسے ایک کفر ومعصیت سے توبہ تائب ہوکر ایمان و اطاعت سے متصف ہو جاتا ہے۔ ہجرت کا سلسلہ روزِ قیامت تک جاری رہے گا، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَئِكَ مِنْكُمْ﴾ (سورۂ انفال: ۷۵) ...... ''اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ ہوکر جہاد کیا، پس یہ لوگ بھی تم میں سے ہی ہیں۔''

بعض سلف صالحین کا خیال ہے کہ قیامت تک ایمان لانے والے، ہجرت کرنے والے اور جہاد کرنے والے اسی آیت کے مصداق میں داخل ہیں، اسی طرح اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: ﴿ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (سورۂ نحل: ۱۱۰) ...... ''جن لوگوں نے فتنوں میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت کی، پھر جہاد کیا اور صبر کا ثبوت دیا، بیشک تیرا پروردگار ان باتوں کے بعد انہیں بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔''

اس آیت کے معنی ومفہوم میں ہر وہ شخص داخل ہے، جس کے دین میں شیطان نے فتنہ برپا کیا ہو یا کسی معصیت پر آمادہ کیا ہو، پھر وہ بندہ برائیوں کو ترک کر دیتا ہے، اپنے نفس اور دشمنوں اور منافقوں سے جہاد کرتا ہے، نیکی کا حکم دیتا

ہے، برائی سے منع کرتا ہے اور مخالف قول و فعل پر صبر کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

میں (البانی) کہتا ہوں: شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی علمی میراث سے موصول ہونے والے یہ حقائق اور بے مثال موتی ہیں کہ شریعتِ اسلامیہ کا انکار کرنے والے یہ خطبا، قلم کار، اساتذہ اور ڈاکٹر جن سے جاہل ہیں۔ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَ هُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾ (سورۂ کہف: ۱۰۴) ...... ”اور وہ اسی گمان میں رہے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔“

ان جاہلوں نے فلسطینی باشندوں پر ہجرت کو حرام قرار دیتے ہوئے ان کو یہ فتوی دیا کہ وہ اپنے ملک میں ہی اقامت پذیر رہیں، حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ اس طرح کرنے سے ان کے دین و دنیا میں بگاڑ آئے گا، ان کے مرد قتل ہوں گے، ان کی عورتیں رسوا ہوں گی اور نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اپنے دین سے منحرف ہوں گے۔ یہ حقائق تواتر کی حد تک شائع ہو چکے ہیں کہ یہودی فلسطینیوں پر جبر کرتے ہیں، جب عورتیں اپنے بستروں میں ہوتی ہیں تو اس وقت یہ ان کے گھروں پر چھاپے مارتے ہیں اور اس قسم کی دیگر رسوائیاں۔ کیا پھر بھی یہ لوگ اسی تجاہل کا اظہار کریں گے، جو شکاری کو دیکھ کر بے وقوف شتر مرغ کرتا ہے؟ (شتر مرغ شکاری کو دیکھ کر اپنا منہ ریت میں ٹھونس کر یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اب اسے شکاری نہیں دیکھ رہا ہو گا۔) لیکن افسوس! یہ لوگ جاہل ہیں اور اپنی جہالت سے بھی جاہل ہیں۔ ایسے کیوں نہ ہو، حالانکہ یہ لوگ پڑھتے ہیں: ﴿وَ لَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَیْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِیَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِیْلٌ مِّنْهُمْ﴾ (سورۂ نسا: ٦٦) ...... ”اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنی جانوں کو قتل کر ڈالو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اسے ان میں سے بہت ہی کم لوگ بجا لاتے۔“

کاش مجھے پتہ چل جاتا کہ یہ لوگ ان فلسطینیوں کے بارے میں کیا کہیں گے جنہوں نے کبھی پناہ گزینوں کی صورت میں اور کبھی تارکین وطن کی صورت میں فلسطین کو خیر آباد کہا، شاید وہ ان کے نزدیک اس بنا پر گنہگار ہوں کہ انھوں نے اپنی زمین یہودیوں کے لیے خالی کر دی۔ نیز یہ لوگ ان افغانی ملاؤں کے بارے میں کیا کہیں گے، جنھوں نے پشاور کی طرف ہجرت کی تھی، حالانکہ افغانستان پر روسیوں کا قبضہ، فلسطین پر یہودیوں کے قبضے کی طرح کا نہیں تھا؟

پھر یہ لوگ اہل بوسینیا کے بارے میں کیا کہیں گے، جو اردن اور دوسرے اسلامی ممالک میں پناہ لے رہے ہیں؟ کیا یہ ان پر ترکِ وطن کو حرام قرار دیں گے؟

یہ لوگ اللہ تعالی کے اس فرمان عالی شان سے غافل ہیں: ﴿وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (سورۂ حشر: ۹) ...... ”اور ان کے لیے جنھوں نے اس گھر میں (یعنی مدینہ) اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنا لی ہے اور اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والے سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے، اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے، بلکہ خود اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں، گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو۔“

یا پھر یہ لوگ اس آیت کا مصداق بنیں گے: ﴿يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا﴾ (سورۂ توبہ: ۳۷) ...... ''ایک سال تو اسے حلال کر لیتے ہیں اور ایک سال اسی کو حرمت والا کر لیتے ہیں۔''

سَتُبْدِيْ لَكَ الْاَيَّامُ مَا كُنْتَ جَاهِلًا وَيَأْتِيْكَ بِالْأَنْبَاءِ مَا لَمْ تُزَوِّدِ

عنقریب زمانہ تیرے لیے وہ کچھ ظاہر کرے گا، جس سے تو جاہل ہوگا اور تیرے پاس ایسی خبریں لائے گا، جو تیرے علم میں نہیں ہوں گی۔ (صحیحہ: ۲۸۵۷)

مشرکوں کی صحبت کی نحوست

(۱۷۲)۔ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ حَيْدَةَ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ ﷺ ! مَاأَتَيْتُكَ حَتّٰى حَلَفْتُ أَكْثَرَ مِنْ عَدَدِهِنَّ ، لِأَصَابِعِ يَدَيْهِ أَلَّا آتِيَكَ وَلَا آتِيَ دِيْنَكَ ، وَإِنِّيْ كُنْتُ امْرَأً لَّا أَعْقِلُ شَيْئًا إِلَّا مَا عَلَّمَنِيَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ ، وَإِنِّيْ أَسْأَلُكَ بِوَجْهِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ بِمَا بَعَثَكَ رَبُّكَ إِلَيْنَا؟ قَالَ: ((بِالْإِسْلَامِ .)) قَالَ: قُلْتُ: وَمَا آيَاتُ الْإِسْلَامِ ؟ قَالَ: ((أَنْ تَقُوْلَ: أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَتَخَلَّيْتُ وَتُقِيْمُ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ ، كُلُّ مُسْلِمٍ عَلٰى مُسْلِمٍ مُحَرَّمٌ، أَخَوَانِ نَصِيْرَانِ لَايَقْبَلُ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ مِنْ مُشْرِكٍ بَعْدَ مَا أَسْلَمَ عَمَلاً أَوْ يُفَارِقَ الْمُشْرِكِيْنَ إِلَى الْمُسْلِمِيْنَ .)) (الصحيحة:٣٦٩)

سیدنا معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! میں نے اپنی انگلیوں کی تعداد کے برابر قسمیں اٹھائیں تھیں کہ میں نہ آپ کے پاس آؤں گا اور نہ آپ کا دین اختیار کروں گا، لیکن اب میں آ گیا ہوں۔ میں ایک بے سمجھ سا انسان ہوں اور مجھے اللہ اور رسول کی سکھائی ہوئی صرف چند معلومات کا علم ہے، اب میں اللہ تعالی کی ذات کا واسطہ دے کر آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ کے رب نے آپ کو کون سی چیز کے ساتھ مبعوث کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام کے ساتھ۔'' میں نے کہا: اسلام کی علامتیں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''تیرا یہ کہنا کہ میں نے اپنا چہرہ اللہ تعالی کے لئے مطیع کر دیا اور اس کے حق میں دست بردار ہو گیا اور نماز قائم کرنا اور زکاۃ ادا کرنا۔ (یاد رکھیئے گا کہ) ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے حرمت والا ہے، (اس مذہب میں) دو بھائی ایک دوسرے کی مدد کرنے والے ہوتے ہیں اور اللہ تعالی مشرک کے مسلمان ہونے کے بعد اس کا کوئی عمل اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک وہ مشرکوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کی طرف نہ آ جائے۔''

تخريج: أخرجه النسائي: ١/ ٣٥٨

فوائد :......اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کو جو اسلام دے کر مبعوث فرمایا، اس کی علامتیں یہ ہیں: اطاعتِ الٰہی، نماز، زکاۃ، حرمتِ مسلم، تائیدِ مسلم اور مشرکوں سے علیحدگی۔

اس حدیث مبارکہ میں مشرکوں کے وطن کو چھوڑنے کو خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ جب تک اس شرط کو پورا نہیں

کیا جاتا، اس وقت تک کوئی عمل قابل قبول نہیں ہوتا، اس موضوع پر پہلے بحث ہو چکی ہے۔

جہنم سے دور کرنے اور جنت میں داخل کرنے والے اسباب واضح ہیں

(۱۷۳)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((إِنَّهُ لَيْسَ شَيْءٌ يُقَرِّبُكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ إِلَّا قَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ، وَلَيْسَ شَيْءٌ يُقَرِّبُكُمْ إِلَى النَّارِ إِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ، إِنَّ رَوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِي رَوْعِي: إِنَّ نَفْساً لَاتَمُوْتُ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا، فَاتَّقُوْا اللّٰهَ وَأَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ، وَلَا يَحْمِلَنَّكُمْ اِسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ أَنْ تَطْلُبُوْهُ بِمَعَاصِي اللّٰهِ، فَإِنَّ اللّٰهَ لَايُدْرَكُ مَاعِنْدَهُ إِلَّا بِطَاعَتِهِ.)) (الصحيحة: ٢٨٦٦)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو چیز تمھیں جنت کے قریب کر سکتی ہے، میں نے تمھیں اس کا حکم دے دیا ہے اور جو چیز تمھیں جہنم کے قریب کر سکتی تھی، اس سے منع کر دیا ہے۔ روحِ قدس (یعنی جبریل علیہ السلام) نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے: کوئی جان اپنے رزق کی تکمیل کے بغیر نہیں مرتی، پس تم اللہ تعالی سے ڈرو اور اعتدال کے ساتھ مانگا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ رزق کا مؤخر ہونا تمھیں اس بات پر اکسا دے کہ تم اللہ تعالی کی نافرمانیاں کر کے رزق کی تلاش میں پڑ جاؤ (یاد رکھو!) جو کچھ اللہ تعالی کے پاس ہے وہ اس کی اطاعت کر کے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔''

تخريج: رواه أبو بكر الحدادفي "المنتخب من فوائد ابن علويه القطان": ١٦٨/ ١، وابن مردوية في "ثلاثة مجالس": ١٨٨/ ١-٢، والحاكم: ٢/ ٤

فوائد: ......اس کا مطلب یہ ہوا کہ جنت میں داخل کرنے والے اور جہنم سے دور رکھنے والے تمام اسباب کی وضاحت ہو چکی ہے، مزید بدعات و رسومات کو ایجاد کرنے کی ضرورت نہیں۔

رزق کیسے طلب کیا جائے؟

(١٧٤)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((إِنَّهُ لَيْسَ شَيْءٌ يُقَرِّبُكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ إِلَّا قَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ، وَلَيْسَ شَيْءٌ يُقَرِّبُكُمْ إِلَى النَّارِ إِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ، إِنَّ رَوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِي رَوْعِي: إِنَّ نَفْساً لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا، فَاتَّقُوْا اللّٰهَ وَأَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ، وَلَا يَحْمِلَنَّكُمْ اِسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ أَنْ تَطْلُبُوْهُ بِمَعَاصِي اللّٰهِ،

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو چیز تمھیں جنت کے قریب کر سکتی ہے، میں نے تمھیں اس کا حکم دے دیا ہے اور جو چیز تمھیں جہنم کے قریب کر سکتی تھی، اس سے منع کر دیا ہے۔ روحِ قدس (یعنی جبریل علیہ السلام) نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے: کوئی جان اپنے رزق کی تکمیل کے بغیر نہیں مرتی، پس تم اللہ تعالی سے ڈرو اور اعتدال کے ساتھ مانگا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ رزق کا مؤخر ہونا تمھیں اس بات پر اکسا دے کہ تم اللہ تعالی

لِفَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُدْرَكُ مَاعِنْدَهُ إِلَّا بِطَاعَتِهِ.)) (الصحيحة: ٢٨٦٦)

کی نافرمانیاں کر کے رزق کی تلاش میں پڑ جاؤ (یاد رکھو!) جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ اس کی اطاعت کر کے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔''

تخريج: رواه أبو بكر الحدادفي "المنتخب من فوائد ابن علويه القطان": ١٦٨/ ١ ، وابن مردوية في "ثلاثة مجالس":١٨٨/ ١-٢، والحاكم: ٢/ ٤

(١٧٥)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لَاتَسْتَبْطِئُوْا الرِّزْقَ، فَإِنَّهُ لَمْ يَكُنْ عَبْدٌ لِيَمُوْتَ حَتّٰى يَبْلُغَ آخِرَ رِزْقٍ هُوَ لَهُ، فَأَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ: أَخْذِ الْحَلَالِ، وَتَرْكِ الْحَرَامِ.)) (الصحيحة: ٢٦٠٧)

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رزق کو مؤخر نہ سمجھو، کوئی آدمی اس وقت تک نہیں مرتا جب تک اپنے (مقدر میں لکھے ہوئے) رزق کی تکمیل نہیں کر لیتا۔ اعتدال کے ساتھ طلب کرو یعنی حلال چیز استعمال کرو اور حرام کو ترک کر دو۔''

تخريج: أخرجه أبو عبدالله الرازى فى "مشيخته": ق١٤٩/ ١ - مجموع ٣٣، وابن حبان فى "صحيحه": ١٠٨٤ و١٠٨٥- موارد، والحاكم: ٢/ ٤، والبيهقى فى "السنن": ٥/ ٢٦٤، وأخرجه ابن ماجه: ٢١٤٤، والحاكم و البيهقى بلفظ: ((ان احدكم لن يموت حتى يستكمل رزقه، فلا تستبطئوا الرزق، واتقوا الله أيها الناس، وأجملوا فى الطلب، خذوا ما حل، ودعوا ما حرم.))

فوائد: ...... رزقِ حلال کے حصول کے لیے تگ و دو کرنا اور جائز اسباب استعمال کرنا قابل ستائش عمل ہے، لیکن ایسا نہ ہونے پائے کہ روزی کی تلاش میں اللہ تعالیٰ کے فرائض و واجبات کا کوئی لحاظ نہ کیا جائے، وگرنہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے حصولِ رزق کے لیے اللہ تعالیٰ کے انتظام و انصرام اور ٹائم ٹیبل پر اکتفا نہیں کیا اور اپنے خود ساختہ اندازوں میں بڑھ کر رقم سمیٹنا شروع کر دی۔

ان احادیث کا اولین تقاضا یہ ہے کہ حرام کاروباروں سے نجات حاصل کی جائے اور جائز صورتوں کو اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ نظام کے مطابق جاری رکھا جائے۔

جہاد تا قیامت جاری رہے گا

(١٧٦)۔ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ نُفَيْلٍ السَّكُوْنِيِّ رضی اللہ عنہ، قَالَ: دَنَوْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى كَادَتْ رُكْبَتَايَ تَمُسَّانِ فَخِذَهُ، فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! تُرِكَتِ الْخَيْلُ وَأُلْقِيَ السَّلَاحُ وَزَعَمَ

سیدنا سلمہ بن نفیل سکونی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے قریب ہوا، حتی کہ میرے گھٹنے آپ ﷺ کی رانوں کو چھو رہے تھے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! گھوڑوں سے غفلت برتی جا رہی ہے، اسلحہ پھینک دیا گیا ہے اور لوگ

أَقْوَامٌ أَنْ لَا قِتَالَ! فَقَالَ: ((كَذَبُوْا، اَلْآنَ جَاءَ الْقِتَالُ لَاتَزَالُ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرَةٌ عَلَى النَّاسِ يَزِيْغُ اللّٰهُ قُلُوْبَ قَوْمٍ قَاتَلُوْهُمْ لِيَنَالُوْا مِنْهُمْ.)) وَقَالَ وَهُوَ مُوَلٍّ ظَهْرَهُ إِلَى الْيَمَنِ: ((إِنِّي أَجِدُ نَفَسَ الرَّحْمٰنِ مِنْ هٰهُنَا. يُشِيْرُ إِلَى الْيَمَنِ. وَلَقَدْ أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنِّي مَكْفُوْفٌ غَيْرُ مَلَبَّثٍ، وَتَتَّبِعُوْنِّي أَفْنَاداً، وَالْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ فِي نَوَاصِيْهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَأَهْلُهَا مُعَانُوْنَ عَلَيْهَا.)) (الصحيحة: ٣٣٦٧)

یہ گمان کرنے لگے ہیں کہ جہاد ختم ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”لوگ جھوٹ بول رہے ہیں، قتال کا تو ابھی ابھی نفاذ ہوا ہے، میری امت کی ایک جماعت حق پر قائم دائم رہے گی، لوگوں پر غالب رہے گی، بعض لوگوں کے دل منحرف ہوتے رہیں گے اور وہ ان سے قتال کر کے مالِ غنیمت حاصل کرتے رہیں گے۔“ نیز آپ ﷺ نے فرمایا، اس حال میں آپ کی پشت یمن کی طرف تھی: ”میں ادھر سے رحمٰن کی خوشبو (یا رحمت) محسوس کر رہا ہوں ۔ اس وقت آپ یمن کی طرف اشارہ فرما رہے تھے۔ مجھے بذریعہ وحی بتلا دیا گیا ہے کہ میں ٹھہرنے والا نہیں، بلکہ فوت ہونے والا ہوں، تم لوگ گروہ در گروہ میرے پیچھے چلو گے اور (یاد رکھو کہ) گھوڑے کی پیشانی میں روزِ قیامت تک خیر و بھلائی معلق رہے گی اور گھوڑوں والے ان پر سوار ہو کر سختیاں جھیلتے رہیں گے۔“

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ٧/ ٦٠/ ٦٣٥٨

فوائد :......معلوم ہوا کہ قیامت سے پہلے تک جب تلک اللہ تعالیٰ چاہیں گے، اہل حق قائم رہیں گے اور جہاد جاری رہے گا۔ بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی اور انھوں نے اس حدیث کا یہ مفہوم سمجھا کہ ہر وقت عملی طور پر جہاد بالسیف جاری رہے گا، لیکن یہ مفہوم درست نہیں ہے، اس حدیثِ مبارکہ اور اس موضوع پر دوسری آیات و احادیث کا تقاضا یہ ہے کہ جہاد کا حکم قیامت تک جاری رہے گا، جب بھی ضرورت پڑی یا موقع ملا تو اسلام کے اس رکن پر عمل کیا جائے گا۔

اس حدیث میں یمن اور اہل یمن کی فضیلت کا بھی بیان ہے۔

اسلام میں رہبانیت نہیں...... جہاد کی فضیلت

(١٧٧)۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِي سَرِيَّةٍ مِّنْ سَرَايَاهُ، قَالَ: فَمَرَّ رَجُلٌ بِغَارٍ فِيْهِ شَيْءٌ مِّنْ مَاءٍ، قَالَ: فَحَدَّثَ نَفْسَهُ بِأَنْ يُقِيْمَ فِي ذٰلِكَ الْغَارِ فَيَقُوْتُهُ مَا كَانَ فِيْهِ مِنْ مَاءٍ، وَيُصِيْبُ مَاحَوْلَهُ مِنَ الْبَقْلِ، وَيَتَخَلّٰى مِنَ الدُّنْيَا! ثُمَّ قَالَ: لَوْ أَنِّي أَتَيْتُ نَبِيَّ اللّٰهِ ﷺ فَذَكَرْتُ

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم ایک لشکر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے، ایک آدمی کا ایک نشیبی جگہ کے پاس سے گزر ہوا، وہاں پانی کا چشمہ بھی تھا، اسے خیال آیا کہ وہ دنیا سے کنارہ کش ہو کر یہیں فروکش ہو جائے، یہ پانی اور اس کے ارد گرد کی سبزہ زاریاں اسے کفایت کریں گی۔ پھر اس نے یہ فیصلہ کیا کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس جاؤں گا اور یہ معاملہ آپ کے سامنے رکھوں گا، اگر آپ نے اجازت دے

ذٰلِكَ لَهُ، فَإِنْ اَذِنَ لِي فَعَلْتُ، وَإِلَّا لَمْ أَفْعَلْ۔ فَأَتَاهُ فَقَالَ: يَانَبِيَّ اللّٰهِ! إِنِّي مَرَرْتُ بِغَارٍ فِيْهِ مَايَقُوْتُنِي مِنَ الْمَاءِ وَالْبَقْلِ، فَحَدَّثَتْنِي نَفْسِي بِأَن أَقِيْمَ فِيْهِ وَأَتَخَلّٰى مِنَ الدُّنْيَا، قَالَ: فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ بِالْيَهُوْدِيَّةِ وَلَا بِالنَّصْرَانِيَّةِ، وَلٰكِنِّي بُعِثْتُ بِالْحَنِيْفِيَّةِ السَّمْحَةِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَغَدْوَةٌ أَوْ رَوْحَةٌ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا، وَلَمَقَامُ أَحَدِكُمْ فِي الصَّفِّ خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِهِ سِتِّيْنَ سَنَةً۔)) (الصحيحة:٢٩٢٤)

دی تو ٹھیک، وگرنہ نہیں۔ وہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے نبی! میں فلاں نشیبی جگہ سے گزرا، وہاں کے پانی اور سبزے سے میری گزر بسر ہو سکتی ہے، مجھے خیال آیا کہ میں دنیا سے کنارہ کش ہو کر یہیں بسیرا کر لوں، (اب آپ کا کیا خیال ہے)؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میں یہودیت اور نصرانیت لے کر نہیں آیا، مجھے نرمی و سہولت آمیز شریعت دے کر مبعوث کیا گیا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ کے راستے میں صبح کا یا شام کا چلنا دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے اور دشمن کے سامنے صف میں کھڑے ہونا ساٹھ سال کی نماز سے افضل ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٢٦٦، والطبراني في "الكبير": ٧٨٦٨، وابن عساكر في "الأربعين في الجهاد": الحديث ١٥،

(١٧٨)۔ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: ((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَصَلَّى الصَّلَاةَ وَحَجَّ الْبَيْتَ، لا اَدْرِيْ أَذَكَرَ الزَّكَاةَ أَمْ لَا۔ إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَن يَغْفِرَ لَهُ إِنْ هَاجَرَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوْ مَكَثَ بِأَرْضِهِ الَّتِي وُلِدَ بِهَا۔)) قَالَ مُعَاذٌ: أَلا أُخْبِرُ بِهَا النَّاس؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((ذَرِ النَّاسَ يَعْمَلُوْنَ فَإِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِئَةَ دَرَجَةٍ، مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَالْفِرْدَوْسُ أَعْلَى الْجَنَّةِ وَأَوْسَطُهَا وَفَوْقَ ذٰلِكَ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ، وَمِنْهَا تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ، فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْأَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ۔)) (الصحيحة:١٩١٣)

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے رمضان کے روزے رکھے، نماز قائم کی اور بیت اللہ کا حج کیا۔ مجھے اس بات کا علم نہ ہو سکا کہ آیا آپ نے زکاۃ کا ذکر کیا یا نہیں۔ مگر اللہ تعالی پر لازم ہے کہ اسے بخش دے، اگرچہ اس نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی ہو یا اپنے پیدائشی علاقے میں ٹھہرا ہوا ہو۔'' سیدنا معاذ نے کہا: کیا میں لوگوں کو یہ حدیث بیان کروں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رہنے دو، تاکہ وہ مزید عمل کرتے رہیں، کیونکہ جنت میں سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ زمین و آسمان کے مابین ہے اور جنت کا اعلی و افضل مقام فردوس ہے، اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے، وہاں سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔ جب اللہ تعالی سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کیا کرو۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ٣/ ٣٢٥۔ ٣٢٦۔ تحفة، وأحمد: ٥/ ٢٤٠۔ ٢٤١

فوائد : ......رہبانیت: دنیا اور علائق دنیا سے منقطع ہو کر کسی جنگل، صحرا میں اللہ تعالی کی عبادت میں مگن ہو جانا۔ نصرانیوں نے یہ رسم نکالی تھی، جسے اسلام نے غلط قرار دیا۔

دین اسلام کی حفاظت وحمایت اور اللہ کے کلمے کی سر بلندی کیلئے باغیوں، سرکشوں، ملحدوں اور بے دین لوگوں سے لڑنے میں پوری جدوجہد کرنا جہاد فی سبیل اللہ کہلاتا ہے، یہ انتہائی باکمال اور باعظمت عمل ہے، حدیث نبوی ہے کہ اللہ تعالی کے راستے میں خاک آلود ہونے والے پاؤں آتش دوزخ سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ (بخاری: ۲۸۱۱) اگر زندگی میں جہاد کرنے کا موقع مل جائے تو اسے سعادت اور خوش قسمتی سمجھا جائے وگرنہ کم از کم جہاد فی سبیل اللہ کی پختہ نیت رکھنا واجب ہے، موقع میسر آنے پر قطعاً گریز نہ کیا جائے، اسلامی زندگی اسی جذبۂ قربانی سے وابستہ ہے۔

آپ ﷺ اور آپ کی امت کی مثال

(١٧٨)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضي الله عنه قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَوْماً فَقَالَ: ((إِنِّي رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ جِبْرِيْلَ عِنْدَ رَأْسِي وَمِيْكَائِيْلَ عِنْدَ رِجْلَيَّ، يَقُوْلُ اَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ: اِضْرِبْ لَهُ مَثَلًا۔ قَالَ: اِسْمَعْ، سَمِعَتْ أُذُنُكَ وَاعْقِلْ عَقَلَ قَلْبُكَ۔ اِنَّمَا مَثَلُكَ وَمَثَلُ أُمَّتِكَ: كَمَثَلِ مَلِكٍ اتَّخَذَ دَاراً، ثُمَّ بَنٰى فِيْهَا بَيْتاً، ثُمَّ جَعَلَ فِيْهَا مَائِدَةً، ثُمَّ بَعَثَ رَسُوْلاً يَدْعُوْ النَّاسَ إِلٰى طَعَامِهِ فَمِنْهُمْ مَنْ أَجَابَ الرَّسُوْلَ، وَمِنْهُمْ مَنْ تَرَكَهُ، فَاللّٰهُ هُوَ الْمَلِكُ، وَالدَّارُ الْإِسْلَامُ وَالْبَيْتُ الْجَنَّةُ، وَأَنْتَ۔ يَا مُحَمَّدُ۔ رَسُوْلٌ، فَمَنْ أَجَابَكَ دَخَلَ الإِسْلَامَ وَمَنْ دَخَلَ الْإِسْلَامَ، دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ دَخَلَ الْجَنَّةَ أَكَلَ مَافِيْهَا .)) (الصحيحة:٣٥٩٥)

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''میں نے خواب دیکھا کہ جبریل (علیہ السلام) میرے سر کے پاس اور میکائیل (علیہ السلام) میرے پاؤں کے پاس بیٹھ گئے۔ ایک نے دوسرے سے کہا: اس (نبی) کی کوئی مثال بیان کیجئے۔ دوسرے نے کہا: سنو! تمھارا کان سنے، سمجھو! تمھارا دل سمجھے، تم اور تمھاری امت کی مثال یہ ہے: ایک بادشاہ نے ایک جاگیر حاصل کی، اس میں ایک محل بنایا اور اس میں کھانے کی دعوت کا اہتمام کیا، لوگوں کو دعوت دینے کے لئے قاصد بھیجا، کسی نے قاصد کا پیغام قبول کیا اور کسی نے نہ کیا۔ (اس مثال کی وضاحت یہ ہے کہ) اللہ بادشاہ ہے، اسلام جاگیر ہے، جنت محل ہے اور اے محمد! آپ قاصد ہیں، جس نے آپ کا پیغام قبول کیا وہ اسلام میں داخل ہو جائے گا اور اسلام میں داخل ہونے والا جنت میں چلا جائے گا اور جو جنت میں داخل ہو گیا وہ اس کے کھانے کھائے گا۔''

تخريج: رواه الترمذي: ٢٨٦٠، ومن طريقه: الحافظ ابن حجر في "تغليق التعليق": ٥/ ٣٢٠، والطبري

في "تفسيره": ١١/ ٧٣

فوائد: ..... ہمیں چاہیے کہ اللہ تعالی کے قاصد نبی کریم ﷺ کی ہدایات قبول کریں، تاکہ جنت تک رسائی حاصل کرنا آسان ہو جائے۔

اسلام کے بعد پھر سے فتنوں کا ابھرنا

(١٨٠)۔ عَنْ كُرْزِ بْنِ عَلْقَمَةَ الْخُزَاعِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! هَلْ لِلْإِسْلَامِ مِنْ مُنْتَهًى؟ قَالَ: ((أَيُّمَا أَهْلِ بَيْتٍ مِنَ الْعَرَبِ أَوِ الْعَجَمِ أَرَادَ اللّٰهُ بِهِمْ خَيْرًا أَدْخَلَ عَلَيْهِمُ الْإِسْلَامَ، ثُمَّ تَقَعُ الْفِتَنُ كَأَنَّهَا الظُّلَلُ، قَالَ الرَّجُلُ: كَلَّا وَاللّٰهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ! قَالَ: بَلٰى وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! ثُمَّ تَعُوْدُوْنَ فِيْهَا أَسَاوِدَ صُبًّا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ.)) (الصحيحة: ٣٠٩١)

سیدنا کرز بن علقمہ خزاعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا اسلام کی کوئی انتہا بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالی عرب و عجم کے جس جس گھر کے ساتھ خیر و بھلائی کا ارادہ کرے گا، وہاں اسلام پہنچا دے گا، پھر سایوں کی طرح فتنے برپا ہو جائیں گے۔'' ایک آدمی نے کہا: اللہ کی قسم! اگر اللہ نے چاہا تو ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! پھر تم کثیر تعداد میں پلٹ آؤ گے اور ایک دوسرے کا خون کرو گے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٣/ ٤٧٧، والحميدي: ١/ ٢٦٠/ ٥٧٤، وابن أبي شيبة في "المصنف": ١٥/ ١٣، والبزار في "مسنده": ٤/ ١٢٤/ ٣٣٥٣، والطبراني في "المعجم الكبير": ١٩/ ١٩٨/ ٤٤٣، والحاكم: ١/ ٣٤، وابن عبد البر في "التمهيد": ١٠/ ١٧٢

فوائد: ..... یہ حدیث آپ ﷺ کی علاماتِ نبوت میں سے ایک ہے، کیونکہ جیسے آپ ﷺ نے خبر دی، ایسے ہی ہوا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت جو تلوار لہرائی تھی، وہ آج تلک میان میں واپس نہ آ سکی اور اس وقوعے کے بعد مسلمان مختلف گروہوں میں منقسم ہو کر ایک دوسرے سے لڑتے ہوئے نظر آئے۔ الا ما شاء اللہ۔

﴿يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ کی تفسیر

(١٨١)۔ عَنْ أَبِي عَامِرٍ الْأَشْعَرِيِّ رضی اللہ عنہ، قَالَ: كَانَ رَجُلٌ قُتِلَ مِنْهُمْ (بِأَوْطَاسَ) فَقَالَ: لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: ((يَا أَبَا عَامِرٍ أَلَا غَيَّرْتَ؟)) فَتَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا

سیدنا ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمارا ایک آدمی جنگ اوطاس میں قتل ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے مجھے فرمایا: ابو عامر! تو نے دیت کیوں نہیں لی؟ میں نے جواباً یہ آیت پڑھی: ﴿اے ایمان والو! اپنی فکر کرو، جب راہِ راست پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ ہے اس سے تمھارا کوئی نقصان نہیں﴾ (سورۂ

اهْتَدَيْتُمْ﴾(المائدة: ١٠٥) فغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ: ((أَيْنَ ذَهَبْتُمْ؟ إِنَّمَا هِيَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوْا لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ- مِنَ الْكُفَّارِ- إِذَا اهْتَدَيْتُمْ- ﴾ وَرَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ وَلَفْظُهُ: عَنْ أَبِي عَامِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ كَانَ فِيهِمْ شَيْءٌ فَاحْتَبَسَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَاحَبَسَكَ قَالَ: قَرَأْتُ هٰذِهِ الآيَةَ: ﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوْا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: ﴿لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ- مِنَ الْكُفَّارِ- إِذَا اهْتَدَيْتُمْ- ﴾ (الصحيحة:٢٥٦٠)

مائدہ: ۱۰۵) رسول اللہ ﷺ غصے میں آ گئے اور فرمایا: ''تم کہاں چلے گئے ہو؟'' اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب تم راہِ راست پر آ جاؤ تو کفار لوگ تمھیں گمراہ نہ کرنے پائیں۔ اسے طبرانی نے روایت کیا اور اس کے الفاظ یہ ہیں: ''سیدنا ابو عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کوئی وجہ تھی جس کی بنا پر میں رسول اللہ ﷺ سے رکا رہا۔ جب نبی کریم ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ تجھے کس چیز نے روکے رکھا تو میں نے یہ آیت پڑھی: ﴿اے ایمان والو! اپنی فکر کرو، جب راہِ راست پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ ہے اس سے تمھارا کوئی نقصان نہیں۔﴾

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ١٢٩، ٢٠١-٢٠٢

فوائد: ......اس آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت دے دے تو نافرمانوں کی نافرمانیاں ہمارے لیے نقصان دہ ثابت نہیں ہونی چاہئیں۔ ہمارے ہاں بعض لوگوں میں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ فلاں فلاں آدمی میں تو اس قسم کی غلطیاں پائی جاتی ہیں، اگر ہم سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس میں کیا حرج ہے۔ دیکھئے کہ ان لوگوں نے اپنے آپ کو گمراہ کرنے کے لیے کیسا عجیب کلیہ پیش کر رکھا ہے کہ گناہ کسی کا اور نقصان ان کو ہو رہا ہے۔

ایمان کے شعبے

(١٨٢)- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((اَلْإِيْمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُوْنَ بَابًا، فَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ، وَأَرْفَعُهَا قَوْلُ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ.)) (الصحيحة:١٧٦٩)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایمان کے تہتر چوہتر شعبے ہیں، راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا سب سے ادنی اور ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' سب سے اعلی شعبہ ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٥٩٨، والترمذي: ٣/ ٣٥٧- تحفة، وابن ماجه: ٥٧، وأحمد: ٢/ ٤٤٥، وأبو عبيد في "الأيمان": رقم ٤- بتحقيقي، وأخرجه مسلم: ١/ ٤٦، وابن ماجه: ٥٧، وابوداود: ٢/ ٢٦٨ وزادوا: ((والحياء شعبة من الايمان.))، وأخرجه البخاري: ٩ بلفظ: ((الايمان بضع وسبعون شعبة، والحياء شعبة من الايمان.))

فوائد: ......حدیثِ مبارکہ میں مذکورہ تہتر چوہتر شعبے کون سے ہیں؟ اس کا جواب دیتے ہوئے حافظ ابن حجر

رحمہ اللہ نے کہا: قاضی عیاض کہتے ہیں: بعض علما وفقہا نے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق ان شعبوں کا تعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ بہر حال کسی کے اجتہاد کے حق میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ حدیث کے مرادی معانی کے عین مطابق ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اگر ان شعبہ جات کی تفصیل کا علم نہ ہو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑھتا۔

(میں ابن حجر کہتا ہوں:) ان شعبوں کا تعین کرنے والے کسی ایک انداز پر جمع نہ ہو سکے، البتہ امام ابن حبان کا طریقہ اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے: ان شعبوں کا مصدر درج ذیل تین اعمال ہیں:

(۱) قلبی اعمال، (۲) قولی اعمال اور (۳) بدنی اعمال

قلبی اعمال میں اعتقادات اور نیات داخل ہیں، جو درج ذیل چوبیس خصلتوں پر مشتمل ہیں:

اللہ تعالی پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، کتابوں پر ایمان، رسولوں پر ایمان، تقدیر پر ایمان، یوم آخرت پر ایمان، اللہ تعالی سے محبت، اس کی ذات کی خاطر کسی سے محبت یا نفرت، جس میں آپ ﷺ سے محبت اور آپ کی تعظیم اور آپ کی سنت کی پیروی بھی داخل ہے، اخلاص (اس میں ریا کاری و نفاق کو ترک کرنا بھی داخل ہے)، توبہ، خوف، رجا، شکر، وفا، صبر، رضا بالقضا، توکل، رحمت، تواضع، تکبر اور عجب کو ترک کرنا، حسد اور کینہ ترک کرنا اور غیظ وغضب کو ترک کرنا۔

قولی اعمال سات اجزا پر مشتمل ہیں:

توحید کا اقرار، تلاوتِ قرآن، علم شرعی سیکھنا اور سکھانا، دعا، ذکر واستغفار، لغو سے اجتناب۔

بدنی اعمال اڑتیس خصائل پر مشتمل ہیں:

ان میں سے درج ذیل پندرہ اعیان کے ساتھ خاص ہیں:

حسی اور حکمی طہارت (نجاستوں سے اجتناب کا تعلق بھی اسی شق کے ساتھ ہے)، پردہ، فرضی ونفلی نماز، فرضی ونفلی صدقہ وزکوۃ، غلاموں کو آزاد کرنا، سخاوت، نفلی وفرضی روزے، حج وعمرہ، طواف، اعتکاف، شبِ قدر کی تلاش، دین کی حفاظت، نذر پورا کرنا، بہتر قسم کا انتخاب اور کفاروں کی ادائیگی۔

درج ذیل چھ کا تعلق اتباع سے ہے:

نکاح اور اہل وعیال کے حقوق کی ادائیگی، والدین کے ساتھ حسن سلوک، تربیتِ اولاد، صلہ رحمی، آقاؤں کی اطاعت اور غلاموں سے نرمی۔

اور درج ذیل سترہ امور عوام الناس سے متعلقہ ہیں:

عدل والی امارت کا قیام، جماعت کی پیروی، امرا کی اطاعت، لوگوں کے مابین اصلاح کروانا، نیکی والے امور پر معاونت، نفاذِ حدود، جہاد، ادائیگیٔ امانت، قرضہ چکانا، پڑوسی کی عزت کرنا، حسنِ معاملہ، مال کو اس کے مناسب مقام پر خرچ کرنا، سلام کا جواب، چھینکنے والے کو "یرحمک اللہ" کہنا، لوگوں کو تکلیف نہ دینا، لغو سے اجتناب کرنا اور راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا۔

یہ کل انہتر خصائل ہیں، اگر بعض امور کو بعض میں ضم نہ کیا جائے تو ان کی تعداد اناسی بن سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔ (فتح الباری: ۱/ ۷۲)

یہ حدیث مبارکہ اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ اعمال، ایمان کا جز ہیں، اس حدیث سے مرجئہ جیسے باطل فرقوں کا ردّ ہوتا ہے جنہوں نے اعمال صالحہ کو ایمان کی حقیقت سے خارج کر دیا، نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ممکن ہے، کیونکہ ان تمام شعبوں اور شاخوں پر عمل پیرا ہونے یا نہ ہونے میں مسلمانوں میں یکسانیت نہیں پائی جاتی۔

''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ'' جو کہ ایمان کی سب سے افضل شاخ ہے، سے توحیدِ الوہیت ثابت ہوتی ہے، یعنی کائنات میں بسیرا کرنے والوں کا ایک ہی سچا اور برحق معبود ہے، جس کا نام ''اَللّٰهُ'' ہے، اس کے علاوہ جن معبودوں کا تصور دنیا میں پایا جاتا ہے وہ بے بنیاد، بے تأثیر، بے اختیار، بے حقیقت اور باطل ہیں۔

انسانیت کو کسی قسم کی تکلیف اور نقصان وغیرہ سے بچانا، اتنا عظیم عمل ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے ایمان کا ایک حصہ قرار دیا، نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ''کسی وقت کی بات ہے کہ ایک آدمی کسی راستے سے گزر رہا تھا، اس راستے پر جھکی ہوئی ایک کانٹے دار شاخ تھی (جس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی تھی) اس آدمی نے اسے کاٹ دیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کی قدر فرمائی اور اسے بخش دیا۔'' (بخاری: ٦٥٢، مسلم: ١٩١٤) عصر حاضر میں اس بابرکت عمل کے برعکس بالعموم اور بالخصوص شادی بیاہ کے موقع پر گزرگاہوں کو تنگ یا بند کر دیا جاتا ہے یا بعض دوکاندار اور کوٹھیوں کے مالک تجاوزات سے کام لیتے ہیں یا بعض اوباش کھیلنے اور مجلس لگانے کیلئے سڑکوں کا انتخاب کرتے ہیں، ان تمام قابل مذمت حرکتوں سے گزرنے والوں کو شدید تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ (فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ) یہ حرکتیں اللہ کی رحمت سے دوری کا سبب اور اخلاقی پستی کی آئینہ دار ہیں۔

یمنی لوگوں کے ایمان کی فضیلت

(۱۸۳)۔ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((اَلْإِيْمَانُ يَمَانٍ، هٰكَذَا إِلٰى لَخْمٍ وَجُذَامٍ.))

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''ایمان تو یمنی لوگوں کا ہے، اسی طرح لخم اور جذام قبیلوں کے لوگوں کا۔''

(الصحيحة: ٣١٢٦)

تخريج: أخرجه أحمد: ٣/ ٢٢٤، ومن طريقه: ابن عساكر في "تاريخ دمشق": ٣/ ١٥٠، والطبراني في "مسند الشاميين": ١/ ٢٩٧

فوائد : ...... سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَتَاكُمْ اَهْلُ الْيَمَنِ هُمْ اَرَقُّ اَفْئِدَةً وَاَلْيَنُ قُلُوْبًا ، اَلْإِيْمَانُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ.)) (بخاری، مسلم)...... ''تمہارے پاس یمنی لوگ آئے ہیں، یہ دل کے بڑے نرم ہیں، ایمان تو یمنی ہی ہے اور حکمت بھی یمنی ہی ہے۔''

امام مبارکپوری رحمہ اللہ نے مختلف اقوال ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: ان احادیث میں آپ ﷺ کے کلام کو ظاہری معنی پر محمول کیا جائے اور اس سے حقیقت میں اہل یمن ہی مراد لیے جائیں۔ ان احادیث میں آپ ﷺ کے پاس یمن سے آنے والے لوگوں کے ایمان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، نہ کہ مکہ اور مدینہ کے باشندوں کی طرف۔ ''الا یمان یمان'' کہنے کہ وجہ یہ ہے کہ جو آدمی کسی وصف کے ساتھ متصف ہو اور اس کا اس کے ساتھ زبردست تعلق ہو تو اس کو اس کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے، آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد مشرف باسلام ہو کر آنے والے اہل یمن کے ایمان کی یہی کیفیت تھی، جیسے اویس قرنی اور ابومسلم خولانی وغیرہ ہیں۔ ان لوگوں کے دل سلیم تھے اور ایمان قوی تھے، ان کی طرف ایمان کی نسبت کر کے یہ باور کرانا مقصود تھا کہ وہ کمالِ ایمان سے متصف تھے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ ان کے اس وصف سے کسی دوسرے علاقے کے افراد کے ایمان کے کمال کی نفی نہیں ہوتی اور رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے کوئی تناقض پیدا نہیں ہوتا: ((الایمان فی اهل الحجاز.)) یعنی: ''ایمان تو اہل حجاز کا ہے۔'' دوسری بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کی مراد وہ یمنی ہیں، جو اس وقت موجود تھے، نہ کہ ہر زمانے کے۔ (تحفة الاحوذی: ۳/ ۲۳۸، ۲۳۹)

اہل یمن کی تعریف اور اہل مشرق کی مذمت

(١٨٤)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((الإِيْمَانُ يَمَانٍ وَالْكُفْرُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ وَإِنَّ السَّكِيْنَةَ فِي أَهْلِ الْغَنَمِ، وَإِنَّ الرِّيَاءَ وَالْفَخْرَ فِي أَهْلِ الْفَدَّا دِيْنَ: أَهْلِ الْوَبَرِ وَأَهْلِ الْخَيْلِ، وَيَأْتِي الْمَسِيْحُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ، وَهِمَّتُهُ الْمَدِيْنَةُ حَتّٰى إِذَا جَاءَ دُبُرَ أُحُدٍ تَلَقَّتْهُ الْمَلَائِكَةُ فَضَرَبَتْ وَجْهَهُ قِبَلَ الشَّامِ هُنَالِكَ يَهْلِكُ، هُنَالِكَ يَهْلِكُ .)) (الصحيحة:١٧٧٠)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ایمان تو یمنی ہے اور کفر مشرق کی طرف ہے اور بکری والوں میں سکینت ہوتی ہے اور نمود و نمائش اور فخر و غرور گھوڑوں اور اونٹوں کے مالکوں میں پایا جاتا ہے۔ مسیح دجال مشرق کی طرف سے آئے گا، اس کا ہدف مدینہ ہو گا، لیکن جب وہ احد پہاڑ کے پیچھے پہنچے گا تو فرشتے اس کا رخ شام کی طرف پھیر دیں گے، وہیں ہلاک ہو جائے گا، وہیں ہلاک ہو جائے گا۔''

تخریج: أخرجه الترمذي: ٣/ ٢٣٨۔ ٢٣٩۔ تحفة، وأحمد: ٢/ ٤٠٧، ٤٥٧، وأخرجه مسلم مفرقا في موضعين: ١/ ٥٢، ٤/ ١٢٠

فوائد: ......اس حدیثِ مبارکہ کے شروع میں یمنی لوگوں کے ایمان کی تعریف کی گئی ہے، سابقہ عنوان ''یمنی لوگوں کے ایمان کی فضیلت'' میں بحث ہو چکی ہے۔

امام مبارکپوری رحمہ اللہ نے کہا: آپ ﷺ نے فرمایا: ''اور کفر مشرق کی طرف ہے۔'' بخاری و مسلم کی روایت میں

ہے: ''اور کفر کا اصل مشرق کی طرف ہے۔'' اس حدیث میں مجوسیوں کے کفر کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ اس وقت فارس (موجودہ ایران) کی حکومت اور ان کی اطاعت کرنے والے عرب لوگ مدینہ منورہ سے مشرق کی جانب تھے۔ اس کے باشندے انتہائی قوی اور جابر تھے، ان کے بادشاہ نے رسول اللہ ﷺ کا خط پھاڑ دیا تھا اور یہ علاقے ہمیشہ فتنوں کی آماجگاہ بنے رہے۔ (تحفة الاحوذی: ۳/ ۲۳۹)

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بکریوں کے مالکوں میں سکینت، وقار، تواضع اور اطمینان ہوتا ہے، نبی کریم ﷺ نے سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ((اِتَّخِذِيْ غَنَمًا ، فَإِنَّ فِيْهَا بَرَكَةٌ .)) (ابن ماجه: ۲۳۰٤) ...... ''بکریاں پال، کیونکہ ان میں برکت ہوتی ہے۔'' جبکہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بکری کو جنت کا جانور قرار دیا گیا ہے۔ (ابن ماجه: ۲۳۰٦، صحيحه: ۱۱۲۸)

جبکہ اکھڑ مزاجی، فخر وافتخار، بڑا پن اور نمود ونمائش جیسی صفات گھوڑوں اور اونٹوں کے مالکوں میں ہوتی ہیں، سیدنا عروہ بارقی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْإِبِلُ عِزٌّ لِأَهْلِهَا)) (ابن ماجه: ۲۳۰۵ واصله في الصحيحين) ...... ''اونٹ اپنے مالک کی عزت وآبرو (اور غلبہ وطاقت) کا باعث ہوتا ہے۔''

دجال مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ حضرت عیسی علیہ السلام اس کو بیت المقدس کے قریب ''لُدّ'' شہر کے دروازے پر اس کا قتل کریں گے، یہ شام کا علاقہ ہے۔

آپ ﷺ کا جنوں پر قرآن مجید کی تلاوت کرنا

(۱۸۵)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضي الله عنه قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((بِتُّ اللَّيْلَةَ أَقْرَأُ عَلَى الْجِنِّ رُفَقَاءَ بِالْحَجُوْنِ .)) (الصحيحة:۳۲۰۹)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''میں نے حجون (پہاڑ) میں رات گزاری اور جنوں کی جماعت کو قرآن مجید پڑھ کر سنایا۔''

تخريج: أخرجه ابن حبان: ۱۷٦۸، والطبري في "التفسير": ۲٦/ ۲۱، وأحمد: ۱/ ٤١٦، وأبويعلي: ۸/ ٤٧٤/ ٥٠٦٢، وأبوالشيخ في "العظمة": ٥/ ١٦٦٤/ ١١٠٤، وأخرجه مسلم، وابو عوانة، وابن حبان: ۲/ ۳٥٠ ايضا موصولا بلفظ: أتاني داعي الجن، فذهبت معه، فقرأت عليهم القرآن ...... وفيه قصة

فوائد: ...... مکہ مکرمہ میں شعب جزار کے پاس ایک پہاڑ کا نام حجون ہے۔ علقمہ کہتے ہیں: میں نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا تم میں سے کوئی جنوں والی رات کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا؟ انھوں نے کہا: نہیں، دراصل بات یہ ہے کہ کہ ہم ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، اچانک ہم نے آپ کو گم پایا۔ ہم نے وادیوں اور گھاٹیوں میں آپ کو تلاش کیا، (لیکن آپ نہ ملے)۔ ہم نے کہا کہ آپ ﷺ کو اغوا کر لیا گیا ہے یا پھر بے خبری میں مار دیا گیا ہے۔ اس موقع پر ہم لوگوں نے بدترین رات گزاری۔ جب صبح ہوئی تو ہم کیا دیکھتے ہیں کہ

آپ ﷺ حرا کی طرف سے تشریف لا رہے تھے۔ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم نے آپ کو گم پایا اور آپ کو بہت تلاش کیا، لیکن آپ نہ ملے، سو ہم نے (پریشانی کی حالت میں) بدترین رات گزاری ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دعوت دینے والا جن میرے پاس آیا، اس لیے میں ان کے پاس چلا گیا اور ان پر قرآن مجید کی تلاوت کی۔'' پھر آپ ﷺ ہمیں لے گئے اور ان کی آگ کے نشانات دکھائے۔ (مسلم) متعدد دفعہ جنوں کے وفود بھی آپ ﷺ کے پاس آتے رہے، مختلف واقعات میں ان کے سماع قرآن کا تذکرہ موجود ہے، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں سورۂ احقاف آیت نمبر ۲۹، ۳۰ کی تفسیر میں اس موضوع کی تمام روایات کا احاطہ کیا ہے۔

دعوتِ اسلام پر مشتمل ہرقل کے نام خط

قبولیتِ اسلام کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی صفات

(۱۸۶)۔ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ بْنَ حَرْبٍ رضی اللہ عنہ: أَنَّ هِرَقْلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ فِي رَكْبٍ مِنْ قُرَيْشٍ، وَكَانُوْا تُجَّاراً بِالشَّامِ فِي الْمُدَّةِ الَّتِي كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَادَّ فِيهَا أَبَا سُفْيَانَ وَكُفَّارَ قُرَيْشٍ، فَأَتَوْهُ وَهُمْ بِإِيْلِيَاءَ فَدَعَاهُمْ فِي مَجْلِسِهِ وَحَوْلَهُ عُظَمَاءُ الرُّوْمِ، ثُمَّ دَعَاهُمْ وَدَعَا بِتَرْجُمَانِهِ، فَقَالَ: أَيُّكُمْ أَقْرَبُ نَسَباً بِهٰذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ؟ فَقَالَ أَبُوْ سُفْيَانُ: فَقُلْتُ: أَنَا أَقْرَبُهُمْ نَسَباً، فَقَالَ: أَدْنُوْهُ مِنِّي، وَقَرِّبُوْا أَصْحَابَهُ فَاجْعَلُوْهُمْ عِنْدَ ظَهْرِهِ، ثُمَّ قَالَ لِتَرْجُمَانِهِ: قُلْ لَهُمْ: إِنِّي سَائِلٌ هٰذَا الرَّجُلَ فَإِنْ كَذَبَنِي فَكَذِّبُوْهُ، فَوَاللّٰهِ لَوْلَا الْحَيَاءُ مِنْ أَنْ يَأْثِرُوْا عَلَيَّ كِذْباً لَكَذَبْتُ عَنْهُ، ثُمَّ كَانَ أَوَّلُ مَاسَأَلَنِي عَنْهُ أَنْ قَالَ: كَيْفَ نَسَبُهُ فِيكُمْ؟ قُلْتُ هُوَ فِيْنَا ذُوْنَسَبٍ، قَالَ: فَهَلْ قَالَ هٰذَا الْقَوْلَ مِنْكُمْ أَحَدٌ قَطُّ قَبْلَهُ؟: قُلْتُ: لَا قَالَ: فَهَلْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَلِكٍ؟ قُلْتُ: لَا۔ قَالَ:

سیدنا ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (شاہِ روم) ہرقل نے اس کو بلانے کے لیے اس کی طرف ایک آدمی بھیجا، جبکہ وہ قریش کے ایک قافلے میں تھا، اس وقت یہ لوگ تجارت کے لئے شام گئے ہوئے اور یہ وہ زمانہ تھا، جب رسول اللہ ﷺ نے قریش اور ابوسفیان سے ایک وقتی عہد کیا ہوا تھا، ابوسفیان اور دوسرے لوگ ہرقل کے پاس ایلیا پہنچ گئے، ہرقل نے دربار طلب کیا تھا، اس کے اردگرد روم کے بڑے بڑے لوگ (علما، وزرا اور امرا) بیٹھے ہوئے تھے۔ ہرقل نے ان کو اور اپنے ترجمان کو بلوایا، پھر ان سے پوچھا کہ تم میں کون شخص مدعیٔ رسالت کا زیادہ قریبی عزیز ہے؟ ابوسفیان کہتے ہیں: میں بول اٹھا کہ میں اس کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہوں (یہ سن کر) ہرقل نے حکم دیا کہ اس (ابوسفیان) کو میرے قریب لا کر بٹھاؤ اور اس کے ساتھیوں کو اس کی پیٹھ کے پیچھے بٹھا دو، پھر اپنے ترجمان سے کہا: ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں ابوسفیان سے اس شخص (محمد ﷺ) کے حالات پوچھتا ہوں، اگر یہ مجھ سے کسی بات میں جھوٹ بول دے تو تم اس کا جھوٹ ظاہر کر دینا۔ (ابوسفیان کا قول ہے کہ) خدا کی قسم! اگر مجھے یہ غیرت نہ آتی کہ یہ لوگ مجھ کو جھٹلائیں گے

آشْرَافُ النَّاسِ يَتَّبِعُوْنَهُ أَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ؟ فَقُلْتُ: بَلْ ضُعَفَاؤُهُمْ ، قَالَ: أَيَزِيْدُوْنَ أَمْ يَنْقُصُوْنَ؟ قُلْتُ: بَلْ يَزِيْدُوْنَ ، قَالَ: فَهَلْ يَرْتَدُّ أَحَدٌ مِنْهُمْ سَخَطَةً لِدِيْنِهِ بَعْدَ أَنْ يَدْخُلَ فِيْهِ؟ قُلْتُ: لَا۔ قَالَ: فَهَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُوْنَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَّقُوْلَ مَاقَالَ؟ قُلْتُ: لَا ، قَالَ: فَهَلْ يَغْدِرُ؟ قُلْتُ: لَا ، وَنَحْنُ مِنْهُ فِي مُدَّةٍ لَانَدْرِي مَاهُوَ فَاعِلٌ فِيْهَا؟ قَالَ: وَلَمْ تُمْكِنِّي كَلِمَةٌ أُدْخِلُ فِيْهَا شَيْئًا غَيْرُ هٰذِهِ الْكَلِمَةِ قَالَ: فَهَلْ قَاتَلْتُمُوْهُ؟ قُلْتُ: نَعَمْ قَالَ: فَكَيْفَ كَانَ قِتَالُكُمْ إِيَّاهُ؟ قُلْتُ: اَلْحَرْبُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ سِجَالٌ ، يَنَالُ مِنَّا وَنَنَالُ مِنْهُ ، قَالَ: مَاذَا يَأْمُرُكُمْ؟ قُلْتُ: يَقُوْلُ: اُعْبُدُوْا اللّٰهَ وَحْدَهُ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا ، وَاتْرُكُوْا مَايَقُوْلُ آبَاؤُكُمْ وَيَأْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ وَالصِّلَةِ۔ فَقَالَ لِتَرْجُمَانَ: قُلْ لَهُ: سَأَلْتُكَ عَنْ نَسَبِهِ؟ فَذَكَرْتَ أَنَّهُ فِيْكُمْ ذُوْ نَسَبٍ ، فَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِي نَسَبِ قَوْمِهَا وَسَأَلْتُكَ: هَلْ قَالَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ هٰذَا الْقَوْلَ؟ فَذَكَرْتَ أَنْ لَّا ، فَقُلْتُ: لَوْ كَانَ أَحَدٌ قَالَ هٰذَا الْقَوْلَ قَبْلَهُ ، لَقُلْتُ: رَجُلٌ يَتَأَسّٰى بِقَوْلٍ قِيْلَ قَبْلَهُ ، وَسَأَلْتُكَ: هَلْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَلِكٍ؟ فَذَكَرْتَ أَنْ لَّا قُلْتُ: فَلَوْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَلِكٍ قُلْتُ: رَجُلٌ يَطْلُبُ مُلْكَ أَبِيْهِ وَسَأَلْتُكَ: هَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُوْنَهُ بِالْكَذِبِ

تو میں آپ ﷺ کی نسبت ضرور غلط گوئی سے کام لیتا۔ خیر پہلی بات جو ہرقل نے مجھ سے پوچھی۔ (ہم آسانی کے لیے روایت کا ترجمہ مکالمے کی صورت میں پیش کرتے ہیں):

ہرقل: تم لوگوں میں اس شخص کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان: وہ بڑے عالی نسب والا ہے۔

ہرقل: اس سے پہلے بھی کسی نے تم لوگوں میں ایسی بات کہی تھی؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: اس کے بڑوں میں کوئی بادشاہ ہوا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: بڑے لوگوں نے اس کی پیروی اختیار کی ہے یا کمزوروں نے؟

ابوسفیان: کمزوروں نے کی ہے۔

ہرقل: اس کے تابعدار روز بروز بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟

ابوسفیان: بڑھ رہے ہیں۔

ہرقل: کیا کوئی اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد اس دین کو ناپسند کرتے ہوئے مرتد بھی ہوا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: کیا اس دعویٔ نبوت سے پہلے تم لوگ اس پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: کیا وہ دھوکہ کرتا ہے؟

ابوسفیان: نہیں اور اب ہماری اس سے (صلح کی) ایک مقررہ مدت ٹھہری ہوئی ہے، معلوم نہیں کہ وہ اس میں کیا کرنے والا ہے۔ میں اس بات کے سوا اور کوئی (جھوٹ) اس گفتگو میں

قَبْلَ أَنْ يَقُوْلَ مَاقَالَ: فَذَكَرْتَ أَنْ لَا فَقَدْ أَعْرِفُ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لِيَذَرَ الْكَذِبَ عَلَى النَّاسِ، وَيَكْذِبُ عَلَى اللّٰهِ، وَسَأَلْتُكَ: أَشْرَافُ النَّاسِ اتَّبَعُوْهُ أَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ؟ فَذَكَرْتَ أَنَّ ضُعَفَاءَ هُمُ اتَّبَعُوْهُ، وَهُمْ أَتْبَاعُ الرُّسُلِ، وَسَأَلْتُكَ: أَيَزِيْدُوْنَ أَمْ يَنْقُصُوْنَ؟ فَذَكَرْتَ أَنَّهُمْ يَزِيْدُوْنَ، وَكَذٰلِكَ أَمْرُ الْإِيْمَانِ حَتّٰى يَتِمَّ، وَسَأَلْتُكَ: أَيَرْتَدُّ أَحَدٌ سَخْطَةً لِدِيْنِهِ بَعْدَ أَنْ دَخَلَ فِيْهِ؟ فَذَكَرْتَ أَنْ لَّا، وَكَذٰلِكَ الْإِيْمَانُ حِيْنَ تُخَالِطُ بَشَاشَتُهُ الْقُلُوْبَ، وَسَأَلْتُكَ: هَلْ يَغْدِرُ؟ فَذَكَرْتَ أَنْ لَّا وَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ لَاتَغْدِرُ، وَسَأَلْتُكَ بِمَا يَأْمُرُكُمْ؟ فَذَكَرْتَ أَنَّهُ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَعْبُدُوْا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا وَيَنْهَاكُمْ عَنْ عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ، وَيَأْمُرُكُمْ بِالصَّلَاةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ، فَإِنْ كَانَ مَاتَقُوْلُ حَقًّا فَسَيَمْلِكُ مَوْضِعَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ وَقَدْ كُنْتُ أَعْلَمُ أَنَّهُ خَارِجٌ، لَمْ أَكُنْ أَظُنُّ أَنَّهُ مِنْكُمْ، فَلَوْ أَنِّيْ أَعْلَمُ أَنِّيْ أَخْلُصُ إِلَيْهِ، لَتَجَشَّمْتُ لِقَاءَهُ، وَلَوْ كُنْتُ عِنْدَهُ، لَغَسَلْتُ عَنْ قَدَمِهِ. ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الَّذِي بَعَثَ بِهِ دِحْيَةُ إِلٰى عَظِيْمِ بُصْرٰى، فَدَفَعَهُ إِلٰى هِرَقْلَ، فَقَرَأَهُ، فَإِذَا فِيْهِ:

((بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ إِلٰى هِرَقْلَ

شامل نہ کر سکا۔

ہرقل: کیا تمھاری اس سے کبھی لڑائی ہوئی ہے؟

ابوسفیان: ہاں۔

ہرقل: تمھاری اور اس کی جنگ کا کیا حال ہوا؟

ابوسفیان: کبھی اس کے فریق کو کامیابی حاصل ہوئی اور کبھی ہمارے فریق کو، کبھی وہ جیت جاتے تھے اور کبھی ہم۔

ہرقل: وہ تمھیں کس چیز کا حکم دیتا ہے؟

ابوسفیان: وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالی کی عبادت کرو، جو یکتا و یگانہ ہے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور اپنے باپ دادا کی (شرک والی) باتیں چھوڑ دو اور ہمیں نماز پڑھنے، سچ بولنے، پرہیزگاری اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔

(یہ سب سن کر) ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا: ابوسفیان سے کہہ دے کہ میں نے تم سے اس کا نسب پوچھا تو تم نے کہا کہ وہ ہم میں عالی نسب ہے اور پیغمبر اپنی قوم میں عالی نسب ہی ہوتے ہیں۔ میں نے تم سے پوچھا کہ (دعویٰ نبوت کی) یہ بات تمھارے اندر اس سے پہلے کسی اور نے بھی کہی تھی، تم نے جواب دیا کہ نہیں۔ تب میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ اگر یہ بات اس سے پہلے کسی نے کہی ہوتی تو میں یہ سمجھتا کہ اس شخص نے بھی اسی بات کی تقلید کی ہے، جو پہلے کہی جا چکی ہے۔ میں نے تم سے پوچھا کہ اس کے بڑوں میں کوئی بادشاہ بھی گزرا ہے، تم نے کہا کہ نہیں، میں نے (دل میں) کہا کہ اگر ان کے بزرگوں میں سے کوئی بادشاہ گزرا ہوتا تو کہہ دیتا کہ وہ شخص (یہ بہانہ بنا کر) اپنے آباؤ اجداد کی بادشاہت اور ان کا ملک (دوبارہ) حاصل کرنا چاہتا ہے اور میں نے تم سے پوچھا کہ اس بات کے کہنے (یعنی پیغمبری کا دعوی کرنے) سے پہلے تم نے کبھی اس پر جھوٹ بولنے کا الزام لگایا ہے، تم نے

عَظِيْمِ الرُّوْمِ
سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى
أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِ الإِسْلَامِ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ، يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الأَرِيْسِيِّيْنَ، وَ ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوْا اشْهَدُوْا بِأَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾) قَالَ أَبُوْ سُفْيَانَ: فَلَمَّا قَالَ مَا قَالَ، وَفَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ الْكِتَابِ، كَثُرَ عِنْدَهُ الصَّخَبُ وَارْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ، وَأُخْرِجْنَا، فَقُلْتُ لِأَصْحَابِي حِيْنَ أُخْرِجْنَا: لَقَدْ أَمِرَ أَمْرُ ابْنِ أَبِي كَبْشَةَ! إِنَّهُ يَخَافُهُ مَلِكُ بَنِي الْأَصْفَرِ، فَمَا زِلْتُ مُوْقِنًا أَنَّهُ سَيَظْهَرُ، حَتّٰى أَدْخَلَ اللّٰهُ عَلَيَّ الْإِسْلَامَ. وَكَانَ ابْنُ النَّاطُوْرِ ـ صَاحِبُ إِيْلِيَاءَ. وَهِرَقْلُ سُقُفًّا عَلَى نَصَارٰى الشَّامِ، يُحَدِّثُ أَنَّ هِرَقْلَ حِيْنَ قَدِمَ إِيْلِيَاءَ أَصْبَحَ يَوْمًا خَبِيْثَ النَّفْسِ، فَقَالَ بَعْضُ بَطَارِقَتِهِ: قَدِ اسْتَنْكَرْنَا هَيْئَتَكَ قَالَ ابْنُ النَّاطُوْرِ: وَكَانَ هِرَقْلُ حَزَّاءً يَنْظُرُ فِي النُّجُوْمِ، فَقَالَ لَهُمْ حِيْنَ سَأَلُوْهُ: إِنِّي رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ حِيْنَ نَظَرْتُ فِي النُّجُوْمِ. مَلِكَ الْخِتَانِ قَدْ ظَهَرَ، فَمَنْ يَخْتَتِنُ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ؟ قَالُوْا: لَيْسَ يَخْتَتِنُ إِلَّا الْيَهُوْدُ،

کہ کہا کہ نہیں، میں نے سمجھ لیا کہ جو شخص آدمیوں کے ساتھ دروغ گوئی سے بچے وہ اللہ کے بارے میں کیسے جھوٹی بات کہہ سکتا ہے، اور میں نے تم سے پوچھا کہ بڑے اس کے پیرو ہیں یا کمزور آدمی، تم نے کہا کہ کمزوروں نے اس کی اتباع کی ہے، (دراصل) یہی لوگ پیغمبروں کے متبعین ہوتے ہیں اور میں نے تم سے پوچھا کہ اس کے ساتھی بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں، تم نے کہا کہ وہ بڑھ رہے ہیں اور ایمان کی کیفیت یہی ہوتی ہے حتی کہ وہ کامل ہو جاتا ہے اور میں نے تم سے پوچھا کہ آیا کوئی شخص اس کے دین سے ناخوش ہو کر مرتد بھی ہو جاتا ہے، تم نے کہا کہ نہیں۔ درحقیقت ایمان کی خاصیت بھی یہی ہے کہ جن کے دلوں میں اس کی مسرت رچ بس جائے وہ اس سے لوٹا نہیں کرتے اور میں نے تم سے پوچھا کہ آیا اس نے کبھی عہد شکنی بھی کی ہے، تم نے کہا کہ نہیں، پیغمبروں کا یہی حال ہوتا ہے وہ عہد کی خلاف ورزی نہیں کرتے اور میں نے تم سے کہا کہ وہ تمھیں کس چیز کا حکم دیتا ہے، تم نے کہا کہ وہ ہمیں حکم دیتے ہیں کہ اللہ تعالی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور تمھیں بتوں کی پرستش سے روکتا ہے، سچ بولنے اور پرہیزگاری کا حکم دیتا ہے۔ اگر یہ باتیں، جو تم کہہ رہے ہو، سچ ہیں تو عنقریب وہ اس جگہ کا مالک بن جائے گا، جہاں میرے دو پاؤں ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ (پیغمبر) آنے والا ہے، لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ تمھارے اندر ہوگا، اگر میں جانتا کہ اس تک پہنچ سکوں گا تو اس سے ملنے کے لئے ہر تکلیف گوارا کرتا۔ اگر میں اس کے پاس ہوتا تو اس کے پاؤں دھوتا۔ ہرقل نے رسول اللہ ﷺ کا وہ خط منگوایا، جو آپ ﷺ نے دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ذریعے حاکم بصریٰ کے پاس بھیجا تھا اور اس نے وہ ہرقل کے پاس

فَلَا يُهِمَّنَّكَ شَأْنُهُمْ، وَاكْتُبْ إِلَى مَدَائِنِ مُلْكِكَ، فَيَقْتُلُوْا مَنْ فِيْهِمْ مِنَ الْيَهُوْدِ فَبَيْنَمَا هُمْ عَلَى أَمْرِهِمْ أُتِيَ هِرَقْلُ بِرَجُلٍ أَرْسَلَ بِهِ مَلِكُ غَسَّانَ يُخْبِرُ عَنْ خَبَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا اسْتَخْبَرَهُ هِرَقْلُ قَالَ: اِذْهَبُوْا فَانْظُرُوْا أَمُخْتَتِنٌ هُوَ أَمْ لَا؟ فَنَظَرُوْا إِلَيْهِ فَحَدَّثُوْهُ أَنَّهُ مُخْتَتِنٌ وَسَأَلَهُ عَنِ الْعَرَبِ؟ فَقَالَ: هُمْ يَخْتَتِنُوْنَ، فَقَالَ هِرَقْلُ: هٰذَا مَلِكُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ قَدْ ظَهَرَ، ثُمَّ كَتَبَ هِرَقْلُ إِلَى صَاحِبٍ لَهُ بِرُوْمِيَّةَ، وَكَانَ نَظِيْرَهُ فِي الْعِلْمِ وَسَارَ هِرَقْلُ إِلَى حِمْصَ، فَلَمْ يَرِمْ حِمْصَ حَتّٰى أَتَاهُ كِتَابٌ مِنْ صَاحِبِهِ يُوَافِقُ رَأْيَ هِرَقْلَ عَلَى خُرُوْجِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَنَّهُ نَبِيٌّ، فَأَذِنَ هِرَقْلُ لِعُظَمَاءِ الرُّوْمِ فِي دَسْكَرَةٍ لَهُ بِحِمْصَ، ثُمَّ أَمَرَ بِأَبْوَابِهَا فَغُلِّقَتْ ثُمَّ اطَّلَعَ فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ الرُّوْمِ! هَلْ لَكُمْ فِي الْفَلَاحِ وَالرُّشْدِ، وَأَنْ يَثْبُتَ مُلْكُكُمْ فَتُبَايِعُوْا هٰذَا النَّبِيَّ؟ فَحَاصُوْا حَيْصَةَ حُمُرِ الْوَحْشِ إِلَى الْأَبْوَابِ، فَوَجَدُوْهَا قَدْ غُلِّقَتْ فَلَمَّا رَأَى هِرَقْلُ نَفْرَتَهُمْ وَأَيِسَ مِنَ الْإِيْمَانِ قَالَ: رُدُّوْهُمْ عَلَيَّ وَقَالَ: إِنِّي قُلْتُ مَقَالَتِي آنِفًا: أَخْتَبِرُ بِهَا شِدَّتَكُمْ عَلَى دِيْنِكُمْ فَقَدْ رَأَيْتُ، فَسَجَدُوْا لَهُ وَرَضُوْا عَنْهُ فَكَانَ ذٰلِكَ آخِرُ شَأْنِ هِرَقْلَ۔

(الصحيحة: ٣٦٠٧)

بھیج دیا تھا، پھر اس کو پڑھا تو اس میں (لکھا تھا):

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ خط اللہ کے بندے اور پیغمبر محمد ﷺ کی طرف سے شاہِ روم کی طرف ہے

اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرے اس کے بعد میں تم پر دعوتِ اسلام پیش کرتا ہوں، اگر آپ اسلام لے آئیں گے تو (تمھیں دین و دنیا میں) سلامتی نصیب ہوگی، اللہ تعالی آپ کو دوہرا ثواب دے گا اور اگر آپ (میری دعوت) سے روگردانی کریں گے تو آپ کی رعایا کا گناہ بھی آپ ہی پر ہوگا اور اے اہل کتاب! ایک ایسی بات پر آجاؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے، وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا رب بنائے، پھر اگر وہ اہل کتاب (اس بات سے) منہ پھیر لیں تو (مسلمانو!) تم ان سے کہہ دو کہ (تم مانو یا نہ مانو) ہم تو ایک خدا کے اطاعت گزار ہیں۔ ابوسفیان کہتے ہیں: جب ہرقل نے جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا اور خط پڑھ کر فارغ ہوا تو اس کے اردگرد بہت شور وغوغا ہوا۔ بہت سی آوازیں اٹھیں اور ہمیں باہر نکال دیا گیا۔ تب میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ابوکبشہ کے بیٹے (محمد ﷺ) کا معاملہ تو بہت بڑھ گیا۔ (دیکھو کہ) اس سے بنو اصفر (رومیوں) کا بادشاہ بھی ڈرتا ہے۔ مجھے اس وقت سے اس بات کا یقین ہو گیا کہ حضور ﷺ عنقریب غالب ہو کر رہیں گے، حتی کہ اللہ تعالی نے مجھے مسلمان کر دیا۔ (راوی کا بیان ہے کہ) ابن ناطور ایلیا کا حاکم ہرقل کا مصاحب اور شام کے نصاریٰ کا لاٹ پادری بیان کرتا تھا کہ ہرقل جب ایلیا آیا، تو ایک دن صبح کو پریشان اٹھا، اس کے درباریوں نے

دریافت کیا کہ آج ہم آپ کی حالت بدلی ہوئی پاتے ہیں، (کیا وجہ ہے؟) ابن ناطور کا بیان ہے کہ ہرقل نجومی تھا، وہ علم نجوم میں پوری مہارت رکھتا تھا، اس نے اپنے ہم نشینوں کو بتایا کہ میں نے آج رات ستاروں پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ ختنہ کرنے والوں کا بادشاہ ہمارے ملک پر غالب آ گیا ہے، (بھلا) اس زمانے میں کون لوگ ختنہ کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ یہود کے سوا کوئی ختنہ نہیں کرتا، سو ان کی وجہ سے پریشان نہ ہوں، سلطنت کے تمام شہروں میں یہ حکم لکھ بھیجئے کہ وہاں جتنے یہودی ہوں سب قتل کر دیئے جائیں۔ وہ لوگ انہی باتوں میں مشغول تھے کہ ہرقل کے پاس ایک آدمی لایا گیا، جسے شاہِ غسان نے بھیجا تھا، اس نے رسول اللہ ﷺ کے حالات بیان کئے۔ جب ہرقل نے سارے حالات سن لئے تو کہا کہ جا کر دیکھو وہ ختنہ کئے ہوئے ہے یا نہیں؟ انھوں نے اسے دیکھا تو بتلایا کہ وہ ختنہ کئے ہوئے ہے۔ ہرقل نے جب اس شخص سے عرب کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتلایا کہ وہ ختنہ کرتے ہیں، تب ہرقل نے کہا کہ یہ وہی (محمد ﷺ) اس امت کے بادشاہ ہیں جو پیدا ہو چکے ہیں۔ پھر اس نے اپنے ایک دوست کو رومیہ خط لکھا اور وہ بھی علم نجوم میں ہرقل کی طرح ماہر تھا۔ پھر وہاں سے ہرقل حمص چلا گیا۔ ابھی حمص سے نکلا نہیں تھا کہ اس کے دوست کا جوابی خط آ گیا۔ اس کی رائے بھی حضور ﷺ کے ظہور کے بارے میں ہرقل کی رائے کے موافق تھی کہ محمد ﷺ (واقعی) پیغمبر ہیں۔ اس کے بعد ہرقل نے روم کے بڑے آدمیوں کو حمص کے محل میں طلب کیا اور اس کے حکم سے محل کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ پھر وہ (اپنے خاص محل سے) باہر آیا اور کہا: اے روم والو! کیا ہدایت اور کامیابی میں کچھ حصہ تمھارے لئے بھی ہے؟ اگر تم اپنی سلطنت کی بقا چاہتے ہو تو پھر اس نبی ﷺ کی بیعت کر لو اور مسلمان ہو جاؤ (یہ سننا ہی تھا کہ) وہ سب وحشی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف دوڑے، مگر دروازوں کو بند پایا۔ آخر جب ہرقل نے (اس بات سے) ان کی یہ نفرت دیکھی اور ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا تو کہنے لگا کہ ان لوگوں کو میرے پاس لاؤ۔ (جب وہ دوبارہ آئے) تو اس نے کہا: میں نے جو بات کہی تھی اس سے تمھاری دینی پختگی کی آزمائش مقصود تھی، سو میں نے اس کو دیکھ لی۔ تب (یہ بات سن کر) وہ سب کے سب اس کے سامنے سجدے میں گر پڑے اور اس سے خوش ہو گئے۔ یہ ہرقل کا آخری معاملہ تھا۔

تخريج: رواه البخاري: رقم ٧- واللفظ له- ٥١، ٢٦٨١، ٢٩٤١، ٢٩٧٩، ٣١٧٤، ٤٥٥٣، ٥٩٨٠، ٦٢٦٠، ٧١٩٦، ٢٩٣٦، ٢٩٤٠، ومسلم: ٥/ ١٦٣-١٦٦، والترمذي: ٢٧١٧، والنسائي في "الكبرى": ١١٠٦٤، وعبدالرزاق: ٩٧٢٤، وابن حبان: ٦٥٥٥، وأحمد: ١/ ٢٦٣

فوائد :...... یہ حدیث کئی احکام و مسائل اور آداب و اسباق پر مشتمل ہے، اگر اس کا بغور مطالعہ کیا جائے تو وضاحت کی ضرورت نہیں رہتی۔ بعض استدلالات یہ ہیں:

اہل علم اہل کتاب کو آپ ﷺ کی آمد اور آپ اور آپ کے صحابہ کی صفات کا علم تھا۔

یہ حدیث کم تر، بے وقعت اور کم اہمیت والے مسلمان کے لیے کسی خوشخبری سے کم نہیں ہے کہ زیادہ تر انبیائے کرام

کے پیروکار کمزور لوگ رہے ہیں۔

جھوٹ اتنی بری چیز ہے کہ حالتِ کفر میں ابوسفیان نے صرف اس بنا پر جھوٹ نہیں بولا کہ لوگ اسے جھوٹا کہنا شروع کر دیں گے اور مکہ میں اس کا جھوٹ مشہور ہو جائے گا۔

خط لکھنے کے آداب یہ ہیں کہ پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی جائے، پھر مرسِل اور مرسَل الیہ کا نام اور پھر سلام لکھا جائے، اگر کافر اور مشرک کو خط لکھا جا رہا ہو تو "سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی" لکھا جائے۔

کافروں کو دعوتِ اسلام پیش کرنے کے لیے ہر ممکنہ صورت اختیار کی جائے، اگرچہ وہ خط لکھنے کی صورت میں ہو۔

روم کے بادشاہ کا نام ہرقل اور لقب قیصر تھا۔

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ قیصر نے آپ ﷺ کو اور آپ کی نبوت کی صداقت کو پوری طرح جان اور پہچان لیا تھا، لیکن بادشاہت کی محبت غالب آ گئی اور وہ اسلام نہ لا سکا، چنانچہ اپنا گناہ بھی اٹھایا اور اپنی رعایا کا بار بھی، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے نامۂ مبارک میں تحریر فرمایا تھا۔

ایمان کی شیری کس کو نصیب ہوتی ہے

(١٨٧)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ، وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ وَطُعْمَهُ: أَنْ يَكُوْنَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ فِي اللّٰهِ وَيُبْغِضَ فِي اللّٰهِ، وَأَنْ تُوْقَدَ نَارٌ عَظِيْمَةٌ فَيَقَعُ فِيْهَا، أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يُشْرِكَ بِاللّٰهِ شَيْئًا.)) (الصحيحة:٣٤٢٣)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس میں تین خصائل پائے جائیں گے وہ ایمان کی مٹھاس اور ذائقہ چکھ لے گا: اللہ اور اس کا رسول اسے بقیہ تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں، کسی سے اللہ کے لئے محبت کرے اور اسی کے لئے بغض رکھے اور اسے بہت بڑی آگ میں گرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کی بہ نسبت زیادہ پسند ہو۔''

تخريج: أخرجه النسائي في "سننه": ٢/ ٢٦٣، وأخرجه البخاري: ١٦، ٢١ ومسلم: ١/ ٤٨ نحوه

(١٨٨)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْغَاضِرِيِّ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعًا: ((ثَلَاثٌ مَنْ فَعَلَهُنَّ فَقَدْ طَعِمَ طُعْمَ الْإِيْمَانِ: مَنْ عَبَدَ اللّٰهَ وَحْدَهُ وَأَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَعْطٰى زَكَاةَ مَالِهِ طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهُ رَافِدَةً عَلَيْهِ كُلَّ عَامٍ، وَلَا يُعْطِي الْهَرِمَةَ، وَلَا الدَّرِنَةَ وَلَا

سیدنا عبداللہ بن معاویہ غاضری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے یہ تین امور سرانجام دیئے وہ ایمان کا مزہ چکھ لے گا: جس نے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور وہی معبودِ برحق ہے، اپنے دل کی خوشی کے ساتھ زکاۃ ادا کی، جو ہر سال فرض ہوتی ہے، نیز زکوۃ میں بہت بوڑھا، بیمار، مریض اور گھٹیا جانور نہیں دیا۔ معتدل د

الْمَرِيْضَةَ، وَلَا الشُّرْطَ اللَّئِيْمَةَ وَلٰكِنْ مِنْ وَسَطِ أَمْوَالِكُمْ، فَإِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَسْأَلْكُمْ خَيْرَهُ، وَلَمْ يَأْمُرْكُمْ بِشَرِّهِ.)) (الصحيحة: ١٠٤٦) وَفِيْ رِوَايَةٍ: وَزَكّٰى نَفْسَهُ، فَقَالَ رَجُلٌ: وَمَا تَزْكِيَةُ النَّفْسِ؟ فَقَالَ: ((أَنْ يَعْلَمَ أَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ مَعَهُ حَيْثُ كَانَ.))

متوسط چیز ہونی چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نہ بہت بہتر چیز کا مطالبہ کیا اور نہ گھٹیا چیز کا حکم دیا ہے۔'' اور ایک روایت میں ہے: ''اور اس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا۔'' ایک آدمی نے پوچھا: تزکیۂ نفس کیسے ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی کا یہ جان لینا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا ہے، وہ جہاں بھی ہو۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ١/ ٢٥٠، والبخاري في "تاريخه

فوائد: .... احادیث اپنے مفاہیم میں انتہائی واضح ہیں، اگرچہ یہ بات درست ہے کہ جب کوئی مسلمان کوئی ادنی سے ادنی نیکی پرخلوص انداز میں سرانجام دیتا ہے تو اسے لطف محسوس ہوتا ہے، بہرحال ان احادیث میں اس مقصد کے لیے بعض اعمال کا تعین کیا گیا ہے، جو اپنے ضمن کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس میدان میں سیدنا عبد اللہ بن معاویہ غاضری رضی اللہ عنہ کی حدیث کا آخری جملہ سب سے زیادہ معاون ثابت ہوتا ہے، اگر یہ تصور اور اعتقاد مضبوط ہو جائے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے اور اس کی حرکات وسکنات پر مطلع ہے اور پھر وہ اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا بھی محسوس کرتا ہو تو زندگی میں انقلاب برپا ہوسکتا ہے۔

ہماری محبتوں اور نفرتوں کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے نام پر ہونی چاہیے، جبکہ صورت حال یہ ہے کہ ہمارے تعلقات کی بنیاد حسن و جمال، مال و دولت، ہم پیشہ ہونے، ہم جماعت ہونے، ہم علاقہ ہونے، ہم ذات ہونے اور ہم مزاج ہونے جیسے امور پر ہے۔

جو آدمی نمازی ہو، شرعی شکل کا حامل ہو، قرآن مجید کی تلاوت اس کا مشغلہ ہو، مسجد کی دیکھ بھال کرتا ہو اور مسجد میں زیادہ وقت گزارتا ہو، اذان دینے کا اہتمام کرتا ہے، فضول گوئی سے اجتناب کرتا ہو، بچوں کو قرآن و حدیث کی تعلیم دیتا ہو، ہمسائیوں اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے، ایسی صفات سے متصف آدمی ہماری محبت کا خریدار بننا چاہیے، اگرچہ ظاہری طور پر بارعب اور حسین وجمیل شکل و ہیئت کا مالک نہ ہو۔

امام البانی رحمہ اللہ نے کہا کہ امام محمد بن یحییٰ ذہلی رحمہ اللہ اس جملے ''اللہ تعالیٰ بندے کے ساتھ ہوتا ہے، وہ جہاں بھی ہو۔'' کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: اس قطعۂ حدیث کا مرادی معنی و مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم نے ہر مقام کا احاطہ کر رکھا ہے، رہا اللہ تعالیٰ کی ذات کا مسئلہ، تو وہ عرش پر ہے۔ (العلو للذهبي: رقم الترجمه: ٧٣، بتحقيقي و اختصاري)

بعض عوام وخواص کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر مقام میں یا ہر وجود میں موجود ہے۔ لیکن یہ عقیدہ گمراہی ہے

اور ان غالی صوفیوں کے قول "وحدت الوجود" سے ماخوذ ہے، جو سرے سے خالق اور مخلوق میں فرق ہی نہیں کرتے، بلکہ ان کے ایک سرغنہ نے کہا: کائنات میں جو کچھ تجھے نظر آتا ہے، وہ سب کچھ اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی باطل آرا سے بلند و بالا ہے۔ (صحیحہ: ۱۰۴۲)

کن لوگوں کی عبادت قبول نہیں ہوتی؟

(۱۸۹)۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ مَرْفُوعاً: ((ثَلاثَةٌ لَايَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُمْ صَرْفاً وَلَا عَدْلاً: عَاقٌّ وَمَنَّانٌ وَمُكَذِّبٌ بِالْقَدَرِ .)) (الصحيحة:١٧٨٥)

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان تین قسم کے اشخاص کی فرضی عبادت قبول ہوتی ہے نہ نفلی عبادت: نافرمان و بدسلوک، احسان جتلانے والا اور تقدیر کو جھٹلانے والا۔"

تخريج: رواه ابن أبي عاصم في "السنة": برقم ٣٢٣۔ بتحقيقي ، والطبراني: ٧٥٤٧، وأبوالقاسم الصفار في "الأربعين في شعب الدين": كما في "المنتقى منه": ٥٠/ ٢، للضياء المقدسي و "المنتخب منه": لأبي الفتح الجويني ٧٤/ ٢، وابن عساكر: ١١/ ٤٢٣/ ١، ١٣/ ١٩٣/ ٢، ١٧/ ٩٧/ ١

فوائد: ...... یہ حدیث مبارکہ ان تین قسم کے برے آدمیوں کے لیے بہت بڑی وعید ہے۔ ہمیں چاہیے کہ جہاں ہم اعمالِ صالحہ کا اہتمام کرتے ہیں، وہاں ان برائیوں سے اجتناب کریں، جو نیک اعمال کو ضائع کر دیتی ہیں یا ان کے قبول ہونے میں آڑے آجاتی ہیں۔

دوگنا اجر لینے والے تین قسم کے افراد

(۱۹۰)۔ عَنْ أَبِي مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ رضي الله عنه مَرْفُوعاً: ((ثَلاثَةٌ يُؤْتَوْنَ أُجُوْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ: رَجُلٌ كَانَتْ لَهُ أَمَةٌ فَأَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ تَأْدِيْبَهَا، وَعَلَّمَهَا فَأَحْسَنَ تَعْلِيْمَهَا، ثُمَّ أَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا، وَمَمْلُوْكٌ أَعْطٰى حَقَّ رَبِّهِ عَزَّوَجَلَّ وَحَقَّ مَوَالِيْهِ، وَرَجُلٌ آمَنَ بِكِتَابِهِ وَبِمُحَمَّدٍ ﷺ .)) (الصحيحة: ١١٥٣)

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تین قسم کے افراد کو دو اجر دیئے جاتے ہیں: وہ آدمی جو اپنی لونڈی کی اخلاقی تربیت کرتا ہے، اچھی تعلیم دیتا ہے اور پھر اس کو آزاد کر کے اس سے شادی کر لیتا ہے۔ وہ غلام جو اللہ تعالیٰ اور اپنے آقا دونوں کے حقوق پورے کرتا ہے اور وہ (اہلِ کتاب) آدمی جو اپنی کتاب پر اور پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا۔"

تخريج: أخرجه البخاري: ١/ ١٥٤، ٦/ ١٠٩ و في "الأدب المفرد": ٣١، ومسلم: ١/ ٩٣، والنسائي: ٢/ ٨٧، والترمذي: ١/ ٢٠٨ طبع بولاق وصححه، والدارمي: ٢/ ١٥٤، والطيالسي: رقم ٥٢٠، وسعيد بن منصور في "سننه" ٩١٣ و ١٤، وأحمد: ٤/ ٤٠٢، ٤٠٥، والطبراني في "الصغير" صـ ٢٢۔ هند

فوائد: ...... عصر حاضر میں پہلے دو افراد کا وجود نہیں پایا جاتا، کیونکہ فی الحال غلاموں اور لونڈیوں کا تصور ختم ہو

چکا ہے۔ البتہ اہل کتاب کا پہلے اپنے نبی اور کتاب پر ایمان لانا اور پھر محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت کی خبر ملنے پر آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی کتاب پر ایمان لانا ممکن ہے۔

ملک الموت کی پہلوں کے پاس آنے کی کیفیت

حضرت موسیٰ کا ملک الموت کو تھپڑ مارنے کا واقعہ

(١٩١)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((جَاءَ مَلَكُ الْمَوْتِ إِلَى وَفِي طَرِيْقٍ: إِنَّ مَلَكَ الْمَوْتِ كَانَ يَأْتِي النَّاسَ عَيَاناً، حَتَّى أَتَى مُوْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ لَهُ: أَجِبْ رَبَّكَ قَالَ: فَلَطَمَ مُوْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ عَيْنَ مَلَكِ الْمَوْتِ فَفَقَأَهَا، فَرَجَعَ الْمَلَكُ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى فَقَالَ: يَارَبِّ! إِنَّكَ أَرْسَلْتَنِي إِلَى عَبْدٍ لَكَ لَايُرِيْدُ الْمَوْتَ وَقَدْ فَقَأَ عَيْنِي وَلَوْلَا كَرَامَتُهُ عَلَيْكَ لَشَقَقْتُ عَلَيْهِ قَالَ: فَرَدَّ اللّٰهُ إِلَيْهِ عَيْنَهُ، وَقَالَ: إِرْجِعْ إِلَى عَبْدِي فَقُلْ: الْحَيَاةَ تُرِيْدُ؟ فَإِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ الْحَيَاةَ، فَضَعْ يَدَكَ عَلَى مَتْنِ ثَوْرٍ فَمَا تَوَارَتْ يَدُكَ مِنْ شَعْرَةٍ فَإِنَّكَ تَعِيشُ بِهَا سَنَةً، قَالَ: أَيْ رَبِّ! ثُمَّ مَهْ؟ قَالَ: ثُمَّ تَمُوْتُ، قَالَ: فَالْآنَ مِنْ قَرِيْبٍ، رَبِّ! أَمِتْنِي مِنَ الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمْيَةً بِحَجَرٍ! قَالَ: فَشَمَّهُ شَمَّةً فَقَبَضَ رُوْحَهُ، قَالَ: فَجَاءَ بَعْدَ ذٰلِكَ إِلَى النَّاسِ خَفِيًّا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: وَاللّٰهِ! لَوْ أَنِّي عِنْدَهُ لَأَرَيْتُكُمْ قَبْرَهُ إِلَى جَانِبِ الطَّرِيْقِ عِنْدَ۔ وَفِي طَرِيْقٍ: تَحْتَ الْكَثِيْبِ الْأَحْمَرِ .))

(الصحيحة:٣٢٧٩)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ملک الموت (موت والا فرشتہ) لوگوں کے پاس آتا تھا اور وہ اس کو دیکھتے تھے۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا: اپنے ربّ کی بات قبول کرو (اور روح قبض کرنے دو)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے تھپڑ مارا اور اس کی آنکھ پھوڑ دی۔ فرشتہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ گیا اور کہا: اے میرے ربّ! تو نے مجھے ایسے بندے کی طرف بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا، اس نے تو (طمانچہ مارکر) میری آنکھ پھوڑ دی، اگر تو نے اسے معزز نہ بنایا ہوتا تو میں بھی اس پر سختی کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے آنکھ عطا کی اور فرمایا: میرے بندے کے پاس واپس جاؤ اور پوچھو: کیا زندگی چاہتے ہو؟ اگر ارادہ ہے تو بیل کی کمر پر ہاتھ رکھو، جتنے بال ہاتھ کے نیچے آ جائیں گے، اتنے سال تم زندہ رہو گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (فرشتے کی یہ بات سن کر) کہا: اے میرے ربّ! پھر کیا ہوگا؟ جواب ملا: پھر تجھے موت آئے گی۔ انھوں نے کہا: اے میرے ربّ! ابھی موت دے دے، اس حال کہ میں پاک سرزمین سے ایک پتھر کی پھینک پر ہوں۔ پھر انھیں ایک بو سونگھائی اور ان کی روح قبض کر لی۔ اس کے بعد فرشتہ لوگوں کے پاس مخفی انداز میں آنے لگ گیا۔ ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! اگر میں وہاں ہوتا تو تمھیں سرخ ٹیلے کے پاس ان کی قبر دکھاتا۔''

تخریج: والطرق عن ابی ھریرۃ ثلاثۃ:

الأولي: عن طاوس عن أبي هريرة: فأخرجه الشيخان وغيرهما

الثانية: عن همام عنه: فأخرجاه أيضا وغيرهما، والسياق لمسلم، وهو أتم

الثالثه: عن عمار بن أبي عمار: فأخرجه أحمد، وابن جرير الطبرى في "التاريخ" ١/ ٢٢٤

فوائد : ......سوال یہ ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام نے موت والے فرشتے کو تھپڑ کیوں مارا؟ اس کے دو جوابات ہیں:
(۱) حضرت موسی علیہ السلام کو یہ علم نہ ہو سکا کہ وہ فرشتہ اللہ تعالی کا قاصد تھا، جو ان کی روح قبض کرنے کے لیے آیا تھا، انھوں نے سمجھا کہ یہ کوئی عام آدمی ہے، جو ان کو قتل کرنا چاہتا ہے، اس لیے انھوں نے اپنا دفاع کرتے ہوئے یہ اقدام کیا۔
(۲) اللہ تعالی نے فرشتے کا امتحان لینے کے لیے حضرت موسی علیہ السلام کو اجازت دی تھی کہ وہ اس کو تھپڑ ماریں اور اللہ تعالی اپنی مخلوقات کو پرکھنے کے لیے جو چاہتے ہیں کرتے رہتے ہیں۔ (دیکھئے شرح نووی صحیح مسلم: ۲/ ۲۶۷)

حضرت موسی علیہ السلام نے بیت المقدس کے قرب کا سوال اس بنا پر کیا کہ وہ شرف والی جگہ تھی، انبیائے کرام وغیرہ کا مدفن ہونے کی وجہ سے افضل ہوگی، جبکہ بعض علما کا خیال ہے کہ انھوں نے بیت المقدس کا سوال نہیں کیا، کیونکہ ان کو ڈر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ فتنہ وفساد میں پڑ جائیں۔ اس حدیث سے پتہ چلا کہ دفن ہونے کے لیے فضیلت وعظمت والے مقام کا تعین کرنا چاہیے اور نیکوکار لوگوں کے مقبروں کے قریب دفن ہونا چاہیے۔ (دیکھئے شرح نووی صحیح مسلم: ۲/ ۲۶۷)

جنت اور جہنم دونوں ہر ایک کے قریب ہیں

(۱۹۲)۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلْجَنَّةُ أَقْرَبُ إِلَى أَحَدِكُمْ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ، وَالنَّارُ مِثْلُ ذٰلِكَ.)) (الصحيحة: ٣٦٢٤)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جنت تمھارے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے اور جہنم بھی اسی طرح ہے۔“

تخريج: رواه البخاري: ٥١٥، ٦٤٨٨، وابن حبان: ٦٦١، وأحمد: ١/ ٣٨٧، ٤١٣، ٤٤٢، والشاشي في "مسنده": ٥١٤، ٥١٥، والبغوي في "شرح السنة": ٤١٧٤، والبيهقي في "السنن الكبرى": ٣/ ٣٦٨، وأبويعلي: ٥٢١١، ٥٢٨٠، والخطيب في "تاريخه": ١١/ ٣٨٨، وأبونعيم في "الحلية": ٧/ ١٢٥، وابن عساكر في "تاريخه": ٨/ ٣٩٢

فوائد : ......جنت اور جہنم دونوں کا حصول آسان ہے، ہر کسی کو اختیار ہے کہ وہ اپنے ٹھکانے کا تعین کر لے، برے کے لیے برائیاں آسان ہیں اور ان کو برائیوں میں مزہ آتا ہے اور نیکوکاروں کے لیے نیکیاں آسان ہیں، ان کو نیکیوں میں مزہ آتا ہے۔ بہرحال مومن کی زندگی کی ترجیح جنت ہی ہوتی ہے۔

حلال اور حرام تو واضح ہیں، لیکن مشتبہ امور......

(۱۹۳)۔ عَنِ بْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ، وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَ ذٰلِكَ شُبُهَاتٌ فَمَنْ أَوْقَعَ بِهِنَّ فَهُوَ قَمِنٌ أَنْ يَأْثَمَ وَمَنِ اجْتَنَبَهُنَّ، فَهُوَ أَوْفَرُ لِدِيْنِهِ، كَمُرْتَعٍ إِلٰى جَنْبِ حِمًى، أَوْشَكَ يَقَعَ فِيْهِ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، وَحِمَى اللّٰهِ الْحَرَامُ.)) (الصحيحة: ٣٣٦١)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں۔ ممکن ہے کہ ان میں پڑنے والا گناہ میں پڑ جائے اور جس نے ان (شبہات) سے بھی اجتناب کیا تو وہ اپنے دین کو زیادہ محفوظ رکھنے والا ہوگا۔ (شبہات میں پڑنے والے کی) مثال اس چرواہے کی طرح ہے جو چراگاہ کے اردگرد جانور چراتا ہے، ممکن ہے کہ وہ (جانور دوسرے کے کھیت میں) گھس جائے۔ ہر بادشاہ کا ایک ممنوعہ علاقہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ممنوعہ علاقہ حرام کردہ چیزیں ہیں۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ١٠/ ٤٠٤/ ١٠٢٤، وابن عساكر في "تاريخ دمشق": ٧/ ١، وأخرجه الشيخان عن النعمان بن بشير رضی اللہ عنہ ولفظهما يختلف عن هذا في بعض حروفه

فوائد: ......دلائل کی بنا پر بعض امور کا حلال ہونا اور بعض کا حرام ہونا انتہائی واضح ہوتا ہے، کسی کو ان کی حلت یا حرمت کے بارے میں شبہ نہیں ہوتا۔ مثلاً گائے، بکری اور اونٹ وغیرہ کا حلال ہونا اور خنزیر، مردار اور محرم عورتوں سے نکاح کا حرام ہونا۔ لیکن کچھ امور ایسے ہیں کہ ان کا حکم مخفی رہ جاتا ہے، ان کو نہ قطعی طور پر حلال کہا جا سکتا ہے اور نہ حرام، البتہ تقوی اور پرہیز گاری کا یہ تقاضا ہے کہ ان امور سے اجتناب کیا جائے، تاکہ ممکنہ گناہ سے بھی بچا جا سکے، مثلاً باقاعدہ شہادتوں کی بنا پر نہیں، بلکہ کسی شبہ کی بنا پر کسی عورت کو کسی مرد کی رضاعی بہن ثابت کر دیا جائے، ایسے مرد و زن کو اس شبہ کی بنا پر آپس میں نکاح نہیں کرنا چاہیے، اگر وہ پہلے نکاح کر چکے ہوں تو علیحدگی اختیار کر لینی چاہیے۔

اگر یہ مشتبہ امور حلال بھی ہوں تو پھر بھی ان سے اجتناب کرنے والا حرام کاموں سے دور رہتا ہے، آپ ﷺ نے چرواہے کی مثال بیان کر کے بات واضح کر دی کہ اپنی چراگاہ کی آخری حد تک جانور کو چرانا جائز تو ہے لیکن دوسرے کے کھیت میں گھس جانے کا یقینی خطرہ موجود ہے، اس لیے اس حرام کام سے بچنے کے لیے سرے سے اپنے کھیت کی آخری حد تک ہی نہ جایا جائے۔

مالداروں کے پاس نیکیاں کم ہوتی ہیں، مگر......

(۱۹۴)۔ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ، قَالَ: خَرَجْتُ لَيْلَةً مِنَ اللَّيَالِيْ، فَإِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ يَمْشِي

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں ایک رات کو نکلا، کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اکیلے چل رہے تھے، آپ کے

وَحْدَهُ لَيْسَ مَعَهُ إِنْسَانٌ قَالَ: فَظَنَنْتُ أَنَّهُ يَكْرَهُ أَنْ يَمْشِيَ مَعَهُ أَحَدٌ، قَالَ: فَجَعَلْتُ أَمْشِي فِي ظِلِّ الْقَمَرِ، قَالَ: فَالْتَفَتَ فَرَآنِي، فَقَالَ: ((مَنْ هٰذَا؟)) فَقُلْتُ: أَبُوْ ذَرٍّ جَعَلَنِيَ اللّٰهُ فِدَاءَكَ، قَالَ: ((يَا أَبَا ذَرٍّ! تَعَالَه)) قَالَ: فَمَشَيْتُ مَعَهُ سَاعَةً فَقَالَ: (إِنَّ الْمُكْثِرِيْنَ هُمُ الْأَقَلُّوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِلَّا مَنْ أَعْطَاهُ اللّٰهُ خَيْراً فَنَفَحَ فِيْهِ يَمِيْنَهُ وَشِمَالَهُ، وَبَيْنَ يَدَيْهِ وَوَرَاءَهُ، وَعَمِلَ فِيْهِ خَيْراً.)) قَالَ: فَمَشَيْتُ مَعَهُ سَاعَةً، فَقَالَ: ((اِجْلِسْ هَاهُنَا.)) فَقَالَ: فَأَجْلَسَنِي فِي قَاعٍ حَوْلَهُ حِجَارَةٌ، فَقَالَ لِي: ((اِجْلِسْ هَاهُنَا حَتّٰى أَرْجِعَ إِلَيْكَ.)) قَالَ: فَانْطَلَقَ فِي الْحَرَّةِ حَتّٰى لَا أَرَاهُ، فَلَبِثَ عَنِّي، فَأَطَالَ اللَّبْثَ ثُمَّ إِنِّي سَمِعْتُهُ وَهُوَ مُقْبِلٌ يَقُوْلُ: ((إِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنٰى!)) قَالَ: فَلَمَّا جَاءَ لَمْ أَصْبِرْ، فَقُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! جَعَلَنِيَ اللّٰهُ فِدَاءَكَ، مَنْ تُكَلِّمُ فِي جَانِبِ الْحَرَّةِ؟ مَا سَمِعْتُ أَحَداً يَرْجِعُ إِلَيْكَ شَيْئًا، قَالَ: ((ذَاكَ جِبْرِيْلُ عَرَضَ لِي فِي جَانِبِ الْحَرَّةِ فَقَالَ: بَشِّرْ أُمَّتَكَ أَنَّهُ مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ فَقُلْتُ: يَاجِبْرِيْلُ! وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنٰى؟ قَالَ: نَعَمْ قَالَ: قُلْتُ: وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنٰى؟ قَالَ: قُلْتُ: وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنٰى؟ قَالَ: نَعَمْ وَإِنْ شَرِبَ الْخَمْرَ.)) (الصحيحة: ٨٢٦)

ساتھ کوئی آدمی نہیں تھا۔ میں نے سمجھا کہ شاید آپ ﷺ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے ساتھ کوئی چلے۔ میں نے چاند کے سائے میں چلنا شروع کر دیا۔ آپ میری طرف متوجہ ہوئے، مجھے دیکھا اور پوچھا: ''یہ کون ہے؟'' میں نے کہا: میں ابوذر ہوں، اللہ مجھے آپ پر قربان کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابوذر! ادھر آؤ۔'' میں آپ کے پاس گیا اور آپ کے ساتھ کچھ دیر چلتا رہا۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: قیامت والے روز کثیر مال و دولت والے اجر وثواب میں کم ہوں گے، مگر جس کو اللہ تعالی نے مال دیا اور اس نے (صدقہ کرتے ہوئے) اسے دائیں بائیں اور آگے پیچھے بکھیر دیا اور اس کے ذریعے نیک اعمال کئے۔'' پھر میں آپ کے ساتھ چلتا رہا، حتی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہاں بیٹھ جاؤ۔'' آپ ﷺ نے مجھے ایسی ہموار زمین میں بٹھایا، جس کے اردگرد پتھر پڑے ہوئے تھے۔ پھر فرمایا: ''میرے واپس آنے تک یہاں بیٹھے رہو۔'' پھر آپ ﷺ حرہ (کالے پتھروں والی زمین) کی طرف چلے گئے اور نظروں سے اوجھل ہو گئے، آپ ﷺ وہاں کافی دیر تک ٹھہرے رہے۔ پھر میں نے سنا آپ ﷺ یہ فرماتے ہوئے آرہے تھے: ''اگر چہ وہ چوری بھی کرے اور زنا بھی کرے۔'' جب آپ ﷺ میرے پاس پہنچے تو مجھ سے صبر نہ ہو سکا اور میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! مجھے اللہ تعالی آپ پر قربان کرے! آپ حرہ زمین کے پاس کس سے گفتگو کر رہے تھے؟ پھر آپ کو کوئی جواب بھی نہیں دے رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ جبریل تھا، حرہ کے ساتھ ہی وہ مجھے ملا اور کہا: (اے محمد!) اپنی امت کو خوشخبری سنا دو کہ جو اس حال میں مرے کہ اس نے اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو،

وہ جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے کہا: جبریل! اگرچہ اس نے چوری بھی کی ہو اور زنا بھی کیا ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ میں نے کہا: اگرچہ اس نے چوری بھی کی ہو اور زنا بھی کیا ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ میں نے کہا: اگرچہ وہ چوری بھی کرے اور زنا بھی کرے؟ اس نے کہا: جی ہاں اور اگرچہ وہ شراب بھی پی لیا ہو۔''

تخريج:أخرجه البخاري: ٨/ ٧٩۔ نهضة، وفي"الأدب المفرد": ٨٠٣، ومسلم: ٣/ ٧٦، والترمذي: ٣/ ٢٦٩، وابن حبان في"صحيحه": ١٧٠۔ الاحسان، وأحمد:٥/ ١٥٢٣

فوائد :......اس سلسلے میں یہ حقیقت ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ مال و دولت کی کثرت و بہتات نے زیادہ تر لوگوں کے مزاجوں کو تبدیل کیا ہے۔ امیر لوگ اپنی امیری کی بنا پر ناز کرتے ہوئے اپنے آپ کو بلند مرتبت اور کم آمدنی والوں کو کم تر سمجھتے ہیں، ان کے تعلق یا دوستی کی بنیاد روپے پیسے پر ہوتی ہے۔ اگر عبادات کے معاملے کو سامنے رکھیں تو عام اور کم آمدنی والے لوگوں کی فتح نظر آتی ہے، کسی مسجد کے نمازیوں کی تعداد میں عام لوگوں اور سونے کا چمچ لے کر پیدا ہونے والوں کا تناسب دیکھا جا سکتا ہے، تلاوتِ قرآن اور حفظِ قرآن کے سلسلے میں موازنہ کیا جا سکتا ہے، میں نے اپنی زندگی میں چند امیر افراد پائے، جنہوں نے قرآن مجید حفظ کیا اور پھر آرام پرستی کی وجہ سے اس کو بھلا دیا۔ علی ہذا القیاس۔ دوسری بات یہ ہے کہ امیر لوگ دنیا میں من پسند ماکولات کھاتے ہیں، چاہت کے مطابق لباس پہنتے ہیں، پرشکوہ اور پرسکون محلات میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ غرضیکہ ان کو دنیا کی ہر قسم کی سہولت دستیاب ہوتی ہے اور یہ چیز نیکیوں میں کمی کا باعث بن سکتی ہے۔ دوسری طرف غریب اور معمولی آمدنی والوں کا معاملہ واضح ہے، یہی وجوہات ہے کہ مساکین امیروں کی بہ نسبت پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

قارئین کرام! ہماری مندرجہ بالا گزارشات کسی خاص فرد سے متعلقہ نہیں ہے، ہم نے مطلق طور پر ماحول کو دیکھ کر یہ فرق بیان کیا، اگر مخصوص افراد کو دیکھا جائے تو کئی مخصوص امیر لوگ کئی مخصوص غریبوں سے افضل قرار پاتے ہیں۔

اس حدیث میں امیر لوگوں کو انتہائی سخاوت کرنے کی تلقین کی گئی ہے، اس عمل کے ذریعے وہ اپنی نیکیوں میں اضافہ کر سکتے ہیں۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: ''اگرچہ اس نے چوری بھی کی ہو اور زنا بھی کیا ہو۔'' حدیثِ مبارکہ کا یہ جملہ انتہائی غور طلب ہے، کیونکہ عام لوگوں کو اس جملے سے گناہوں کا ارتکاب کرنے کی ہلہ شیری ملتی ہے۔ حقیقتِ حال یہ ہے اس جملے میں خوارج اور معتزلہ جیسے گمراہ فرقوں کا ردّ ہے جو کبیرہ گناہوں کے مرتکبین کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنے کے قائل ہیں۔

اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے زنا اور چوری جیسے جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کو معاف کر دیا تو وہ براہِ راست جنت میں چلے جائیں گے اور اگر اس نے معاف نہ کیا تو جہنم میں ان گناہوں کی سزا بھگتنے کے لیے عارضی طور پر ٹھہریں گے، پھر اس کے بعد جنت میں پہنچیں گے۔ نیز اس حدیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کبیرہ گناہوں کی وجہ سے

نہ ایمان کی نفی ہوتی ہے اور نہ اللہ تعالیٰ تمام نیکیوں کو ضائع کرتے ہیں۔

نماز، حج اور رمضان کے روزوں کی فضیلت

(۱۹۵)۔ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: ((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَصَلَّى الصَّلَاةَ وَحَجَّ الْبَيْتَ ، لا ادْرِیْ أَذَكَرَ الزَّكَاةَ أَمْ لَا۔ إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ إِنْ هَاجَرَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوْ مَكَثَ بِأَرْضِهِ الَّتِي وُلِدَبِهَا .)) قَالَ مُعَاذٌ: أَلا أُخْبِرُ بِهَا النَّاسَ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((ذَرِ النَّاسَ يَعْمَلُوْنَ فَإِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِئَةَ دَرَجَةٍ ، مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَالْفِرْدَوْسُ أَعْلَى الْجَنَّةِ وَأَوْسَطُهَا ، وَفَوْقَ ذٰلِكَ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ ، وَمِنْهَا تَفْجُرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ ، فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْأَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ .))

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے رمضان کے روزے رکھے، نماز قائم کی اور بیت اللہ کا حج کیا۔ مجھے اس بات کا علم نہ ہو سکا کہ آیا آپ نے زکاۃ کا ذکر کیا یا نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ وہ اسے بخش دے، اگرچہ اس نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی ہو یا اپنے پیدائشی علاقے میں ٹھہرا رہا ہو۔'' سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا میں لوگوں کو یہ حدیث بیان کروں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رہنے دو، تاکہ وہ مزید عمل کرتے رہیں، کیونکہ جنت میں سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ زمین و آسمان کے مابین ہے اور جنت کا اعلیٰ و افضل مقام فردوس ہے، اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے، وہاں سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کیا کرو۔''

(الصحيحة:١٩١٣)

تخريج: أخرجه الترمذي: ٣/ ٣٢٥۔ ٣٢٦۔ تحفة ، وأحمد: ٥/ ٢٤٠۔ ٢٤١

فوائد :......نماز، حج اور رمضان کی روزوں کی اہمیت واضح ہو رہی ہے کہ یہ اعمال مسلمان کی مغفرت کا سبب بنتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت واضح ہو رہی ہے کہ جن احادیث میں بخشش کی اس قسم کی خوشخبریوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان کا یہ مطلب نہیں کہ ہم دوسرے اعمالِ صالحہ میں سستی برتنا شروع کر دیں اور برائیاں کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔

آب وفضا موافق نہ آنے کی وجہ سے علاقہ چھوڑا جا سکتا ہے

(۱۹۶)۔ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّا كُنَّا فِي دَارٍ كَثِيْرٌ فِيْهَا عَدَدُنَا ، وَكَثِيْرٌ فِيْهَا أَمْوَالُنَا ، فَتَحَوَّلْنَا إِلٰى دَارٍ أُخْرٰى ، فَقَلَّ فِيْهَا عَدَدُنَا ، وَقَلَّتْ فِيْهَا

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک آدمی نے کہا: اے اللہ تعالیٰ کے رسول! ہم (قبولیت اسلام سے قبل) ایسے علاقے میں تھے، جہاں ہماری تعداد زیادہ اور مال کثیر مقدار میں تھا، اب ہم ایسے علاقے میں منتقل ہو گئے ہیں کہ جہاں تعداد بھی کم ہو

أَمْوَالُنَا ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((ذَرُوْهَا ذَمِيْمَةً .)) (الصحيحة:٧٩٠)

گئی ہے اور مال کی مقدار میں بھی کمی آئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس علاقے کو ترک کر دو، یہ مذموم ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ١٣٢ وأبو داود: ٢/ ١٥٩

فوائد: ......ان لوگوں نے اس علاقے کی فضا کو مال و اولاد میں کمی کا باعث سمجھا۔ آپ ﷺ نے سوئے ظن کو دور کرنے کے لیے ان کو یہ حکم دیا کہ وہ اس علاقے کو ترک کر دیں اور کسی دوسرے مقام پر منتقل ہو جائیں۔

شارح ابوداود علامہ عظیم آبادی رحمہ اللہ نے آپ ﷺ کے حکم کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: ابن اثیر رحمہ اللہ نے کہتے ہیں: یہ علاقہ مذموم ہے، کیونکہ اس کی آب و فضا تمہارے موافق نہیں آئی، لہٰذا اس سے منتقل ہو جاؤ۔

ازدبیلی رحمہ اللہ نے ازھار میں کہا: اس خطے کو چھوڑ دو اور کسی دوسرے خطے میں چلے جاؤ، تاکہ تم اس سوئے ظن اور آزمائش سے بچ سکو، جو تمہیں اس علاقے میں آنے کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

خطابی اور ابن اثیر رحمہ اللہ نے حکم نبوی کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا: ان لوگوں کو یہ وہم ہو گیا کہ اس علاقے میں رہائش پذیر ہونے کی وجہ سے وہ ان آزمائشوں میں مبتلا ہو گئے ہیں، آپ ﷺ نے حکمت سے کام لیتے ہوئے سرے سے ان کو اس علاقے سے ہجرت کر جانے کی تعلیم دی، تاکہ ان کا یہ (بدفالی والا) وہم اور شبہ ختم ہو جائے۔ (عون المعبود: حدیث: ٣٩٢٤)

زیادہ مناسب توجیہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہم اور گمان کا انسان کی صحت پر بڑا گہرا اثر ہوتا ہے، ان لوگوں کو یہ وہم ہو گیا تھا کہ اس علاقے میں منتقلی کی وجہ سے مال و اولاد میں کمی آ گئی ہے، ان کے مزاج سے معلوم ہو رہا تھا کہ آئندہ ہر قسم کے نقصان سے ان کے وہم کو مزید قوت ملے گی، جس سے ان کی صحت پر برا اثر پڑے گا، اس لیے آپ ﷺ نے اس مادے کو ہی ختم کرنے کے لیے اس علاقے سے ہجرت کا حکم دے دیا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ طب اور ڈاکٹری نقطۂ نظر سے اس علاقے کی آب و فضا ان کے لوگوں کے مزاج کے موافق نہ ہو، اس لیے آپ ﷺ نے ان کو وہ علاقہ چھوڑنے کا حکم دے دیا ہو، کیونکہ یہ بھی علاج کی ایک قسم ہے۔

نیک خواب

(١٩٧)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنه ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ جُزْءٌ مِّنْ خَمْسَةٍ وَعِشْرِيْنَ جُزْءاً مِنَ النُّبُوَّةِ .))

(الصحيحة:١٨٦٩)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''نیک خواب، نبوت کا پچیسواں جز ہے۔''

تخريج: أخرجه الخطيب في "التاريخ": ٥/ ١٨٩

فوائد: ......امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

اس حدیث میں خواب کو نبوت کا پچیسواں، ایک میں چھیالیسواں اور ایک میں سترہواں حصہ قرار دیا گیا ہے۔ ان تینوں احادیث میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے، اس اختلاف کا تعلق خواب دیکھنے والوں سے ہے، جو جتنا نیک ہوگا، اتنا ہی اس کا خواب سچا ہوگا۔ (صحیحہ: ۱۸۶۹)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اہل ایمان کے پاس سچے خواب کے علاوہ کوئی ایسی چیز باقی نہیں رہی، جس کے ذریعے مستقبل کے حالات منکشف ہوسکیں۔

اگرچہ نبوت منقطع ہو چکی ہے، لیکن علوم نبوت کا ایک ادنی سا جز نیک خواب کی صورت میں باقی ہے، کہا جا سکتا ہے کہ سچا خواب نبوت کا پرتو ہے، لیکن خواب دیکھنے والا نبی نہیں بن جاتا، اس کو یوں سمجھیں کہ جیسے نیک روش، حلم و بردباری اور میانہ روی نبوت کی صفات ہیں، لیکن اگر کسی میں یہ صفات پائی جائیں تو اس کا معنی یہ نہیں ہوگا کہ وہ نبی بن جائے گا۔

اس ضمن میں درج ذیل بحث کو ذہن نشین کرلیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) إِذَا اقْتَرَبَ الزَّمَانُ لَمْ تَكَدْ رُؤْيَا الْمُسْلِمِ تَكْذِبُ (۲) وأَصْدَقُهُمْ رُؤْيَا أَصْدَقُهُمْ حَدِيْثًا (۳) وَرُؤْيَا الْمُسْلِمِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وأَرْبَعِيْنَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ قال: وَقَالَ. (٤) الرُّؤْيَا ثَلَاثَةٌ: فَالرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ بُشْرٰى مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَالرُّؤْيَا تَحْزِيْنٌ مِنَ الشَّيْطَانِ وَالرُّؤْيَا مِنَ الشَّيْءِ يُحَدِّثُ بِهِ الإِنْسَانُ نَفْسَهُ (٥) فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مَا يَكْرَهُ فَلَا يُحَدِّثْهُ أَحَدًا، وَلْيَقُمْ فَلْيُصَلِّ قال (٦) وَأُحِبُّ الْقَيْدَ فِي النَّوْمِ، وَأَكْرَهُ الْغُلَّ، الْقَيْدُ: ثَبَاتٌ فِي الدِّيْنِ.)) (صحیحہ: ۳۰۱٤)

یعنی: '' (۱) جب زمانہ (قیامت کے) قریب ہوجائے گا تو ایسا نہیں ہوگا کہ مسلمان کا خواب جھوٹا ثابت ہو (۲) اور خوابوں میں زیادہ سچا وہی ہوگا جو ان میں سے گفتگو میں زیادہ سچا ہوگا (۳) مسلمان کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔'' نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' (۴) خواب کی تین (اقسام) ہیں: نیک خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری ہے، برا خواب شیطان کی طرف سے رنج و غم ہے اور (ان کے علاوہ) عام چیزوں سے متعلقہ خواب انسان کے اپنے خیالات ہیں۔ (۵) جب تم میں سے کوئی آدمی کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو کسی کو بیان نہ کرے اور کھڑا ہو کر نماز پڑھے (۶) میں خواب میں زنجیر کو پسند اور طوق کو ناپسند کرتا ہوں۔ دراصل زنجیر سے مراد دین میں ثابت قدمی ہے۔''

''مسلمان کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔''

چونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بالاتفاق رسالت و نبوت کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے، اس لئے اس حدیث مبارکہ سے بعض لوگوں کو اشکال سا ہوا، جس کو زائل کرنے کے لئے تین جوابات دیئے گئے، آخری دو جوابات میں زیادہ معقولیت پائی جاتی ہے۔

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب حقیقی طور پر نبوت کا حصہ ہوتا ہے، جبکہ غیر نبی کا مجازی طور پر۔

۲۔ اسلام میں بلا واسطہ مستقبل میں پیش آنے والے امور کی پیشین گوئی کرنے کا ذریعہ صرف نبوت ہے، چونکہ خواب میں بھی اللہ تعالی کی طرف سے مستقبل کے کسی امر کی نشاندہی ہو جاتی ہے، اس لئے اس مشابہت کی وجہ سے اس کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ کہا گیا۔ مثلا دسمبر ۲۰۰۷ء کو بے نظیر ایک قاتلانہ حملے کی وجہ سے وفات پا گئیں، جب اس کی تدفین ہوئی تو نصرت ریاض نامی عورت نے ہمیں بتلایا کہ وہ چند روز قبل ہو بہو یہی منظر بذریعہ خواب دیکھ چکی تھی۔

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کئی مسائل میں اللہ تعالی کے فیصلوں سے موافقت حاصل ہوئی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ منصبِ نبوت پر فائز ہو گئے۔ بعینہ اسی طرح بسا اوقات خواب کی نبوت سے موافقت ہو سکتی ہے، لیکن اس کا معنی یہ نہیں حقیقی نبوت کا حصہ ہے، جو ابھی تک باقی ہو۔

اس ضمن میں یہ حدیث ذہن نشین کر لینی چاہئے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ .)) قَالُوْا: وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟ قَالَ: ((اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْمُسْلِمُ أَوْ تُرٰى لَهٗ .)) (بخاری، مسلم)

یعنی: نبوت سے صرف مبشّرات باقی رہ گئی ہیں۔'' صحابہ نے پوچھا: مبشّرات کیا ہوتی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ''نیک خواب، جو مسلمان دیکھتا ہے، یا اسے دکھایا جاتا ہے۔''

اس حدیث میں خواب کی تین اقسام بیان کی گئیں ہیں:

۱۔ ایسا خواب، جسے دیکھنے والا اپنے حق میں یا کسی کے حق میں بشارت خیال کرتا ہے اور تعبیر کرنے والے بھی اس کی موافقت کرتے ہوں، مثلا اذان سننا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا، تلاوت کرنا، وغیرہ۔

۲۔ برا خواب، جس میں بندہ ڈر جاتا ہے یا کسی اعتبار سے وہ اس پر گراں گزرتا ہے، مثلا سر کٹ جانا، مختلف انداز میں ڈرایا جانا، کسی گناہ کی وجہ سے بے عزتی ہونا، وغیرہ۔ جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی بارگاہِ نبوت میں آیا اور کہا: میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا سر قلم کیا جا رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا: ''جب شیطان تم سے نیند کی حالت میں کھیلنا شروع کر دے تو لوگوں کو بیان مت کیا کرو۔'' (مسلم)

۳۔ ایسے خواب، جن کو برا کہا جا سکتا ہے یا نہ اچھا، مثلا بعض لوگ دن کو کام کاج کے دوران جو کچھ کہتے ہیں، اسے اپنے خواب میں دوہراتے رہتے ہیں۔ ایسے خواب بے حقیقت ہوتے ہیں۔

حدیث کے آخری حصے میں بیڑی کو پسند اور طوق کو ناپسند کیا گیا ہے، دراصل اللہ تعالی نے قرآن مجید میں طوق کو جہنمیوں کی صفت قرار دیا ہے، اس لئے اس کو ناپسند کیا گیا اور بیڑی سے مراد ''دین میں ثابت قدمی'' اس لئے لی گئی کہ بیڑی کا محل پاؤں ہوتا ہے، جو کہ گناہوں سے رک جانے سے کنایہ ہے، مثلا ایمان بندے کو باطل کی طرف جانے سے روکتا ہے، گویا کہ اس کے حق میں یہی بیڑی ہے۔

اس حدیث سے ایک اور اہم سبق یہ ملتا ہے کہ لوگ جس آدمی کو صادق اور امین خیال کریں گے، اس کا خواب زیادہ سچا ہو گا۔

برا خواب دیکھنے والے کو درج امور میں سے کوئی ایک سرانجام دینا چاہیے:

۱۔ نماز پڑھنا، جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔

۲۔ بائیں جانب تین دفعہ تھوکنا اور برے خواب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا۔ (بخاری، مسلم)

۳۔ بائیں طرف تین دفعہ تھوکنا، شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا اور اپنا پہلو بدل لینا۔ (مسلم)

یاد رہے کہ برا خواب کسی کو بیان نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ آدمی کو کسی قسم کا نقصان نہیں دے سکتا۔ (بخاری، مسلم)

برا خواب

(۱۹۸)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ: إِنِّي رَأَيْتُ رَأْسِي ضُرِبَ، فَرَأَيْتُهُ يَتَدَهْدَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((يَعْمِدُ الشَّيْطَانُ إِلٰى أَحَدِكُمْ فَيَتَهَوَّلَ لَهُ، ثُمَّ يَغْدُوْ يُخْبِرُ النَّاسَ!)) (الصحيحة:۲٤٥۳)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک آدمی آیا اور کہا: میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا سر قلم کر دیا گیا اور پھر وہ لڑھک گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے ایک آدمی کے پاس شیطان آ کر خوفناک شکلیں پیش کرتا ہے اور وہ صبح کو لوگوں کو بیان کرنا شروع کر دیتا ہے۔“

تخريج: أخرجه النسائي في "عمل اليوم والليلة": ۹۱۳، وابن ماجه: ۲/ ٤٥۱، و أحمد: ۲/ ۳٤٤

فوائد :......اس کا مطلب یہ ہے کہ برا خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، اس لیے اس سے خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، سابق عنوان ”نیک خواب“ میں مکمل تفصیل گزر چکی ہے۔

﴿الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ کی تفسیر

(۱۹۹)۔ عَنْ أَبِي صَالِحٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ، وَسُئِلَ عَنْ ﴿الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ قَالَ: مَا سَأَلَنِيْ أَحَدٌ قَبْلَكَ مُنْذُ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: ((مَا سَأَلَنِي عَنْهَا أَحَدٌ قَبْلَكَ هِيَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْعَبْدُ أَوْ تُرٰى لَهُ.)) (الصحيحة:۱۷۸٦)

ابو صالح کہتے ہیں: میں سن رہا تھا، سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا۔ انھوں نے کہا: جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا، مجھ سے کسی نے دریافت نہیں کیا، رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا تھا: ”اس کے بارے میں تجھ سے پہلے کسی نے مجھ سے سوال نہیں کیا، اس سے ”نیک خواب“ ہے، جو بندہ دیکھتا ہے یا اسے دکھایا جاتا ہے۔“

تخريج: أخرجه الطبري في "تفسيره": ۱۱/ ۹٥، واحمد: ٦/ ٤٤٥، والطحاوي في "مشكل الآثار"

۴۷/۳

فوائد:...... احادیث نبویہ کے مطابق نیک خواب کو نبوت کا پچیسواں، چھیالیسواں اور سترہواں حصہ قرار دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللّٰهِ وَالْحُكْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ .)) (بخاری، مسلم) ......''اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے اور برا خواب شیطان کی طرف سے ہے۔''

ہمیشہ اچھے اور نیک خواب میں مستقبل کے بارے میں کسی نہ کسی خوشکن خبر یا واقعہ پر مطلع کیا جاتا ہے۔ سچے خواب کی اہمیت اس حقیقت سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ وحی الٰہی سے پہلے محمد رسول اللہ ﷺ کا سچے خوابوں سے سابقہ پڑا تھا، ان ایام میں آپ ﷺ جو خواب دیکھتے، اس کی تعبیر صبح صادق کی مانند بالکل آشکارا ہو جاتی، ان حالات کے بعد آپ کی طبیعت کا میلان انقطاع اور خلوت کی طرف ہوا، نتیجتاً آپ ﷺ غار حرا میں خلوت گزیں ہو گئے۔

درجات کی بلندی اور گناہوں کا کفارہ بننے والے اعمال

نبی کریم ﷺ کا اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنا

(۲۰۰)۔ عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((رَأَيْتُ رَبِّي فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ، فَقَالَ: فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلٰى؟ فَقُلْتُ: لَا أَدْرِي فَوَضَعَ يَدَهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ حَتّٰى وَجَدْتُ بَرْدَ أَنَامِلِهِ، ثُمَّ قَالَ فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلٰى؟ قُلْتُ: فِي الْكَفَّارَاتِ وَالدَّرَجَاتِ، قَالَ: وَمَا الْكَفَّارَاتُ؟ قُلْتُ: إِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ فِي السَّبَرَاتِ وَنَقْلُ الْأَقْدَامِ إِلَى الْجَمَاعَاتِ وَانْتِظَارُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ قَالَ: فَمَا الدَّرَجَاتُ؟ قُلْتُ: إِطْعَامُ الطَّعَامِ، وَإِفْشَاءُ السَّلَامِ، وَصَلَاةٌ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ، قَالَ: قُلْ۔ قَالَ: قُلْتُ: مَا أَقُوْلُ؟ قَالَ: قُلِ اللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ عَمَلًا بِالْحَسَنَاتِ، وَتَرْكًا لِلْمُنْكَرَاتِ وَإِذَا أَرَدْتَ فِي قَوْمٍ فِتْنَةً وَأَنَا فِيهِمْ فَاقْبِضْنِي إِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ.))

سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اپنے ربّ کو بہت حسین صورت میں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھا: اشراف فرشتوں کی جماعت کس چیز میں جھگڑا کرتی ہے؟ میں نے کہا: میں تو نہیں جانتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے کندھوں کے درمیان رکھا، مجھے انگلیوں کی ٹھنڈک بھی محسوس ہوئی۔ پھر پوچھا: سردار فرشتوں کی جماعت کس چیز میں بحث مباحثہ کرتی ہے؟ میں نے کہا: کفارات اور درجات میں۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا: کفارات سے کیا مراد ہے؟ میں نے کہا: سردیوں میں مکمل وضو کرنا، نماز باجماعت کے لئے (مساجد کی طرف) چل کر جانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے لئے انتظار کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا: درجات سے کیا مراد ہے؟ میں نے کہا: کھانا کھلانا، سلام عام کرنا اور جب رات کو لوگ سو رہے ہوں تو نماز پڑھنا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کہا: کہو۔ میں نے کہا: کیا کہوں؟ اللہ تعالیٰ نے کہا: کہو: اے اللہ! میں تجھ سے نیکیاں کرنے اور برائیوں کو ترک کر دینے کا سوال کرتا ہوں اور جب تو لوگوں کو

(الصحیحة:٣١٦٩) فتنے میں مبتلا کرنا چاہے اور میں وہاں موجود ہوں تو مجھے فتنے سے بچا کر موت دے دینا۔“

تخریج: أخرجه الطبراني في"الدعاء": ٣/ ١٤١٦/٤٦٢، والخطيب في "التاريخ": ٨/ ١٥١

فوائد: ...... نبی کریم ﷺ کا اپنے ربّ کو دیکھنے کا واقعہ خواب میں پیش آیا، جیسا کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ((...... فَنَعِسْتُ فِي صَلَاتِي حَتَّى اسْتَثْقَلْتُ ، فَإِذَا اَنَا بِرَبِّيْ فِيْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ .)) (ترمذی) اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: ((اَتَانِي اللَّيْلَةَ رَبِّيْ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِيْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ ، قَالَ اَحْسِبُهُ قَالَ: فِي الْمَنَامِ .))(ترمذی)

لہٰذا اس رؤیت کی کوئی تأویل، تکییف، تعطیل اور تشبیہ بیان نہ کی جائے اور آپ ﷺ کے الفاظ اور ان کے ظاہری مفہوم پر اکتفا کیا جائے۔

جھگڑا کرنے سے مراد کفارات و درجات کے موضوع پر بحث و مباحثہ ہے۔

کفارات سے مراد وہ اعمال ہیں، جو گناہوں کے اثرات کو ختم کرتے ہیں اور درجات سے مراد وہ اعمال ہیں، جن سے درجات بلند ہوتے ہیں۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کی رفعت و منزلت اور سردیوں میں مکمل وضو کرنے، نماز باجماعت کے لئے (مساجد کی طرف) چل کر جانے، ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے لئے انتظار کرنے، کھانا کھلانے، سلام عام کرنے اور نمازِ تہجد پڑھنے کی فضیلت کا بیان ہے۔ نیز درج ذیل دعا کی تعلیم دی گئی ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ ! إِنِّي أَسْأَلُكَ عَمَلاً بِالْحَسَنَاتِ ، وَتَرْكًا لِلْمُنْكَرَاتِ وَإِذَا أَرَدتَّ فِي قَوْمٍ فِتْنَةً وَأَنَافِيْهِمْ فَاقْبِضْنِي إِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ۔

اے اللہ! میں تجھ سے نیکیاں کرنے اور برائیوں کو ترک کر دینے کا سوال کرتا ہوں اور جب تو لوگوں کو فتنے میں مبتلا کرنا چاہے اور میں وہاں موجود ہوں تو مجھے فتنے سے بچا کر موت دے دینا۔“

دوست پہچان ہوتا ہے

(٢٠١)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((اَلرَّجُلُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهِ ، فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُّخَالِلُ .)) (الصحيحة:٩٢٧)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، اسے غور کرنا چاہئے کہ وہ کس کو دوست بنا رہا ہے۔“

تخریج: أخرجه أبوداود: ٢/ ٢٩٣۔ التازية، والترمذي: ٢/ ٢٧٨بشرح التحفة، والحاكم: ٤/ ١٧١، وأحمد: ٢/ ٣٠٣و٣٣٤، والخطيب: ٤/ ١١٥، وعبد بن حميد في "المنتخب من المسند": ١/١٥٤

فوائد: ......ضرب المثل ہے: خربوزہ، خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے۔

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ چاہتے اور نہ چاہتے ہوئے ہر دوست کو اپنے دوست کا طرزِ حیات، عادات و اطوار اور طریقہ و سیرت اختیار کرنا پڑتا ہے، نمازی لوگ بے نمازوں کی مجلسوں میں جانے کی وجہ سے اپنی نمازیں چھوڑ دیتے ہیں اور ان کے ساتھ مل ان کو گانا اور موسیقی سن کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنی پڑتی ہے اور اس لیے دوستی لگاتے وقت غور و فکر کرنا چاہیے، اگر کسی کا دین اور اخلاق پسند ہے تو اسے دوست بنا لیا جائے۔ اچھا آدمی اس وجہ سے بدنام ہو جاتا ہے کہ برے لوگ اس کے دوست ہوتے ہیں۔

ذہن نشین رہنا چاہیے کہ برے آدمی کو سمجھانے کے لیے اس سے حسنِ اخلاق سے پیش آنا اور بات ہے اور کسی سے دوستی لگانا اور بات ہے۔

نابالغ بچوں کا اخروی انجام

(۲۰۲)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَا يَزَالُ أَمْرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ مُوَاتِيًا أَوْ مُقَارِبًا مَالَمْ يَتَكَلَّمُوْا فِي الْوِلْدَانِ وَالْقَدَرِ .)) (الصحيحة: ١٥١٥)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: ''اس امت کا معاملہ اس وقت تک ہم نوائی، ہم خیالی، (اتحاد اور موافقت) والا رہے گا، جب تک بچوں اور تقدیر (کے مسائل) میں گفتگو نہیں کریں گے۔''

تخريج: أخرجه ابن حبان: ١٨٢٤، والحاكم: ١/ ٣٣

فوائد: ......''مواتیا'' اور ''مقاربا'' ہم معنی الفاظ ہیں۔

''وِلْدَان'' سے مراد مشرکین کی اولاد کے اخروی انجام کے بارے میں گفتگو کرنا ہے کہ آیا وہ جنت میں ہوں گے، یا جہنم میں یا اعراف پر، جیسا امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے کہا: الولدان اراد به اطفال المشرکین۔ (ابن حبان) یعنی: ''وِلْدَان'' سے مشرکوں کے بچے مراد لیے گئے ہیں۔

تقدیر کے موضوع پر گفتگو کرنے سے مراد اس میں بحث مباحثے، کٹ حجتی اور جھگڑے کرنے ہیں، جن کی بعض صورتیں یہ ہیں:

اگر ساری چیزوں کے وقوع پذیر ہونے یا نہ ہونے کا معاملہ تقدیر سے متعلقہ ہے، تو پھر ثواب و عقاب کا کیا تک بنتا ہے؟

سوال ہوا کہ ایک گروہ جنت میں اور ایک گروہ جہنم میں، اس کی کیا حکمت ہے؟ جواب دیا گیا: اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو اختیار اور قوت دی ہے۔ لیکن کہا گیا کہ ان کو یہ قوت و اختیار اور نیکی یا برائی کرنے کی قدرت کس نے عطا کی ہے؟

تقدیر میں جو کچھ طے پا چکا ہے، بندہ ویسے ہی کرنے پر مجبور ہے، اس کو اپنی پسند یا ناپسند کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر وہ برائیاں کر رہے ہیں تو اس میں ان کا کیا قصور ہے، اللہ تعالی نے ان کے بارے میں یہی فیصلہ کیا ہے۔

بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں اور سارے کے سارے معاملات از سر نو ترتیب پا رہے ہیں، قضا و قدر کا کوئی سلسلہ نہیں ہے۔

حقیقت حال: حق بات یہ ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کو اچھائی یا برائی کو اپنانے کا اختیار دیا ہے، قرآن و حدیث کی کئی نصوص سے یہ بات عیاں ہوتی ہے۔ کائنات میں جو کچھ ہونا تھا، اللہ تعالی نے اپنے قوی علم کی روشنی میں اس کا ریکارڈ تیار کر لیا۔ اگر تقدیر کا مطلب یہ نکالا جائے کہ بندہ نیکی یا بدی کرنے میں مختار نہیں، بلکہ مجبور ہے، تو اللہ تعالی کے عدل و انصاف، حکمت و دانائی، اجر و ثواب، عذاب و عقاب اور جنت و جہنم کے سلسلے کا کیا بنے گا؟

(۲۰۳)۔ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((سَأَلْتُ رَبِّي اللَّاهِينَ فَأَعْطَانِيهِمْ.)) قُلْتُ: وَمَا اللَّاهُونَ؟ قَالَ: ((ذَرَارِي الْبَشَرِ.)) (الصحيحة:۱۸۸۱)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اپنے رب سے ''لَاهِين'' کا سوال کیا، اللہ تعالی نے مجھے وہ عطا کر دیے۔'' میں نے کہا کہ ''لَاهِين'' سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''انسانی بچے۔''

تخريج: رواه المخلص: ۹/ ۲۳۔ والضياء في "المختارة": ۲۲۴/ ۱، وابو يعلى: ۳/ ۱۰۱۴، وابن عساكر: ۱۸/ ۱۱۲/ ۲

فوائد:..... یعنی بشریت کے بچے، جو بالغ ہونے سے پہلے مر جاتے ہیں، وہ جنت میں داخل ہوں گے۔

امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: یہ حدیث ان اہل علم کی دلیل ہے، جو اس بات کے قائل ہیں کہ بلوغت سے پہلے مرنے والے کافروں کے بچے بھی جنت میں جائیں گے۔ یہی مسلک راجح ہے، ہم (ظلال الجنۃ: ۱/ ۹۵) میں اس موضوع پر بحث کر چکے ہیں۔

(۲۰۴)۔ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ سَرِيْعٍ رضی اللہ عنہ، قَالَ: أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَغَزَوْتُ مَعَهُ، فَأَصَبْتُ ظَهْرَ أَفْضَلِ النَّاسِ يَوْمَئِذٍ، حَتّٰى قَتَلُوْا الْوِلْدَانَ۔ وَقَالَ مَرَّةً: الذُّرِّيَّةَ۔ فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ: ((مَابَالُ قَوْمٍ جَاوَزَهُمُ الْقَتْلُ الْيَوْمَ حَتّٰى قَتَلُوْا الذُّرِّيَّةَ؟)) فَقَالَ رَجُلٌ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّمَا

سیدنا اسود بن سریع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ کے ساتھ جہاد کیا، ایک دن میں نے (مخالف لشکر کے) بڑے بڑے لوگوں کو اچانک قتل کیا اور مجاہدین نے ان کے بچوں کو بھی قتل کر دیا۔ جب یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: ''لوگوں کو کیا ہو گیا کہ قتل اپنی حد سے تجاوز کر گیا ہے اور بچوں کو بھی تہ تیغ کر دیا گیا ہے؟'' ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ تو

هُمْ أَوْلَادُ الْمُشْرِكِيْنَ! فَقَالَ: ((أَلَا إِنَّ خِيَارَكُمْ أَبْنَاءُ الْمُشْرِكِيْنَ.)) ثُمَّ قَالَ: ((أَلَا، لَا تَقْتُلُوْا ذُرِّيَّةً، أَلَا لَا تَقْتُلُوْا ذُرِّيَّةً.)) قَالَ: ((كُلُّ نَسَمَةٍ تُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ حَتّٰى يُعْرِبَ عَنْهَا لِسَانُهَا، فَأَبَوَاهَا يُهَوِّدَانِهَا وَيُنَصِّرَانِهَا.)) (الصحيحة:٤٠٢)

مشرکوں کے بچے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں مختار و منتخب لوگ بھی مشرکوں کے بچے ہیں۔'' پھر فرمایا: ''خبردار! بچوں کو قتل نہیں کرنا۔ خبردار! بچوں کو قتل نہیں کرنا، ہر انسان (اسلام کی) فطرت پر پیدا ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس کی زبان وضاحت کر دے، پھر اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہے۔''

تخریج: أخرجه أحمد: ٣/ ٤٣٥، والنسائي في"الكبرى": ٥/ ١٨٤/ ٨٦١٦، والدارمي: ٢/ ٢٢٣، والحاكم: ٢/ ١٢٣، والبيهقي: ٩/ ٧٧

فوائد:...... معلوم ہوا کہ مشرکوں کے بچے، جب تک وہ نابالغ ہوں، فطرتِ اسلام سے متصف ہوتے ہیں۔

بحث: امت مسلمہ اس حقیقت پر متفق و متحد ہے کہ مسلمانوں کے نابالغ بچے جنت میں داخل ہوں گے۔ رہا مسئلہ مشرکین کے مرنے والے نابالغ بچوں کا، تو مذکورہ بالا دو احادیث اور مزید درج ذیل دلائل سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ وہ بھی جنت میں جائیں گے:

(۱) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ (سورۂ بنی اسرائیل: ۱۵) یعنی: ''ہم کسی شخص کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتے، جب تک رسول اس کی طرف رسول نہ بھیج دیں۔

(۲) سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث بیان کرتے ہیں، اس میں آپ ﷺ نے اپنا ایک خواب بیان کیا، اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''فرشتوں نے مجھے کہا: دراز قد آدمی، جو آپ نے خوبصورت باغ میں دیکھے تھے، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور ان کے ارد گرد وہ تمام بچے تھے، جو فطرت پر فوت ہوئے۔'' کسی مسلمان نے آپ ﷺ سے پوچھا: کیا مشرکوں کے بچے بھی تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اور مشرکوں کے بچے بھی تھے۔'' (بخاری: ۷۰۴۷) یہ اس موضوع پر انتہائی واضح نص ہے، اس کا نسخ بھی ممکن نہیں ہے۔

(۳) خنسا بن معاویہ اپنے پھوپھو سے بیان کرتی ہیں، وہ کہتی ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! جنت میں کون ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَلنَّبِيُّ فِي الْجَنَّةِ، وَالشَّهِيْدُ فِي الْجَنَّةِ، وَالْمَوْلُوْدُ فِي الْجَنَّةِ.)) (مسند احمد) یعنی: ''نبی جنت میں ہوگا، شہید جنت میں ہوگا اور نابالغ بچہ جنت میں ہوگا۔''

یہ حدیث مبارکہ بھی عام ہے، جو تمام بچوں کو شامل ہے۔

ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کے مرنے والے نابالغ بچے جنت میں داخل ہوں گے۔ امام بخاری، امام نووی، حافظ ابن حجر، امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے۔ جن احادیث میں آپ ﷺ نے مشرکوں

کے بچوں کے بارے میں توقف کا اظہار کیا، اِن علمائے اسلام نے ان احادیث کو اس مسئلہ کی حقیقت کی وضاحت سے پہلے پر محمول کیا۔ بعد میں آپ ﷺ نے خود وضاحت کر دی کہ وہ جنت میں ہی داخل ہوں گے۔

لیکن درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بچوں کا دوبارہ امتحان ہوگا:

سیدنا انس بن مالک، سیدنا ابوسعید خدری، سیدنا معاذ بن جبل، سیدنا اسود بن سریع اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يُؤْتٰى بِاَرْبَعَةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: بِالْمَوْلُوْدِ، وَبِالْمَعْتُوْهِ، وَبِمَنْ مَاتَ فِي الْفَتْرَةِ، وَالشَّيْخِ الْفَانِيْ، كُلُّهُمْ يَتَكَلَّمُ بِحُجَّتِهِ، فَيَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لِعُنُقٍ مِنَ النَّارِ: اَبْرِزْ، فَيَقُوْلُ لَهُمْ: اِنِّيْ كُنْتُ اَبْعَثُ اِلٰى عِبَادِيْ رُسُلاً مِنْ اَنْفُسِهِمْ، وَاِنِّيْ رَسُوْلُ نَفْسِيْ اِلَيْكُمْ، اُدْخُلُوْا هٰذِهِ فَيَقُوْلُ مَنْ كُتِبَ عَلَيْهِ الشَّقَاءُ: يَارَبِّ! اَيْنَ نَدْخُلُهَا وَمِنْهَا كُنَّا نَفِرُّ؟ قَالَ: وَمَنْ كُتِبَ عَلَيْهِ السَّعَادَةُ يَمْضِيْ فَيَقْتَحِمُ فِيْهَا مُسْرِعًا، قَالَ: فَيَقُوْلُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: اَنْتُمْ لِرُسُلِيْ اَشَدُّ تَكْذِيْبًا وَمَعْصِيَةً، فَيَدْخُلُ هٰؤُلَاءِ الْجَنَّةَ، وَهٰؤُلَاءِ النَّارَ.)) (مسند ابی یعلی: ٣/ ١٠٤٤، مسند البزار: صـ ٢٣٢، المعجم الاوسط، المعجم الكبير، الصحيحة: ٢٤٦٨)

یعنی: ”روزِ قیامت اِن چار افراد کو لایا جائے گا: بچہ، مجنون، دو رسولوں کے درمیانی وقفے میں مرنے والا اور بہت بوڑھا۔ ان میں سے ہر کوئی اپنی اپنی دلیلیں پیش کرے گا، اللہ تعالی آگ کی گردن (یعنی لپٹ) سے فرمائے گا: نمایاں ہو، پھر اللہ تعالی فرمائے گا: میں اپنے بندوں کی طرف ان میں سے رسول بھیجتا رہا اور اب میں تم لوگوں کے لیے اپنا قاصد خود ہوں اور کہتا ہوں کہ (سب کے سب) اس آگ میں داخل ہو جاؤ۔ بدبخت لوگ کہیں گے: اے ہمارے ربّ! ہم اس میں کیسے داخل ہوں، ہم تو اس سے دور بھاگتے تھے؟ سعادت مند لوگ (اللہ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے) چل پڑیں گے اور اس میں جلدی جلدی اور زبردستی گھسیں گے۔ اتنے میں اللہ تعالی فرمائے گا: تم (آگ میں داخل نہ ہونے والے بدبخت) لوگ میرے رسولوں کو جھٹلانے اور اس کی نافرمانی کرنے میں بڑے دلیر ہوتے۔ اب یہ جنت میں داخل ہوں گے اور یہ آگ میں۔“

امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث میں مذکورہ بچے سے مراد وہ ہے، جس کے والدین کافر ہوں۔ (صحیحہ: ٥/ ٦٠٥) کیونکہ بالاتفاق مسلمانوں کی بچے جنت میں داخل ہوں گے۔

میں نے پاکستان کے ایک محقق عالمِ دین کے سامنے مذکورہ بالا بحث اور یہ حدیث رکھی اور جمع و تطبیق کا سوال کیا، انھوں نے کہا: جن احادیث میں مشرکوں کے نابالغ بچوں کے جنتی ہونے کا ثبوت ملتا ہے، ان سے مراد وہ بچے ہیں، جو حشر کے میدان میں ہونے والے امتحان میں کامیاب ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کبیرہ گناہوں کی تین اقسام

(۲۰۵)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ: أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا الْكَبَائِرُ؟ قَالَ: ((اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ، وَالْإِيَاسُ مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ، وَالْقُنُوْطُ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ.))

(الصحيحة: ۲۰۵۱)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! کبیرہ گناہ کون سے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ شرک کرنا، اللہ کی شفقت سے ناامید ہونا اور اس کی رحمت سے مایوس ہونا۔''

تخریج: رواه البزار في "مسنده": صـ ۱۸ ـ زوائده

فوائد: ...... کبیرہ گناہ: ہر وہ گناہ جس کو شریعت میں ہی کبیرہ قرار دیا گیا ہو، یا جس پر اللہ تعالیٰ نے آخرت میں عذاب، غضب اور لعنت کی دھمکی دی ہو، یا جس پر دنیا میں حد لاگو ہوتی ہو، یا جس سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہو یا جس کے مرتکب کو فاسق قرار دیا گیا ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن گناہوں کو بالنص کبائر میں شمار کیا ہے، ان میں سے تین کا ذکر اس حدیث مبارکہ میں ہے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی نعمت میں تاخیر کرنے یا اپنے گناہوں پر مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

انسان دو طرح سے ناامید ہو سکتا ہے: (۱) اپنے گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے ناامیدی اور (۲) اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاخیر کی وجہ سے اس کی نعمت سے مایوسی۔

گنہگار کو چاہیے کہ وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت سے مایوس نہ ہو جائے، بلکہ گناہوں سے باز آ کر سچے دل سے توبہ کرے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (زمر: ۵۳)...... ''(میری جانب سے) کہہ دیجئے: اے میری بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، بیشک اللہ تعالیٰ سارے گناہ بخش دیتا ہے، واقعی وہ تو بڑا بخشنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

متنبہ رہنا چاہیے کہ گناہ کرنا بھی جرم ہے اور اس کی بنا پر ناامید ہو جانا اور توبہ نہ کرنا اس سے بڑا جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بخشش سے ناامید نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ گناہ پہ گناہ کرتا جائے، اس کا مطلب یہ ہے کہ گنہگار اپنے گزشتہ گندے کردار کی وجہ سے حوصلہ نہ ہارے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جستجو میں رہے اور اس کے حصول کے اسباب تک رسائی حاصل کرے۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ قانون ذہن رکھنا چاہیے کہ اس کے در میں دیر ہو جاتی ہے، اندھیر نہیں ہوتی۔ اس لیے بارش کے نہ ہونے، اولاد کے نہ ہونے، شفا نہ ملنے اور بظاہر دعا قبول نہ ہونے جیسے عوامل سے متاثر ہو کر اللہ تعالیٰ کی

ذات سے ناامید نہیں ہو جانا چاہیے، بلکہ صبر سے کام لیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا انتظار کرنا چاہیے، کیونکہ ان امور میں اللہ تعالیٰ کا مقصد صبر و شکر کے پہلو کو اجاگر کرنا ہے۔

بندے کی مایوسی پر اللہ تعالیٰ کا ہنسنا

(٢٠٦)۔ عَنْ أَبِي رَزِيْنٍ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((ضَحِكَ رَبُّنَا عَزَّوَجَلَّ مِنْ قُنُوطِ عِبَادِهِ، وَقُرْبِ غِيَرِهِ.)) فَقَالَ أَبُوْرَزِيْنٍ: أَوَ يَضْحَكُ الرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ؟ قَالَ: ((نَعَمْ)) فَقَالَ: ((لَنْ نَعْدِمَ مِنْ رَبٍّ يَضْحَكُ خَيْرًا.)) (الصحيحة: ٢٨١٠)

وَفِي طَرِيقٍ: ((وَعَلِمَ اللّٰهُ يَوْمَ الْغَيْثِ يُشْرِفُ عَلَيْكُمْ. أَزِلِيْنَ مُشْفِقِيْنَ فَيَظَلُّ يَضْحَكُ، قَدْ عَلِمَ أَنَّ غِيَرَكُمْ إِلَى قُرْبٍ.))

سیدنا ابورزین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمارا رب بندوں کی ناامیدی اور اپنی طرف سے حالات کے تبدیل ہونے کے قریب ہونے پر ہنستا ہے۔'' سیدنا ابورزین نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ بھی ہنستے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جی ہاں۔'' پھر فرمایا: ''جو رب ہنستا ہو، ہم اس کے ہاں خیر و بھلائی کو مفقود نہیں پا سکتے۔'' اور ایک روایت میں ہے: ''اور اللہ تعالیٰ کو بارش والے دن کا علم ہوتا ہے، وہ تم پر جھانکتا ہے. اس حال کہ تم پریشان حال، (ناامید) اور ڈرنے والے ہوتے ہو، پس وہ ہنسنے لگتا ہے، تحقیق وہ جانتا ہے تمہارے (تنگ) حالات کا (خوشحالی میں) تبدیل ہونا قریب ہے۔''

تخريج: أخرجه الطيالسي في "مسنده": ١٠٩٢، وأحمد: في "المسند": ٤/ ١٢، وابن ماجه: ١٨١، والبيهقي في "الاسماء و الصفات": صـ ٤٧٣

فوائد:...... جب کسی انسان کی بدحالی اور تنگ حالی میں اضافہ ہوتا رہے اور بظاہر حالات کے سنورنے کی کوئی کرن نظر نہ آ رہی ہو تو وہ ناامید سا ہو کر عجیب عجیب سی باتیں کرنے لگتا ہے۔ ایک آدمی کی ایک بیوی اور چار پانچ بچے تھے، اس پر ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی بیمار رہتا تھا، علاج معالجے پر رقم زیادہ خرچ ہوتی تھی، جبکہ تنخواہ کم تھی، تو وہ ایک دن کہنے لگا کہ بیماریوں میں مبتلا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو میرا گھر ہی ملا ہوا ہے۔ جب انسان بارش کے لیٹ ہونے پر اس قسم کے تصورات سے گزر رہا ہوتا ہے کہ اس کی فصل تباہ ہونے لگی ہو، جانوروں پر قحط کی وجہ سے بیماری غالب آ رہی ہو، جبکہ بظاہر بارش کے کوئی امکان نظر نہ آ رہے ہوں، تو اس وقت اس پر ناامیدی کی کیفیت چھا رہی ہوتی ہے اور وہ اپنے مستقبل کے بارے میں پریشان نظر آ رہا ہوتا ہے، جبکہ دس بارہ گھنٹوں یا مختصر وقت کے بعد ایسی بارش نے نازل ہونا ہوتا ہے جو اس کے لیے زمین سے خزانے اگل دے گی۔ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ مسکرا رہے ہوتے ہیں کہ اس کا بندہ کیا سوچ رہا ہے اور آئندہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابوالحسن سندھی رحمہ اللہ نے سنن ابن ماجہ پر اپنے حاشیے میں کہا: ''غِيَــرِہ'' میں ''ہ'' ضمیر کا

مرجع اللہ تعالی کی ذات ہے۔ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی اس بات پر ہنستا ہے کہ اس بندہ کا جب آزمائش میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ جلد ہی خیر و عافیت سے مایوس ہو جاتا ہے، یعنی بیمار ہونے کی صورت میں شفا سے اور پریشانیوں میں مبتلا ہونے کی صورت میں فرحت و مسرّت سے ناامید ہو جاتا ہے، جبکہ اس کی آزمائش کا ختم ہونا، بیماریوں سے شفا ملنا اور بدحالی کا خوشحالی میں تبدیل ہونا قریب ہوتا ہے۔ اس حدیث کی اس تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کے ہنسنے سے مراد ہنسنا ہی ہے، نہ کہ رضامند ہونا۔

ابورزین رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب بیان کرتے ہوئے جناب سندھی رحمہ اللہ کہتے ہیں: جو ربّ ہنسنے جیسی صفت سے متصف ہو، اس کے پاس خیر و بھلائی سے محروم نہیں رہا جا سکتا ہے، بلکہ جب بھی خیر و بھلائی کی ضرورت پڑے گی، تو اللہ تعالی کے پاس مل جائے گی۔ پس جب ہم اللہ تعالی کے دربار میں فاقے کا اظہار کریں گے تو وہ ہنسے گا اور پھر عطا کر دے گا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ''ہنسنا'' اللہ تعالی کی صفت ہے، جیسے اس کے شان و جلال کے لائق ہے۔ اشاعرہ نے اس حدیث کی بلادلیل تأویل کی اور کہا کہ ہنسنے سے مراد رضامندی ہے، لیکن ان کی بات بلادلیل ہے۔ (صحیحہ: ۲۸۱۰) ہنسی اور رضامندی دونوں اللہ تعالی کی صفات ہیں، جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔

نجاشی مسلمان تھا

(۲۰۷)۔ عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه قَالَ: لَمَّا جَاءَ نَعْيُ النَّجَاشِي، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((صَلُّوْا عَلَيْهِ.)) قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! نُصَلِّي عَلٰى عَبْدٍ حَبَشِيٍّ لَيْسَ بِمُسْلِمٍ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَن يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خَاشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَايَشْتَرُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾.)) (الصحيحة: ٣٠٤٤)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نجاشی کی فوتگی کی خبر موصول ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی نماز جنازہ ادا کرو۔'' صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! حبشی آدمی، جو مسلمان نہیں تھا، کی نماز جنازہ کیسے پڑھیں؟ اللہ تعالی نے جوابًا یہ آیت نازل فرمائی: ﴿یقیناً اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالی پر ایمان لاتے ہیں اور تمھاری طرف جو اتارا گیا ہے اور ان کی جانب جو نازل ہوا اس پر بھی اللہ تعالی سے ڈرتے ہیں اور اللہ تعالی کی آیتوں کو تھوڑی تھوڑی قیمت پر بیچتے بھی نہیں ہیں۔﴾ (سورۂ آلِ عمران: ۱۹۹)

تخريج: أخرجه النسائي في "السنن الكبرى": ٦/ ٣١٩/ ١١٠٨٨ من طريق أبي بكرابن عياش، والبزار في "مسنده": ١/ ٣٩٢/ ٨٣٢، والواحدي في "أسباب النزول": صـ ١٠٤، و الدارقطني في "الأفراد": ج ٣ رقم ٣٦۔ منسوختي، وأخرج الطبراني في "الاوسط": ١/ ١٥٠/ ١/ ٢٨٢٦ نحوه

فوائد: ...... یہ نجاشی وہی شاہِ حبشہ ہے، جو ایک انصاف پسند حکمران تھا اور اس کے پاس کسی پر ظلم نہیں ہوتا تھا۔

مکی دور کی بات ہے، آپ ﷺ نے مشرکوں کے ظلم وستم سے تنگ آ کر مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ مسلمانوں نے دو دفعہ اس حکم پر عمل کیا، پہلی بارہ مردوں اور چار عورتوں نے اور دوسری دفعہ بیاسی مردوں اور اٹھارہ عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ نجاشی ان مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا۔

اس آیت میں اہل کتاب کا ذکر ہے، جن کو آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کا شرف حاصل ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا بندے سے قرضہ مانگنا

(۲۰۸)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: إِسْتَقْرَضْتُ عَبْدِيْ فَلَمْ يُقْرِضْنِيْ وَشَتَمَنِيْ عَبْدِيْ وَهُوَ لَا يَدْرِيْ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَلَا يَنْبَغِيْ لَهُ شَتْمِيْ۔ يَقُوْلُ: وَا دَهْرَاه! ۔ ثلاثًا۔ وَأَنَا الدَّهْرُ .)) (الصحيحة:٣٤٧٧)

سیدنا ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے اپنے بندے سے قرضے کا سوال کیا، لیکن اس نے مجھے قرضہ نہیں دیا اور میرا بندہ مجھے لاشعوری کیفیت میں گالی دے رہا ہوتا ہے، حالانکہ اسے یہ زیب نہیں دیتا۔ وہ کہتا ہے: ہائے! افسوس زمانے پر، ہائے! افسوس زمانے پر، ہائے! افسوس زمانے پر، جبکہ میں (اللہ) زمانہ ہوں۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "خلق أفعال العباد": صـ ٥٧، والحاكم في "المستدرك": ١/ ١٨ و ٢/ ٤٥٣، وابن جرير الطبرى في "التفسير": ٢٥/ ٩٢، وأحمد: ٢/ ٣٠٠ و ٥٠٦، وأبويعلي: ١١/ ٣٥٣/ ٦٤٦٦، وقد جاء الحديث فى "الصحيحين" و غيرهما من طرق اخرى عن ابى هريرة بالفاظ مختلفة

فوائد:...... اس حدیث مبارکہ کے پہلے جملے کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے، سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَاابْنَ آدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِي قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اَعُودُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِى فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ عُدْتَهُ لَوَجَدْتَنِى عِنْدَهُ يَا ابْنَ آدَمَ اسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِي قَالَ يَا رَبِّ وَكَيْفَ اُطْعِمُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّهُ اسْتَطْعَمَكَ عَبْدِى فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ اَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَ ذٰلِكَ عِنْدِى يَا ابْنَ آدَمَ اسْتَسْقَيْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِى قَالَ يَارَبِّ كَيْفَ اَسْقِيكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ اسْتَسْقَاكَ عَبْدِى فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِهِ اَمَا اِنَّكَ لَوْ سَقَيْتَهُ وَجَدْتَ ذٰلِكَ عِنْدِى .))(مسلم: ٢٥٦٩)

یعنی: ''بے شک اللہ تعالیٰ روز قیامت فرمائے گا: اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا، لیکن تو نے میری عیادت نہیں کی۔ انسان کہے گا: اے میرے رب! میں کیسے تیری عیادت کرتا جب کہ تو تمام جہانوں کا پروردگار ہے؟ اللہ فرمائے گا: کیا تجھے علم نہیں تھا کہ میرا فلاں بیمار ہوا، لیکن تو نے اس کی بیمار پرسی نہیں کی۔ کیا تجھے علم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو

یقیناً مجھے اس کے پاس پاتا (یعنی میری رضا تجھے حاصل ہو جاتی)۔ اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا لیکن تو نے مجھے نہیں کھلایا تھا۔ بندہ کہے گا: اے میرے رب! میں تجھے کس طرح کھانا کھلاتا جب کہ تو تو تمام جہانوں کا پالن ہار ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا، لیکن تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا تھا۔ کیا تجھے علم نہیں تھا کہ اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو یقیناً اس (کے اجر و ثواب کو) میرے پاس پاتا۔ اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے پانی طلب کیا تھا، لیکن تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ وہ کہے گا: اے میرے رب! میں تجھے کیسے پانی پلاتا تو تو تمام جہانوں کا رب ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا، مگر تو نے اسے پانی نہیں پلایا۔ کیا تجھے یہ علم نہ تھا کہ اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو یقینا اس (کے اجر و ثواب) کو میرے پاس پا لیتا۔''

معلوم ہوا کہ بندے کی ضرورت کی اتنی اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی ذات کی طرف منسوب کر رہا ہے۔ یہی معاملہ قرض کا ہے، ہمیں چاہیے کہ استطاعت کے مطابق حاجتمندوں کی ضرورتیں پوری کریں۔

زمانے کو برا بھلا کہنے سے اللہ تعالیٰ کو گالی دینا کیسے لازم آتا ہے، عنوان ''زمانے کو گالی کو دینا منع ہے'' میں اس موضوع پر بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں بندے کی مرتبتِ عالیہ

(۲۰۹)۔ عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((یَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مَنْ عَمِلَ حَسَنَةً فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا أَوْ أَزِيْدُ، وَمَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَجَزَاءُ هَا مِثْلُهَا أَوْ أَغْفِرُ، وَمَنْ عَمِلَ قُرَابَ الْأَرْضِ خَطِيْئَةً، ثُمَّ لَقِيَنِيْ لَايُشْرِكُ بِيْ شَيْئًا جَعَلْتُ لَهُ مِثْلَهَا مَغْفِرَةً، وَمَنِ اقْتَرَبَ إِلَيَّ شِبْرًا اِقْتَرَبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَمَنِ اقْتَرَبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا اِقْتَرَبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا، وَمَنْ أَتَانِيْ يَمْشِيْ أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً.)) (الصحيحة:۵۸۱)

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: جس نے ایک نیکی کی، اسے دس گنا یا اس سے بھی زیادہ اجر و ثواب عطا کروں گا اور جس نے ایک برائی کی تو ایک برائی کا ہی بدلہ دوں گا یا وہ بھی معاف کر دوں گا۔ جو زمین کے لگ بھگ گناہ کرنے کے بعد مجھے اس حالت میں ملے کہ اس نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا رکھا ہو تو میں اسے اتنی ہی مغفرت عطا کر دوں گا۔ جو ایک بالشت میرے قریب ہو گا میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوں گا، جو ایک ہاتھ میرے قریب ہو گا میں دو ہاتھوں کے پھیلاؤ کے بقدر اس کے قریب ہوں گا اور جو میری طرف چل کر آئے گا میں اس کی طرف لپک کر جاؤں گا۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ۸/ ۶۷، وابن ماجه: ۳۸۲۱، وأحمد: ۵/ ۵۳، ۱۶۹، واللفظ له، والطيالسي: ۶۲/ ۴۶۴

فوائد: ......اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت "شَكُور" (قدر دان، منعم، محسن) کا ذکر ہے کہ جب اس کے بندے اس کی اطاعت کرتے ہیں تو احسن انداز میں ان کی انعام و تکریم کی جاتی ہے۔

نیز اس میں گناہوں کی بخشش طلب کرنے کی فضیلت اور شرک کرنے کی مذمت کا بیان ہے۔

آپ ﷺ کو دیکھے بغیر آپ پر ایمان لانے والوں کی فضیلت

(۲۱۰)۔ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْجُهَنِيِّ رضي الله عنه ، بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ طَلَعَ رَاكِبَانِ، فَلَمَّا رَآهُمَا قَالَ: ((كِنْدِيَّانِ مَذْحَجِيَّانِ.)) حَتّٰى أَتَيَاهُ، فَإِذَا رِجَالٌ مِنْ (مَذْحَج) قَالَ: فَدَنَا إِلَيْهِ أَحَدُهُمَا لِيُبَايِعَهُ، قَالَ: فَلَمَّا أَخَذَ بِيَدِهِ قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ مَنْ رَآكَ فَآمَنَ بِكَ وَصَدَّقَكَ وَاتَّبَعَكَ مَاذَا لَهُ؟ قَالَ: ((طُوْبٰى لَهُ)) قَالَ: فَمَسَحَ يَدَهُ فَانْصَرَفَ۔ ثُمَّ أَقْبَلَ الْآخَرُ حَتّٰى أَخَذَ بِيَدِهِ لِيُبَايِعَهُ، قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ مَنْ آمَنَ بِكَ وَصَدَّقَكَ وَاتَّبَعَكَ، وَلَمْ يَرَكَ؟ قَالَ: ((طُوْبٰى لَهُ، ثُمَّ طُوْبٰى لَهُ ثُمَّ طُوْبٰى لَه)) قَالَ: فَمَسَحَ عَلٰى يَدِهِ فَانْصَرَفَ۔ (الصحيحة: ۳٤۳۲)

سیدنا ابو عبد الرحمن جہنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ہمیں دو سوار دکھائی دیئے۔ جب آپ ﷺ نے انھیں دیکھ کر فرمایا: ''یہ دو کندی باشندے ہیں اور مذحجی قبیلے سے ان کا تعلق ہے۔'' وہ دونوں آپ کے پاس پہنچ گئے، واقعی وہ مذحج قبیلے کے آدمی تھے۔ ان میں سے ایک بیعت کرنے کے لئے آپ کے قریب ہوا۔ جب آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا تو اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! جو آدمی آپ کا دیدار کرے، آپ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کرے اور آپ کی پیروی کرے، اسے کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کے لئے خوشخبری ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے اس پر اپنا ہاتھ پھیرا اور وہ پیچھے ہٹ گیا۔ پھر دوسرا آگے بڑھا، جب آپ نے بیعت لینے کے لئے اس کا ہاتھ پکڑا تو اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! جو آدمی آپ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کرے، آپ کی اطاعت کرے، لیکن دیدار نہ کر سکے تو اسے کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کے لئے خوشخبری ہے، پھر خوشخبری ہے، پھر خوشخبری ہے۔'' پھر آپ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ پھیرا اور وہ پیچھے ہٹ گیا۔

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ١٥٢، والبزار: ٣/ ٢٩٠/ ٢٧٦٩

فوائد: ...... نبی کریم ﷺ کو دیکھے بغیر آپ پر ایمان لانا ایسی جزوی افضیلت ہے، جس میں آپ ﷺ کو دیکھے بغیر آپ پر ایمان لانے والوں کی ان لوگوں پر برتری بیان کی گئی ہے، جو آپ ﷺ کو دیکھ کر ایمان لائے۔ لیکن یہ فضیلت جزوی ہے، کلی نہیں ہے، کلی اعتبار سے صحابہ کرام افضل ہیں۔

اچھا شگون لینا

(۲۱۱)۔ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ رضي الله عنه قَالَ: أَتَيْتُ

سیدنا ابو بردہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس

عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فَقُلْتُ: يَا أُمَّاهُ! حَدِّثِيْنِي بِشَيْءٍ سَمِعْتِهِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((الطَّيْرُ تَجْرِيْ بِقَدَرٍ.))وَكَانَ يُعْجِبُهُ الْفَالُ الْحَسَنُ۔ (الصحيحة:٨٦٠)

آیا اور کہا: امی جان! مجھے کوئی حدیث بیان کرو، جو تم نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو۔ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پرندہ (کسی کی قسمتوں کے فیصلے نہیں کرتا بلکہ) اپنی تقدیر کے مطابق اڑتا ہے۔'' اور آپ کو اچھی فال پسند تھی۔

تخريج:أخرجه الحاكم: ١/ ٣٢، وأحمد: ٦/ ١٢٩۔ ١٣٠، وابن أبي عاصم في"السنة" ٢٥٤، والبزار: ٣/ ٢٨، وابن عدي: ٩٩/ ١، والسهمي في"تاريخ جرجان": ٣٥٧

(٢١٢)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: كَانَ ﷺ لَايَتَطَيَّرُ مِنْ شَيْءٍ وَكَانَ إِذَا بَعَثَ عَامِلاً سَأَلَ عَنْ اسْمِهِ فَإِذَا أَعْجَبَهُ اسْمُهُ فَرِحَ بِهِ، وَرُؤِيَ بِشْرُ ذٰلِكَ فِي وَجْهِهِ وَإِنْ كَرِهَ اسْمَهُ رُؤِيَ كَرَاهِيَةُ ذٰلِكَ فِي وَجْهِهِ، وَإِذَا دَخَلَ قَرْيَةً سَأَلَ عَنِ اسْمِهَا، إِنَّ أَعْجَبَهُ اسْمُهَا فَرِحَ بِهَا وَرُءِيَ بِشْرُ ذٰلِكَ فِي وَجْهِهِ وَإِنْ كَرِهَ اسْمَهَا رُؤِيَ كَرَاهِيَةُ ذٰلِكَ فِي وَجْهِهِ۔ (الصحيحة: ٧٦٢)

عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہما اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کسی چیز سے بدشگونی اور بری فال نہیں لیتے تھے، لیکن جب کسی کو عامل بنا کر کہیں بھیجنے کا ارادہ کرتے تو اس کا نام پوچھتے۔ اگر اس کا نام پسند آ جاتا تو اس کے ساتھ خوش ہو جاتے اور خوشی کے آثار آپ کے چہرے میں نظر آتے اور اگر اس کا نام آپ کو ناپسند ہوتا تو (کراہت کے علامتیں) چہرے میں دکھائی دیتیں۔ اسی طرح جب کسی گاؤں میں داخل ہوتے تو اس کا نام پوچھتے، اگر اس کا پسندیدہ نام ہوتا تو آپ خوش ہو جاتے اور خندہ روئی کے آثار نظر آنے لگتے اور اگر ناپسندیدہ نام ہوتا تو چہرے پر ناپسندیدگی کی نشانیاں دکھائی دیتی تھیں۔

تخريج: أخرجه أبوداود: ٢/ ٧٥٩، وابن حبان: ١٤٣٠، وتمام في"الفوائد": ١٠٩/ ٢، وأحمد: ٥/ ٣٤٧، ٣٤٨، وابن أبي خيثمة في"التاريخ": ١٩، وابن عساكر: ٢/ ١٣٦/ ١

(٢١٣)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَرْفُوْعاً: ((لَاعَدْوٰى، وَلَا طِيَرَةَ، وَأُحِبُّ الْفَأْلَ الصَّالِحَ.)) (الصحيحة:٧٨٧)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی بیماری متعدی نہیں، نہ فالِ بد کوئی چیز ہے، البتہ مجھے نیک فال پسند ہے۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٧/ ٣٣، وأحمد: ٢/ ٥٠٧

(٢١٤)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ ﷺ لَايَتَفَاءَلُ وَلَا يَتَطَيَّرُ، وَيُعْجِبُهُ الْإِسْمُ

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ اچھا شگون لیتے تھے نہ بری فال، البتہ اچھا نام آپ کو پسند تھا۔

الْحَسَنُ۔ (الصحيحة:٧٧٧)

تخريج: أخرجه أحمد: ١/ ٢٥٧، ٣٠٣، ٣٠٤، ٣١٩، وأبو الشيخ في "الأخلاق": صـ ٢٦٨، والبغوى في "السنة": ١٢/ ١٧٥/ ٣٢٥٤، وابوداود الطيالسى: ٢٦٩٠

فوائد:...... دورِ جاہلیت میں بعض اسباب کے ذریعے سے نیک شگونی یا بدشگونی لینا عام تھا، مثلا سفر کا ارادہ کرنے والا کسی پرندے کو اڑاتا، اگر وہ دائیں جانب اڑ جاتا، تو وہ اسے سفرِ بخیر کی علامت سمجھتے ہوئے سفر شروع کر دیتا، اور اگر وہ پرندہ بائیں جانب اڑ جاتا تو وہ اسے منحوس سفر کی علامت سمجھ کر اپنا ارادہ ترک کر دیتا۔ کئی اور علامتیں بھی مقرر تھیں۔ یہ سب امور ممنوع اور حرام ہیں۔ محض کسی بات کے اتفاقیہ طور پر صحیح نکل آنے سے ان تمام خرافات کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ جلبِ مفعت یا دفعِ مضرت میں ان چیزوں کی کوئی تاثیر نہیں۔ یہ سب ظن و تخمین اور اٹکل پچو باتیں ہیں، جن پر اعتبار اور اعتماد کرنا جہالت، گمراہی اور توہم پرستی ہے۔

لیکن شریعت نے اچھی بات سن کر اچھا شگون لینے کو جائز قرار دیا ہے، جس کی بنا پر انسان اللہ تعالی سے حسنِ ظن قائم کر لیتا ہے، جو ایک مستحسن امر ہے، جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا عَدْوٰی وَلَا طِيَرَةَ وَيُعْجِبُنِيَ الْفَأْلُ .)) یعنی: ''نہ کوئی بیماری متعدی ہے اور نہ کوئی بدشگونی (کی حقیقت ہے)، لیکن مجھے ''نیک فال'' اچھی لگتی ہے۔'' صحابہ نے پوچھا: ''فال'' کیا ہوتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((كَلِمَةٌ طَيِّبَةٌ .)) یعنی: ''اچھی بات (کا سننا اور اس سے خیر کی امید وابستہ کر لینا)۔ (بخاری، مسلم)

ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک فال کو ((اَلْكَلِمَةُ الْحَسَنَةُ .)) فرمایا، جس پر امام کرمانی رحمہ اللہ نے لکھا: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی نے فطرت میں نیک فال کی محبت رکھ دی ہے، جیسا کہ خوش کن منظر اور صاف پانی کو دیکھنے سے راحت محسوس ہوتی ہے، اگرچہ اس پانی کو استعمال نہ کیا ہو۔ (عون المعبود)

مثال کے طور پر کوئی شخص کسی جائز کاروبار یا سفر کا ارادہ کرتا ہے، اس کا ہر دوست بالخصوص نیک بزرگ اس کے اس اقدام کو سراہتے ہیں، اس کے لیے دعائے خیر کرتے ہیں اور اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں یا اس کام کے لئے استعمال ہونے والے تمام اسباب بآسانی میسر ہو جاتے ہیں۔ وہ ان تمام امور سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا یہ کام اللہ تعالی کو پسند ہے، نتیجتاً وہ اللہ تعالی کے بارے میں حسنِ ظن قائم کر لیتا ہے، اس کو اچھا شگون کہتے ہیں، بہرحال مستقبل میں اسے اللہ تعالی کی طرف سے کسی قسم کی آزمائش کا خطرہ بھی رہتا ہے۔ معلوم ہوا کہ نیک شگون محض حسنِ ظن کا دوسرا نام ہے، نہ کہ مستقبل میں خطرات کے ٹل جانے کی گارنٹی۔

مسلمان کا شیوہ اچھی فال لینا ہے، نہ کہ بری فال لینا، اس لئے جب کوئی مسلمان کسی جائز کام کا عزم کر لیتا ہے تو کوئی بدشگونی اسے اس سے نہیں روکتی، کیونکہ اس کا یہ پختہ عقیدہ ہوتا ہے کہ نفع و نقصان کے معاملات میں حقیقی مؤثر صرف اللہ تعالی ہے۔ دراصل اچھی فال لینے کو مستحسن قرار دے کر پسِ پردہ اس امر کی بھی ترغیب دلائی گئی ہے کہ ہر مسلمان کو

دوسرے مسلمانوں اور ان کے جائز اقدامات کے بارے میں اچھی بات کہنی چاہئے اور اچھی بات ہی سننی چاہئے، جس سے لوگ نیک فال اخذ کریں اور ایسی بات کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے جس سے لوگ کراہت محسوس کریں اور اس سے ان کے دلوں میں بدفالی کا اندیشہ پیدا ہو۔

واضح ہو گیا ہے کہ مسلمان بدشگونی اور بد فالی لیتے ہوئے اپنے عزم کو منحوس نہیں سمجھتا، بلکہ مستقبل کے امور اور نفع و نقصان کو اللہ تعالی کے سپرد کر کے اپنے ارادے کی عملی تکمیل کی طرف گامزن رہتا ہے، یہ بات ذہن نشین رہے بسا اوقات بدشگونی پر مشتمل فرسودہ خیالات کسی کو اپنے گھیراؤ میں لے سکتے ہیں، لیکن اسے اللہ تعالی پر بھروسہ کرتے ہوئے ان کو اپنے دل و دماغ سے اتار پھینک دینا چاہئے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((ذَالِكَ شَيْءٌ يَجِدُوْنَهُ فِيْ صُدُوْرِهِمْ، فَلَا يَصُدَّهُمْ .)) (مسلم) یعنی: ”یہ (بدشگونی) ایسی چیز ہے جسے لوگ اپنے سینوں میں محسوس کرتے ہیں، لیکن یہ ان کو اپنے کاموں (اور منصوبوں) سے نہ روکنے پائے۔“

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بات سنی، وہ آپ ﷺ کو بڑی پسند آئی، سو آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَخَذْنَا فَأْلَكَ مِنْ فِيْكَ .)) (صحیحہ: ۷۲۶)

یعنی: ”ہم نے تیرے نیک شگون کو معتبر سمجھا ہے۔“

وضاحت نہیں ہے کہ یہ بات کس امر کے بارے میں تھی، البتہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ”اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُعْجِبُهُ إِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهِ اَنْ يَسْمَعَ: يَا رَاشِدُ يَا نَجِيْحُ .“ (ترمذی) یعنی: جب آپ ﷺ کسی حاجت کے سلسلہ میں نکلتے تو پسند کرتے کہ (اپنے اس خروج کے بارے میں لوگوں سے یہ کہتے ہوئے) سنیں: اے راہ مستقیم کو پانے والے! اے (اپنی حاجت میں) کامیاب ہونے والے۔

یعنی آپ ﷺ کی یہ تمنا ہوتی کہ کوئی آدمی آپ کی اس تگ و دو کو سراہے اور آپ کو آپ کی حاجت پوری ہونے کا مژدہ سنائے۔

بدشگونی لینا منع ہے

(۲۱۵)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ وَمَا مِنَّا إِلَّا ...... وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ .)) (الصحیحۃ: ۴۲۹)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”برا شگون شرک ہے اور ہم میں سے جو بھی ہے اللہ تعالی توکل کے ذریعے اس چیز کو ختم کر دیتا ہے۔“

تخریج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ۹۰۹، وأبوداود: ۲/ ۱۵۸، والترمذي: ۱/ ۳۰۴۔ طبع بولاق، وابن ماجه: ۲/ ۳۶۲، والطحاوي: ۲/ ۳۸۰، وفي "المشكل": ۲/ ۳۰۴، وابن حبان: ۱۴۲۷، والحاكم: ۱/ ۱۷/ ۱۸، وأحمد: ۱/ ۳۸۹، ۴۳۸، ۴۴۰

فوائد: ...... پچھلے باب میں بدشگونی کی وضاحت ہو چکی ہے۔

(٢١٦)۔ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، قَالَ: سَأَلْتُ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ رضي الله عنه عَنِ الطِّيَرَةِ؟ فَانْتَهَرَنِي وَقَالَ: مَنْ حَدَّثَكَ؟ فَكَرِهْتُ أَنْ أُحَدِّثَهُ مَنْ حَدَّثَنِي۔ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا عَدْوَى، وَلَا طِيَرَةَ، وَلَا هَامَ، إِنْ تَكُنِ الطِّيَرَةُ فِي شَيْءٍ، فَفِي الْفَرَسِ وَالْمَرْأَةِ وَالدَّارِ، وَإِذَا سَمِعْتُمْ بِالطَّاعُوْنِ بِأَرْضٍ فَلَا تَهْبِطُوْا، وَإِذَا كَانَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَفِرُّوْا مِنْهُ.))
(الصحيحة: ٧٨٩)

سعید بن مسیب کہتے ہیں: میں نے سیدنا سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ سے بدشگونی کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے مجھے جھڑک دیا اور کہا: تجھے یہ کس نے بیان کیا؟ میں نے ناپسند کیا کہ بیان کرنے والا کا نام بتاؤں۔ پھر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”نہ کوئی بیماری متعدی ہے، نہ کوئی بد فال ہے اور نہ الو کا بولنا کوئی اثر رکھتا ہے، اگر بدشگونی ہوتی تو گھوڑے، بیوی اور گھر میں ہوتی۔ جب تم سنو کہ فلاں علاقے میں طاعون کی بیماری پھیل گئی ہے تو وہاں نہ جاؤ اور اگر تم اسی علاقہ میں ہو تو وہاں سے مت نکلو۔“

تخريج: أخرجه أحمد: ١/ ١٨٠، ورواه ابوداود: ٢/ ١٥٩ دون قوله: ((واذا سمعتم ....))

(٢١٧)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنه مَرْفُوْعًا: ((لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ، وَإِنَّمَا الشُّؤْمُ فِي ثَلَاثَةٍ: الْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ وَالدَّارِ.)) (الصحيحة: ٧٨٨)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی بیماری متعدی نہیں ہے، نہ فال بدکوئی چیز ہے اور تین چیزوں میں بدشگونی (یا نحوست) ہوتی ہے: بیوی، گھوڑا اور گھر۔“

تخريج: أخرجه البخاري: ١٠/ ١٧٤، ١٩٩، ومسلم: ٧/ ٣٤، وأحمد: ٢/ ١٥٣

فوائد:...... کیا کسی چیز میں نحوست پائی جاتی ہے؟ تفصیل کے لیے عنوان ”کیا کسی چیز میں نحوست پائی جاتی ہے؟“ دیکھیں۔

(٢١٨)۔ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضي الله عنه مَرْفُوْعًا: ((لَنْ يَلِجَ الدَّرَجَاتِ الْعُلَى مَنْ تَكَهَّنَ أَوْ تُكُهِّنَ لَهُ، أَوْ رَجَعَ مِنْ سَفَرٍ تَطَيُّرًا.)) (الصحيحة: ٢١٦١)

سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے کہانت کی، یا جس کے لئے کی گئی یا جو بدشگونی لیتے ہوئے سفر سے واپس آ گیا وہ اعلی درجات تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔“

تخريج: رواه تمام في ”الفوائد“: ٢٢٤/ ١ رقم ٢٣٠٧۔ نسختي، والطبراني

(٢١٩)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه مَرْفُوْعًا: ((لَا عَدْوَى، وَلَا طِيَرَةَ، وَأُحِبُّ الْفَأْلَ الصَّالِحَ.)) (الصحيحة: ٧٨٧)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی بیماری متعدی نہیں، نہ فال بدکوئی چیز ہے، البتہ مجھے نیک فال پسند ہے۔“

تخريج: أخرجه مسلم: ٧/ ٣٣، وأحمد: ٢/ ٥٠٧

(٢٢٠)۔ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضي الله عنه: أَنَّهُ رَأَى رَجُلاً فِي عَضُدِهِ حَلْقَةٌ مِنْ صُفْرٍ، فَقَالَ لَهُ: مَاهٰذِهِ؟ قَالَ: نُعِتَتْ لِي مِنَ الْوَاهِنَةِ قَالَ: أَمَا لَوْمُتَّ وَهِيَ عَلَيْكَ وُكِلْتَ إِلَيْهَا، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ أَوْتُطُيِّرَ لَهُ، أَوْتَكَهَّنَ أَوْتُكُهِّنَ لَهُ، أَوْسَحَرَ أَوْسُحِرَ لَهُ.)) (الصحيحة:٢١٩٥)

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کے بازو میں پیتل کا چھلہ دیکھا اور پوچھا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ کمزوری کی وجہ سے ہے۔ انھوں نے کہا: اگر اس چھلہ کو پہنے ہوئے تجھے موت آ گئی تو تجھے اسی کے سپرد کر دیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے برا شگون لیا یا اس کے لئے برا شگون لیا گیا یا جس نے کہانت کی یا اس کے لئے کہانت کی گئی یا جس نے جادو کیا یا جس کے لئے جادو کیا گیا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

تخريج: أخرجه البزار:١٦٩، زوائده، والطبراني في"الكبير":٧٣/ ١، منتقى منه

(٢٢١)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنه مَرْفُوْعاً: ((لَيْسَ مِنَّا مَنْ سَحَرَ، أَوْ سُحِرَ لَهُ، أَوْ تَكَهَّنَ أَوْ تُكُهِّنَ لَهُ أَوْ تَطَيَّرَ أَوْ تُطُيِّرَ لَهُ.)) (الصحيحة:٢٦٥٠)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے خود جادو کیا، یا اس کے لئے جادو کیا گیا، یا جس نے کہانت کی یا اس کے لئے کہانت کی گئی یا جس نے بد فال لی یا جس کے لئے بد فال لی گئی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

تخريج: أخرجه البزار في"مسنده" ص١٦٩۔زوائده، والطبراني في"الأوسط": ٤/ ٣٩٣

فوائد:...... جو لوگ بھی مختلف ہتھکنڈوں کے ذریعے مستقبل کا فیصلہ پیش کرتے ہیں، مثلا: کاہن (نجومی)، بدفال لینے والا، ہاتھ شناس وغیرہ وغیرہ۔ شریعتِ مطہرہ نے ان کے پاس جانے، ان کی باتوں کی طرف توجہ دھرنے اور ان کی تصدیق کرنے سے منع فرمایا۔

کوئی بیماری متعدی نہیں ہے
''صفر'' اور ''غول'' کی حقیقت

اس باب میں استعمال ہونے والی شرعی اصطلاحات

صفر:

۱: انسان اور چوپائے کے پیٹ میں ایک سانپ نما کیڑا پیدا ہو جاتا، اسے صفر کہتے ہیں۔ عربوں کے ہاں اسے خارش وغیرہ سے بھی زیادہ متعدی بیماری سمجھا جاتا تھا۔

۲: بعض نے اس سے صفر کا مہینہ مراد لیا ہے، کیونکہ مشرکین ماہِ محرم کو حلال کرنے کے لیے اس کے بدلے ماہِ صفر کو

حرمت والا مہینہ بنا لیا کرتے تھے۔

۳: اہل جاہلیت ماہِ صفر کو منحوس خیال کرتے تھے اور اس میں نکاح وغیرہ نہیں کرتے تھے۔

عدوٰی:

ایک شخص کی بیماری کی وجہ سے دوسرے شخص کو بیماری لگ جانے کو عدوی کہتے ہیں۔

ہامہ:

فرّا کے قول کے مطابق "هَــامَّة" اُلّو کو کہتے ہیں، ابن الاعرابی کہتے ہیں کہ اہل جاہلیت کا دستور تھا کہ وہ کسی کے مکان پر الو کے بیٹھنے کو نحوست سے تعبیر کرتے تھے، وہ اپنے مکان پر اسے دیکھ کر کہتے: نعت الیّ نفسی أو أحدا من أهل داری۔ یعنی: اب یا تو میری موت کا وقت آ گیا ہے یا میرے گھر والوں میں سے کوئی مرنے والا ہے۔

غول:

اس کی جمع اغوال اور غیلان ہے، یہ جنوں اور شیطانوں کی ایک قسم ہے، جو مشرکین عرب کے عقیدے کے مطابق جنگلوں میں راہ چلتے لوگوں کو دکھائی دیتے تھے، مختلف شکلوں میں تبدیل ہونا ان کا شیوہ تھا۔ مشرکین کے بقول یہ مسافروں کو راہ سے بے راہ کر کے ہلاک کر دیتے تھے۔

تطیر:

مشرکین عرب کی یہ عادت تھی کہ وہ کسی کام کو شروع کرنے سے پہلے پرندوں اور حیوانات کے اڑنے اور گزر جانے سے فال لیتے تھے، آپ ﷺ نے اس کی نفی کر کے وضاحت فرمائی کہ حصولِ منفعت یا دفع مضرت کا محور و مرکز صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

یہ تمام امور توہم پرستی اور اللہ تعالیٰ پر ضعفِ اعتقادی کا نتیجہ ہیں، آپ ﷺ نے درج ذیل احادیث میں ان کو باطل قرار دیا۔ منفعت و مضرت اور موت و حیات جیسے امور کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے ہے۔

(۲۲۲)۔ عَـنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ ابْنِ أُخْتِ نَـمْـرٍ رضي الله عنه مَـرْفُـوْعـاً: ((لَاعَدْوٰی، وَلَا صَفَرَ، وَلَا هَامَةَ.)) (الصحيحة: ۷۸۵)

سیدنا سائب بن یزید بن اختِ نمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کوئی بیماری متعدی نہیں ہے، نہ ہی صفر کچھ ہے اور نہ الو (وغیرہ کی نفع و نقصان میں کوئی حقیقت ہے)۔"

تخریج: أخرجه مسلم: ۷/ ۳۱، والطحاوی: ۲/ ۳۷۸، وأحمد: ۳/ ٤٤۹

(۲۲۳)۔ عَـنْ أَبِـي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه مَـرْفُوْعاً: ((لَاعَـدْوٰی، وَلَا طِيَرَةَ، وَأُحِـبُّ الْفَأْلَ الصَّالِحَ.)) (الصحيحة: ۷۸۷)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کوئی بیماری متعدی نہیں، نہ فالِ بد کوئی چیز ہے، البتہ مجھے نیک فال پسند ہے۔"

تخريج: أخرجه مسلم: ٧/ ٣٣، وأحمد: ٢/ ٥٠٧

(٢٢٤)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوعاً: ((لَاعَدْوَى وَلَاطِيَرَةَ، وَإِنَّمَا الشُّؤْمُ فِي ثَلَاثَةٍ: الْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ وَالدَّارِ.)) (الصحيحة:٧٨٨)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی بیماری متعدی نہیں ہے، نہ فالِ بد کوئی چیز ہے اور تین چیزوں میں بدشگونی (یا نحوست) ہوتی ہے: بیوی، گھوڑا اور گھر۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ١٠/ ١٧٤، ١٩٩، ومسلم: ٧/ ٣٤، وأحمد: ٢/ ١٥٣

(٢٢٥)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((لَاعَدْوَى، وَلَاطِيَرة، وَالْعَيْنُ حَقٌّ.)) (الصحيحة:٧٨١)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی بیماری متعدی نہیں، نہ برے شگون کی کوئی حقیقت ہے اور نظر لگنا حق ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ٤٢٠، وابن ابى عاصم فى "السنة": ١/ ١٢٠/ ٢٧٦، وابن ابى شيبة فى "المصنف": ٩/ ٤٠/ ٦٤٤٦، وروى ابن ماجه الجملة الاخيرة فقط

(٢٢٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((لَاعَدْوَى وَلَاطِيَرَةُ، وَلَاصَفَرَ، وَلَا هَامَةَ، فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ: مَا بَالُ الْإِبِلِ تَكُوْنُ فِي الرَّمْلِ كَأَنَّهَا الظِّبَاءُ، فَيُخَالِطُهَا بَعِيْرٌ أَجْرَبُ فَيُجْرِبُهَا؟ قَالَ: فَمَنْ أَعْدَى الْأَوَّلَ؟)) (الصحيحة: ٧٨٢)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'بیماری متعدی نہیں اور نہ ہی بدشگونی ہے اور صفر کا مہینہ منحوس ہے نہ ہی الو (کی کوئی حقیقت ہے)۔'' ایک بدو نے کہا: تو پھر ایک اونٹ جب ریت میں ہرن کی طرح چل رہا ہوتا ہے (یعنی صحت مند ہوتا ہے)، لیکن جب خارشی اونٹ اس سے خلط ملط ہوتا ہے تو اسے بھی خارش لگ جاتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(اچھا یہ بتلاؤ کہ) پہلے اونٹ کو خارش کس نے لگائی؟''

تخريج: أخرجه البخاري: ١٠/ ١٣٩۔١٩٨، ومسلم: ٧/ ٣١، وأبو داود: ٢/ ١٥٨، وأحمد: ٢/ ٢٦٧

(٢٢٧)۔ عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((لَاعَدْوَى، وَلَاطِيَرَةَ، وَلَاغُوْلَ.)) (الصحيحة:٧٨٤)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی بیماری متعدی نہیں، نہ فالِ بد کی کوئی حقیقت ہے اور نہ کوئی غول ہے۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٧/ ٣٢، وأحمد: ٣/ ٢٩٣، ٣١٢

(٢٢٨)۔ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ رضی اللہ عنہ، قَالَ سَأَلْتُ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ عَن

سعید بن مسیب کہتے ہیں: میں نے سیدنا سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ سے بدشگونی کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے مجھے جھڑک دیا

الطِّيَرَةِ؟ فَانْتَهَرَنِي وَقَالَ: مَنْ حَدَّثَكَ؟ فَكَرِهْتُ أَنْ أُحَدِّثَهُ مَنْ حَدَّثَنِي۔ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا عَدْوَى، وَلَا طِيَرَةَ، وَلَا هَامَ، إِنْ تَكُنِ الطِّيَرَةُ فِي شَيْءٍ، فَفِي الْفَرَسِ وَالْمَرْأَةِ وَالدَّارِ، وَإِذَا سَمِعْتُمْ بِالطَّاعُوْنِ بِأَرْضٍ فَلَا تَهْبِطُوْا، وَإِذَا كَانَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَفِرُّوْا مِنْهُ.)) (الصحيحة: ٧٨٩)

اور کہا: تجھے یہ کس نے بیان کیا؟ میں نے ناپسند کیا کہ بیان کرنے والا کا نام بتاؤں۔ پھر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہ کوئی بیماری متعدی ہے، نہ کوئی بد فال ہے اور نہ الو کا بولنا کوئی اثر رکھتا ہے، اگر بدشگونی ہوتی تو گھوڑے، بیوی اور گھر میں ہوتی۔ جب تم سنو کہ فلاں علاقے میں طاعون کی بیماری پھیل گئی ہے تو وہاں نہ جاؤ اور اگر تم اسی علاقہ میں ہو تو وہاں سے مت نکلو۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ١/ ١٨٠، ورواه ابوداود: ٢/ ١٥٩ دون قوله: ((واذا سمعتم ......))

(٢٢٩)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ، وَلَا هَامَةَ، وَلَا صَفَرَ وَفِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْأَسَدِ.)) (الصحيحة:٧٨٣)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہ کوئی بیماری متعدی ہے، نہ کوئی فالِ بد ہے، نہ الو کے بولنے کا اثر ہے اور نہ کوئی صفر ہے اور کوڑھی سے اس طرح بھاگ جس طرح شیر (سے بچنے کے لئے) بھاگتا ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري معلقا: ١٠/ ١٢٩، ووصله ابو نعيم و ابن خزيمة

(٢٣٠)۔ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((لَا عَدْوَى، وَلَا طِيَرَةَ، وَيُعْجِبُنِي الْفَالُ الصَّالِحُ: الْكَلِمَةُ الْحَسَنَةُ.)) (الصحيحة:٧٨٦)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی بیماری متعدی نہیں اور نہ کوئی بد فال کی حقیقت ہے، البتہ مجھے نیک فال یعنی (حوصلہ دلانے والی) اچھی بات پسند ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ١٠/ ١٧٥، مسلم: ٧/ ٣٣، وأبوداود ٢/ ١٥٨، والترمذي: ١/ ٣٠٥ وصححه، والطحاوي: ٢/ ٣٧٨، والطيالسي: ١٩٦١، وأحمد: ٣/ ١٣٠، ٢٥٤، ١٧٣، ١٧٨، ٢٧٦، وكذا ابن ماجه ٢/ ٣٦٢، وابن أبي شيبة: ٩/ ٤١/ ٦٤٤٨

(٢٣١)۔ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، قَالَ: حَدَّثَنِي رِجَالٌ أَهْلُ رِضًى وَقَنَاعَةٍ مِنْ أَبْنَاءِ الصَّحَابَةِ وَأَوَّلِيَّةِ النَّاسِ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لَا عَدْوَى، وَلَا هَامَةَ، وَلَا صَفَرَ، وَاتَّقُوْا الْمَجْذُوْمَ كَمَا يُتَّقَى

ابو زناد کہتے ہیں: مجھے صحابہ کرام کے پسندیدہ، قناعت پسند بیٹوں، جو اعلی و اولی لوگ تھے، نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہ کوئی بیماری متعدی ہے، نہ الو کے بولنے کا کوئی اثر ہے، نہ کوئی صفر ہے اور کوڑھی سے ایسے بچو جیسے شیر سے بچا جاتا ہے۔''

اَلْأَسَدُ .)) (الصحيحة: ٧٨٠)

تخريج: رواه ابن وهب: ١٠٦

(٢٣٢)۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ مَرْفُوْعاً: ((لَا يُوْرَدُ الْمُمَرَّضُ عَلَى الْمُصِحِّ .)) (الصحيحة:٩٧١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مریض کو صحتمند پر پیش نہ کیا جائے۔''

تخريج:أخرجه البخاري: ١٠/ ١٩٨و٢٠٠، ومسلم: ٧/ ٣٢، وأبوداود: ٣/ ١٥٨، والطحاوي: ٢/ ٢٧٥، وفى"المشكل": ٢/ ٢٦٢، وأحمد: ٢/ ٤٠٦، ٤٣٤، وابن ماجه: ٢/ ٣٦٣

فوائد: ...... امام البانی رحمہ اللہ نے صحیحہ میں ۷۸۱ سے ۷۸۹ تک نو احادیث ذکر کی ہیں، سب میں ''لاعدوی'' کے الفاظ موجود ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"لا عدوى ...... وفر من المجذوم فرارك من الاسد . " (بخاری) یعنی: کوئی بیماری متعدی نہیں ہے،...... البتہ کوڑھ کے مریض سے اس طرح فرار اختیار کرو جیسے تم شیر سے بھاگتے ہو۔

ایک آدمی نے ایک خارشی اونٹ کو اس نظریے سے علیحدہ باندھ دیا کہ اس کی وجہ سے دوسرے اونٹوں کو خارش نہ لگ جائے۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: (فَمَنْ اَعْدَى الْاَوَّلَ؟) (بخاری، مسلم) یعنی: تو پھر پہلے اونٹ کو خارش کی بیماری کس نے لگائی؟

اکثر احادیث میں بیماری کے متعدی ہونے کی نفی کی گئی ہے، جبکہ چند احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیماریاں متعدی ہیں۔

بلاشبہ کوئی بیماری فی نفسہ متعدی ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی، اللہ تعالیٰ ہی ہے جو ابتداء بھی بیماری لگاتا ہے اور کبھی کسی کی بیماری کو کسی کے لئے سبب بھی بنا دیتا ہے۔ جن احادیث میں اس چیز کو ثابت کیا گیا، دراصل ان کے ذریعے ضعیف العقیدہ لوگوں کے عقیدہ کی حفاظت کی گئی، یعنی ایک آدمی عوام کے کہنے کے مطابق کسی متعدی بیماری میں مبتلا آدمی کی تیمارداری کے لئے یا کسی اور مقصد کے لئے اس کے پاس بیٹھتا ہے، اسی وقت میں اللہ تعالیٰ اس کو بیمار کرنے کا فیصلہ کر دیتے ہیں، ایسے میں وہ یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ اس مریض کی وجہ سے مجھے بیماری لگی ہے۔ اس کو اصول فقہ میں ''باب سد الذرائع'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ بیماری کے متعدی ہونے کی نفی کرنے والی احادیث کا تعلق مضبوط عقائد کے حاملین سے ہے، جو ہر بیماری کو اللہ تعالیٰ کی منسوب کرتے ہیں۔

امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: بیماری کو متعدی ثابت کرنے والی دو احادیث اور اس چیز کی نفی کرنے والی نو احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ متعدی ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کسی مریض کا مرض صحتمند کی طرف

منتقل ہو سکتا ہے اور جن احادیث میں بیماری کے متعدی ہونے کی نفی کی گئی ہے، دراصل ان میں اہل جاہلیت کا ردّ کیا گیا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی مشیت کو بروئے کار لائے بغیر یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ بیماری میں بذات خود متعدی ہونے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے بدو کو فرمایا: ''(اگر دوسرے اونٹوں کو اِس اونٹ کی وجہ سے خارش لگ سکتی ہے تو یہ بتلاؤ کہ) پہلے اونٹ کو خارش کی بیماری کس نے لگائی؟''

نبی کریم ﷺ نے یہ حدیث بیان کر کے بدو کی توجہ کو مسبّبِ اول اللہ تعالیٰ کی طرف مبذول کیا اور اس کی اِس بات کا ردّ نہیں کیا: اے اللہ کے رسول! کیا وجہ ہے کہ ایک اونٹ ریت میں ہرن کی طرح چل رہا ہوتا ہے (یعنی صحت مند ہوتا ہے)، لیکن جب خارشی اونٹ اس سے خلط ملط ہوتا ہے تو اسے بھی خارش لگ جاتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(اچھا یہ بتلاؤ کہ) پہلے اونٹ کو خارش کس نے لگائی؟''

بلکہ آپ ﷺ نے اس کے مشاہدے کو برقرار رکھا، چونکہ بظاہر اس کی دعوے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت نظر نہیں آ رہی تھی، اس لیے آپ ﷺ نے اس سے یہ سوال کرتے ہوئے اس کا ردّ کر دیا کہ ''پہلے اونٹ کو خارش کس نے لگائی ہے؟''

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ دو احادیث بیماری کے متعدی ہونے کو ثابت کر رہی ہیں، جبکہ تجربہ اور مشاہدہ بھی اسی حقیقت کے متقاضی ہیں۔ جن احادیث میں امراض کے متعدی ہونے کی نفی کی گئی ہے، ان میں ان لوگوں کا ردّ ہے جو بیماریوں کے حقیقی خالق سے غفلت برت کر بیماری کو بذاتِ خود متعدی سمجھتے ہیں۔

عصرِ حاضر اور دورِ جاہلیت کے عقائد میں مماثلت و مشابہت پائی جاتی ہے، کیونکہ یورپی ڈاکٹرز اور معالجین اپنے کفر و شرک اور ضلالت و گمراہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے غافل ہیں اور عہدِ جاہلیت کے جاہلوں کے طرح بیماریوں کے بذاتِ نفسہ متعدی ہونے کا یقین رکھتے ہیں، اسی قسم کے لوگوں کے لیے آپ ﷺ نے فرمایا: ''پہلے اونٹ کو بیماری کس نے لگائی؟''

رہا اس مؤمن کا مسئلہ، جو اسباب کے بارے میں محتاط نہ ہو تو اسے اس چیز کی تاکید کی جائے گی اور اس کو ان احادیث کی تعلیم دی جائے گی:

((لَا يُوْرَدُ الْمُمَرَّضُ عَلَى الْمُصِحِّ .))

''مریض کو صحتمند پر پیش نہ کیا جائے۔''

((وَفِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ فِرَارَكَ مِنَ الْاَسَدِ۔))

یعنی: ''کوڑھ کے مریض سے اس طرح فرار اختیار کرو جیسے تم شیر سے بھاگتے ہو۔''

تاکہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ان اسباب سے اجتناب کرے جو بیماری کا سبب بن سکتے ہیں۔

میرے علم کے مطابق تو مذکورہ بالا جمع و تطبیق درست ہے، فتح الباری وغیرہ میں مزید اقوال دیکھے جا سکتے ہیں۔ (صحیحہ: ۹۷۱)

شرید بن سوید کہتے ہیں: ثقیف کے وفد میں ایک کوڑھ زدہ آدمی تھا، نبی کریم ﷺ نے اس کی طرف پیغام بھیجا کہ ((إِنَّا قَدْ بَايَعْنَاكَ فَارْجِعْ .))(صحیحه: ۱۹٦۸)

یعنی: ''ہم نے تجھ سے بیعت لے لی ہے، تو چلا جا۔''

امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث میں بیماری کے متعدی ہونے کو ثابت کیا گیا ہے، لیکن اس حدیث میں اور ''لا عدوی'' (کوئی بیماری متعدی نہیں ہے) والی احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ بیماری کے متعدّی ہونے کی نفی کر کے دورِ جاہلیت کے اس عقیدے کا ردّ کرنا ہے کہ بیماری اللہ تعالی کے فیصلے اور تقدیر کی وجہ سے نہیں، بلکہ بذاتِ خود لگ جاتی ہے۔ یہ بات اور ہے کہ اللہ تعالی کی مرضی اور مشیت کی وجہ سے بیماری کسی دوسرے شخص کو لگ جائے۔ شرید بن سوید کی حدیث میں اسی چیز کو ثابت کر کے اس قسم کے مریضوں سے دور رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ (صحیحہ: ۱۹۶۸)

کہانت

کہانت: غیب دانی، یعنی زمانہ مستقبل میں کسی چیز کے ہونے یا نہ ہونے کا دعوی کرنا کہانت کہلاتا ہے۔

کاہنوں اور نجومیوں کی دعووں کی بنیاد شیطانوں کی رہنمائی پر ہے۔ پہلے پہل تو شیاطین فرشتوں کی بعض باتیں چوری چھپے سن کر اور اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا کر ان کو بتلا دیتے تھے، لیکن رسول مکرم ﷺ کی بعثت کے بعد آسمان پر کڑی نگرانی کا انتظام کر دیا گیا ہے، اب وہ بہت ہی مشکل سے کوئی بات سن پاتے ہیں۔ اس کی تفصیل عنوان ''شیطان وحی کی باتیں کیسے اچک لیتے ہیں؟'' میں موجود ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ بعض علاقوں کے اخبار و واقعات دوسرے علاقوں کے کاہنوں اور نجومیوں کو بتلا دیتے ہیں، جس سے جاہل لوگ کاہنوں کی کرامت اور کشف کے قائل ہو جاتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے سرے سے اس عمل سے اور یہ عمل کرنے والوں کے پاس جانے سے ہی منع کر دیا۔

قارئین کرام! اگر نجومی اور کاہن لوگوں مستقبل کی پیشین گوئی کرنے کا دعوی کرتے ہیں تو یہ لوگ ایئر پورٹ، اسٹیشن اور لاری اڈے جیسے مقامات پر بیٹھ کر ان جہازوں، ریل گاڑیوں اور بسوں کو کیوں نہیں روک لیتے، جن کا حادثہ ہونے والا ہوتا ہے۔ جو نجومی بزعم خود یہ حساب و کتاب لگا سکتا ہے کہ فلاں آدمی کا بیٹا گم ہونے کے بعد کہاں ہے، وہ ان جہازوں یا ٹرینوں کے بارے میں کیوں غافل ہو جاتا ہے، جو تھوڑے وقت کے بعد سینکڑوں لوگوں کو موت کے کنویں میں پھینکنے والے ہوتے ہیں۔ بسا اوقات بارشیں نہ ہونے یا کثرت سے ہونے کی وجہ سے زمینداروں کی اربوں کی فصلوں کا نقصان ہو جاتا ہے، یہ لوگ زمینداروں کو فصل کاشت ہی کرنے سے کیوں نہیں روک دیتے۔

دو بچوں کا باپ ہمارا ایک دوست ایک نجومی کی آزمائش کے لیے اس کے پاس گیا اور کہا: حضور! میری شادی نہیں ہو رہی، مختلف حربے استعمال کیے، لیکن ناکام رہا، اب آپ ہی ہیں، جو حساب و کتاب لگا کر میرا معاملہ مجھ پر واضح کر سکتے ہیں اور شادی میں میرا تعاون کر سکتے ہیں۔ جناب مختلف حربوں، وظیفوں اور تعویذوں کے ذریعے قسمت آزمائی کرنے

لگے اور اس مقصد میں کامیابی کے لیے مختلف مشوروں سے نوازنے لگے۔ اتنے میں میرے دوست نے چھلانگ لگائی، اس کے کمرے سے باہر آ گیا اور اسے مخاطب ہو کر کہا: مجھے تو اللہ تعالی ایک بیوی سے دو بچے بھی عطا کر چکا ہے، تجھے تو میرے ماضی کی خبر نہیں، تو میرے مستقبل کے بارے میں خاک فیصلہ کرے گا۔

اسی طرح ایک کاہن صاحب پولیس والوں کے پاس اپنے مال کی چوری کی شکایت لے کر گئے اور تعاون کی درخواست کی، اللہ کا کرنا کہ پولیس والے صحیح عقائد کے مالک تھے، انھوں نے کہا: حضور! لوگوں کی چوریوں کے بارے میں تو آپ بڑی چھان بین کر کے مجرم کے بارے میں کھوج لگاتے ہیں، اپنے چور کے بارے میں کچھ نہیں کر سکتے؟

(٢٣٣)۔ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضي الله عنه مَرْفُوْعاً: ((لَنْ يَلِجَ الدَّرَجَاتِ الْعُلٰى مَنْ تَكَهَّنَ أَوْ تُكُهِّنَ لَهُ، أَوْ رَجَعَ مِنْ سَفَرٍ تَطَيُّرًا.)) (الصحيحة:٢١٦١)

سیدنا ابودردا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے کہانت کی، یا جس کے لئے کی گئی یا جو بدشگونی لیتے ہوئے سفر سے واپس آ گیا وہ اعلی درجات تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا۔“

تخریج: رواه تمام في "الفوائد": ٢٢٤/ ١ رقم ، ٢٣٠٧۔ نسختي ، والطبراني

فوائد: ...... بدشگونی لیتے ہوئے سفر سے واپس آنے کی ایک صورت یہ ہے کہ مسافر نے کسی علاقے میں جانے کی مکمل تیاری کی اور سفر پر روانہ ہو گیا، لیکن ابتدائے سفر میں ہی اس کے سامنے سے اُلّو کا گزر ہوا۔ اس نے بد فال لی اور اس کے گزرنے کا مطلب یہ سمجھا کہ اس کے اس سفر میں شرّ ہے، خیر نہیں ہے، اس وجہ سے وہ واپس آ گیا۔

(٢٣٤)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رضي الله عنه ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: ((مَنْ أَتٰى كَاهِناً فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ: فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم.)) (الصحيحة:٣٣٨٧)

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو نجومی کے پاس گیا اور اس کی بات کی تصدیق کی، اس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہونے والی شریعت کے ساتھ کفر کیا۔“

تخریج: أخرجه البزارس في "مسنده": ٣/ ٤٠٠/ ٣٠٤٥

فوائد: ...... معلوم ہوا کہ کاہنوں، نجومیوں اور علم غیب کے دعویداروں کے پاس سرے سے نہیں جانا چاہیے۔

(٢٣٥)۔ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ: أَنَّهُ رَأٰى رَجُلاً فِي عَضُدِهِ حَلْقَةٌ مِنْ صُفْرٍ ، فَقَالَ لَهُ: مَاهٰذِهِ؟ قَالَ: نَعْتٌ لِّيْ مِنَ الْوَاهِنَةِ قَالَ: أَمَا لَوْمُتَّ وَهِيَ عَلَيْكَ وُكِلْتَ إِلَيْهَا ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم : ((لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ أَوْتُطُيِّرَ لَهُ ، أَوْتَكَهَّنَ أَوْتُكُهِّنَ لَهُ ، أَوْسَحَرَ

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کے بازو میں پیتل کا چھلہ دیکھا اور پوچھا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ کمزوری کی وجہ سے ہے۔ انھوں نے کہا: اگر اس چھلہ کو پہنے ہوئے تجھے موت آ گئی تو تجھے اسی کے سپرد کر دیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے برا شگون لیا یا اس کے لئے برا شگون لیا گیا یا جس نے کہانت کی یا اس کے لئے کہانت کی

أَوْ سُحِرَ لَهُ .)) (الصحيحة:٢١٩٥)

گئی یا جس نے جادو کیا یا جس کے لئے جادو کیا گیا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

تخریج: أخرجه البزار:١٦٩، زوائده، والطبراني في "الكبير":٧٣/ ١، منتقى منه

(٢٣٦)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((لَيْسَ مِنَّا مَنْ سَحَرَ، أَوْ سُحِرَ لَهُ، أَوْ تَكَهَّنَ أَوْ تُكُهِّنَ لَهُ أَوْ تَطَيَّرَ أَوْ تُطُيِّرَ لَهُ.)) (الصحيحة:٢٦٥٠)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے خود جادو کیا، یا اس کے لئے جادو کیا گیا، یا جس نے کہانت کی یا اس کے لئے کہانت کی گئی یا جس نے بد فال لی یا جس کے لئے بد فال لی گئی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

تخریج: أخرجه البزار في "مسنده": ص١٦٩۔ زوائده، والطبراني في "الأوسط": ٤/ ٣٩٣

جادو کرنا منع ہے

(٢٣٧)۔ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ: أَنَّهُ رَأَى رَجُلاً فِي عَضُدِهِ حَلْقَةٌ مِنْ صُفْرٍ، فَقَالَ لَهُ: مَاهٰذِهِ؟ قَالَ: نَعْتٌ لِّيْ مِنَ الْوَاهِنَةِ قَالَ: أَمَا لَوْمُتَّ وَهِيَ عَلَيْكَ وُكِلْتَ إِلَيْهَا، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ أَوْتُطُيِّرَ لَهُ، أَوْتَكَهَّنَ أَوْتُكُهِّنَ لَهُ، أَوْسَحَرَ أَوْ سُحِرَ لَهُ .)) (الصحيحة:٢١٩٥)

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کے بازو میں پیتل کا چھلہ دیکھا اور پوچھا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ کمزوری کی وجہ سے ہے۔ انھوں نے کہا: اگر اس چھلہ کو پہنے ہوئے تجھے موت آ گئی تو تجھے اسی کے سپرد کر دیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے برا شگون لیا یا اس کے لئے برا شگون لیا گیا یا جس نے کہانت کی یا اس کے لئے کہانت کی گئی یا جس نے جادو کیا یا جس کے لئے جادو کیا گیا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

تخریج: أخرجه البزار:١٦٩، زوائده، والطبراني في "الكبير":٧٣/ ١، منتقى منه

(٢٣٨)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((لَيْسَ مِنَّا مَنْ سَحَرَ، أَوْ سُحِرَ لَهُ، أَوْ تَكَهَّنَ أَوْ تُكُهِّنَ لَهُ أَوْ تَطَيَّرَ أَوْ تُطُيِّرَ لَهُ.)) (الصحيحة:٢٦٥٠)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے خود جادو کیا، یا اس کے لئے جادو کیا گیا، یا جس نے کہانت کی یا اس کے لئے کہانت کی گئی یا جس نے بد فال لی یا جس کے لئے بد فال لی گئی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

تخریج: أخرجه البزار في "مسنده": ص١٦٩۔ زوائده، والطبراني في "الأوسط": ٤/ ٣٩٣

فوائد: ...... جادو: ان تعویذ گنڈوں اور دھاگوں کی گرہوں وغیرہ کو کہتے ہیں، جو انسان کے بدن اور خصوصا دل

پر اثر کرتے ہیں، جن کی وجہ سے انسان بیمار ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی اس کی موت بھی واقع ہو جاتی ہے، بعض اوقات میاں بیوی میں پھوٹ پڑ جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جادو کو کفر قرار دیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ﴾ (بقرہ: ۱۰۲) یعنی: ''ہم تو آزمائش ہیں، پس تو کفر میں نہ پڑ۔''

اگر کسی پر جادو کر دیا جائے تو اس کا علاج قرآن و سنت میں موجود ہے۔

نا قابل معافی اور قابل معافی ظلم

(۲۳۹)۔ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَرْفُوعاً: ((اَلظُّلْمُ ثَلاثَةٌ، فَظُلْمٌ لَايَتْرُكُهُ اللهُ، وَظُلْمٌ يُغْفَرُ، وَظُلْمٌ لَايُغْفَرُ فَأَمَّا الظُّلْمُ الَّذِي لَايُغْفَرُ فَالشِّرْكُ لَايَغْفِرُهُ اللهُ وَأَمَّا الظُّلْمُ الَّذِي يُغْفَرُ فَظُلْمُ الْعَبْدِ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ رَبِّهِ، وَأَمَّا الظُّلْمُ الَّذِيْ لَايُتْرَكُ فَظُلْمُ الْعِبَادِ، فَيَقْتَصُّ اللهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ.)) (الصحيحة:۱۹۲۷)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ظلم کی تین قسمیں ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ ایک ظلم کو کسی صورت میں نہیں چھوڑے گا، (۲) ایک ظلم کو بخش دے گا اور (۳) ایک ظلم معاف نہیں کیا جائے گا۔ (ان کی تفصیل یہ ہے:) جس ظلم کو کسی صورت میں نہیں چھوڑا جائے گا، وہ شرک ہے جسے اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا۔ جس ظلم کو بخش دیا جائے گا وہ اللہ اور بندے کے مابین کیا ہوا ظلم ہے اور وہ ظلم جس کو معاف نہیں کیا جائے گا، وہ بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر کیا ہوا ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر صورت میں بعض (مظلوموں) کو بعض (ظالموں) سے قصاص دلوائے گا۔''

تخريج: أخرجه أبوداود الطيالسي في "مسنده": ۲/ ٦۰ ـ ٦۱ ترتيبه، وعنه أبونعيم في "الحلية": ٦/ ۳۰۹

فوائد:...... اس حدیثِ مبارکہ کا مضمون کئی دوسری آیات و احادیث میں دوہرایا گیا ہے کہ شرک کی معافی کی کوئی صورت نہیں ہے اور صرف حقوق اللہ سے متعلقہ گناہ کو بخشنے اور نہ بخشنے میں اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی ہے اور حقوق العباد سے متعلقہ گناہ کا تعلق مظلوم انسانوں سے ہے، جن کو قصاص دلوایا جائے گا۔

کیا کسی چیز میں نحوست پائی جاتی ہے؟

(۲٤۰)۔ عَنْ أَبِي حَسَّانَ، قَالَ: دَخَلَ رَجُلَانِ مِنْ بَنِي عَامِرٍ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: فَأَخْبَرَاهَا أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ قَالَ: ((كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ: الطِّيَرَةُ مِنَ الدَّارِ وَالْمَرْأَةِ

ابوحسان کہتے ہیں: بنو عامر قبیلے کے دو آدمی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہا: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے یہ حدیث بیان کرتے ہیں: ''اہلِ جاہلیت کہتے تھے: گھر میں، عورت میں اور گھوڑے میں نحوست ہوتی ہے۔'' سیدہ عائشہ غصے میں آ گئیں اور فرمایا: اس ذات کی قسم جس

وَالْـفَرَسِ .)) فَغَضِبَتْ فَطَارَتْ شِقَّةٌ مِنْهَا فِـي السَّـمَـاءِ وَشِـقَّةٌ فِي الْأَرْضِ وَقَالَتْ: وَالَّـذِي أَنْزَلَ الْفُرْقَانَ عَلَى مُحَمَّدٍ مَاقَالَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَـطُّ ، إِنَّـمَا قَالَ: ((كَانَ أَهْـلُ الْـجَـاهِـلِيَّةِ يَتَطَيَّرُوْنَ مِنْ ذٰلِكَ .)) (الصحيحة:٩٩٣)

نے محمد ﷺ پر فرقان (قرآن) نازل کیا! رسول اللہ ﷺ نے ایسی بات ارشاد نہیں فرمائی، آپ ﷺ نے تو فرمایا تھا: ''جاہلیت والے ان چیزوں سے برا شگون لیتے ہیں۔''

تخریج:أخرجه أحمد: ٦/ ١٥٠، ٢٤٠، ٢٤٦، والطحاوي في "مشكل الآثار": ١/ ٣٤١، والحاكم: ٢/ ٤٧٩

(٢٤١)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنه قَالَ: ذَكَرُوْا الشُّـؤْمَ عِـنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَـقَـالَ: ((إِنْ كَانَ الشُّـؤْمُ فِـي شَـيْءٍ، فَـفِـي الدَّارِ وَالْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ .)) (الصحيحة:٧٩٩)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: صحابہ نے نبی کریم ﷺ کے پاس نحوست کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو وہ گھر، بیوی اور گھوڑے (یعنی) سواری میں ہوتی۔''

تخریج: أخرجه البخاري:٩/ ١١٢، ومسلم: ٧/ ٣٤

(٢٤٢)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنه مَرْفُوْعًا: ((إِنْ يَكُ مِـنَ الشُّـؤْمِ شَـيْءٌ حَـقٌّ، فَفِي الْمَرأَةِ وَالفَرَسِ وَالدَّارِ .)) (الصحيحة: ٤٤٢)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر کسی چیز میں نحوست کا ہونا درست ہوتا تو وہ بیوی، گھوڑے اور گھر میں ہوتی۔''

تخریج: أخرجه أحمد: ٢/ ٨٥

فوائد:...... علامہ البانی رحمہ اللہ قمطراز ہیں: اس حدیث کا مفہوم یہ ہوا کہ کسی چیز میں نحوست، بے برکتی اور بد شگونی نہیں ہوتی، کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر کسی چیز میں یہ نحوست ہوتی تو ان تین چیزوں میں ضرور ہوتی، لیکن وہ تو سرے سے کسی چیز میں نہیں پائی جاتی ہے۔ بعض روایات کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ ''تین چیزوں میں نحوست ہے'' یا ''بے برکتی تو صرف تین چیزوں میں ہے''۔ دراصل یہ بعض راویوں کا اختصار اور تصرف ہے۔ (صحیحہ: ۴۴۲)

(٢٤٣)۔ عَـنْ مَـخْـمَـرِ بْنِ مُعَاوِيَةَ رضي الله عنه ، قَـالَ: سَـمِـعْـتُ رَسُوْلَ اللّٰـهِ ﷺ يَـقُوْلُ: ((لَاشُـؤْمَ ، وَقَـدْ يَـكُوْنُ الْيُمْنُ فِي ثَلَاثَةٍ: فِي الْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ وَالدَّارِ .)) (الصحيحة:١٩٣٠)

حضرت مخمر بن معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''کوئی نحوست نہیں، البتہ تین چیزوں میں خیر و برکت ہوتی ہے، یعنی بیوی، گھوڑے اور گھر میں۔''

تخریج: أخرجه ابن ماجه: ١/ ٦١٤، والطيالسي في "مشكل الآثار": ١/ ٣٤١، والترمذي: ٢/ ١٣٥ الا انه

قال: عن عمه حکیم بن معاویة

فوائد:...... اگر کسی آدمی کی بیوی نیک، صالح اور اس کی فرمانبردار ہو، سواری مطیع و منقاد ہو اور خیر و بھلائی پر مشتمل کھلا گھر ہو تو اسے ذہنی سکون ملتا ہے اور دنیا و آخرت کے اعتبار سے بہترین نتائج موصول ہوتے ہیں۔ یہی ان تین چیزوں کی خیر و برکت ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث صراحت کے ساتھ ہر چیز سے نحوست کی نفی کر رہی ہے، یہ حدیث اس مفہوم میں سابقہ حدیث کا بہترین شاہد ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((الطِّيَرَةُ مِنَ الدَّارِ وَالْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ .)) (صحیحہ: ۹۹۳) یعنی: ''گھر، عورت اور گھوڑے میں بدشگونی (اور نحوست) ہوتی ہے۔'' لیکن یہ حدیث اس اختصار سے ساتھ شاذ (یعنی ضعیف) ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُوْلُوْنَ: الطِّيَرَةُ مِنَ الدَّارِ وَالْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ .)) یعنی: ''اہل جاہلیت کہتے تھے: گھر میں، عورت میں اور گھوڑے میں نحوست ہوتی ہے۔''
(صحیح، الصحیحۃ: تحت حدیث: ۹۹۳)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس حدیث کے راویوں کے الفاظ میں اختلاف ہے، دوسری روایات کی روشنی میں یہ الفاظ راجح معلوم ہوتے ہیں: ((لَا شُؤْمَ ، وَقَدْ يَكُوْنُ الْيُمْنُ فِي ثَلَاثَةٍ: فِي الْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ وَالدَّارِ .)) یعنی: ''کوئی نحوست نہیں، البتہ تین چیزوں میں خیر و برکت ہوتی ہے، یعنی بیوی، گھوڑے اور گھر میں۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ جاہلیت والے لوگ بدشگونی اور نحوست کے مثبت ہونے کی بات کیا کرتے تھے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ جیسے بعض ائمہ نے کہا: ان شاء اللہ درج ذیل امور کی بنا پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی بہ نسبت راجح اور درست معلوم ہوتی ہے:

بدشگونی لینے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نہی عام ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدشگونی اور نحوست کو ناپسند کیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدشگونی کو ترک کرنے کی تلقین کی ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((يَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَبْعُوْنَ الْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ ، وَهُمُ الَّذِيْنَ لَا يَكْتَوُوْنَ وَلَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ .)) یعنی: ''(میری امت کے) ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے، (ان کی صفات یہ ہیں کہ وہ زخم لگنے پر اپنے جسم کو) داغتے نہیں ہیں اور نہ دم کرواتے ہیں اور نہ کسی چیز سے برا شگون لیتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔''

امام طحاوی رحمہ اللہ نے (مشکل الآثار اور شرح المعانی) میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو ترجیح دیتے ہوئے اور سیدنا

سعد رضی اللہ عنہ اور اس معنی و مفہوم کی دوسری روایات کے بارے میں کہا:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز میں نحوست نہیں پائی جاتی، جبکہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ عورت، گھر اور گھوڑے میں نحوست اور بدشگونی پائی جاتی ہے۔ جب سعید بن مسیّب نے بدشگونی کے ثبت ہونے کی بات کی تو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے ان کو جھڑکا اور کہا کہ آپ ﷺ نے تو فرمایا کہ کوئی نحوست اور بدشگونی نہیں ہے۔ پھر فرمایا: اگر کسی چیز میں اس کا ہونا ممکن ہوتا تو عورت، گھوڑے اور گھر میں پائی جاتی۔ دیکھو! آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان تین چیزوں میں پائی جاتی ہے، بلکہ یہ فرمایا کہ اگر ہوتی تو ان میں ہوتی، اگر ان میں ہی نہیں پائی جاتی تو باقی چیزوں میں بالاولی نہیں ہوگی۔ (صحیحہ:۹۹۳)

مہرِ نبوت

(۲٤٤)۔ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ الْعَوْفِيِّ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا سَعِيدِ الْخُدْرِيَّ رضي الله عنه عَنْ خَاتَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: كَانَ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ فِي ظَهْرِهِ بَضْعَةً نَاشِزَةً۔ (الصحيحة: ۲۰۹۳)

ابونضرہ عوفی کہتے ہیں: میں نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی مہر کے بارے میں سوال کیا، انھوں نے کہا: نبوت کی مہر آپ کی کمر میں گوشت کا ابھرا ہوا ایک ٹکڑا تھا۔

تخريج: أخرجه الترمذي في"الشمائل":٤٠، واحمد في "مسنده": ٣/ ٦٩

فوائد:...... مہر نبوت کی تفصیل کے لیے ''اَلسِّیْرَةُ النَّبَوِيَّةُ وَفِيْهَا الشَّمَائِلُ'' کا عنوان ''مہر نبوت'' دیکھیں۔

بے صبری کا انجام......خودکشی کا انجام

(۲٤٥)۔ عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رضي الله عنه، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((كَانَ فِيْمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ رَجُلٌ بِهِ جَرْحٌ فَجَزِعَ فَأَخَذَ سِكِّيْناً فَحَزَّ بِهِ يَدَهُ، فَمَا رَقَأَ الدَّمُ حَتّٰى مَاتَ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى بَادَرَنِي عَبْدِي بِنَفْسِهِ حَرَّمْتُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ.))

(الصحيحة:٣٠١٣)

سیدنا جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم سے پہلے ایک آدمی تھا، وہ زخمی ہو گیا اور زخم کو برداشت نہ کر سکا، اس نے چھری لی اور اپنا ہاتھ کاٹ دیا۔ خون بہتا رہا، حتی کہ وہ مر گیا۔ اللہ تعالی نے اسے کہا: میرے بندے نے اپنی جان کے معاملے میں مجھ سے سبقت لینا چاہی اس لئے میں نے اس پر جنت حرام کر دی۔''

تخريج: أخرجه البخاري في"صحيحه" ٣٤٦٣۔ فتح

فوائد:...... معلوم ہوا کہ صبر و تحمل کے ساتھ تکالیف کو برداشت کرنا چاہیے، بے تاب اور مایوس نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ آزمائشیں بلندیٔ درجات کا سبب بنتی ہیں۔

صبر کی تین اقسام ہیں:

(۱) اللہ تعالی کی اطاعت پر صبر کرنا، یعنی اللہ تعالی نے جو کچھ کرنے کا حکم دیا ہے، معاشرے کی طعن و تشنیع، گالی گلوچ کی پروا کئے بغیر وہ سب کچھ کر گزرنا۔

(۲) اللہ کی نافرمانی نہ کرنے پر صبر کرنا، یعنی جن امور سے اللہ تعالی نے باز رہنے کا حکم دیا ہے، ہر صورت میں ان سے پرہیز کرنا اور اس پرہیز پر صبر کرنا۔

(۳) جسمانی تکالیف، اموال میں کمی، عزیزوں کی اموات جیسے صبر آزما مواقع پر اللہ تعالی کے احکام کو سامنے رکھ کر "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" پڑھنا اور اللہ کی تقدیر پر راضی ہو کر صبر کا دامن پکڑنا۔

جو شخص ان تین اقسام، بالخصوص پہلی دو، کو عملاً اپناتا ہے، اسے ایمان کی مٹھاس اور شیرینی نصیب ہوتی ہے، ایسے آدمی کے بارے میں کہا جا سکے گا کہ وہ "صابر" ہے۔

نسب تبدیل کرنا کفر ہے

(٢٤٥)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((كُفْرٌ بِالْمَرْءِ اِدِّعَاءُ نَسَبٍ لَا يَعْرِفُهُ، أَوْ جَحْدُهُ وَإِنْ دَقَّ .)) (الصحيحة: ٣٣٧٠)

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہ کفر ہے کہ آدمی ایسے نسب کا دعوی کرے جس کو وہ خود نہیں پہنچانتا یا (نسب میں سے) کسی چیز کا انکار کر دے اگرچہ وہ معمولی ہو۔"

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ٢/ ٩١٦/ ٢٧٤٤، والطبراني في "المعجم الأوسط": ٨/ ٤٤٦/ ٧٩١٥، و "الصغير": صـ ٢٢٢ هند، و رواه احمد: ٢/ ٢١٥ مع تقديم و تأخير

فوائد:...... اللہ تعالی نے انسان کو جس خاندان میں پیدا کیا ہو، اسے اللہ تعالی کے اس فیصلے پر راضی ہو کر اسی کی طرف منسوب ہونا چاہئے، عزتوں اور ذلتوں کے فیصلے اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہیں۔

اللہ تعالی کے ہاں عزت و عظمت کا معیار حسب و نسب اور برادری و قبیلہ کی بنیاد پر نہیں ہے، بلکہ تقوی و طہارت پر ہے، جو جتنا متقی ہو گا، وہ اسی قدر اللہ تعالی کے ہاں معزز و مکرم قرار پائے گا۔

شرک اور قتل ناقابل معافی جرم ہیں

(٢٤٦)۔ عَنْ خَالِدِ بْنِ دِهْقَان ، قَالَ: كُنَّا فِي غَزْوَةِ الْقُسْطُنْطِينِيَّةِ بِذُلُقْيَة فَأَقْبَلَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ فَلَسْطِيْنَ مِنْ أَشْرَافِهِمْ وَخِيَارِهِمْ، وَيَعْرِفُوْنَ ذٰلِكَ لَهُ، يُقَالُ لَهُ: هَانِيُّ بْنُ كُلْثُوْمِ بْنِ شَرِيْكِ الْكِنَانِيُّ ، فَسَلَّمَ عَلَى عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِي زَكَرِيَّا ، وَكَانَ

خالد بن دہقان کہتے ہیں: ہم غزوۂ قسطنطنیہ کے دوران ذلقیہ مقام پر تھے، فلسطین کے اعلی و اشرف لوگوں میں سے ایک آدمی ہمارے پاس آیا، اس کا نام ہانی بن کلثوم بن شریک کنانی تھا، اس نے عبداللہ بن ابو زکریا کو سلام کہا اور وہ اس کے حق کو پہچانتا تھا، خالد نے ہمیں کہا: ہمیں عبداللہ بن زکریا نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدہ ام درداء رضی اللہ عنہا سے

يَعْرِفُ لَهُ حَقَّهُ، قَالَ لَنَا خَالِدٌ: فَحَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنِ أَبِي زَكَرِيَّا، قَالَ: سَمِعْتُ أُمَّ الدَّرْدَاءِ رضي الله عنها تَقُوْلُ: سَمِعْتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ رضي الله عنه يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَغْفِرَهُ إِلَّا مَنْ مَاتَ مُشْرِكاً، أَوْ مُؤْمِناً قَتَلَ مُؤْمِناً مُتَعَمِّداً.)) (الصحيحة:٥١١)

سنا، وہ کہتی ہیں کہ میں نے سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر گنہگار کو بخش دے، ماسوائے اس کے جو شرک کی حالت میں مرا یا وہ مومن جس نے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ٤٢٧٠، وابن حبان: ٥١، والحاكم: ٤/ ٣٥١، وكذا أبو نعيم في "الحلية": ٥/ ١٥٣، وابن عساكر في "تاريخ دمشق": ٥/ ٢٠٩/ ٢

فوائد ...... سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی مسلک ہے کہ مومن کے قاتل کی بخشش ناممکن ہے۔ اس آیت سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے: ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَاَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾ (سورۂ نساء: ۹۳) یعنی: ''اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے، اس کی سزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

لیکن جمہور سلف اور تمام اہل سنت نے قاتل کے حق میں وارد ہونے والی وعیدوں کو تغلیظ اور سختی پر محمول کیا ہے اور اس کی توبہ کو صحیح قرار دیا ہے، انھوں نے اس آیت کی یہ تاویل کی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دینا چاہے تو وہ اس آیت میں بیان کردہ سزا کا مستحق ہے، ان کی دلیل یہ آیت ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (سورۂ نساء: ۴۸) یعنی: ''یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔'' ان کی دوسری دلیل مشہور حدیث ہے، جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے سو (۱۰۰) افراد کے قاتل، جس کا تعلق بنو اسرائیل سے تھا، کی توبہ کو قبول کر لیا۔

عزیزی نے شرح الجامع الصغیر میں کہا: اس حدیث میں قاتل کی جو سزا بیان کی گئی ہے، اس کو مومن کے قتل کو حلال سمجھنے والے پر یا زجر و توبیخ پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ شرک کے علاوہ جتنے کبیرہ گناہ ہیں، ان کی بخشش ممکن ہے، اگرچہ ایسا گنہگار توبہ کے بغیر مر جائے۔ (دیکھئے عون المعبود: حدیث: ۴۲۷۰)

روزِ قیامت نبی کریم ﷺ کا نسبی اور ازدواجی رشتہ قائم رہے گا

(٢٤٧)۔ قَالَ ﷺ: ((كُلُّ سَبَبٍ مُنْقَطِعٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِلَّا سَبَبِي وَنَسَبِي.)) رُوِيَ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے روز ہر رشتہ (اور تعلق و قرابت) منقطع ہو جائے گا، سوائے میرے ازدواجی

مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، وَعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، وَالْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہم (الصحيحة:۲۰۳۶)

اور نسبی رشتے کے۔'' یہ حدیث سیدنا عبد اللہ بن عباس، سیدنا عمر بن خطاب، سیدنا مسور بن مخرمہ اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

تخريج: (۱)_أما حديث ابن عباس فأخرجه المخلص في "سبعة مجالس": ۱/۵۱، والطبراني في "المعجم الكبير": ۳/ ۱۲۹/ ۱، والخطيب في "التاريخ": ۱۰/ ۲۷۱، والهروي في "ذم الكلام": ۱۰۸/ ۲، والضياء في "المختارة"

فوائد: ...... سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جو حدیث مروی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: ((كُلُّ نَسَبٍ وَ صِهْرٍ مُنْقَطِعٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا نَسَبِيْ وَصِهْرِيْ۔)) (ابن عساكر: ۱۹/ ۶۰/ ۲، وهذا اسناد ضعيف جدا) یعنی: ''ہر نسبی اور ازدواجی رشتہ منقطع ہو جائے گا، سوائے میرے نسبی اور ازدواجی رشتے کے۔''

درج ذیل تفصیل سے اس حدیث کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے:

عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف ان کی بیٹی، جو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھی، سے شادی کرنے کا بار بار پیغام بھیجا۔ ایک دن انھوں نے خود کہا: اے ابو الحسن! آپ کی طرف کثرت سے پیغام بھیجنے کی وجہ وہ حدیث ہے، جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((كُلُّ سَبَبٍ وَنَسَبٍ مُنْقَطِعٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِلَّا سَبَبِيْ وَنَسَبِيْ)) یعنی: ''قیامت کے روز ہر رشتہ (اور تعلق وقرابت) منقطع ہو جائے گا، سوائے میرے ازدواجی اور نسبی رشتے کے۔''

میں چاہتا ہوں کہ آپ اہل بیت لوگوں کے ساتھ میری ازدواجی قرابت ہونی چاہیے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ چلے گئے اور اپنی اس بچی کو میک اپ کرنے کا حکم دیا اور پھر اس کو امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بھیج دیا۔ جب انھوں نے اس کو دیکھا تو اس کی طرف کھڑے ہوئے اور اس کی پنڈلی کو پکڑا اور کہا: اپنے باپ سے کہہ دینا کہ میں راضی ہوں، میں راضی ہوں، میں راضی ہوں۔ جب وہ بچی اپنے باپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی تو انھوں نے پوچھا: امیر المومنین نے تجھے کیا کہا؟ اس نے کہا: انھوں نے مجھے بلایا اور قبول کیا، جب میں کھڑی ہوئی تو انھوں نے میری پنڈلی کو پکڑا اور کہا: اپنے ابو سے کہہ دینا کہ میں راضی ہوں۔ پھر انھوں نے ان سے اس کا نکاح کر دیا، اس کے بطن سے زید بن عمر پیدا ہوا، وہ نوجوانی تک زندہ رہے، پھر فوت ہو گئے۔ (اخرجه ابو بكر الشافعي في "الفوائد": ۷۳/ ۲۵۷/ ۱، وابن عدي: ۶/ ۲، والخطيب في "التاريخ": ۶/ ۱۸۲)

نیکوں اور بدوں کے مناہج اور منازل جدا جدا ہیں

(۲۴۸)_ عن يزيد بن مرثد رضی اللہ عنہ، قال: قال رسول الله ﷺ: ((كما لا يُجتنى من

سیدنا یزید بن مرثد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جیسے کانٹوں سے انگور نہیں چنے جاتے، اسی طرح

الشَّوْكِ الْعِنَبُ كَذٰلِكَ لَا يُنْزَلُ الْأَبْرَارُ مَنَازِلَ الْفُجَّارِ، فَاسْلُكُوْا أَيَّ طَرِيْقٍ شِئْتُمْ، فَأَيَّ طَرِيْقٍ سَلَكْتُمْ وَرَدْتُمْ عَلٰى أَهْلِهِ.)) (الصحيحة: ٢٠٤٦)

بدکاروں کی منازل پر نیکوروں کو نہیں اتارا جاتا۔ جس راستے پر چلنا چاہتے ہو چلو (لیکن اتنا یاد رکھو کہ) جون سا راستہ اختیار کرو گے، اسی پر چلنے والوں کے پاس پہنچ جاؤ گے۔''

تخريج: أخرجه أبونعيم في "الحلية": ١٠/ ٣١

فوائد:...... نیکوکاروں اور بدکاروں کے راستے بھی جدا جدا ہیں اور اہداف و منازل بھی علیحدہ علیحدہ۔ ایک فریق کی دوسرے سے کوئی موافقت نہیں ہے۔

ہمیں چاہئے کہ ہم نیکیوں والا راستہ اختیاری کریں، تاکہ نیک لوگوں کی مجلسوں تک رسائی حاصل کر لیں۔

نیک یا بد ہونے کا اعتبار زندگی کے آخری لمحات پر ہے۔

(٢٤٩)۔ قَالَ الْمِقْدَادُ بْنُ الْأَسْوَدِ رضی اللہ عنہ: لَا أَقُوْلُ فِي رَجُلٍ خَيْراً وَلَا شَرًّا حَتّٰى أَنْظُرَ مَا يُخْتَمُ لَهُ۔ يَعْنِي بَعْدَ شَيْءٍ سَمِعْتُهُ مِنَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قِيْلَ: وَمَا سَمِعْتَ؟ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: ((لَقَلْبُ ابْنِ آدَمَ أَشَدُّ انْقِلَاباً مِنَ الْقِدْرِ إِذَا اجْتَمَعَتْ غَلْيَاناً.)) (الصحيحة: ١٧٧٢)

سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اس وقت تک کسی آدمی کو صاحبِ خیر یا صاحبِ شر نہیں کہتا، جب تک یہ نہ دیکھ لوں کہ کس عمل پر اس کا خاتمہ ہو رہا ہے، کیونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی ہے۔ کہا گیا: تم نے کون سی حدیث سنی ہے؟ میں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''ابن آدم کا دل اس ہنڈیا سے بھی زیادہ الٹ پلٹ ہونے والا ہے جو ابل رہی ہو۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ٤

فوائد:...... مومن کو چاہئے کہ خاتمہ بالایمان کی دعا کرے اور اعمالِ صالحہ پر استقامت اختیار کرے، بہر حال اللہ تعالیٰ کا عام قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو لوگ اپنی زندگی میں اعمال صالحہ کا اہتمام کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو موت کے وقت بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔ الا ماشاء اللہ۔

(٢٥٠)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((لَا تَعْجَبُوْا بِعَمَلِ أَحَدٍ حَتّٰى تَنْظُرُوْا بِمَا يُخْتَمُ لَهُ، فَإِنَّ الْعَامِلَ يَعْمَلُ زَمَاناً مِنْ دَهْرِهِ، أَوْ بُرْهَةً مِنْ دَهْرِهِ بِعَمَلٍ صَالِحٍ لَوْ مَاتَ عَلَيْهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ، ثُمَّ يَتَحَوَّلُ فَيَعْمَلُ عَمَلاً سَيِّئًا، وَإِنَّ الْعَبْدَ

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی کے عمل کو دیکھ اس کے (نیک یا بد) ہونے کا فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کرو، دیکھو کہ کس عمل پر اس کی زندگی کا خاتمہ ہو رہا ہے، کیونکہ (یہ حقیقت ہے کہ) عامل کچھ زمانہ نیک اعمال کرتا رہتا ہے، اگر انہی اعمال پر اس کو موت آ جائے تو وہ جنتی ہو گا، لیکن اس کی حالت بدل جاتی

لَيَعْمَلُ زَمَاناً مِنْ دَهْرِهِ بِعَمَلٍ سَيِّئٍ لَوْمَاتَ عَلَيْهِ دَخَلَ النَّارَ ، ثُمَّ يَتَحَوَّلُ فَيَعْمَلُ عَمَلاً صَالِحاً وَإِذَا أَرَادَ اللهُ بِعَبْدٍ خَيْراً اسْتَعْمَلَهُ قَبْلَ مَوْتِهِ فَوَفَّقَهُ لِعَمَلٍ صَالِحٍ ، ثُمَّ يَقْبِضُ عَلَيْهِ .)) (الصحيحة: ١٣٣٤)

ہے اور وہ برے عمل کرنا شروع کر دیتا ہے (اور ان پر اس کی موت واقع ہو جاتی ہے)۔ اسی طرح ایک انسان کچھ عرصہ تک برے عمل کرتا رہتا ہے، اگر انہی پر اس کو موت آ جائے تو وہ آگ میں داخل ہو گا، لیکن ہوتا یوں ہے کہ اس کی حالت تبدیل ہو جاتی ہے اور وہ نیک عمل شروع کر دیتا ہے (اور ان پر اس کی موت واقع ہو جاتی ہے)۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے خیر و بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے موت سے قبل نیک اعمال کی توفیق دے دیتے ہیں، پھر اس کی روح قبض کر لیتے ہیں۔''

تخریج: أخرجه أحمد: ٣/ ١٢٠ و ١٢٣ و ٢٣٠ و ٢٥٧، وابن عاصم في "السنة" ٣٤٧

فوائد: ...... یہ حقیقت مشاہدہ شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے عام طور پر نیکوکاروں کا انجام اچھا اور بروں کا انجام برا ہوتا ہے، پھر بھی حسن انجام کے لیے ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہیے، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ((إِنَّ قُلُوْبَ بَنِي آدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ كَقَلْبٍ وَاحِدٍ يُصَرِّفُهُ كَيْفَ يَشَاءُ .)) ثُمَّ يَقُوْلُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : ((اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ .)) (مسلم) یعنی: ''بنی آدم کے دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ایک دل کی مانند ہیں، وہ جیسے چاہتا ہے ان کو پلٹ دیتا ہے۔'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی: ''اے دلوں کو الٹ پلٹ کرنے والے: ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔''

معلوم ہوا کہ دین پر ثابت قدم رہنے کے لئے یہ دعا پڑھنی چاہئے:

اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ .

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کن امور کے ساتھ تشریف لائے

(٢٥١)۔ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي عَامِرٍ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: أَأَلِجُ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِلْجَارِيَةِ: ((أُخْرُجِيْ فَقُوْلِي لَهُ: قُلْ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ ، أَأَدْخُلُ ، فَإِنَّهُ لَمْ يُحْسِنِ الْاِسْتِئْذَانَ .)) قَالَ: فَسَمِعْتُهَا قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ إِلَيَّ الْجَارِيَةُ فَقُلْتُ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ ، أَأَدْخُلُ؟ فَقَالَ: ((وَعَلَيْكَ أُدْخُلْ .)) قَالَ: فَدَخَلْتُ فَقُلْتُ: بِأَيِّ

بنو عامر قبیلے کا ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: میں اندر آ جاؤں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لونڈی سے فرمایا: اس آدمی نے اچھے انداز میں اجازت طلب نہیں کی، لہٰذا جاؤ اور اسے کہو کہ یوں کہا کرو: السلام علیکم، میں اندر آ سکتا ہوں؟ اس آدمی نے خود ہی یہ بات سن لی اور لونڈی کے پہنچنے سے پہلے کہا: السلام علیکم، میں اندر آ سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وعلیک، آ جاؤ۔'' میں آپ کے پاس گیا اور پوچھا: آپ کون سی چیز لے کر آئے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

شَيْءٍ جِئْتَ؟ فَقَالَ: ((لَمْ آتِكُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ، أَتَيْتُكُمْ لِتَعْبُدُوْا اللّٰهَ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، وَتَدَعُوْا عِبَادَةَ اللَّاتِ وَالْعُزّٰى، وَتُصَلُّوْا فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ، وَتَصُوْمُوْا فِي السَّنَةِ شَهْراً، وَتَحُجُّوْا هٰذَا الْبَيْتَ، وَتَأْخُذُوْا مِنَ مَالِ أَغْنِيَائِكُمْ فَتَرُدُّوْهَا عَلٰى فُقَرَائِكُمْ. لَقَدْ عَلَّمَ اللّٰهُ خَيْراً، وَإِنَّ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا اللّٰهُ، خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ ﴿إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ﴾.)) (الصحيحة:٢٧١٢)

فرمایا: ”میں تمھارے پاس خیر لے کر آیا ہوں، میں تمھارے پاس اس لئے آیا ہوں تا کہ تم اللہ تعالی کی عبادت کرو، اس حال میں کہ وہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور لات اور عزی (جیسے بتوں) کی عبادت ترک کر دو اور دن رات میں پانچ نمازیں پڑھو اور سال میں ماہِ (رمضان) کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو اور غنی لوگوں سے (زکوۃ کا) مال لے کر اسے فقرا میں تقسیم کر دو۔ بیشک اللہ تعالی نے خیر و بھلائی پر مشتمل باتیں سکھائی ہیں اور وہ بھی علم ہے جو صرف اللہ تعالی جانتا ہے، پانچ چیزیں ہیں جو صرف اللہ تعالی جانتا ہے: ﴿بیشک اللہ تعالی ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، وہی بارش نازل فرماتا اور ماں کے پیٹ میں ہے اسے جانتا ہے، کوئی بھی نہیں جانتا کہ کل کیا کچھ کرے گا، نہ کسی کو یہ معلوم ہو کہ کس زمین میں مرے گا۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالی ہی پورے علم والا ہے اور صحیح خبروں والا ہے۔﴾ (سورۂ لقمان:٣٤)۔“

تخريج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ١٠٨٤، وأحمد: ٥/ ٣٦٨

اسرا و معراج کے موقع پر دشمنوں کا آپ ﷺ کے ساتھ استہزا اور پھر ندامت

(٢٥٢)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنه، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَمَّا كَانَ لَيْلَةُ أُسْرِيَ بِيْ، وَأَصْبَحْتُ بِمَكَّةَ فَظِعْتُ بِأَمْرِي وَعَرَفْتُ أَنَّ النَّاسَ مُكَذِّبِيَّ.)) فَقَعَدَ مُعْتَزِلاً حَزِيْناً قَالَ: فَمَرَّ عَدُوُّ اللّٰهِ أَبُوْ جَهْلٍ، فَجَاءَ حَتّٰى جَلَسَ إِلَيْهِ، فَقَالَ لَهُ۔ كَالْمُسْتَهْزِئِ۔ هَلْ كَانَ مِنْ شَيْءٍ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: ((نَعَمْ))قَالَ: مَا هُوَ؟ قَالَ: ((إِنَّهُ أُسْرِيَ بِيَ اللَّيْلَةَ.)) قَالَ: إِلٰى أَيْنَ؟ قَالَ: ((إِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ.)) قَالَ: ثُمَّ

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب مجھے اسرا کرایا گیا اور میں صبح کو مکہ میں پہنچ گیا، میں گھبرا گیا اور مجھے علم ہو گیا کہ لوگ مجھے جھٹلا دیں گے، سو آپ خلوت میں غمزدہ ہو کر بیٹھ گئے۔“ اللہ کا دشمن ابوجہل آپ ﷺ کے پاس سے گزرا، وہ آیا اور آپ کے پاس بیٹھ گیا اور مذاق کرتے ہوئے کہا: کیا کچھ ہوا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جی ہاں۔“ اس نے کہا: کیا ہوا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”آج رات مجھے اسرا کرایا گیا ہے۔“ اس نے کہا: کہاں تک؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بیت المقدس تک۔“ اس نے کہا: پھر صبح کو آپ ہمارے پاس بھی

اَصْبَحْتَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْنَا؟ قَالَ: ((نَعَمْ.)) فَلَمْ يَرَ أَنَّهُ يُكَذِّبُهُ مَخَافَةَ أَنْ يَجْحَدَهُ الْحَدِيْثَ إِذَا دَعَا قَوْمَهُ إِلَيْهِ، قَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ دَعَوْتُ قَوْمَكَ تُحَدِّثُهُمْ مَاحَدَّثْتَنِي؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((نَعَمْ)) فَقَالَ: هَيَّا مَعْشَرَبَنِي كَعْبِ بْنِ لُؤَيٍّ! فَانْتَفَضَتْ إِلَيْهِ الْمَجَالِسُ، وَجَاءُ وْا حَتّٰى جَلَسُوْا إِلَيْهِمَا، قَالَ: حَدِّثْ قَوْمَكَ بِمَا حَدَّثْتَنِي، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنِّي أُسْرِيَ بِيَ اللَّيْلَةَ.)) قَالُوْا: إِلٰى أَيْنَ؟ قَالَ: ((إِلٰى بَيْتِ الْمَقْدَسِ.)) قَالُوْا: ثُمَّ أَصْبَحْتَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْنَا؟ قَالَ: ((نَعَمْ)) قَالَ: فَمِنْ بَيْنِ مُصْفِقٍ، وَمِنْ بَيْنِ وَاضِعٍ يَدَهُ عَلٰى رَأْسِهِ مُتَعَجِّباً لِلْكِذْبِ۔ زَعَمَ! قَالُوْا: وَهَلْ تَسْتَطِيْعُ أَنْ تَنْعَتَ لَنَا الْمَسْجِدَ، وَفِي الْقَوْمِ مَنْ قَدْ سَافَرَ إِلٰى ذٰلِكَ الْبَلَدِ وَرَأَى الْمَسْجِدَ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((فَذَهَبْتُ أَنْعَتُ، فَمَازِلْتُ أَنْعَتُ حَتّٰى الْتَبَسَ عَلَيَّ بَعْضُ النَّعْتِ۔ قَالَ: فَجِيءَ بِالْمَسْجِدِ وَأَنَا أَنْظُرُ حَتّٰى وُضِعَ دُوْنَ دَارِ عِقَالٍ۔ أَوْ عَقِيْلٍ۔ فَنَعَتُّهُ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ.)) قَالَ: وَكَانَ مَعَ هٰذَا نَعْتٌ لَمْ أَحْفَظْهُ۔ قَالَ: فَقَالَ الْقَوْمُ: أَمَّا النَّعْتُ، فَوَاللّٰهِ! لَقَدْ أَصَابَ۔ (الصحيحة:٣٠٢١)

پہنچ گئے؟ آپ نے فرمایا: ”جی ہاں۔“ ابوجہل نے سوچا کہ ابھی اس کو نہیں جھٹلاتا، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اپنی قوم کو بلاؤں اور یہ (محمد ﷺ) اپنی بات بیان کرنے سے انکار دے۔ اس لئے ابوجہل نے کہا: اگر میں تیری قوم کو بلاؤں تو تو ان کے سامنے یہی گفتگو بیان کرے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں۔“ اس نے کہا: بنوکعب بن لوی کی جماعت ادھر آؤ۔ ساری کی ساری مجلسیں اس کی طرف ٹوٹ پڑیں، وہ سب کے سب آ گئے اور ان دونوں کے پاس بیٹھ گئے۔ ابو جہل نے کہا: (اے محمد!) جو بات مجھے بیان کی تھی، ان کو بھی بیان کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آج رات مجھے اسرا کرایا گیا۔“ انھوں نے کہا: کہاں تک؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بیت المقدس تک۔“ انھوں نے کہا: پھر صبح کو یہاں بھی پہنچ گئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں۔“ (یہ سن کر) کوئی تالی بجانے لگ گیا اور کوئی (بزعمِ خود) اس جھوٹ پر متعجب ہو کر اپنے سر کو پکڑ کر بیٹھ گیا۔ پھر انھوں نے کہا: کیا مسجد اقصی کی علامات بیان کر سکتے ہو؟ ان میں سے بعض لوگوں نے اس علاقے کا سفر بھی کیا ہوا تھا اور مسجد اقصی دیکھی ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے اس کی علامتیں بیان کرنا شروع کر دیں، لیکن بعض نشانیوں کے بارے میں اشتباہ و التباس سا ہونے لگا۔“ آپ نے فرمایا: ”مسجد اقصی کی (تمثیل کو) کو لایا گیا اور عقال یا عقیل کے گھر سے بھی قریب رکھ دیا گیا، میں نے اسے دیکھ کر نشانیاں بیان کر دیں، اس کے باوجود مجھے کچھ نشانیاں یاد نہ رہیں۔“ لوگوں نے کہا: رہا مسئلہ علامات کا، تو وہ تو اللہ کی قسم! آپ نے درست بیان کر دیں ہیں۔

تخريج: أخرجه النسائي في "السنن الكبرى" ٦/ ٣٧٧/ ١١٢٨٥، وابن أبي شيبة في "المصنف"

۱۱/ ٤٦١/ ١١٧٤٦، وأحمد: ١/ ٣٠٩ ومن طريقه الضياء المقدسي في "المختارة" ١/ ٣٠٩، والحربي في "غريب الحديث" ٥/ ١١٥/ ٢، والبزار: ١/ ٤٥ـ ٤٦، والطبراني في "المعجم الكبير" ١٢/ ١٦٧/ ١٢٧٨٢، و"الأوسط" ١/ ١٣٦/ ٢/ ٢٦٢٣، والبيهقي في "دلائل النبوة" ٢/ ٣٦٣

فوائد: ...... حدیثِ مبارکہ اپنے مفہوم میں واضح ہے، ہمیں چاہیے کہ راہِ حق پر گامزن رہیں، طعنہ مارنے والوں کے طعنوں پر توجہ نہ دھریں، حق والوں کا مدد و معاون اللہ تعالی ہے، جو ہر موڑ پر ہر قسم کی مشکل حل کرنے پر قادر ہے۔ اسراء ومعراج کی تفصیل "السيرة النبوية وفيها الشمائل" میں موجود ہے۔

آپ ﷺ پر ایمان نہ لانے والے یہودی اور عیسائی کا انجام

(۲۵۳)۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَامِنْ أَحَدٍ يَسْمَعُ بِي مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ، وَلَا يَهُوْدِيٌّ وَلَا نَصْرَانِيٌّ فَلَايُؤْمِنُ بِي إِلَّا دَخَلَ النَّارَ.)) هُوَ مِنْ حَدِيْثِ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى وَقَدِ اخْتُلِفَ عَلَيْهِ فِي إِسْنَادِهِ عَلٰى وُجُوْهٍ ثَلَاثَةٍ۔

(الصحيحة: ۳۰۹۳)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اب اس امت کا جو فرد، وہ یہودی ہو یا نصرانی (یا کوئی اور) میرے (ظہور) کے بارے میں سن کر مجھ پر ایمان نہیں لائے گا، وہ جہنم میں داخل ہوگا۔'' یہ حدیث سعید بن جبیر سے روایت کی گئی ہے اور ان پر تین صورتوں میں سند کا اختلاف پایا جاتا ہے۔

تخريج: هو من حديث سعيد بن جبير رحمه الله تعالى، وقد اختلف عليه في أسناده على وجوه ثلاثة: الأولى: عنه مرسلا: فأخرجه الطبري في "تفسيره": ١٢/ ١٣، الثانية: عنه عن ابن عباس: فأخرج الحاكم: ٢/ ٣٤٢، الثالث: عنه عن أبي موسى مرفوعا: فأخرجه الطيالسي في "مسنده": ٥٠٩، والاصح من هذه الوجوه الاول؛ والحديث على كل حال صحيح؛ فان له شاهد من حديث ابى هريرة مرفوعا نحوه

(۲٥٤)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَايَسْمَعُ بِي رَجُلٌ مِّنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ، وَلَا يَهُوْدِيٌّ، وَلَا نَصْرَانِيٌّ ثُمَّ لَمْ يُؤْمِنْ بِي إِلَّا كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ.)) (الصحيحة: ۱۵۷)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جو فرد، وہ یہودی ہو یا نصرانی، میرے بارے میں سنے اور مجھ پر ایمان نہ لائے، وہ جہنمی ہوگا۔''

تخريج: رواه مسلم فى "صحيحه": ١/ ٩٣، وابو عوانة: ١/ ١٠٤، واحمد: ٢/ ٣١٧، ٣٥٠، والسلمى فى "صحيفة همام": ٤٢/ ٩٠، وابن منده فى "التوحيد": ١/٤٤

فوائد: ...... چونکہ نبی کریم ﷺ کی آمد کی بعد حضرت موسی علیہ السلام اور حضرت عیسی علیہ السلام کی شریعتیں منسوخ اور

کالعدم ہو چکی ہیں، اس لیے آپ ﷺ کی آمد کی خبر موصول ہونے کے بعد آپ پر ایمان نہ لانے والوں کو کفر و شرک کی ایک ہی صف میں کھڑا ہونے پڑا گا، وہ عیسائی ہوں یا یہودی، مجوسی ہوں یا مشرکین مکہ، بے دین ہوں یا دہریہ۔

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ تورات و انجیل میں آپ ﷺ کی آمد کے بارے مکمل پیشین گوئیاں موجود تھیں، ہر لحاظ سے آپ ﷺ ان کا مصداق ٹھہرتے تھے، سلیم الفطرت اہل کتاب نے اس حقیقت کا اظہار بھی کیا تھا۔ آج کل کی تحریف شدہ تورات و انجیل میں بھی آپ ﷺ کا تذکرہ موجود ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ نے لکھا: اس حدیث میں یہ صراحت کر دی گئی ہے کہ جو آدمی، نبی کریم ﷺ اور آپ کی شریعت کا معاملہ واضح ہو جانے کے بعد آپ پر ایمان نہیں لاتا، اس کا انجام جہنم ہوگا، اس سلسلے میں یہودی، عیسائی، مجوسی اور بے دین میں کوئی فرق نہیں ہے۔

میرا اعتقاد تو یہ ہے کہ اگر غیر مسلموں کو دین اسلام کے اصول، عقائد اور عبادات کی حقیقی تعلیمات دی جائیں تو وہ اسلام میں فوج درفوج داخل ہونا شروع کر دیں گے، جیسا کہ ابتدائے اسلام میں ہوا تھا۔

کاش ایسے ہوتا کہ اسلامی ممالک داعیانِ اسلام کو حقیقی اسلامی تعلیمات سے مزین کر کے اور اس سلسلے میں ان پر خرافات، بدعات اور افتراءات کی مکمل وضاحت پیش کر کے ان کو مغربی ممالک کی طرف ارسال کرتے تا کہ وہ ان لوگوں پر اسلام کو اس کی تمام تر خوبیوں کے ساتھ پیش کر سکیں۔ بہر حال ضروری ہوگا کہ اسلام کی دعوت پیش کرنے والے قرآن مجید اور احادیث صحیحہ پر خوب دسترس رکھتے ہوں اور انھیں مغربی ممالک کی زبانوں پر بھی عبور حاصل ہو۔ فی الحال یہ چیز مفقود ہے، شاید حکمرانوں کو خیال آجائے۔ (صحیحہ:۱۱۲۹) والله المستعان .

اگر دس یہودی آپ ﷺ پر ایمان لے آتے تو

(٢٥٥)۔ عـنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه: قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ((لَوْ آمَنَ بِي عَشَرَةٌ مِنَ الْيَهُوْدِ، مَابَقِيَ عَلَى ظَهْرِهَا يَهُوْدِيٌّ إِلَّا أَسْلَمَ.)) (الصحيحة:٢١٦٢)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر دس یہودی مجھ پر ایمان لے آئیں تو روئے زمین پر بسنے والا ہر یہودی اسلام قبول کر لے گا۔“

تخريج: رواه البخاري:٦/ ٢٢٠، وابن الضريس في "أحاديث مسلم بن ابراهيم الازدي": ٤/ ٢، واحمد: ٢/ ٣٤٦، ٣٦٣

فوائد:...... حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: ابوسعید نے "شرف المصطفى" میں اس حدیث کو روایت کیا اور آخر میں یہ زیادتی بھی نقل کی: کعب نے کہا: وہی (دس یہودی) مراد ہیں، جن کا اللہ تعالی نے سورۂ مائدہ میں نام لیا۔ اس قول کے مطابق تو دس مخصوص یہودی مراد لیے جائیں گے، وگرنہ آپ ﷺ پر ایمان لانے والے یہودیوں کی تعداد دس سے زیادہ تھی۔ یہ مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت آپ ﷺ نے

اپنے ماضی کے دور کو سامنے رکھ کر فرمایا کہ اگر ماضی میں دس یہودی مسلمان ہو چکے ہوتے تو سارے کے سارے مشرف باسلام ہو جاتے۔ لیکن جو بات ظاہر (اور راجح) معلوم ہو رہی ہے کہ ان دس یہودیوں سے مراد دس رؤسائے یہود ہیں، مثلا بنونضیر میں ابویاسر بن اخطب، حیی بن اخطب، کعب بن اشراف اور رافع بن ابوحقیق، بنوقینقاع میں عبد اللہ بن حنیف، فنحاص اور رفاعہ بن زید اور بنوقریظہ میں زبیر بن باطیا، کعب بن اسد اور شمویل بن زید سردار قسم کے لوگ تھے، ان میں کسی ایک کا مسلمان ہونا بھی ثابت نہیں ہے، اگر یہ اسلام قبول کر لیتے تو ان کی پیرکار جماعتوں نے بھی مسلمان ہو جانا تھا۔ سردار یہودیوں میں سے صرف سیدنا عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تھا، وہ یہودیوں میں ریاست و سیادت میں مشہور آدمی تھے۔ ابونعیم نے ''الدلائل'' میں ایک حدیث ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے: ((لَوْ آمَنَ بِیْ اَلزُّبَیْرُ بْنُ بَاطِیَا وَذَوُوْهُ مِنْ رُؤْسَاءِ الْیَهُوْدِ لَأَسْلَمُوْا كُلُّهُمْ .)) یعنی: ''اگر زبیر بن باطیا اور اس کی طرح کے دوسرے رؤسائے یہود مسلمان ہو جاتے تو سارے یہودی اسلام قبول کر لیتے۔'' (فتح الباری: ۷/ ۳۵۰)

صحابیٔ رسول کی کرامت...... اللہ تعالی رزّاق ہے

(۲۵٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: أَصَابَ رَجُلاً حَاجَةٌ فَخَرَجَ إِلَى الْبَرِيَّةِ، فَقَالَتِ امْرَأَتُهُ: اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا مَانَتَعَجَّنُ وَمَا نَخْتَبِزُ، فَجَاءَ الرَّجُلُ وَالْجَفْنَةُ مَلْأَى عَجِيْنًا، وَفِي التَّنُّوْرِ جُنُوْبُ الشَّوَاءِ، وَالرُّحٰى تَطْحَنُ فَقَالَ: مِنْ أَيْنَ هٰذَا؟ قَالَ: مِنْ رِزْقِ اللّٰهِ، فَكَنَسَ مَاحَوْلَ الرُّحٰى، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَوْتَرَكَهَا لَدَارَتْ أَوْ طَحَنَتْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ .)) (الصحيحة:۲۹۳۷)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک آدمی کسی ضرورت کے پیشِ نظر جنگل کی طرف نکل گیا، اس کی بیوی نے کہا: اے اللہ! ہم کو رزق دے کہ ہم آٹا گوندھ کر روٹیاں پکا سکیں۔ جب وہ آدمی واپس آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ ٹب آٹے سے بھرا ہوا ہے، تنور میں (جانور کی) پسلیوں کا بھونا ہوا گوشت موجود ہے اور چکی غلہ پیس رہی ہے۔ اس نے کہا: یہ رزق کہاں سے آ گیا؟ اس کی بیوی نے کہا: یہ اللہ تعالی کا عطا کردہ رزق ہے، جب اس نے ارد گرد سے چکی صاف کی (تو وہ رک گئی)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر وہ اسے اسی حالت پر چھوڑے رکھتا تو وہ روزِ قیامت تک آٹا پیستی رہتی۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في"الأوسط": ۲/ ٤١/ ۲ ، والبيهقي في"الدلائل": ٦/ ۱۰۵

فوائد: ...... معاملہ بالکل واضح ہے، انسان کو چاہیے کہ وہ جائز اور حلال اسباب کے ذریعے رزق کی تلاش میں رہے، اللہ تعالی ماوراء الاسباب رزق دینے پر قدرت رکھتا ہے، اس حدیثِ مبارکہ سے درج ذیل آیت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ (طلاق : ۳) یعنی: ''اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے لیے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے اور اسے

ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے، جس کا اسے گمان بھی نہیں ہوتا اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ اسے کافی ہوگا۔''

تکلیف پر بسم اللہ کہنے کی فضیلت

(۲۵۷)۔ قَالَ ﷺ: ((لَوْ قُلْتَ: بِسْمِ اللّٰهِ لَطَارَتْ بِكَ الْمَلَائِكَةُ وَالنَّاسُ يَنْظُرُوْنَ إِلَيْكَ .)) قَالَهُ لِطَلْحَةَ حِيْنَ قُطِعَتْ أَصَابِعُهُ فَقَالَ: حَسِّ۔ وَرَدَ مِنْ حَدِيْثِ جَابِرٍ، وَأَنَسٍ رضی اللہ عنہما، وَابْنِ شِهَابٍ مُرْسَلاً۔ (الصحيحة: ۲۷۹٦)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تو ''بسم اللہ'' کہتا، تو فرشتے تجھے لے کر اڑ جاتے اور لوگ دیکھ رہے ہوتے۔'' آپ ﷺ نے یہ بات سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو اس وقت ارشاد فرمائی تھی جب انھوں نے (ایک تکلیف کی وجہ سے) ''ہائے'' کہا تھا۔ یہ حدیث سیدنا جابر، سیدنا انس رضی اللہ عنہما اور ابن شہاب سے مرسلاً مروی ہے۔

تخريج: أورده السيوطي في "الجامع الكبير" من رواية النسائي والطبراني والبيهقي في "الدلائل"، وابن عساكر عن جابر رضی اللہ عنہ، ابو نعيم وابن عساكر والضياء عن طلحة رضی اللہ عنہ، والطبراني وابن عساكر عن انس رضی اللہ عنہ، وابن عساكر عن ابن شهاب مرسلا

فوائد:...... معلوم ہوا کہ اچانک پہنچنے والی تکلیف پر ''ہائے ہائے، ہائے میری مائے، اوہو، او تیرا بھلا'' جیسے بے معنی الفاظ کی بجائے بسم اللہ کہنا چاہیے، مثلاً زخم لگنا، گر جانا، کسی حادثے سے بچنے کے لیے گاڑی کی فوراً بریک لگانا، وغیرہ۔

نبی کریم ﷺ کی برکتوں کا نزول

(۲۵۸)۔ عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ، أَنَّ رَجُلاً أَتَى النَّبِيَّ يَسْتَطْعِمُهُ، فَأَطْعَمَهُ شَطْرَ وَسْقِ شَعِيْرٍ، فَمَا زَالَ الرَّجُلُ يَأْكُلُ مِنْهُ وَامْرَأَتُهُ وَضَيْفُهُمَا حَتّٰى كَالَهُ، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: ((وَلَوْ لَمْ تَكِلْهُ لَأَكَلْتُمْ مِنْهُ، وَلَقَامَ لَكُمْ .)) (الصحيحة: ۲٦۲۵)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کھانا طلب کیا۔ آپ ﷺ نے اسے جو کا آدھا وسق دیا۔ وہ آدمی، اس کی بیوی اور اس کا مہمان اس سے کھاتے رہے، (وہ اتنا بابرکت تھا کہ ختم ہی نہیں ہو رہا تھا)، ایک دن اس نے اس کا وزن کر دیا، تو وہ ختم ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ کے پاس آیا، آپؐ نے فرمایا: ''اگر تو اس کا وزن نہ کرتا تو تم کھاتے رہتے اور وہ تمھارے لئے باقی رہتا۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ۷/ ٦۰

فوائد:...... اگر ہو سکے تو گھر میں استعمال کی جانے والی اشیا کو تولا یا ماپا نہ جائے اور بسم اللہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت استعمال کی جائے، اس طرح غیر محسوس انداز میں برکت ہوتی رہتی ہے۔ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کی برکت اور معجزے کا ذکر ہے۔

ایک وسق میں ساٹھ (۶۰) صاع ہوتے ہیں اور ایک صاع کا وزن دو کلو سو گرام ہوتا ہے، اس طرح آدھا وسق تقریباً اکتیس کلو گرام کے برابر ہوا۔

اللہ تعالی کو تعریف بھی پسند ہے اور معذرت بھی

(۲۵۹)۔ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ سَرِيْعٍ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((لَيْسَ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ الْمَدْحُ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَلَا أَحَدٌ أَكْثَرَ مَعَاذِيْرَ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ .)) (الصحيحة:۲۱۸۰)

سیدنا اسود بن سریع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ ہی ہے جسے سب سے زیادہ تعریف پسند ہے اور اللہ ہی ہے جو سب سے زیادہ عذر قبول کرنے والا ہے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في"الكبير":۱/ ۴۲/ ۲

فوائد:...... تعریف و توصیف، حمد و ثنا اور مدح و ستائش کی اصل مستحق ذات اللہ تعالی کی ہے، کیونکہ وہ خود بھی ہر اعتبار سے با کمال ہے اور دنیا میں پائے جانے والے کمالات اسی کی عطا ہیں۔

اللہ تعالی کا صبر

(۲۶۰)۔ عَنْ أَبِي مُوْسٰى رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((لَيْسَ أَحَدٌ أَصْبَرَ عَلٰى أَذًى سَمِعَ مِنَ اللّٰهِ، إِنَّهُمْ لَيَدَّعُوْنَ لَهُ وَلَداً، وَيَجْعَلُوْنَ لَهُ نِدًّا وَإِنَّهُ لَيُعَافِيْهِمْ وَيَدْفَعُ عَنْهُمْ وَيَرْزُقُهُمْ وَيُعْطِيْهِمْ)) (الصحيحة:۲۲۴۹)

سیدنا ابو موسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تکلیف والی بات سن کر سب سے زیادہ صبر کرنے والا اللہ ہے، لوگ اس کا بیٹا ہونے کا دعوی کر دیتے ہیں اور کسی کو اس کا ہم سر بنا دیتے ہیں، لیکن وہ (فوراً انتقام لینے کی بجائے) ان کو عافیت دیتا ہے، ان کی حفاظت کرتا ہے، انھیں رزق عطا کرتا ہے اور انھیں (کئی نعمتیں) عطا کرتا ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري:۶۰۹۹، ۷۳۷۸، ومسلم:۸/ ۱۳۳، ۱۳۴، ويعقوب الفسوي في"المعرفة":۳/ ۱۴۹، ۱۵۰، وأحمد:۴/ ۳۹۵، ۴۰۱، ۴۰۵، والبيهقي في"الأسماء و الصفات": ۵۰۴، ۵۰۵

فوائد:...... اس حدیث میں صبر کے دو معانی ہو سکتے ہیں: (۱) حلم و بردباری اور (۲) رکنا یعنی سزا کے مستحق مجرم کو جلدی جلدی سزا نہ دینا، بلکہ اس میں تاخیر کرنا، حلم و بردباری کا بھی یہی مفہوم ہے۔

یعنی لوگ اللہ تعالی کے حق میں شرک کر کے سنگین جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں، لیکن وہ پھر بھی ان پر انعامات کی بارش کرتا رہتا ہے۔ اس حدیثِ مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ محض دنیوی نعمتوں کو اللہ تعالی کے راضی ہونے کی علامت نہ سمجھا جائے، بلکہ جو معیار قرآن و حدیث میں پیش کیا گیا ہے، اس کی روشنی میں اللہ تعالی کی رضامندی اور ناراضگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ مسلمان نعمتوں کی وجہ سے اللہ تعالی کا شکریہ ادا کرتا رہا کرے۔

ایمان میں اتار چڑھاؤ نفاق نہیں

(٢٦١)۔ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا نَكُوْنُ عِنْدَكَ عَلٰى حَالٍ، فَإِذَا فَارَقْنَاكَ كُنَّا عَلٰى غَيْرِهِ۔ فَقَالَ: ((كَيْفَ أَنْتُمْ وَرَبُّكُمْ؟)) وَقَالَ أَبُوْ يَعْلٰى: ((وَنَبِيُّكُمْ؟)) قَالُوْا: اللّٰهُ رَبُّنَا، وَفِي أَبِي يَعْلٰى: أَنْتَ نَبِيُّنَا۔ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ۔ قَالَ: ((لَيْسَ ذَاكُمُ النِّفَاقُ .))

(الصحيحة: ٣٠٢٠)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کے پاس ہمارے (ایمان و اسلام) کی کیفیت اور ہوتی ہے اور دوسروں کے پاس اور (ہمیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ نفاق ہے)؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''اپنے ربّ اور اپنے نبی کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟'' انھوں نے کہا: ہم جلوتوں اور خلوتوں میں (یہ اقرار تو کرتے ہیں کہ) اللہ ہمارا ربّ ہے اور آپ ہمارے نبی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ تو نفاق نہیں ہے۔'' راویٔ حدیث ابو یعلی کی روایت میں ''اپنے نبی'' کے الفاظ ہیں۔

تخريج: أخرجه البزار: ١/ ٣٤/ ٥٢، وأبويعلي: ٦/ ١٠٥/ ٣٣٦٩

فوائد: ......امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی متابعات میں درج ذیل مفصل روایت پیش کی ہے، ذرا غور کریں:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک دن بوقتِ صبح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: رب کعبہ کی قسم! ہم ہلاک ہو گئے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''وہ کیسے؟''

انھوں نے کہا: (ہم میں) منافقت (آ گئی ہے)، منافقت۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أَلَسْتُمْ تَشْهَدُوْنَ اَنْ لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُه .)) یعنی: ''کیا تم یہ گواہی نہیں دیتے کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں؟''

انھوں نے کہا: کیوں نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ تو پھر نفاق نہیں ہے۔''

(یہ مکالمہ کل تین دفعہ دوہرایا گیا)

بالآخر انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں، تو ہمارے (ایمان کی) کیفیت اور ہوتی ہے، لیکن جب آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو دنیا اور اہل و عیال ہم کو مغموم اور فکر مند کر دیتے ہیں، (یعنی ہم ان میں پڑ کر بدل جاتے ہیں)۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَوْ أَنَّكُمْ إِذَا خَرَجْتُمْ مِنْ عِنْدِيْ تَكُوْنُوْنَ عَلَى الْحَالِ الَّذِيْ تَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ، لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ بِطُرُقِ الْمَدِيْنَةِ.)) ...... ''اگر تم لوگ (اس ایمانی) کیفیت پر برقرار رہو، جس پر میرے پاس ہوتے ہو تو مدینہ کے راستوں پر فرشتے تم سے مصافحہ کریں گے۔'' (مسند ابو يعلى: ٦/ ٥٨/ ٣٣٠٤)

اس حدیث کا تقاضا یہ ہوا کہ حالات و ظروف سے متاثر ہونے یا نہ ہونے سے ایمان میں کمی بیشی واقع ہوتی رہتی ہے، بہرحال اس کیفیت کو نفاق سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کی مجلسیں بڑی بابرکت ہوتی ہیں۔

اپنی برتری اور دوسروں کی کمتری ثابت کرنے کے لیے خاندانی نام استعمال کرنا ممنوع ہے

(٢٦٢)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ يَقُوْلُ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِى غَزَاةٍ فَكَسَعَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ رَجُلاً مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ: يَا لَلْأَنْصَارِ! وَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ: يَا لَلْمُهَاجِرِيْنَ! فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: ((مَابَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ؟)) قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! كَسَعَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ رَجُلاً مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ: ((دَعُوْهَا، فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ.)) قَالَ جَابِرٌ: وَكَانَتِ الْأَنْصَارُ حِيْنَ قَدِمَ النَّبِيُّ أَكْثَرَ، ثُمَّ كَثُرَ الْمُهَاجِرُوْنَ بَعْدُ فَسَمِعَهَا عَبْدُ اللّٰهِ ابْنِ أُبَيٍّ، فَقَالَ: قَدْ فَعَلُوْهَا؟ لَئِنْ رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ! قَالَ عُمَرُ: دَعْنِيْ، أَضْرِبْ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ، فَقَالَ: ((دَعْهُ، لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّداً يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ.))

(الصحيحة: ٣١٥٥)

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم ایک غزوے میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، ایک مہاجر نے ایک انصاری کے سرین پر ہاتھ یا لات ماری۔ انصاری نے (خاندانی غیرت و حمیت کا مسئلہ سمجھ کر) انصار کو یوں پکارا: او انصاریو! اور مقابلے میں مہاجر نے کہا: او مہاجرو! رسول اللہ ﷺ نے (سن کر) فرمایا: ''یہ جاہلیت کی پکاریں کیسے؟'' انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ایک مہاجر نے ایک انصاری کو چھیڑا ہے، (اس کی وجہ سے یہ للکاریں شروع ہو گئیں)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان (نسبتوں) کو ترک کر دو، یہ گندی ہیں۔'' سیدنا جابر کہتے ہیں: جب نبی کریم ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو انصار کی تعداد زیادہ تھی، بعد میں مہاجرین کی تعداد بھی بڑھ گئی۔ جب عبداللہ بن ابی منافق نے یہ بات سنی تو اس نے کہا: کیا یہ لوگ اس حد تک پہنچ گئے ہیں؟ جب ہم مدینہ کی طرف واپس جائیں گے تو ہم عزت والے ان ذلیلوں کو مدینہ سے نکال دیں گے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: (اے اللہ کے رسول!) مجھے اجازت دیجئے، میں اس منافق کا سر قلم کر دیتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''رہنے دو، کہیں لوگ یہ کہنا شروع نہ کر دیں کہ محمد (ﷺ) اپنے صحابہ کو بھی قتل کر دیتا ہے۔''

تخریج: أخرجه البخاري: ٤٩٠٥، ٤٩٠٧، ومسلم: ٨/ ١٩، والترمذي: ٣٣١٢، و الطحاوي في "مشكل

الآثار": ٤/ ٢٣٩، وابن حبان: ٧/ ٥٩٢/ ٥٩٥٨، ٨/ ١٩٣/ ٦٥٤٨، والبيهقي في "الدلائل": ٤/ ٥٣، وعبدالرزاق في "المصنف": ٩/ ٤٦٨/ ١٨٠٤١، وأحمد: ٣/ ٣٩٢، وأبويعلي: ٣/ ٣٥٦، ٤٥٨

فوائد: ...... شریعت نے ہی نے انصار ومہاجرین کے لیے انصار ومہاجرین کے نام پسند فرمائے۔ لیکن جب یہی نسبتیں عصبیت، بیجا حمایت، بے جا برتری، فرقہ پرستی، دھڑا بندی، خاندانی غیرت وحمیت اور بے طرفداری کا سبب بن رہی ہوں، تو ان کو قابل مذمت قرار دیا جاتا ہے۔ یہی معاملہ ہمارے خاندانوں اور برادریوں کا ہے کہ تعارف کے لیے تو ذات کا نام پیش کیا جا سکتا ہے، لیکن اپنی ابتری اور دوسرے کی کمتری باور کرانے کے لیے خاندانوں کے نام پیش کرنا جاہلیت کی علامت ہوگا، کیونکہ اللہ تعالی کے ہاں معیار تقوی اور پرہیز گاری ہے۔

مومن کی مثال، شہد کی مکھی اور کھجور کی طرح ہے

(٢٦٣)۔ عَنْ أَبِي رَزِيْنٍ وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ﷺ مَرْفُوْعاً: ((مَثَلُ الْمُؤْمِنِ مَثَلُ النَّحْلَةِ، لَاتَأْكُلُ إِلَّا طَيِّباً وَلَا تَضَعُ إِلَّا طَيِّباً.)) (الصحيحة:٣٥٥)

سیدنا ابورزین اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن کی مثال شہد کی مکھی کی طرح ہے، جو (زمین سے بطورِ خوراک) پاکیزہ چیزیں استعمال میں لاتی ہے اور پاکیزہ پھل دیتی ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن حبان: ٣٠، وابن عساكر: ٢/ ٤٣/ ١

فوائد: ...... مسند احمد (٦٨٧٢) کی روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں: ((ووقعت فلم تكسر ولم تفسد)) یعنی: ''جب وہ کسی (لکڑی) پر بیٹھتی ہے تو وہ نہ ٹوٹتی ہے اور نہ خراب ہوتی ہے۔'' اس مثال کی توضیح یہ ہے کہ کامل الایمان مومن ہمیشہ منفعتوں کی تلاش میں رہتا ہے اور لوگوں کے لیے بھی مفید ثابت ہوتا ہے، وہ طیّب اور حلال چیزیں کھاتا ہے اور دینے کے لیے بھی ان ہی کا انتخاب کرتا ہے، وہ مشتبہ امور کے درپے نہیں ہوتا اور کسی کو کوئی ضرر نہیں پہنچاتا۔ ہر شخص کو اپنے طرزِ حیات کا جائزہ لینا چاہیے اور آپ ﷺ کی ان تمثیلوں پر بار بار غور کرنا چاہیے۔

(٢٦٤)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعًا: ((مَثَلُ الْمُؤْمِنِ مَثَلُ النَّخْلَةِ، مَا اَخَذْتَ مِنْهَا مِنْ شَيْءٍ نَفَعَكَ.)) (الصحيحة:٢٢٨٥)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن کی مثال کھجور کے درخت کی ہے کہ اس کی ہر چیز فائدہ دیتی ہے۔''

تخريج: رواه الطبراني: ٣/ ٢٠٤/ ١

فوائد: ...... کھجور کے درخت کا پھل، عمر کے جس مرحلے میں ہو، مفید ہے، اس کی گٹھلی میں کئی امراض کا علاج پایا جاتا ہے اور اس کے پتوں سے ٹوکریاں، چٹائیاں، مصلے اور چارپائی بننے والا دھاگے تیار کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح مومن بھی اپنا مقام سمجھے اور کسی کو تکلیف نہ پہنچائے، بلکہ وہ ہر مسلمان کے لئے مفید ثابت ہو۔

امام مبارکپوری رحمہ اللہ نے کہا: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّ مِنَ

الشَّجَرِ لَمَا بَرَكَتُهُ كَبَرَكَةِ الْمُسْلِمِ .)) (بخاری: ٥٤٤٤) یعنی: ''ایک درخت ایسا ہے کہ اس کی برکت، مسلمان کی برکت کی طرح ہے۔'' آپ کی مراد کھجور کا درخت تھا۔

کھجور کے تمام اجزا مبارک ہیں اور ہر وقت ان برکات کا حصول ممکن ہے، جونہی کھجور کا دانہ وجود پکڑتا ہے، اس وقت سے لے کر خشک ہونے تک اس کی مختلف انواع کھائی جاتی ہے، پھر اس کی گٹھلی جانوروں کے چارہ میں استعمال کی جاتی ہے اور پتوں سے رسیاں وغیرہ بنائی جاتی ہیں۔ اسی طرح مومن کی برکتیں ہر قسم کے حالات میں عام ہونی چاہئیں، اس کا وجود ایسا ہو کہ وہ خود بھی اور دوسرے لوگ بھی اس کے وجود سے اس کی زندگی میں اور اس کی موت کے بعد مستفید ہوسکیں۔ (تحفة الاحوذی: ٤/ ٣٩)

ہر آدمی کو اپنے زمانۂ تخلیق پر راضی ہو کر اعمالِ صالحہ کرنے چاہئیں
کون سی تفریق قابل مذمت ہے؟

(٢٦٥)۔ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: جَلَسْنَا إِلَى الْمِقْدَادِ ابْنِ الْأَسْوَدِ رضی اللہ عنہ يَوْماً، فَمَرَّ بِهِ رَجُلٌ فَقَالَ: طُوبَى لِهَاتَيْنِ الْعَيْنَيْنِ رَأَتَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، وَاللّٰهِ إِنَّا لَوَدِدْنَا أَنْ رَأَيْنَا مَا رَأَيْتَ، وَشَهِدْنَا مَا شَهِدْتَ فَاسْتُغْضِبَ، فَجَعَلْتُ أَعْجَبُ مَا قَالَ إِلَّا خَيْراً، ثُمَّ أَقْبَلَ إِلَيْهِ فَقَالَ: مَا يَحْمِلُ الرَّجُلَ عَلَى أَنْ يَتَمَنَّى مَحْضَراً غَيَّبَهُ اللّٰهُ عَنْهُ لَا يَدْرِي لَوْ شَهِدَهُ كَيْفَ كَانَ يَكُونُ فِيهِ؟ وَاللّٰهِ لَقَدْ حَضَرَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَقْوَامٌ أَكَبَّهُمُ اللّٰهُ عَلَى مَنَاخِرِهِمْ فِي جَهَنَّمَ، لَمْ يُجِيبُوهُ وَلَمْ يُصَدِّقُوهُ۔ أَوَلَا تَحْمَدُونَ اللّٰهَ إِذْ أَخْرَجَكُمْ لَا تَعْرِفُونَ إِلَّا رَبَّكُمْ، مُصَدِّقِينَ لِمَا جَاءَ بِهِ نَبِيُّكُمْ، وَقَدْ كُفِيتُمُ الْبَلَاءَ بِغَيْرِكُمْ؟ وَاللّٰهِ! لَقَدْ بَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيَّ عَلَى أَشَدِّ حَالٍ بُعِثَ عَلَيْهَا فِيهِ نَبِيٌّ مِنَ

عبدالرحمن بن جبیر بن نفیر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ایک دن ہم سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں وہاں سے ایک آدمی کا گزر ہوا۔ اس نے سیدنا مقداد کو دیکھ کر کہا: ان دو آنکھوں کے لئے خوشخبری ہے، جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کا دیدار کیا، ہم چاہتے ہیں کہ جو کچھ آپ نے دیکھا، ہم بھی دیکھتے اور جہاں جہاں آپ حاضر ہوئے، ہم بھی وہاں پہنچتے (یعنی رسول اللہ ﷺ کی صحبت اختیار کی ہوتی)۔ سیدنا مقداد غصے میں آ گئے۔ مجھے بڑا تعجب ہوا کہ اس آدمی نے خیر و بھلائی والی بات ہی کی ہے، (یہ غصے کیوں ہو رہے ہیں)؟ اتنے میں وہ اس آدمی کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: کون سی چیز بندے کو اس بات پر اکساتی ہے کہ وہ ایسے مشہد کی تمنا کرے، جہاں سے اللہ تعالیٰ نے اسے غائب رکھا ہو، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اگر وہ اس وقت ہوتا تو کس حالت میں ہوتا؟ (ذرا غور کرو کہ) ایسے لوگ بھی تو رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھے، جنھیں اللہ تعالیٰ نے نتھنوں کے بل جہنم میں گرا دیا، انھوں نے آپ کی دعوت قبول کی نہ آپ کی تصدیق کی۔ کیا تم اس نعمت پر اللہ

الْأَنْبِيَاءِ فِي فَتْرَةٍ وَجَاهِلِيَّةٍ، مَا يَرَوْنَ أَنَّ دِيْنًا أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ، فَجَاءَ بِفُرْقَانٍ فَرَّقَ بِهِ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَفَرَّقَ بَيْنَ الْوَالِدِ وَوَلَدِهِ، حَتَّى إِنْ كَانَ الرَّجُلُ لَيَرٰى وَالِدَهُ وَوَلَدَهُ أَوْ أَخَاهُ كَافِرًا وَقَدْ فَتَحَ اللّٰهُ قُفْلَ قَلْبِهِ لِلْإِيْمَانِ، يَعْلَمُ أَنَّهُ إِنْ هَلَكَ دَخَلَ النَّارَ، فَلَا تَقَرُّ عَيْنُهُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّ حَبِيْبَهُ فِي النَّارِ، وَإِنَّهَا لَلَّتِي قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ﴾ (سورة الفرقان: ٧٤)۔ (الصحيحة:٢٨٢٣)

تعالی کا شکر ادا نہیں کرتے کہ جب اس نے تمھیں پیدا کیا تو تم اپنے ربّ کو پہچانتے تھے، نبی کی تعلیمات کی تصدیق کرتے تھے اور دوسرے لوگوں کی تکالیف تمھیں کفایت کر گئیں؟ (یعنی تم مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے اور تم سے پہلے والے لوگوں نے ابتلا و آزمائش میں پڑ کر تمھارے لئے دین کو محفوظ اور غالب کر دیا۔) جب اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کو مبعوث فرمایا، تو اہل حق کے لئے حالات اتنے سنگین تھے، کہ ماضی کے فتروں اور جاہلیتوں میں تشریف لانے والے انبیائے کرام میں ان کی مثال نہیں ملتی، مخالف لوگ یہ سمجھتے تھے کہ بتوں کی عبادت افضل دین ہے۔ آپ ﷺ فرقان مجید لے کر آئے، جس نے حق و باطل میں امتیاز کیا اور والد اور اولاد میں ایسی تفریق ڈال دی، کہ آدمی اپنے والد، اپنے بیٹے یا اپنے بھائی کو کافر سمجھنے لگا، اللہ تعالی نے ان کے دلوں پر لگے ہوئے تالے کھول دیئے۔ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ ایسے ہی ہلاک ہو گیا تو وہ جہنم میں داخل ہو جائے گا اور اسے اس طرح سکون کیسے ملے گا کہ اس کا محبوب جہنم میں ہو اور یہی چیز ہے جس کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿اور یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگا! تو ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما﴾۔ (سورۂ فرقان:۷۴)

تخريج: أخرجه أحمد: ٦/ ٢۔٣

فوائد: …… صرف اور صرف اللہ تعالی نے انسان کی تخلیق کے زمانے کا فیصلہ کیا، اس لیے ہمیں اس بات پر شکرگزار ہونا چاہیے کہ اس نے ہمیں ایک مسلمان گھرانے میں پیدا کر دیا اور ایسے وقت میں پیدا کیا کہ قرآن وسنت کی تمام شقوں پر عمل کرنا آسان تھا، اس میں ان لوگوں کے لیے بھی وعید ہے جو مسلم ماحول میں پیدا ہونے کے باوجود دائیں بائیں کی مارتے رہتے ہیں اور براہِ راست قرآن وحدیث کی طرف نہیں پلٹتے۔

امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: آپ ﷺ فرقان مجید لے کر آئے، جس نے حق و باطل میں امتیاز کیا اور والد اور اولاد میں ایسی تفریق ڈال دی، کہ آدمی اپنے والد، اپنے بیٹے یا اپنے بھائی کو کافر سمجھنے لگا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفریق، تفریق ہونے کی وجہ سے قابل مذمت نہیں ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وقت کا تقاضا ہے کہ کتاب وسنت کی روشنی میں دعوت پیش کرنے سے بچا جائے اور بدعات کی مخالفت بھی نہ کی جائے، کیونکہ ایسا کرنے سے لوگوں کے مابین تنفیر و تفریق پیدا ہو گی۔ دراصل یہ خیال ان لوگوں کی جہالت کا نتیجہ ہے، ان بے چاروں

کو پتہ نہیں کہ ہر زمان و مکاں میں جب بھی حق کی دعوت پیش کی گئی تو اختلاف اور عداوت کو ہوا ملی۔ اس معاملے میں اللہ تعالی کا یہی اصول ہے، جس میں کوئی رد و بدل اور تغیر و تبدل نہیں آ سکتا۔ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ﴾ (ھود: ۱۱۸۔ ۱۱۹) یعنی: ''اگر تیرا رب چاہتا تو لوگوں کو ایک امت بنا دیتا۔ (حقیقت یہ ہے کہ) لوگ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے، مگر وہ جس پر تیرا ربّ مہربانی کر دے۔''

معلوم ہوا کہ مذہب کی بنا پر تفریق ہونا قانونِ قدرت ہے۔

عہدہ سنبھالنے والے متنبہ رہیں

اللہ تعالی کے نام پر سوال کرنے والا یا جس سے اس طرح سوال کیا جائے، دونوں ملعون کیسے؟

(۲۶۶)۔ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ الْمُهَلَّبِ لَمَّا وَلِيَ خُرَاسَانَ، قَالَ: دُلُّوْنِي عَلٰى رَجُلٍ كُلِّ لِخِصَالِ الْخَيْرِ، فَدُلَّ عَلٰى أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوْسٰى الْأَشْعَرِيِّ، فَلَمَّا جَاءَهُ رَآهُ رَجُلاً فَائِقاً فَلَمَّا كَلَّمَهُ رَأٰى مَخْبَرَتَهُ أَفْضَلَ مِنْ مَرْآتِهِ قَالَ: إِنِّي وَلَّيْتُكَ كَذَا وَكَذَا مِنْ عَمَلِي، فَاسْتَعْفَاهُ، فَأَبٰى أَنْ يُعْفِيَهُ، فَقَالَ: أَيُّهَا الْأَمِيْرُ! أَلَا أُخْبِرُكَ بِشَيْءٍ حَدَّثَنِيْهِ أَبِي أَنَّهُ سَمِعَهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَ: هَاتِهِ، قَالَ: إِنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَنْ تَوَلّٰى عَمَلاً وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَيْسَ لِذٰلِكَ الْعَمَلِ أَهْلٌ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.)) قَالَ: وَأَنَا أَشْهَدُ أَيُّهَا الْأَمِيْرُ! إِنِّيْ لَسْتُ بِأَهْلٍ لِمَا دَعَوْتَنِي إِلَيْهِ فَقَالَ لَهُ يَزِيْدُ: مَازِدتَّ إِلَّا أَنْ حَرَّضْتَنِي عَلٰى نَفْسِكَ وَرَغَّبْتَنَا فِيْكَ فَاخْرُجْ إِلٰى عَهْدِكَ فَإِنِّيْ غَيْرُ مُعْفِيْكَ ثُمَّ فَخَرَجَ۔ كَذَا الْأَصْلُ وَلَعَلَّ الصَّوَابَ:

یزید بن مہلب کہتے ہیں: جب میں خراسان کا حاکم بنا تو میں نے کہا: مجھے ایسے آدمی کے پاس لے جاؤ جو خصائلِ خیر سے بدرجۂ اکمل متصف ہو۔ سو مجھے ابو بردہ بن ابو موسی اشعری کے پاس لایا گیا۔ جب میں نے ان کو دیکھا تو انھیں فائق پایا اور جب ان سے کلام کی تو ان کے باطن کو ظاہر سے افضل پایا۔ میں نے کہا: میں تجھے اپنی فلاں فلاں ڈیوٹی کا امیر بناتا ہوں۔ انھوں نے معذرت کرنا چاہی، لیکن میں نے ان کی معذرت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ انھوں نے کہا: اے امیر! کیا میں تجھے ایک حدیث بیان نہ کروں جو میرے باپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنی؟ میں نے کہا: بیان کیجئے۔ انھوں نے کہا: میرے باپ نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جس آدمی نے ایسے کام کی ذمہ داری قبول کی، جس کا وہ اہل نہیں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تیار کر لے۔'' امیر صاحب! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اس ذمہ داری کا اہل نہیں ہوں، جو آپ مجھے سونپنا چاہتے ہیں۔ میں نے اسے کہا: تیری اس ساری گفتگو نے مجھے مزید آمادہ کیا ہے اور رغبت دلائی کہ یہ عہدہ تجھے ہی سونپا جائے، لہٰذا جا اور یہ ذمہ داری

فَخَرَجَ ثُمَّ أَقَامَ فِيهِ مَاشَاءَ اللّٰهُ أَن يُقِيمَ، وَاسْتَأْذَنَهُ بِالْقُدُوْمِ عَلَيْهِ، فَأَذِنَ لَهُ، فَقَالَ: أَيُّهَا الْأَمِيْرُ! أَلَا أُحَدِّثُكَ بِشَيْءٍ حَدَّثَنِيْهِ أَبِي أَنَّهُ سَمِعَ مِن رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَ: هَاتِهِ، قَالَ: ((مَلْعُوْنٌ مَنْ سَأَلَ بِوَجْهِ اللّٰهِ وَمَلْعُوْنٌ مَنْ يُسْأَلُ بِوَجْهِ اللّٰهِ، ثُمَّ مَنَعَ سَائِلَهُ مَالَمْ يَسْأَلْهُ هُجراً.)) قَالَ: وَأَنَا أَسْأَلُكَ بِوَجْهِ اللّٰهِ أَلَا مَا أَعْفَيْتَنِي أَيُّهَا الْأَمِيْرُ! مِنْ عَمَلِكَ فَأَعْفَاهُ۔
(الصحيحة: ۲۲۹۰)

سنبھال لے، اب میں تجھے معاف نہیں کروں گا۔ یہ سن کر وہ چلے گئے، کچھ وقت وہاں ٹھہرے رہے (اور اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے رہے)۔ ایک دن امیر یزید کے پاس آنے کی اجازت طلب کی۔ جب اجازت ملی تو انھوں نے آ کر کہا: اے امیر! کیا میں تجھے ایسی حدیث بیان نہ کروں جو مجھے میرے باپ نے رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے بیان کی؟ انھوں نے کہا: بیان کیجیے۔ ابو بردہ نے کہا: وہ حدیث یہ ہے: ''وہ آدمی ملعون ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی ذات کا واسطہ دے کر سوال کیا اور وہ بھی ملعون ہے جس سے اللہ کی ذات کے واسطے سے سوال کیا گیا اور اس نے سائل کو کچھ نہ دیا، الا یہ کہ وہ کسی بیہودہ چیز کا سوال کرے۔'' اب میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا واسطہ دے کر آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ اے امیر! اس عہدے کے سلسلے میں میری معذرت قبول کرو۔ پس انھوں نے ان کی معذرت قبول کر لی۔

تخريج: رواه ابن عساكر: ۸/ ۳۹۷/ ۲، والطبراني في "الكبير"

فوائد: ...... مذہب ہو یا سیاست، دونوں میدانوں میں عصر حاضر کے لوگوں نے عہدے قبول کرنے کے لیے بازی لگا رکھی ہے، کوئی رقم بٹورنے کے چکر میں ہے تو کوئی اپنا مقام منوانے اور اپنا ڈیرہ آباد کرنے کے چکر میں۔ اگر ان لوگوں کو اپنی ذمہ داریوں اور قوم کی امانتوں کا خیال ہو تو شاید یہ بھی ابو بردہ کی طرح گھروں میں بیٹھنے کو عافیت سمجھیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم بیٹھے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

((أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ النَّاسِ مَنْزِلَةً؟)) قُلْنَا: بَلَى قَالَ: ((رَجُلٌ مُمْسِكٌ بِرَأْسِ فَرَسِهِ۔ أَوْ قَالَ: فَرَسٍ۔ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتَّى يَمُوْتَ أَوْ يُقْتَلَ.)) قَالَ: ((فَأُخْبِرُكُمْ بِالَّذِي يَلِيْهِ؟)) فَقُلْنَا: نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: ((اِمْرُؤٌ مُعْتَزِلٌ فِي شَعْبٍ، يُقِيْمُ الصَّلَاةَ، وَيُؤْتِي الزَّكَاةَ وَيَعْتَزِلُ النَّاسَ.)) قَالَ: ((فَأُخْبِرُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ مَنْزِلَةً؟)) نَعَمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: ((الَّذِي يُسْأَلُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَلَا يُعْطِي بِهِ.))
(صحيحه: ۲۵۵)

یعنی: ''کیا میں تمھیں اس شخص کے بارے میں بتاؤں جو منزلت کے اعتبار سے سب سے بہتر ہے؟'' ہم نے کہا: کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ آدمی ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے گھوڑے کا سر تھاما ہوا ہے، (یعنی لڑنے کے لئے گھوڑے سمیت تیار ہے) حتی کہ وہ مر جاتا ہے یا اسے شہید کر دیا جاتا ہے۔'' پھر فرمایا: ''اب کیا میں تمھیں

اس شخص کے بارے میں بتلاؤں جو اس کے بعد مرتبے والا ہے؟'' ہم نے کہا: جی ہاں، اے رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ آدمی ہے جو کسی گھاٹی میں فروکش ہے اور نماز قائم کرتا ہے، زکاۃ ادا کرتا ہے اور لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہے۔'' پھر فرمایا: ''اب کیا میں تمھیں اس شخص کے بارے میں بھی بتلا دوں جو مرتبے کے لحاظ سے سب سے برا ہے؟'' ہم نے کہا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: ''وہ ہے جس سے اللہ، جو عظمتوں والا ہے، کے نام پر سوال کیا جائے، لیکن وہ پھر بھی نہ دے۔''

ابتدائے حدیث میں مجاہد کی فضیلت وعظمت کا بیان ہے، وسطِ حدیث عام لوگوں سے الگ تھلگ رہنے والے جس فرد کا ذکر ہے، دوسرے ارشاداتِ نبویہ کی روشنی میں اس کو اس وقت پر محمول کیا جائے گا کہ جب لوگوں کے اندر رہ کر بسیار کوشش کے باوجود بعض برائیوں سے بچنا ناممکن ہوگا، اس زمانے میں خلوت نشینی اختیار کرنے والا فرد عظیم ہوگا۔

آخرِ حدیث میں جس بدبخت کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے دو افراد میں سے ایک مراد ہے، اگر آخری جملے کو "اَلَّذِي يُسْأَلُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَلَا يُعْطِي بِهٖ۔" (وہ ہے جس سے اللہ، جو عظمتوں والا ہے، کے نام پر سوال کیا جائے، لیکن وہ پھر بھی نہ دے) پڑھا جائے، تو اس سے مراد وہ شخص ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر جس سے کچھ مانگا جائے، لیکن وہ پھر بھی کچھ نہ دے اور اگر اس جملے کو "اَلَّذِي يَسْأَلُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَلَا يُعْطٰى بِهٖ۔" (وہ ہے جو اللہ، جو عظمتوں والا ہے، کے نام پر سوال کرتا ہے، لیکن اس کو پھر کچھ نہیں دیا جاتا) پڑھا جائے، تو اس سے سوال کرنے والا خود مراد ہوگا، جو لوگوں سے کچھ مانگنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا نام استعمال کرتا ہے، لیکن پھر بھی اسے کچھ نہیں دیا جاتا۔

امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: حدیث کے آخری حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں سے دنیوی چیزوں کا سوال کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی ذات کا واسطہ دینا حرام ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی ذات کا واسطہ دے دے، اسے کچھ نہ دینا حرام ہے۔

امام سندھی رحمہ اللہ، حاشیہ علی النسائی میں کہتے ہیں: اگر صیغۂ معلوم کے ساتھ "اَلَّذِي يَسْأَلُ بِاللّٰهِ" پڑھا جائے تو دو قباحتیں جمع ہو جاتی ہے: (۱) اللہ تعالیٰ کے نام پر سوال کرنا اور (۲) اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر سوال کرنے والے کو کچھ نہ دینا۔ قباحت کی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مبارک نام کی حرمت کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔

صیغۂ مجہول کے ساتھ "اَلَّذِي يُسْأَلُ" پڑھنا درست نہیں ہے، کیونکہ اس سلسلے میں اس بندے کا تو کوئی دخل نہیں ہے، کہ سائل جس سے اللہ تعالیٰ کے نام پر سوال کر رہا ہے، پس اس مقام پر اس کے اور نہ دینے کے مابین کوئی مناسبت نظر نہیں آرہی۔

لیکن میں (البانی) کہتا ہوں: جس آدمی سے اللہ تعالیٰ کے نام پر سوال کیا جائے، اس کا نہ دینا بھی حرام ہے، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنِ اسْتَعَاذَ بِاللّٰهِ فَأَعِيْذُوْهُ وَمَنْ سَأَلَكُمْ بِوَجْهِ اللّٰهِ فَأَعْطُوْهُ.)) (ابوداود، مسند احمد، صحیحہ: ۲۵۳)

یعنی: ''جو آدمی تم سے اللہ تعالیٰ کے نام پر پناہ طلب کرو، اسے پناہ دے دو اور جو آدمی اللہ تعالیٰ کی ذات کا واسطہ

دے کر تم سے سوال کرے، اسے دے دیا کرو۔

یہی متن سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، دیکھیں: (صحیحہ: ۲۵۴)

جبکہ امام عطا رحمہ اللہ خود اس چیز کو مکروہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالی کی ذات یا قرآن کا واسطہ دے کر کسی دنیوی چیز کا سوال کیا جائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

اللہ تعالی کے نام پر سوال کرنا حرام ہے، اس کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا یُسْأَلُ بِوَجْهِ اللّٰهِ اِلَّا الْجَنَّةَ .)) یعنی: ''اللہ تعالی کی ذات کا واسطہ دے کر صرف جنت کا سوال کیا جائے۔'' لیکن اس حدیث کی سند ضعیف ہے، جیسا کہ علامہ منذری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس کی وضاحت کی، بہرحال اس کو بطورِ شاہد پیش کیا جا سکتا ہے، کیونکہ سابقہ بحث سے یہ تو عیاں ہو چکا ہے کہ جو شخص اللہ تعالی کے نام کا واسطہ دے کر سوال کر، اس کا مطالبہ پورا کرنا ضروری ہے، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ سائل کا سوال مسئول کو اس حدیث کی مخالفت میں مبتلا کر دے اور یوں وہ اس کا مطالبہ پورا نہ کر کے حرام کا ارتکاب کر بیٹھے گا اور یہ قانون مسلّم ہے کہ جو چیز حرام کا سبب بنتی ہے، وہ بھی حرام ہوتی ہے، مزید آپ خود غور وفکر کر لیں۔

لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالی کا نام پیش کر کے جس چیز کا سوال کیا جائے، اس کی ادائیگی اس وقت واجب ہوتی ہے، جب مسئول دینے پر قادر ہو اور اسے یا اس کے اہل وعیال کو کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو، بصورتِ دیگر سائل کا مطالبہ پورا کرنا اس پر واجب نہیں ہو گا۔ واللہ اعلم۔ (صحیحہ: ۲۵۵)

نیکی کے داعی کا اجر اور برائی کے داعی کا وبال

(۲٦٧)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((مَنْ دَعَا إِلٰى هُدًى، كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ دَعَا إِلٰى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَن تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا .)) (الصحيحة: ٨٦٥)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ہدایت کی طرف دعوت دی تو اسے اس کی پیروی کرنے والوں کے اجر جتنا اجر ملے گا، اس سے ان کے اجر وثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی اور جس نے ضلالت و گمراہی کی طرف بلایا تو اسے اس کے پیچھے چلنے والوں کے گناہ جتنا گناہ بھی ملے گا، اس سے ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔''

تخريج: رواه مسلم: ٨/ ٦٢، وأبوداود: ٢/ ٢٦٢، والترمذي: ٢/ ١١٢، والدارمي: ١/ ١٢٦، وابن ماجه: ١/ ٩١، وابن حبان: ١/ ١٦٢/ ١١٢، وأحمد: ٢/ ٣٩٧، وأبويعلى: ١١/ ٣٧٣

فوائد:...... جہاں یہ حدیث لوگوں کی خیر وبھلائی کا سبب بننے والوں کے لیے خوشخبری ہے، وہاں اس میں ہر اس شخص کے لیے سخت وعید ہے، جو کسی کے لیے برائی کا سبب بنتا ہے۔ ان والدین کو متنبہ رہنا چاہیے جو وقت کے تقاضوں

کے مطابق اپنی اولاد میں خیر و بھلائی کی روح پھونکنے کا اہتمام نہیں کرتے، بلکہ ٹیپ ریکارڈر، ٹی وی، کیبل، موبائل، کمپیوٹر اور گندی سی ڈیز وغیرہ کا اہتمام کر کے اپنے اولاد کے حق میں ڈاکو ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ ذہن نشین رہنا چاہیے کہ ان چیزوں کا استعمال حرام نہیں ہے، لیکن عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ان کے مضر اور نقصان دہ پہلوؤں کے استعمال کی وجہ سے بچوں کو بہت زیادہ نقصان ہو رہا ہے اور ان کی فطرتیں مسخ ہو رہی ہیں، اگر نگرانی میں بچوں کو ان ایجادات کا مفید پہلو استعمال کروایا جائے تو مفید نتائج سامنے آئیں گے۔ اصل کمال یہ ہے کہ بچوں کی دنیا و آخرت کو بہتر بنانے پر توجہ دھری جائے۔ بہرحال ہمیں اپنے کیے پر غور کرنا چاہیے کہ ہم کتنے لوگوں کی خیر کا سبب بنتے ہیں اور کتنے لوگوں کی شرّ کا ذمہ دار ٹھہرتے ہیں۔ حیرانی اس بات پر ہے کہ جو لوگ مساجد میں بسیرا کر کے اذانیں دیتے ہیں، نمازیں پڑھاتے ہیں، ہمارے بچوں کو قرآن مجید کی ناظرہ اور حفظ کی تعلیم دیتے ہیں، شرعی مسائل میں لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں، خطبوں اور دروس کا اہتمام کرتے ہیں اور معمولی معاوضے پر گزارا کرتے ہیں۔ ہم اپنے معاشرے سے متاثر ہو کر ایسے ہی لوگوں پر کیچڑ اچھالتے ہیں، ان کے عیوب اور نقائص کا ڈنڈورا پیٹتے ہیں، حالانکہ وہ بھی انسان ہیں، ان سے غلطی سرزد ہونا بھی ممکن ہے۔ چہ جائیکہ ہم اپنی اصلاح کریں، معاشرے میں خیر و صلاح کا سبب بننے والوں کو برا بھلا کہنا شروع کر دیتے ہیں۔

آزمائش زدہ کو دیکھ کر پڑھی جانے والی دعا اور فائدہ

(٢٦٨)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ رَأَى مُبْتَلًى فَقَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي عَافَانِي مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهِ، وَفَضَّلَنِي عَلٰى كَثِيْرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلاً. لَمْ يُصِبْهُ ذٰلِكَ الْبَلَاءُ.)) (الصحيحة: ٣٧٣٧)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے کوئی آزمائش زدہ آدمی دیکھا اور یہ دعا پڑھی: ساری تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے اس بیماری سے عافیت بخشی جس میں تجھے مبتلا کر رکھا ہے اور اپنی بہت سی مخلوقات پر مجھے فضیلت بخشی، تو وہ بیماری اسے لاحق نہیں ہو سکے گی۔“

فوائد:...... معلوم ہوا کہ مریض کو دیکھ کر یہ دعا پڑھنی چاہئے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ عَافَانِيْ مِمَّا ابْتَلَاكَ وَفَضَّلَنِيْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا۔

کسی سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنے کا صلہ

(٢٦٩)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَجِدَ طَعْمَ الْإِيْمَانِ فَلْيُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ.)) (الصحيحة: ٢٣٠٠)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو ایمان کا ذائقہ چکھ کر خوش ہونا چاہتا ہے، وہ لوگوں سے اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرے۔“

تخریج: أخرجه الطیالسي: ۲٤۹٥، وأحمد: ۲/ ۲۹۸، ۵۲۰، والبزار: ۱/ ۵۰/ ۶۳

فوائد: ...... حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَامِنْ رَجُلَيْنِ تَحَابَاً فِي اللّٰهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ، إِلَّا كَانَ أَحَبُّهُمَا إِلَى اللّٰهِ أَشَدَّهُمَا حُبًّا لِصَاحِبِهِ .)) (صحیحہ: ۳۲۷۳)

یعنی: ''جب دو آدمی ایک دوسرے سے اللہ تعالیٰ کے لئے غائبانہ طور پر محبت کرتے ہیں تو ان دونوں میں سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب وہ ہوتا ہے جو اپنے بھائی سے اس کی بہ نسبت زیادہ محبت کرنے والا ہوگا۔''

اس محبت کی بنیاد محبوب کے پرہیز گار ونیکوکار ہونے پر ہے، جو محبت کسی سے اس کی ذات و برادری، حسب ونسب، مال ومنال اور حسن و جمال کی وجہ سے نہیں بلکہ ایمان و ایقان اور عمل صالح کی وجہ سے کی جائے، وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتی ہے، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین آپس میں دوستی اور تعلق تھا، یہ دینی محبت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے تھے، اس میں کوئی دنیوی مفاد اور غرض وابستہ نہ تھی۔ جب اہل ایمان آپس میں دنیوی اغراض و مفادات سے بالا ہو کر اور محض اللہ تعالیٰ کی ذات کو سامنے رکھ کر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے بھی محبوب بن جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضمانت کون سے مسلمان کو حاصل ہے؟

(۲۷۰)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ صَلّٰى صَلَاتَنَا، وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا، وَأَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا، فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهِ، فَلَا تُخْفِرُوْا اللّٰهَ فِيْ ذِمَّتِهِ .)) (الصحيحة: ۳۵۶۵)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ہماری نماز پڑھی، ہمارے قبلے کی طرف متوجہ ہوا اور ہمارا ذبیحہ کھایا تو یہ وہ مسلمان ہوگا جس کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے، سو تم اللہ تعالیٰ کا عہد توڑ نہ دینا۔''

تخریج: أخرجه البخاري: ۳۹۱، والنسائي في "السنن الكبرى": ۲/ ۵۳۰/ ۱۱۷۲۸

فوائد: ...... چونکہ شہادتین، نماز میں ہی داخل ہیں اور وہی آدمی نماز پڑھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتا ہو، اس لیے ان کو الگ سے ذکر نہیں کیا گیا۔ دورانِ نماز مسجدِ حرام اور کعبہ کی طرف رخ کرنے کی قید لگا کر اہل کتاب وغیرہ کی نمازوں کو غیر معتبر قرار دیا۔ جیسے کسی کا ذبح شدہ جانور کھانے سے توقف کرنے کا تعلق عادات سے ہے، اسی طرح یہ عبادات میں سے بھی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس حدیث میں صرف تین امور کا ذکر کیوں کیا گیا اور حج، زکوۃ اور روزے جیسے دوسرے ارکانِ اسلام کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تین امور ہیں، جن کے ذریعے کسی کے مذہب کو جلدی سے پرکھا جا سکتا ہے، کیونکہ ملاقات کے بعد نماز اور کھانے کے معاملات ہی پیش آتے ہیں، جن کے ذریعے کسی کے مسلم یا غیر مسلم ہونے کو پہچانا جا سکتا ہے، رہا مسئلہ زکوۃ، حج اور روزوں کا، تو اول تو وہ کافی عرصے کے بعد فرض ہوتے ہیں اور یہ

بھی ممکن ہے کہ زکوۃ اور حج جیسے امور کسی پر فرض ہی نہ ہوں۔ اس لیے کسی کے ایمان کو علی الفور پہچاننے کے لیے حدیث میں مذکورہ تین امور کافی ہیں۔

اللہ تعالی اور اس کے رسول کے ذمے سے مراد وہ تمام رو رعائتیں ہیں، جو مسلمان کو اسلام کی وجہ سے نصیب ہوتی ہیں، مثلا جان کی ضمانت، مال کی ضمانت، عزت کا تحفظ، کافروں سے حفاظت۔

''سو تم اللہ تعالی کا عہد توڑ نہ دینا'' کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جن لوگوں کی ذمہ داری اٹھائی تم ان کی جان، مال، عزت اور ان کے کسی حق کو چھیڑو۔

اللہ تعالی کی مغفرت کس مسلمان کے لیے ہے؟

(۲۷۱)۔ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: ((مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ لَايُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا، يُصَلِّي الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ، وَيَصُوْمُ رَمَضَانَ، غُفِرَلَهُ .)) قُلْتُ: أَفَلَا أُبَشِّرُهُمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: ((دَعْهُمْ يَعْمَلُوْا .)) (الصحیحة: ۱۳۱۵)

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''جو اللہ تعالی کو اس حال میں ملے گا کہ اس نے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو، پانچ نمازیں پڑھی ہوں اور رمضان کے روزے رکھے ہوں، تو وہ اسے بخش دے گا۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا میں (یہ حدیث بیان کر کے) لوگوں کو خوش نہ کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رہنے دو، تا کہ وہ (مزید) عمل کرتے رہیں۔''

تخریج: أخرجه الأمام أحمد: ۵/ ۲۳۲

فوائد :...... یہ حدیث اس حقیقت کی بہت بڑی دلیل ہے کہ مومن کو اپنی بعض نیکیوں پر اعتماد کر کے دوسرے اعمال صالحہ سے پہلوتہی نہیں کرنی چاہیے، بلکہ جہاں تک ممکن ہو سکے، اپنی استطاعت و صلاحیت کے مطابق فرائض و واجبات کی ادائیگی کی تکمیل کے بعد نوافل و مستحبات کا اہتمام بھی کرے، تا کہ آخرت کا حساب و کتاب آسان ہو جائے۔

نیز یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ جس ہستی نے ہمیں یہ حدیث سنائی اور پھر خاص شبہے کی بنا پر اس کو آگے بیان کرنے سے منع کیا، اس کی اپنی حیاتِ مبارکہ کی روٹین کیا تھی؟ اور صحابہ کرام کا طرز حیات کیا تھا، جنھوں نے براہ راست یہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی؟

مومن وہ ہے جس میں اس قسم کی احادیث سے عمل کی مزید رغبت پیدا ہو۔

دعا نہ کرنا، غضبِ الٰہی کا موجب ہے

(۲۷۲)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((مَن لَّمْ يَدْعُ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ .)) (الصحیحة: ۲٦٥٤)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو اللہ تعالی کو نہیں پکارتا، وہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔''

تخریج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٦٥٨، والترمذي: ٢/ ٢٤٢، وابن ماجه: ٣٨٢٧، والحاكم: ١/ ٤٩١، وأحمد: ٢/ ٤٤٢، ٤٧٧، وابن أبي شيبة: ١٠/ ٢٠٠، والبيهقي في "الشعب": ١/ ٣٥/ ١٠٩٩، والطبراني في "الدعاء": ٢/ ٧٩٦/ ٢٣، وفي "الأوسط": ٣/ ٢١٦/ ٢٤٥٢، وابن عدي في "الكامل": ٧/ ٢٩٥، والبغوي في "تفسيره": ٧/ ٣١٠۔ منار

فوائد :......امام البانی رحمہ اللہ اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)) ثُمَّ قَرَأَ: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ (غافر، مؤمن: ٦٠)، (صحیحہ: تحت رقم: ۲۶۵۴) یعنی: ''دعا، عبادت ہی ہے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی: ''اور تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا، یقین مانو کہ جو لوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں، وہ ابھی ابھی ذلیل ہو کر جہنم میں پہنچ جائیں گے۔''

کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کو پکارنے سے تکبر کرنے سے اس کا غضب لازم آتا ہے، معنی و مفہوم کے اعتبار سے سیدنا نعمان کی حدیث، سیدنا ابو ہریرہ کی حدیث کا قوی شاہد ہے۔ (صحیحہ: ۲۶۵۴)

مومن، مومن کا آئینہ ہے

(٢٧٣)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: ((اَلْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ أَخُوالْمُؤْمِنِ، يَكُفُّ عَلَيْهِ ضَيْعَتَهُ، وَيَحُوْطُهُ مِنْ وَّرَائِهِ.)) (الصحيحة: ٩٢٦)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے اور مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے، اس کے سامان کی حفاظت کرتا ہے اور اس کا دفاع کرتا ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن وهب في "الجامع": صـ٣٧، وعنه أبوداود: ٢/ ٣٠٤، وكذا البيهقي في "الشعب": ٦/ ١١٣/ ٧٦٤٥، والبخاري في "الأدب المفرد": ٢٣٩، وأبو الشيخ في "التوبيخ": ٨٧/ ٥٤۔ مصر

فوائد :...... بندے کے چہرے پر لگے ہوئے دھبوں کی اصلاح کرنے کے لیے آئینہ یہ ذمہ داریاں ادا کرتا ہے: خاموشی سے داغ کی اصلاح کی طرف رہنمائی کرنا، غضبناک ہوئے بغیر عیب کی نشاندہی کرنا، جتنا عیب ہو اتنا ظاہر کرنا اور کسی دوسرے کے سامنے اس کے عیب کو نہ اچھالنا۔ اگر ہم یہی ذمہ داریاں ادا کرنا شروع کر دیں، تو سارے کے سارے معاشرے کی اصلاح ہو جائے گی، لیکن ہوتا کیا ہے کہ ہم اپنے تقوے اور ایمان پر بھرپور اعتماد کر کے اپنے ہر جرم کو چھوٹا اور دوسرے کے ہر جرم کو بڑا سمجھ کر آگ بگولا ہو جاتے ہیں، دوسرے کے عیب کو بڑھا چڑھا کر تیسرے کے سامنے بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں اور شیطان نے وسوسہ کیا ڈالا ہوتا ہے کہ ہم بہت صالح ہیں اور دوسروں کی اصلاح کر رہے ہیں۔

حدیثِ مبارکہ کے دوسرے حصے میں مومن کے جس بھائی چارے کا تذکرہ کیا گیا ہے، عصرِ حاضر کی اسلامی دنیا اس کے تقاضے پورے کرنے سے کوسوں دور ہے۔ اس زمانے میں تو ہر کوئی دوسرے کی عیب جوئی اور بدخوئی کرنے اور اس کا مال ہڑپ کرنے اور اس کو نقصان پہنچانے کے درپے ہے۔

اہل ایمان کی باہمی محبت ومودّت کا تقاضا

(٢٧٤)۔ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((اَلْمُؤْمِنُ مِنْ أَهْلِ الْإِيْمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ يَأْلَمُ الْمُؤْمِنُ لِمَا يُصِيْبُ أَهْلَ الْإِيْمَانِ، كَمَا يَأْلَمُ الرَّأْسُ لِمَا يُصِيْبُ الْجَسَدَ.)) (الصحيحة:١١٣٧)

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اہل ایمان کے لئے مومن کی اہمیت اس طرح ہے، جس طرح جسم کے لئے سر کی ہوتی ہے۔ اہل ایمان کے مصائب سے مومن تکلیف محسوس کرتا ہے، جیسا کہ جسم کی بیماری سے سر کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔''

تخريج: رواه أحمد: ٥/ ٣٤٠، وأبونعيم في"الحلية"٨/ ١٩٠، والقضاعي: ٣/ ٢/ ٢

(٢٧٥)۔ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((اَلْمُسْلِمُوْنَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ، إِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهُ اِشْتَكٰى كُلُّهُ، وَإِنِ اشْتَكٰى رَأْسُهُ اِشْتَكٰى كُلُّهُ)) (الصحيحة:٢٥٢٦)

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمام مسلمان ایک فرد کی مانند ہیں۔ اگر ایک شخص کی ایک آنکھ بیمار ہو تو پورا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے، اسی طرح اگر سر میں درد ہو تو سارا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے۔''

تخريج: رواه مسلم :٨/ ٢٠، وأحمد:٤/ ٢٧١و٣٧٦، وأخرجه البخاري: ٧/ ٧٧ ومسلم ايضا بلفظ: ((مثل المؤمنين فى توادهم و تراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد اذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى.))

فوائد:...... آجکل کے مفاد پرست اور خود غرض ماحول میں ان احادیثِ مبارکہ کو سمجھنے میں دقت پیش آئے گی، کیونکہ عصر حاضر میں ہر ایک نے اپنی زندگی کے کلیے خود ترتیب دے رکھے ہیں۔ کاش! اللہ پاک ہمارے مزاج میں بھی ایسی روح پھونک دے کہ ہماری دشمنی و دوستی اور محبت و نفرت کا معیار اسلام بن جائے۔

باہمی بھائی چارے کے تقاضے...... مسلمان کی پردہ پوشی اور اس کی تکلیف دور کرنے کا اجر وثواب

(٢٧٦)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((اَلْمُسْلِمُ أَخُوْالْمُسْلِمِ، لَايَظْلِمُهُ، وَلَايُسْلِمُهُ، وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيْهِ، كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهِ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً، فَرَّجَ

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اس کو کسی کے حوالے کرتا ہے۔ جو مسلمان اپنے بھائی کی حاجت پوری کرتا ہے اللہ تعالی اس کی ضرورت پوری کرتے ہیں، جو مسلمان اپنے بھائی کی کوئی پریشانی دور کر دیتا

اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِماً سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .)) (الصحيحة:٥٠٤)

ہے، اللہ تعالی اس کی قیامت کے دن کی کوئی پریشانی دور کریں گے اور جو اپنے مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ تعالی روزِ قیامت اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٢/ ٩٨، ومسلم: ٨/ ١٨، وأبوداود: ٤٨٩٣، والترمذي: ١/ ٢٦٨، وأحمد: ٢/ ٩١

فوائد: ...... ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم بحیثیتِ مسلمان صرف اپنے گھر اور بیوی بچوں کی فکر کو بالائے طاق رکھ کر ان خصائل سے متصف نہ ہو جائیں، بلکہ استطاعت کے مطابق ہر مسلمان کی خیر و بھلائی کا سوچیں، تاکہ ایمان و اسلام کی حقیقی شیریں محسوس ہو۔ مزہ اس تعلق میں ہے، جس کی بنیاد میں اسلام ہو، وگرنہ اپنے بیوی بچوں سے تو ہر کوئی پیار کر لیتا ہے۔

اگلی نسلوں تک احادیث منتقل کرنے والے حافظینِ حدیث کی فضیلت

دنیا کی فکر کا انجام اور آخرت کی فکر کا نتیجہ

(٢٧٧)۔ عَنْ أَبَانِ بْنِ عُثْمَانَ، قَالَ: أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رضی اللہ عنہ خَرَجَ مِنْ عِنْدِ مَرْوَانَ نَحْواً مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ، فَقُلْنَا: مَابَعَثَ إِلَيْهِ السَّاعَةَ إِلَّا لِشَيْءٍ سَأَلَهُ عَنْهُ، فَقُمْتُ إِلَيْهِ، فَسَأَلْتُهُ؟ فَقَالَ: أَجَلْ: سَأَلَنَا عَنْ أَشْيَاءَ سَمِعْتُهَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَقُوْلُ: ((نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيْثاً فَحَفِظَهُ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ غَيْرَهُ، فَإِنَّهُ رُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيْهٍ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ. ثَلَاثُ خِصَالٍ لَايَغُلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مُسْلِمٍ أَبَداً: إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ، وَمُنَاصَحَةُ وُلَاةِ الْأَمْرِ، وَلُزُوْمُ الْجَمَاعَةِ، فَإِنَّ دَعْوَتَهُمْ تُحِيْطُ مِنْ وَرَائِهِمْ .)) وَقَالَ: ((مَنْ كَانَ هَمُّهُ الْآخِرَةَ، جَمَعَ اللّٰهُ شَمْلَهُ، وَجَعَلَ غِنَاهُ

ابان بن عثمان کہتے ہیں: سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تقریباً نصف النہار کو مروان کے پاس سے نکلے۔ ہم نے کہا: اس وقت مروان نے ان سے کوئی سوال کرنے کے لئے ان کو بلایا ہو گا۔ میں ان کے پاس چلا گیا اور یہی بات پوچھی۔ انھوں نے کہا: جی ہاں، اس نے ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند احادیث کے بارے میں سوال کیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالی اس آدمی کو خوشنما اور تروتازہ رکھے جو میری حدیث سنتا ہے، اس کی حفاظت کرتا ہے اور اسے دوسروں تک پہنچا دیتا۔ کئی حاملینِ حدیث فقیہ نہیں ہوتے اور کئی حاملینِ فقہ اپنے سے زیادہ فقیہ آدمی تک (میری احادیث) پہنچا دیتے ہیں۔ تین خصائل پر مومن کا دل کبھی بھی خیانت نہیں کرتا: خلوص کے ساتھ اللہ تعالی کے لئے عمل کرنا، اربابِ حل وعقد کی خیر خواہی کرنا اور جماعت کو لازم پکڑنا، کیونکہ ان کی دعا سب کو شامل ہوتی ہے۔'' نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس آدمی کی فکر آخرت ہو، اللہ تعالی

فِي قَلْبِهِ وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ، وَمَنْ كَانَتْ نِيَّتُهُ الدُّنْيَا فَرَّقَ اللّٰهُ عَلَيْهِ ضَيْعَتَهُ، وَجَعَلَ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَاكُتِبَ لَهُ.)) (الصحيحة: ٤٠٤)

اس کے امور کی شیرازہ بندی کر دیتا ہے، اس کے دل کوغنی کر دیتا ہے اور دنیا ذلیل ہو کر اس کے پاس آ جاتی ہے اور جس آدمی کا ہدف دنیا ہو، اللہ تعالیٰ اس کے منافعوں کا شیرازہ منتشر کر دیتا ہے، اس کی فقیری کو اس کی پیشانی پر رکھ دیتا ہے اور اس کے پاس دنیا بھی اس کے مقدر کے مطابق پہنچتی ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ١٨٣ واللفظ له، والدارمي: ١/ ٧٥، وابن حبان: ٧٢، ٧٣- موارد، وابن عبدالبر في "الجامع": ١/ ٣٨، وروى ابن ماجه الشطر الاخير منه: ٢/ ٥٢٤

فوائد:...... جس طرح حدیث کے مبلّغ نے احادیث روایت کر کے علم کو تروتازہ کیا اور سنت کی تجدید کی، اسی طرح آپ ﷺ نے اس کے لیے خوشنمائی اور تروتازگی کی دعا کی۔ اس حدیثِ مبارکہ میں احادیث کے فضل و شرف اور طلبۂ حدیث کے درجہ و منزلت کا بیان ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ ان کے حق میں وہ دعا کی، جس میں کسی اور کو شریک نہیں کیا۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ کن لوگوں نے احادیث کی تلاش میں دور دراز کے سفر کر کے ان کو قلمبند کیا، ان پر باب بندی کی اور ان کو اگلی نسلوں تک منتقل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا، یقیناً وہ محدثین کی جماعت ہے اور ان کے منہج کو اپنانے والے وہ لوگ ہیں، جو آج بھی اپنے مدارس و مساجد میں لوگوں کو احادیث کی تعلیم دینے پر زور دیتے ہیں اور ان کو اپنے بڑوں کی آرا پر ترجیح دیتے ہیں۔

حدیث کے آخری پیرے کا مطلب یہ ہے کہ روزی کی تلاش میں جائز اسباب استعمال کرنے چاہئیں اور اس میں مصروف ہو کر اللہ تعالیٰ کے فرائض سے غافل نہیں ہو جانا چاہیے، وگرنہ جن لوگوں نے جائز و ناجائز وسائل استعمال کیے اور شریعت کے واجبات سے غفلت برتی، وہ بیچارے دنیا میں سکون حاصل کر سکے نہ ان کو اخروی چین نصیب ہو سکا۔

لوگوں کی چار اور اعمال کی چھ اقسام

(٢٧٨)۔ عَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ الْأَسَدِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((النَّاسُ أَرْبَعَةٌ، وَالْأَعْمَالُ سِتَّةٌ فَالنَّاسُ: (١) مُوَسَّعٌ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ (٢) وَمُوَسَّعٌ لَهُ فِي الدُّنْيَا مَقْتُوْرٌ عَلَيْهِ فِي الآخِرَةِ (٣) وَمَقْتُوْرٌ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا مُوَسَّعٌ عَلَيْهِ فِي الآخِرَةِ (٤) وَشَقِيٌّ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ. وَالْأَعْمَالُ:

سیدنا خریم بن فاتک اسدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کی چار اور اعمال کی چھ اقسام ہیں: لوگوں (کی چار اقسام یہ ہیں:) (۱) دنیا و آخرت میں خوشحال، (۲) دنیا میں خوشحال اور آخرت میں بدحال، (۳) دنیا میں تنگ حال اور آخرت میں خوشحال، (۴) دنیا و آخرت میں بد بخت۔ اعمال (کی اقسام یہ ہیں:) (۱،۲) واجب کرنے والے دو اعمال، (۳،۴) برابر سرابر، (۵) دس

(١) و (٢) مُوْجِبَتَانِ (٣) و (٤) وَمِثْلٌ بِمِثْلٍ (٥) وَعَشَرَةُ أَضْعَافٍ (٦) وَسَبْعُ مِئَةِ ضِعْفٍ۔ (١) و (٢) فَالْمُوْجِبَتَانِ: مَنْ مَاتَ مُسْلِماً مُؤْمِناً لَايُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا فَوَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ مَاتَ كَافِراً وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ۔ (٣) وَ (٤) وَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا، فَعَلِمَ اللّٰهُ أَنَّهُ قَدْ أَشْعَرَهَا قَلْبُهُ وَحَرِصَ عَلَيْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةٌ، وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ لَمْ تُكْتَبْ عَلَيْهِ، وَمَنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ وَاحِدَةٌ، وَلَمْ تُضَاعَفْ عَلَيْهِ (٥) وَمَنْ عَمِلَ حَسَنَةً كَانَتْ لَهُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا (٦) وَمَنْ أَنْفَقَ نَفَقَةً فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ كَانَتْ لَهُ بِسَبْعِ مِئَةِ ضِعْفٍ۔)) (الصحيحة:٢٦٠٤)

گنا اور (٦) سات سو گنا۔ (ان کی تفصیل یہ ہے:) واجب کرنے والے دو اعمال سے مراد یہ ہے: جو مسلمان و مومن اس حال میں فوت ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا، اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے اور جو کافر کفر کی حالت میں مرتا ہے، اس کے لئے جہنم واجب ہو جاتی۔ (٣،٤) جس نے نیکی کرنے کا ارادہ کیا اور عملاً نہ کر سکا، لیکن اس کے دل نے اس نیکی کو محسوس کیا اور اس کی طرف راغب ہوا تو ایک نیکی لکھی جائے گی اور جس نے برائی کا ارادہ کیا تو اسے اس وقت تک نہیں لکھا جاتا جب تک وہ عملاً کر نہیں لیتا اور اگر کر بھی لیتا ہے تو ایک برائی لکھا جاتا ہے، (نیکی کی طرح) بڑھا چڑھا کی نہیں لکھا جاتا۔ (٥) جس نے عملاً نیکی کی اسے دس گنا ثواب ملے گا اور (٦) جس نے اللہ تعالی کے راستے میں خرچ کیا اسے سات سو گنا تک اجر ملے گا۔"

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ٣٤٥، وابن حبان :٣١، عن شيبان بن عبدالرحمن، وابن أبي شيبة في "مسنده": ٢/ ٣٨/ ٢

فوائد:...... یہ اللہ تعالی کی رحمت کے مختلف تقاضے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے حکم پر کھجور کے گچھے کا آپ کے پاس آنا

(٢٧٩)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنه، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي عَامِرٍ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَكَانَ يُدَاوِيْ وَيُعَالِجُ۔ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! إِنَّكَ تَقُوْلُ أَشْيَاءَ فَهَلْ لَكَ أَنْ أُدَاوِيَكَ؟ قَالَ: فَدَعَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔ ثُمَّ قَالَ: ((هَلْ لَكَ أَنْ أُرِيَكَ آيَةً۔)) وَعِنْدَهُ نَخْلٌ وَشَجَرَةٌ، فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عِذْقًا مِنْهَا فَأَقْبَلَ إِلَيْهِ، وَهُوَ يَسْجُدُ

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: بنو عامر قبیلے کا ایک معالج آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے محمد! آپ عجیب وغریب باتیں کرتے ہیں، تو کیا میں آپ کا علاج کر سکتا ہوں؟ رسول اللہ ﷺ نے اسے اللہ تعالی کی طرف دعوت دی اور فرمایا: "کیا میں تجھے کوئی (خاص) نشانی دکھاؤں؟ آپ کے قریب کھجوروں کے اور دوسرے درخت تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے کھجوروں کے گچھے کو بلایا، وہ آپ کی طرف متوجہ ہوا، سجدہ کرتے کرتے اور سر اٹھاتے اٹھاتے

وَيَـرْفَعُ رَأْسَهُ، حَتّٰى اِنْتَهٰى إِلَيْهِ، فَقَامَ بَيْنَ يَـدَيْـهِ، فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِرْجِعْ إِلٰـى مَـكَـانِكَ.)) فَرَجَعَ إِلٰى مَكَانِهِ۔ قَالَ الْعَامِرِيُّ: وَاللّٰهِ! لَا أُكَذِّبُكَ بِقَوْلٍ أَبَداً، ثُمَّ قَـالَ: يَا آلَ بَنِي صَعْصَعَةَ! وَاللّٰهِ! لَا أُكَذِّبُهُ بِشَيْءٍ يَقُوْلُهُ أَبَداً۔ (الصحيحة:٣٣١٥)

آپ کے پاس پہنچ گیا اور آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی جگہ کی طرف لوٹ جا۔'' وہ لوٹ گیا۔ یہ علامت دیکھ کر عامری نے کہا: اللہ کی قسم! میں آپ کو کبھی بھی نہیں جھٹلاؤں گا۔ پھر فرمایا: اے آلِ بنی صعصعہ! آپ (ﷺ) جو کہتے رہیں، میں آپ کو کبھی نہیں جھٹلاؤں گا۔

تـخـريج: أخرجه أبو أسحاق الحربي في "غريب الحديث": ٥/ ٨٤/ ١، وأبويعلي في "مسنده" ٤/ ٢٣٦، وابـن حبـان: ٢١١١۔ مـوارد، والـطبـرانـي فـي "المعجم الكبير": ١٢/ ١٠٠/ ١٢٥٩٥۔ والسياق له۔، وأبـونـعيم في "الدلائل": ٣٣٥، وكذا البيهقي: ٦/ ١٦، و احمد: ١/ ٢٢٣، والبخارى فى "التاريخ": ٢/ ١/ ٣، وعنه الترمذى: ٣٦٣٢، والحاكم: ٢/ ٦٢٠

فوائد: ...... یہ آپ ﷺ کا معجزہ تھا۔ کھجور کے گچھے نے آپ ﷺ تک پہنچنے کے لیے جو کیفیت اختیار کی، کوئی انسان کسی کے لیے اس کو اختیار نہیں کر سکتا، کئی نصوص سے اس مسئلہ کی وضاحت ہوتی ہے۔

درجہ بدرجہ افضل اعمال

(٢٨٠)۔ عَـنْ عُبَـادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ، قَالَ: إِنَّ رَجُلاً أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: يَا نَبِيَّ الـلّٰهِ! أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: ((اَلْإِيْمَانُ، وَتَـصْدِيْقٌ بِهِ، وَجِهَادٌ فِي سَبِيْلِهِ.)) قَالَ: أُرِيْـدُ أَهْـوَنَ مِـنْ ذٰلِكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: ((السَّـمَاحَةُ وَالصَّبْرُ.)) قَالَ: أُرِيْدُ أَهْوَنَ مِنْ ذٰلِكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: ((لَاتَتَّهِمِ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِي شَيْءٍ قَضٰى لَكَ بِهِ.)) (الصحيحة:٣٣٣٤)

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے نبی! کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ پر ایمان لانا، اس کی تصدیق کرنا اور اس کے راستے میں جہاد کرنا۔'' اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اس سے آسان عمل چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''عفو و درگزر کرنا اور صبر کرنا۔'' اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرا ارادہ تو اس سے بھی آسان عمل کا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تیرے بارے میں جو فیصلہ کر دے اس پر ناخوش نہ ہونا (بلکہ راضی ہو جانا)۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٣١٨

زمانے کو گالی کو دینا منع ہے

(٢٨١)۔ عَـنْ أَبِـي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَـالَ: قَالَ رَسُـوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((قَـالَ الـلّٰـهُ عَزَّوَجَلَّ:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالےٰ نے فرمایا: آدم کا بیٹا مجھے تکلیف دیتا ہے،

يُؤْذِيْنِي ابْنُ آدَمَ، يَقُوْلُ: يَاخَيْبَةَ الدَّهْرِ وَفِي رِوَايَةٍ: يَسُبُّ الدَّهْرَ۔ فَلَا يَقُوْلَنَّ أَحَدُكُمْ يَاخَيْبَةَ الدَّهْرِ! فَإِنِّي أَنَا الدَّهْرُ أُقَلِّبُ لَيْلَهُ وَنَهَارَهُ، فَإِذَا شِئْتُ قَبَضْتُهُمَا.)) (الصحيحة:٥٣١)

وہ کہتا ہے: ہائے زمانے کی ناکامی و نامرادی! اور ایک روایت میں ہے کہ وہ زمانے کو برا بھلا کہتا ہے، تم میں سے کوئی بھی ایسے نہ کہا کرے کہ: ہائے زمانے کی ناکامی، کیونکہ میں (اللہ) زمانہ ہوں، میں دن اور رات کو الٹ پلٹ کرتا ہوں اور جب میں چاہوں گا ان کا سلسلہ ختم کر دوں گا۔''

تخريج: أخرجه البخاري:٣/ ٣٣٠و٤/ ٤٧٨، ومسلم: ٧/ ٤٥ والسياق له، وأبوداود: ٥٢٧٤، وأحمد: ٢/ ١٣٨، ٢٧٢، ٢٧٥

فوائد:...... حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے اللہ تعالیٰ کی کاریگری پر حرف آتا ہو۔ بدلتے موسم، تند و تیز ہوائیں اور آندھیوں وغیرہ کا مرکز و محور اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

(٢٨٢)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: إِسْتَقْرَضْتُ عَبْدِيْ فَلَمْ يُقْرِضْنِيْ وَشَتَمَنِيْ عَبْدِيْ وَهُوَ لَايَدْرِيْ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَلَايَنْبَغِيْ لَهُ شَتْمِي۔ يَقُوْلُ: وَا دَهْرَاه! ۔ ثلاثًا۔ وَأَنَا الدَّهْرُ.)) (الصحيحة:٣٤٧٧)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے اپنے بندے سے قرضے کا سوال کیا، لیکن اس نے مجھے قرضہ نہیں دیا اور میرا بندہ مجھے لاشعوری کیفیت میں گالی دے رہا ہوتا ہے، حالانکہ اسے یہ زیب نہیں دیتا۔ وہ کہتا ہے: ہائے! افسوس زمانے پر، ہائے! افسوس زمانے پر، ہائے! افسوس زمانے پر، جبکہ میں (اللہ) زمانہ ہوں۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "خلق أفعال العباد": صـ ٥٧، والحاكم في "المستدرك": ١/ ١٨ و ٢/ ٤٥٣، وابن جرير الطبري في "التفسير": ٢٥/ ٩٢، وأحمد: ٢/ ٣٠٠و ٥٠٦، وأبويعلي: ١١/ ٦٤٦٦/٣٥٣، وقد جاء الحديث في "الصحيحين" و غيرهما من طرق اخرى عن ابي هريرة بالفاظ مختلفة

(٢٨٣)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَاتَسُبُّوا الدَّهْرَ، فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَالَ: أَنَا الدَّهْرُ، الْأَيَّامُ وَاللَّيَالِي لِيْ أُجَدِّدُهَا وَأُبْلِيْهَا وَآتِي بِمُلُوْكٍ بَعْدَ مُلُوْكٍ.)) (الصحيحة:٥٣٢)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''زمانے کو برا بھلا نہ کہا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں زمانہ ہوں، میں دنوں اور راتوں کی تجدید کرتا ہوں اور پھر بوسیدہ کر دیتا ہوں اور بادشاہوں کو بھی یکے بعد دیگر بدلا بدلا کر لاتا ہوں۔''

تخريج: أخرجه الامام أحمد: ٢/ ٤٩٦

فوائد: ...... امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: جس طرح عرب لوگ ستاروں کے ذریعے بارش طلب کرتے تھے

اور ستاروں کی طرف فعل کی نسبت کرتے ہوئے کہتے تھے کہ فلاں ستارے کے طفیل بارش کا نزول ہوا ہے، اسی طرح جب وہ کسی مصیبت اور آزمائش میں مبتلا ہوتے تو وہ زمانے کو ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے اس کو برا بھلا کہتے تھے۔ یہ لوگ دراصل زمانے کے فاعل اور خالق کو برا بھلا کہتے تھے اور ہر چیز کا فاعل اور خالق اللہ تعالی ہے، اس لیے آپ ﷺ نے ان کو ایسا کرنے سے منع کر دیا۔

تنبیہ: محمد بن داود نے محدثین کی روایت "وَاَنَا الدَّهْرُ" کا انکار کیا، ان کا خیال کہ اگر لفظ "الدَّهْرُ" پر ضمہ پڑھنا جائز ہوتا تو "، اَلدَّهْرُ، اللہ تعالی کے اسمائے حسنی میں ایک ہوتا۔ اس لیے وہ اس کو "وَاَنَا الدَّهْرَ" یعنی فتحہ کے ساتھ پڑھتے اور اس کا معنی "وَاَنَا طولُ الدَّهْرِ" کرتے۔ لیکن حدیث مبارکہ کے ان الفاظ "فان الله هو الدهر" سے ان لوگوں کے شبہ کا ردّ ہوتا ہے، جمہور کا یہی خیال ہے کہ "وَاَنَا الدَّهْرُ" میں "الدَّهْرُ" کو مرفوع پڑھا جائے۔ واللہ اعلم۔ (صحيحه : ٥٣٢)

ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جو سازگار یا ناسازگار حالات محض اللہ تعالی کی طرف سے ہوتے ہیں، ان پر رضامندی کا اظہار کرنا چاہیے اور خفا نہیں ہونا چاہیے اور ان کو زمانے کی طرف منسوب کر کے زمانے کو ذمہ دار نہیں ٹھہرانا چاہیے، مثلاً بارش میں کمی یا زیادتی، طوفان، آندھیاں، زلزلے، سیلاب اور بیماریاں وغیرہ۔

مومن کی فضیلت

(٢٨٤)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((اَ نَعْلَمُ شَيْئًا خَيْراً مِنْ مِئَةٍ مِثْلِهِ إِلَّا الرَّجُلَ الْمُؤْمِنَ .)) (الصحيحة:٥٤٦)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سوائے مومن کے کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اپنی مثل کی سو چیزوں سے بہتر ہو۔"

تخريج: أخرجه الامام أحمد: ٢/ ١٠٩، والطبراني في "المعجم الصغير": صـ ٨٢

فوائد:...... یعنی مومن، سو بندوں سے بھی بہتر ہو سکتا ہے۔

مومن کا دوسروں کے لیے خیر و بھلائی پسند کرنا

(٢٨٥)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ مِنَ الْخَيْرِ .)) (الصحيحة:٧٣)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی آدمی اس وقت (مکمل) مومن نہیں ہو سکتا جب اپنے بھائی کے لئے وہی خیر و بھلائی پسند نہیں کرتا جو اپنے لئے کرتا ہے۔"

تخريج: أخرجه البخاري: ١/ ١١، ومسلم: ١/ ٤٩، وأبو عوانة في "صحيحه": ١/ ٣٣، والنسائي: ٢/ ٢٧١ و٢٧٤، والترمذي: ٢/ ٨٤، والدارمي: ٢/ ٣٠٧، وابن ماجه: ٦٦۔ والطيالسي: ٢٠٠٤،

وأحمد: ٣/ ١٧٦ و٢٠٦ و٢٥١ و٢٧٢ و٢٨٩، وزيادة "من الخير" لابی عوانة، والنسائی، وابی یعلی، وابن حبان

فوائد: ...... امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: عام طور اس حدیث مبارکہ کو ((لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِأَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ.)) کے الفاظ ساتھ بیان کیا جاتا ہے، لیکن اس میں "مِنَ الْخَیْرِ" کے الفاظ کی زیادتی اس حدیث کے معنی و مفہوم کو واضح کرتی ہے۔ "اَلْخَیْرِ" کے کلمے میں جامعیت پائی جاتی ہے، یہ کلمہ احکام شریعت کی تعمیل اور دنیوی و اخروی مباحات پر مشتمل ہے اور شریعت کے منع کردہ امور کو خارج کرتا ہے۔ یعنی مسلمان کا کامل اخلاق اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ جو دنیوی خیر و منفعت اور اخروی خیر و بھلائی اپنے لیے پسند کرتا ہے، اسے اپنے اسلامی بھائی کے لیے بھی پسند کرے اور جس بری چیز کو اپنے لیے پسند کرتا ہے، اسے اپنے بھائی کے حق میں بھی ناپسند کرے۔

(صحیحه: ٧٣)

ایمان، صدق اور امانت سے متصف دل کا کفر، کذب اور خیانت سے پاک ہونا

(٢٨٦)۔ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((لَا یَجْتَمِعُ الْإِیْمَانُ وَالْکُفْرُ فِی قَلْبِ امْرِئٍ، وَلَا یَجْتَمِعُ الْکَذِبُ وَالصِّدْقُ جَمِیْعًا، وَلَا تَجْتَمِعُ الْخِیَانَةُ وَالْأَمَانَةُ جَمِیْعًا.)) (الصحیحة: ١٠٥٠)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک آدمی کے دل میں ایمان اور کفر دونوں جمع نہیں ہو سکتے اور اسی طرح سچ اور جھوٹ بھی جمع نہیں ہو سکتے اور خیانت اور امانت کا اکٹھ بھی نہیں ہو سکتا۔"

تخریج: رواہ ابن وهب في "الجامع" ٧٣، ٨٣

فوائد: ...... ایمان، کفر کی ضد ہے۔ سچائی، جھوٹ کی متضاد ہے اور امانت، خیانت کا الٹ ہے۔ یہ متضاد امور ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم اسلام و ایمان کے دعویدار ہیں تو ہمیں ایمان، سچائی اور امانت سے متصف ہونا چاہیے اور کفر، جھوٹ اور خیانت کو ترک کر دینا چاہیے۔

موت کے وقت خوف و رجا کا مفہوم اور فضیلت

(٢٨٧)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ، قَالَ: دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰی شَابٍّ وَهُوَ فِی الْمَوْتِ، فَقَالَ: ((کَیْفَ تَجِدُكَ؟)) قَالَ: أَرْجُوْ اللّٰهَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَأَخَافُ ذُنُوْبِی فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((لَا یَجْتَمِعَانِ۔ یَعْنِی الْخَوْفَ وَالرَّجَاءَ۔ فِی قَلْبِ عَبْدٍ فِی

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نوجوان کے پاس گئے اور وہ موت و حیات کی کشمکش میں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: "اپنے (اخروی اجر و ثواب اور عذاب و عقاب کے) بارے میں کیا خیال کرتے ہو؟" اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں پر امید ہوں، لیکن اپنے گناہوں سے ڈر بھی رہا ہوں۔

مِثْلِ هٰذَا الْمَوْطِنِ ، يَعْنِي: اَلْإِحْتِضَارَ ، إِلَّا أَعْطَاهُ اللّٰهُ الَّذِي يَرْجُوْ ، وَأَمَّنَهُ مِنَ الَّذِي يَخَافُ .)) (الصحيحة:١٠٥١)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس آدمی کے دل میں اس قسم کے (جان کنی کے) وقت میں یہ دو چیزیں (یعنی خوف و امید) جمع ہو جاتی ہیں، تو جس چیز کی اسے امید ہوتی، اللہ تعالیٰ وہ عطا کر دیتا ہے اور جس چیز کا ڈر ہوتا ہے، وہ اس سے امن دلا دیتا ہے۔''

تخریج: رواه الترمذي: ١/ ١٨٣ ـ ١٨٤ و حسنه ، وابن ماجه: ٤٢٦١ ، وابن أبي الدنيا في "المختضرين" ٥/ ١ ـ ٢ ، وفي "حسن الظن" ١/١٨٦

فوائد:...... یہی مومن کی اصل پہچان ہے کہ جہاں اسے اپنی نیکیوں پر اعتماد ہوتا ہے وہاں اسے اپنی برائیوں کی وجہ سے ڈر بھی لگتا ہے۔

یعنی مومن لوگ اعمالِ صالحہ کی بنا پر اللہ کی رحمت اور فضل و کرم کی امید بھی رکھتے ہیں اور برے اعمال کی وجہ سے اس کے عتاب وعقاب اور مواخذہ و عذاب سے ڈرتے بھی ہیں۔ محض امید ہی نہیں کہ عمل سے بے پرواہ ہو جائیں، جیسے بے عمل اور بدعمل لوگوں کا رویہ ہے اور نہ عذاب کا اتنا خوف طاری کر لیتے ہیں کہ اس کی رحمت سے مایوس ہو جائیں۔

اس حدیثِ مبارکہ میں ان عمل خوروں کا ردّ ہے، جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کا سہارا لے کر اعمالِ صالحہ کے گراف میں کمی کرتے رہتے ہیں۔

تکبر کا مفہوم اور مذمت

(٢٨٨)۔ عَنْ أَبِي رَيْحَانَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((لَايَدْخُلُ شَيْءٌ مِنَ الْكِبْرِ الْجَنَّةَ .)) فَقَالَ قَائِلٌ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ إِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَتَجَمَّلَ بِجِلَازِ سَوْطِي وَشِسْعِ نَعْلِي؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِنَّ ذٰلِكَ لَيْسَ مِنَ الْكِبْرِ إِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ ، إِنَّ الْكِبْرَ سَفْهُ الْحَقِّ وَغَمْصُ النَّاسِ .)) (الصحيحة:١٦٢٦)

سیدنا ابو ریحانہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بڑائی اور تکبر (والے لوگ) جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔'' ایک کہنے والے نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں تو اپنے کوڑے پر کور چڑھا کر اور اپنے جوتے کے تسمے کو (اچھا بنا کر) خوبصورتی حاصل کرتا ہوں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''یہ تکبر نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے، تکبر یہ ہے کہ انسان حق شناس نہ ہو اور دوسرے لوگوں کو حقیر سمجھے۔''

تخریج: رواه أحمد: ٤/ ١٣٣ ـ ١٣٤ و ١٣٤ ، والحربي في "غريب الحديث": ٥/ ٣٤/ ١ ، وكذا رواه ابن عساكر: ١٤/ ٢٧١/ ٢ ، والخطابي في "الغريب": ٩٧/ ١

فوائد:...... قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت عبد اللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ایندھن کے کام آنے والی لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے بازار سے گزرے، کسی نے (ان پر اعتراض کرتے ہوئے ان کو) کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے بے پرواہ نہیں کیا؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں، لیکن میرا ارادہ ہے کہ اس کے ذریعے (اپنے نفس) سے تکبر کو دور کروں، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ .)) (قال الالبانی فی الصحيحة: ٣٢٥٧: أخرجه عبدالله بن أحمد في "زوائد الزهد": صـ ١٨٢، والأصبهاني في "الترغيب": ٦٥/١، ١/٢٧٠/٦٦٠ط- والزيادة له- وكذا الطبراني في "الكبير": ١٣/ ١٤٧/ ٣٦٣، والحاكم: ٤١٦/٣، والخرائطي في "المساوىء": ٢٦٥، والأصبهاني أيضا: ٢/١/٢٤٥، ٢٣٣١/٩٥٦/٢ط)

یعنی: ''ایسا شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوا۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي وَالْعِزَّةُ إِزَارِي فَمَنْ نَازَعَنِيْ وَاحِدًا مِنْهُمَا أُلْقِيْهِ فِي النَّارِ .)) (أخرجه أحمد: ٢٤٨/٢، وابوداود: ٤٠٩٠، وابن ماجه: ٤١٧٤، واخرجه مسلم فی "صحيحه": ٨/ ٣٥عن ابی سعيد الخدری و ابی هريرة مرفوعا، صحيحه: ٥٤١)

یعنی: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تکبر (اور بڑائی) میری چادر ہے اور عزت (اور غلبہ) میرا ازار ہے، جس نے ان دونوں (اوصاف) میں سے کوئی ایک مجھ سے کھینچنا چاہا، میں اُس کو آگ میں پھینک دوں گا۔''

کسی شخص کا مال و دولت، دولت و ثروت، حسن و جمال، جاہ و منصب، حکومت و سلطنت، غلبہ و اقتدار، علم و فضل، حسب و نسب، سرداری و سربراہی یا احترام و اکرام کی بنا پر اپنے آپ کو دوسروں سے برتر اور دوسروں کو اپنے سے کم تر سمجھنا اور حق بات ماننے سے ہٹ دھری کا ارتکاب کرنا اور ان دنیوی صفات کی بنا پر بعض سنتوں پر عمل نہ کرنا تکبر کہلاتا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّ اللّٰـهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ ، اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ .)) (مسلم)

یعنی: ''(اچھے کپڑے زیب تن کرنا اور اچھے جوتے پہننا تو قابل تعریف چیز ہے کیونکہ) اللہ تعالیٰ خود بھی خوبصورت ہے اور حسن و جمال کو پسند بھی کرتا ہے، تکبر تو یہ ہے کہ حق بات کو ٹھکرا دیا جائے اور لوگوں کو حقیر سمجھا جائے۔''

اس حدیث میں بیان کئے گئے تکبر کے مفہوم کو سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی روایت سے سمجھنا قدرے آسان ہو جاتا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنے بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ((كُلْ بِيَمِيْنِكَ .)) یعنی: ''دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔'' اس نے کہا: اس کی میرے اندر طاقت نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(اگر تجھے طاقت نہیں تو) تجھے اس کی استطاعت نہ ہونے پائے۔'' دراصل اس کو صرف تکبر نے آپ کی بات ماننے سے روکا تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد وہ آدمی اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے منہ کی طرف نہیں اٹھا

سکا۔ (مسلم) یہ ہے تکبر اور اس کا وبال کہ پوری زندگی کے لئے دائیں ہاتھ سے کھانا پینا نصیب نہ ہوا۔

ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی صلاحیتوں اور قابلیتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کریں اور ان کے تقاضے پورے کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں اور عاجزی و فروتنی کے جذبات سے سرشار ہو کر بندگانِ خدا اور خلقِ خدا کا احترام کریں۔

کھینچنے سے مراد ان صفات سے متصف ہونے کی کوشش کرنا یا دعوی کرنا ہے۔ کیونکہ غلبہ و اقتدار، تکبر و بڑائی اور عظمت و کبریائی جیسی صفات صرف اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ جس فرد کو جو قوت یا عظمت یا مقام و مرتبہ حاصل ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ اس لئے ایسے آدمی کو چاہئے کہ بطورِ شکر الٰہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور اپنی عظمت و کبریائی کے ڈنکے بجانا اور شریعت سے اعراض کرنا شروع کر دے۔ ہاں جو بھی ایسا کرے گا، اس کا انجام آتش دوزخ ہوگا۔ اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے سخت تنبیہ ہے جو اپنی قوت و طاقت، حسب ونسب، عہدہ و منصب اور مال و منال پر نازاں رہتے ہیں اور لوگوں کے سامنے متکبرانہ انداز اختیار کرتے ہیں۔

سیدنا عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے غرور، گھمنڈ اور شیخی کے جذبات کو مسخ کرنے کے لئے بہترین کلیہ استعمال کیا ہے، بلکہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَا اسْتَكْبَرَ مَنْ أَكَلَ مَعَهُ خَادِمُهُ وَرَكِبَ الْحِمَارَ بِالأَسْوَاقِ، وَاعْتَقَلَ الشَّاةَ فَحَلَبَهَا .)) (الصحيحة: ٢٢١٨، أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٥٥٠، والديلمي: ٤/٣٣)

یعنی: ”وہ شخص متکبر نہیں ہے، جس کے ساتھ اُس کے خادم نے کھانا کھایا اور وہ بازاروں میں گدھے پر سوار ہوا اور بکری کی ٹانگ کو اپنی ٹانگ میں پھنسا کر اس کو دوہا۔“

اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جو آدمی ایسے کام کرنے سے عار محسوس کرتا ہے، اسے اپنے ضمیر میں تکبر کا خطرہ محسوس کرنا چاہئے۔

قبل از قیامت بارہ قریشی خلفا کی خلافت

(٢٨٩)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضي الله عنه مَرْفُوْعاً: ((لَايَزَالُ الدِّيْنُ قَائِماً حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ، أَوْ يَكُوْنَ عَلَيْكُمْ اثْنَا عَشَرَ خَلِيْفَةً كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ .)) (الصحيحة: ٩٦٤)

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ دین قیامت کے برپا ہونے تک یا اس وقت تک قائم دائم رہے گا جب تک بارہ خلفاء خلافت کی مسندوں پر فائز نہیں ہو جاتے اور وہ سب کے سب قریش سے ہوں گے۔“

تخريج: أخرجه مسلم: ٦/ ٤، وأحمد: ٥/ ٨٦و٨٧و٨٨و٨٩، والطبراني في "المعجم الكبير": ٢/ ٢١٨/ ١٨٠٨و١٨٠٩

فوائد: ...... اس حدیثِ مبارکہ کی وضاحت کے لیے " الْخِلَافَةُ وَالْبَيْعَةُ وَالطَّاعَةُ وَالإِمَارَةُ " کا عنوان

''بارہ قریشی خلفاء'' دیکھیں۔

ہر دور میں ایک جماعت دین حق پر قائم رہے گی

(۲۹۰)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہ : ((لَایَزَالُ هٰذَا الدِّیْنُ قَائِماً یُقَاتِلُ عَلَیْهِ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَةُ .)) (الصحیحة:۹٦۳)

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ دین قائم دائم رہے گا، مسلمان کی ایک جماعت اس سے متصف ہو کر جہاد کرتی رہے گی، یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔''

تخریج:أخرجه ابن حبان: ۸/ ۲۹۵/ ٦۷۹۸۔ الاحسان، وأحمد: ٥/ ۹۲، ۹٤، ۱۰۳، ۱۰٥، والطيالسي: ص۱۰٤رقم۷٥٦، و الطبراني في"الكبير": ۲/ ۲٦٥/ ۱۹۹٦، ۲٦۹/ ۲۰۱۱

فوائد: ...... امام بخاری نے کہا: اس جماعت سے مراد اہل علم ہیں۔

امام احمد نے کہا: ان لم یکونوا اھل الحدیث فلا ادری من ھم۔ یعنی: اگر اس جماعت سے مراد اہل الحدیث (یعنی محدثین) نہیں ہیں، تو میں نہیں جانتا کہ کون مراد ہیں۔

قاضی عیاض نے کہا: اِنَّمَا اَرَادَ اَحْمَدُ اَهْلَ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَمَنْ یَعْتَقِدُ مَذْهَبَ اَهْلِ الْحَدِیْثِ . یعنی: امام احمد کی مراد اہل السنہ والجماعہ ہیں اور وہ لوگ ہیں جو اہل الحدیث کے منہج کے پیروکار ہوں۔

امام نووی نے کہا: ممکن ہے کہ یہ طائفہ مومنوں کی متعدد جماعتوں پر مشتمل ہو، مثلا: بہادری والے، بصیرت والے، فقیہ، محدث، مفسر، آمر بالمعروف، ناہی عن المنکر، زاہد اور عابد۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ ایک علاقے میں جمع ہوں۔ (دیکھئے: فتح الباری: ۱۳/ ۳٦۳، ۳٦٥، عون المعبود: حدیث: ۲۴۸۴)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جو لوگ علم و عمل کی صورت میں قرآن و حدیث کی خدمت اور ان کا تحفظ کرتے رہے، وہ اس خوشخبری کے مستحق ہیں۔

شیخ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ اس حدیثِ مبارکہ کا محل متعین کرتے ہوئے ہر دور اور زمانہ کے نیز ہر طبقہ کے محدثین کرام متفق نظر آتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام علی بن مدینی، یزید بن ہارون اور متأخرین میں سے خطیب بغدادی وغیرہ، کوئی بھی اختلاف کرتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ الفاظ اگرچہ مختلف ہیں، مگر مسمّی ایک ہی ہے۔ ایسا زبردست اتفاق شاید ہی کسی حدیث کی توضیح و تعبیر میں دیکھنے میں آیا ہو۔ بعض لوگ اس اختصاص پر چیں بجبیں ہوتے ہیں اور اہل حدیث کے تذکرہ سے سخت کبیدہ خاطر ہوتے ہیں، مگر انہیں دو باتیں ذہن نشین کر لینی چاہئیں۔ ایک یہ کہ حدیث و سنت کے ساتھ والہانہ شغف، حدیث و سنت کے جملہ علوم کے ساتھ حد درجہ اعتنا و توجہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و اخلاق اور غزوات و سرایا نیز حدیث پڑھنے پڑھانے میں یہ محدثین سب لوگوں سے فائق ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ صدر اول کے بعد امت مرحومہ کئی فرقوں میں بٹ گئی، ہر مذہب والوں نے اپنے اصول و فروع مقرر کر لئے اور

مسلک کی رو رعایت کرتے ہوئے مخصوص احادیث سے استدلال کرنے لگے اور دوسری طرف نگاہ اٹھانا ہی گوارہ نہ کیا۔ مگر قربان جائیے اہل حدیث پر، ان کے ماتھے کا جھومر اور مانگ کا سیندور ہمیشہ فرمودۂ رسول ﷺ رہا ہے۔ انہوں نے فرمانِ رسول کو ہمیشہ سینے سے لگایا ہے، خواہ روایت کرنے والا شیعہ ہو یا قدریہ یا خارجی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والا ہے، حنفی اور مالکی وغیرہ ہونا تو دوسری بات ہے، بشرطیکہ وہ عادل مسلم اور ثقہ ہو۔ اہل حدیث کسی دھڑے بندی اور گروہی تعصب کا شکار نہیں ہوئے۔ حدیثِ رسول ہی ان کا مطمح نظر رہا۔ فللہ درھم۔

ہم اپنی گفتگو کو حنفی سرخیل عالم مولانا محمد عبدالحیٔ لکھنوی کی بات پر ختم کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص بنظرِ انصاف دیکھے، فقہ و اصول کے سمندر میں تنگ نظری کے بغیر غوطہ خوری کرے تو اسے یقین کامل ہو جائے گا کہ اختلافی مسائل، خواہ ان کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے، ان میں محدثین کرام کا مؤقف محفوظ، قوی اور بادلائل ہے۔ میں نے جب اختلافی مسائل میں تحقیق و تدقیق سے کام لیا تو محدثین کی بات کو قرین انصاف پایا ہے۔

بھلا ایسا کیوں نہ ہو، وہ وارثانِ علوم نبوت اور نائبینِ شریعتِ محمدی ہیں۔ مولائے کریم ہمیں ان کی رفاقت کے شرفِ عظیم سے بہرہ ور فرمائیں اور ان کی محبت و کردار کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (ملخص از صحیحہ: ۲۷۰)

مومن عبرت پکڑتا ہے

(۲۹۱)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه مَرْفُوْعًا: ((لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ.)) (الصحيحة: ۱۱۷۵)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن کو ایک بل سے دو دفعہ نہیں ڈسا جا سکتا۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "صحيحه" ۱۰/ ٤٣٦ وفي "الأدب المفرد" صـ ۱۸۵، ومسلم: ۸/ ۲۲۷، وأبوداود: ۲/ ۲۹۷، والدارمي: ۲/ ۳۱۹و ۳۲۰، وابن ماجه: ۲/ ٤٧٦، و أحمد: ۲/ ۳۷۹

فوائد:...... امام بخاری نے اس حدیث سے پہلے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول پیش کیا: لاحکیم الا ذو تجربۃ۔ یعنی: تجربوں والا حکیم ہوتا ہے۔

اس حدیثِ مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ مومن سمجھدار، دور رس، دوبین اور دور اندیش ہوتا ہے، وہ اتنا غافل نہیں ہوسکتا ہے کہ ایک چیز کا تجربہ کرے اور ناکام ہونے کے بعد پھر اس میں ''پنگا'' لے۔ وہ دنیا کا معاملہ ہو یا دین کا۔

دراصل مومن کو اس حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ غافل نہ ہوا کرے اور مہارت و ہوشیاری سے کام لیا کرے، اگر کسی جہت سے کوئی نقصان یا مصیبت لاحق ہوتی ہے تو وہ دوبارہ اس طرف کا رخ نہ کرے۔

بعض مومنوں کا نبی کریم ﷺ کے پاس راحت پانا اور ان کی صفات

(۲۹۲)۔ عَنْ أَبِي رَاشِدِ الْحُبْرَانِيِّ، قَالَ: أَخَذَ بِيَدِي أَبُوْ أُمَامَةَ الْبَاهِلِيُّ رضي الله عنه، قَالَ:

ابوراشد حبرانی کہتے ہیں: سیدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا: رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح میرا ہاتھ پکڑ

أَخَذَ بِيَدِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لِيْ: ((يَا أَبَا أُمَامَةَ! إِنَّ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ مَنْ يَلِيْنُ لِيْ قَلْبُهُ .)) (الصحيحة:١٠٩٥)

کر فرمایا تھا: ''اے ابوامامہ! بعض مومن ایسے بھی ہیں کہ ان کے دل میرے لئے نرم ہو جاتے ہیں۔''

تخريج: أخرجه الأمام أحمد: ٥/ ٢٦٧، وابن عساكر فى "تاريخ دمشق": ١٩/ ٢٣/ ٢

فوائد: ...... امام البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپ ﷺ کے فرمان ''ان کے دل میرے لئے نرم ہو جاتے ہیں'' کا معنی و مفہوم یہ ہے: ان کے دل مجھ سے مانوس ہوتے ہیں، میرے پاس راحت پاتے ہیں اور مودت و محبت کے ساتھ میری طرف مائل ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

کسی کو یہ وصف اس وقت نصیب ہوگا، جب وہ پرخلوص انداز میں آپ ﷺ کی پیروی کرے گا، کیونکہ اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو اپنی محبت کی دلیل قرار دیا ہے، ارشادِ باری تعالی ہے:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾

(آل عمران: ٣١)

''(اے محمد!) کہہ دیجئے کہ اگر تم لوگوں کو اللہ تعالی سے محبت ہے تو میری پیروی کرو، (اس عمل کی وجہ سے) اللہ تعالی خود تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔''

جو لوگ محض احادیث و اناشید میں رسول اللہ ﷺ کی محبت کا دعوی کرتے ہیں، کیا وہ وقت نہیں آیا کہ یہ لوگ نبی کریم ﷺ سے سچی محبت کا اظہار کریں، جو اللہ تعالی کی محبت کا سبب بنتی ہے اور درج ذیل شعر کا مصداق نہ بنیں:

تَعصى الالهَ وانت تُظهِر حُبه   هذا لعمرُك فى القِياس بديع

لو كان حبك صادقا لأطعته   ان المحِب لمن يحب مطيع

''تو معبود کی نافرمانی کرتا ہے اور اس سے محبت کا دعوی بھی کرتا ہے؟ یقیناً یہ تو انوکھا قاعدہ کلیہ ہے اگر تیری محبت پرخلوص ہوتی تو تو اس کی اطاعت کرتا بیشک مُحِبّ اپنے محبوب کا فرمانبردار ہوتا ہے۔'' (صحیحہ: ۱۰۹۵)

ابلیس کی تخلیق کا مقصد

(٢٩٣)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأَبِيْ بَكْرٍ رضی اللہ عنہ: ((يَا أَبَا بَكْرٍ لَوْ أَرَادَ اللّٰهُ أَنْ لَا يُعْصٰى مَا خَلَقَ إِبْلِيْسَ .)) (الصحيحة:١٦٤٢)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے ابوبکر! اگر اللہ تعالی اپنی نافرمانی نہ ہونے کا ارادہ کرتا تو وہ ابلیس کو پیدا نہ کرتا۔''

تخريج: رواه اللالكائي في "السنة": ١/ ١٤١/ ١، والبيهقي في "الأسماء": ١٥٧

فوائد: ...... یہ مضمون قرآن و حدیث میں کئی دفعہ دوہرایا گیا ہے کہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ہی ابلیس کو

آزادی دی گئی، لیکن اس کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر انسان کو خاص قوت سے نوازا گیا اور یہی اس کا امتحان ہے کہ وہ اپنی صلاحیت کا استعمال کیسے کرتا ہے۔ پھر بھی اگر کوئی بتقاضۂ بشریت ابلیس کی اطاعت کرنے کے بعد اللہ تعالی سے مغفرت طلب کرتا ہے تو اللہ تعالی اسے بخش دیتے ہیں۔

برتری کا معیار رنگ ونسل نہیں، تقوی ہے

(٢٩٤)۔ عَنْ جَابِرٍ ، قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ أَوْسَطِ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ خُطْبَةَ الْوِدَاعِ ، فَقَالَ: ((يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، وَلَا لِأَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوٰى ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ﴾ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟)) قَالُوْا: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: ((فَيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ .))

(الصحيحة: ٢٧٠٠)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایام تشریق کے درمیانے دن کو خطبۃ الوداع ارشاد فرمایا اور فرمایا: ”لوگو! تمھارا رب ایک ہے اور تمھارا باپ بھی ایک ہے۔ آگاہ ہو جاؤ! کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سرخ رنگ والے کو کالے رنگ والے پر اور کسی سیاہ رنگ والے کو سرخ رنگ والے پر کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں، مگر تقوی کے ساتھ، جیسا کہ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿اللہ تعالی کے ہاں تم میں سے وہ شخص سب سے زیادہ معزز ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے﴾ خبردار! کیا میں نے (اللہ کا پیغام) پہنچا دیا ہے؟ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیوں نہیں۔ پھر فرمایا: ”حاضر لوگ یہ باتیں غائب لوگوں تک پہنچا دیں۔“

تخريج: أخرجه أبو نعيم في "الحلية": ٣/ ١٠٠، والبيهقي في "شعب الايمان": ٢/ ٨٨/ ١

فوائد: ...... اللہ تعالی کے ہاں فوقیت و برتری کا معیار حسب ونسب، قبیلہ و برادری، عربی و عجمی، رنگ ونسل، امیری وغریبی اور خوبصورتی و بدصورتی پر نہیں ہے، جو جتنا پرہیز گار، متقی اور پارسا ہوگا، وہ اتنا ہی اللہ تعالی کو محبوب اور اس کے ہاں معزز و مکرم ہوگا۔

﴿وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ﴾ کی عملی تفسیر

(٢٩٥)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: لَمَّا أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ: ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ﴾ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ قُرَيْشًا، فَاجْتَمَعُوْا، فَعَمَّ وَخَصَّ فَقَالَ: ((يَا بَنِيْ كَعْبِ بْنِ لُؤَيٍّ! أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِيْ مُرَّةَ بْنِ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿(اے محمد!) اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔﴾ تو رسول اللہ ﷺ نے قریش کو بلایا، وہ جمع ہو گئے، پھر آپ نے عام ندا بھی دی اور خاص بھی اور فرمایا: ”اے بنو کعب بن لؤی! اپنے آپ کو آگ سے بچا لو۔ اے بنو مرہ بن کعب! اپنے

كَعْبٍ! أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ ، يَا بَنِيْ عَبْدِ شَمْسٍ! أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ ، يَا بَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ! أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ ، يَابَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ ، أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ ، يَافَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ! أَنْقِذِيْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ، غَيْرَ أَنَّ لَكُمْ رَحِماً سَأَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا .)) (الصحيحة: ٣١٧٧)

آپ کو آگ سے بچا لو۔ اے بنو عبد شمس! اپنے آپ کو آگ سے بچا لو۔ اے بنو عبد مناف! اپنے آپ کو آگ سے بچا لو۔ اے بنو عبد المطلب! اپنے آپ کو آگ سے بچا لو اور اے فاطمہ بنت محمد! اپنے آپ کو آگ سے بچا لو، کیونکہ میں اللہ تعالی کے ہاں تمھارے لئے کسی اختیار کا مالک نہیں ہوں۔ ہاں تم سے جو رشتہ وقرابت ہے، میں اسے قائم رکھوں گا۔“

تخريج: أخرجه البخاري في"الأدب المفرد": ٤٨ ، ومسلم: ١/ ١٣٣ ـ والسياق له ـ وأبو عوانة: ١/ ٩٣ ، والترمذي: ٨/ ٣٣٠/ ٣١٨٤ ، وابن حبان: ٢/ ١٩/ ٦٤٥ ، والنسائي: ٢/ ١٢٨ ، وأحمد: ٢/ ٣٣٣ ، ٣٦٠ ، ٥١٩ ، والحديث أخرجه البخاري: ٤٧٧١ ، ومسلم ايضا نحوه ببعض اختصار وفيه: ((ياصفية عمة رسول الله! لاأغني عنك من الله شيئا .))

فوائد: ...... آخری جملے کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ قریب و بعید رشتہ داروں کا لحاظ رکھتے ہوئے دنیا میں ان کے حقوق ادا کریں گے، رہا مسئلہ آخرت کا، تو اس میں ہر کوئی اپنا ذمہ دار خود ہو گا۔ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کی سفارش کرنا اور چیز ہے اور کسی کی بخشش کی ذمہ داری قبول کرنا اور چیز ہے۔

زیادہ سے زیادہ کتنے روزے رکھے جا سکتے ہیں؟

رسول اللہ ﷺ فرزندانِ امت کے حق میں ان سے بڑھ کر خیر خواہ ہیں

(٢٩٦)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ، قَالَ: قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((يَاعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو: إِنَّكَ لَتَصُوْمُ الدَّهْرَ ، وَتَقُوْمُ اللَّيْلَ ، وَإِنَّكَ إِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ هَجَمَتْ لَهُ الْعَيْنُ ، وَنَهَكَتْ وَفِيْ رِوَايَةٍ: وَنَفِهَتْ لَهُ النَّفْسُ۔ لَا صَامَ مَنْ صَامَ الْأَبَدَ ، صَوْمُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنَ الشَّهْرِ صَوْمُ الشَّهْرِ كُلِّهِ .)) قُلْتُ: فَإِنِّيْ أُطِيْقُ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ: ((فَصُمْ صَوْمَ دَاوُدَ ،

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ”اے عبد اللہ بن عمرو! تو سارا زمانہ روزے رکھتا ہے اور پوری رات قیام کرتا ہے، اگر تو نے ان اعمال کو جاری رکھا تو تیری آنکھیں دھنس جائیں گی اور تو لاغر و کمزور ہو جائے گا۔ (یاد رکھ کہ) اس آدمی نے کوئی روزہ نہیں رکھا جس نے ہمیشہ روزے رکھے۔ اس طرح کرو کہ ہر ماہ میں تین روزے رکھ لیا کرو، یہ پورے مہینے کے روزے ہیں۔“ میں نے کہا: مجھے اس سے زیادہ طاقت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: چلو حضرت داود (علیہ السلام) والے روزے رکھ لو، وہ ایک دن

كَانَ يَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا وَلَا يَفِرُّ إِذَا لَاقٰى .)) (الصحيحة: ٢٨٥٥)

روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے اور جب (دشمن سے آمنا سامنا ہو جاتا) تو فرار اختیار نہیں کرتے تھے۔''

تخریج: اخرجه البخاري: ١٩٧٩، ومسلم: ٣/ ١٦٤، والنسائي: ١/ ٣٢٦، واحمد: ٢/ ١٨٨

فوائد :...... جب نبی کریم ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے لیے صوم داودی کی گنجائش نکالی اور فرمایا: ''یہی سب سے افضل روزے ہیں۔'' تو انھوں نے کہا: میں اس سے بھی افضل روزوں کی طاقت رکھتا ہوں۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((لَا اَفْضَلَ مِنْ ذَالِكَ .)) یعنی: ''اس سے زیادہ افضل کوئی روزے نہیں ہیں۔'' (صحیح بخاری: ١٩٧٦) جب عبداللہ بن عمرو بوڑھے ہوئے اور یہ روزے ان پر گراں گزرنے لگے تو وہ کہا کرتے تھے: کاش! میں نے رسول اللہ ﷺ کی (ایک ماہ میں تین روزوں والی) رخصت قبول کر لی ہوتی۔ (بخاری: ١٩٧٥)

سیدنا عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ صَامَ الْاَبَدَ فَلَا صَامَ وَلَا اَفْطَرَ .)) یعنی: ''جس نے ہمیشہ روزہ رکھا، اس نے نہ روزہ رکھا اور نہ ہی افطار کیا۔'' (ابن ماجه: ١٧٠٥، نسائي: ٤/ ٢٠٦)

یہ احادیث اس حقیقت کا بیّن ثبوت ہیں کہ عبادات کا تعین کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے، اس لیے ہمیں عبادات کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی لکیر کا فقیر رہنا چاہیے۔

نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ اپنی امت کے حق میں آسان سے آسان عمل کا انتخاب کیا ہے، اسی حدیث میں آپ ﷺ نے سب سے پہلے ایک ماہ میں صرف تین روزے رکھنے کی گنجائش دی، پھر عبداللہ بن عمرو کے انتہائی اصرار پر صومِ داودی کی طرف رہنمائی کر دی۔

روزِ قیامت مفلس کون ہوگا؟
بندگانِ خدا پر ظلم کرنے والوں کی آخرت خطرے میں

(٢٩٦م)۔ عَنْ سَلْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((يَجِيءُ الرَّجُلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْحَسَنَاتِ، مَايَظُنُّ أَنَّهُ يَنْجُوْ بِهَا، فَلَايَزَالُ يَقُوْمُ رَجُلٌ قَدْ ظَلَمَهُ مَظْلَمَةً فَيُؤْخَذُ مِنْ حَسَنَاتِهِ، فَيُعْطَى الْمَظْلُوْمُ حَتّٰى لَا تَبْقٰى لَهُ حَسَنَةٌ ثُمَّ يَجِيْءُ مَنْ قَدْ ظَلَمَهُ وَلَمْ يَبْقَ مِنْ حَسَنَاتِهِ شَيْءٌ فَيُؤْخَذُ مِنْ سَيِّئَاتِ الْمَظْلُوْمِ فَتُوْضَعُ عَلٰى

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''روزِ قیامت ایسا آدمی آئے گا جسے یہ امید ہوگی کہ وہ اپنی نیکیوں کے بل بوتے پر نجات پا جائے گا۔ اس نے جن پر ظلم کیا ہوگا وہ آ کر اس کی نیکیاں لیتے رہیں گے، حتی کہ اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی، لیکن پھر ایک مظلوم آ جائے گا، اب اس کی اپنی حسنات تو ختم ہو چکی ہیں، لہٰذا مظلوم کی برائیاں اس کے کھاتے میں ڈال دی جائیں گی۔''

سَيِّئَاتِهِ .)) (الصحيحة:٣٣٧٣)

تخريج: أخرجه البزار في مسنده"البحر الزخار": ٦/ ٤٩٠ ـ ٤٩١/ ٢٥٢٤، وعنه الطبراني في"المعجم الكبير": ٦/ ٣١٦/ ٦١٥٣

فوائد: ...... نبی کریم ﷺ نے ایسے شخص کو مفلس قرار دیا ہے جو میدانِ حشر میں نیکیاں تو لے کر آئے گا، لیکن حقوق العباد میں کی گئی کم و کاست کی وجہ سے ان کو اس کے کچھ مظلوموں میں تقسیم کر دیا جائے گا اور باقی مظلوموں کی برائیاں اس پر لاد دی جائیں گی۔

ہمارے ہاں لوگوں کے ادنی اور اعلی، دو قسم کے طبقے پائے جاتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے سے شکوہ کناں رہتے ہیں، ہر کوئی دوسرے پر تبصرہ کرتا ہوا نظر آتا ہے، بالخصوص جب ادنی طبقہ کے لوگ بڑے لوگوں کے دعووں کا ان کے منہ پر جواب نہیں دے سکتے تو وہ پیٹھ پیچھے ان کی برائی بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ دونوں فریق اپنے آخرت تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں، صبر کرنا چاہیے۔

شب براءت کا تصور کیسا ہے؟
نصف شعبان کی رات کی فضیلت

(٢٩٧)۔ قَالَ ﷺ: ((يَطَّلِعُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى إِلٰى خَلْقِهِ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِجَمِيْعِ خَلْقِهِ، إِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ .)) رُوِيَ عَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَهُمْ مَعَاذُ بْنُ جَبَلٍ ، وَأَبُوْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيُّ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو ، وَأَبُوْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيُّ، وَأَبُوْهُرَيْرَةَ، وَأَبُوْبَكْرِ الصِّدِّيْقُ وَعَوْفُ بْنُ مَالِكٍ وَعَائِشَةُ ‌رضی اللہ عنہم ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ تعالی نصف شعبان کی رات کو اپنی مخلوق کی طرف جھانکتے ہیں اور تمام مخلوقات کو بخش دیتے ہیں، ماسوائے شرک کرنے والے اور بغض رکھنے والے کے۔‘‘ یہ حدیث سیدنا معاذ بن جبل، سیدنا ابو ثعلبہ خشنی، سیدنا عبداللہ بن عمرو، سیدنا ابو موسی اشعری، سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا ابو بکر صدیق، سیدنا عوف بن مالک اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

(الصحيحة:١١٤٤)

تخريج: (١)۔ أما حديث معاذ؛ فأخرجه ابن أبي عاصم في "السنة": ٥١٢ ـ بتحقيقي، وابن حبان: ١٩٨٠، والبيهقي في "شعب الايمان": ٢/ ٢٨٨/ ٢، وابن عساكر في "التاريخ": ١٥/ ٣٠٢/ ٢، والطبراني في "الكبير" و "الصغير"

(٢)۔ وأما حديث ابي ثعلبة؛ فأخرجه ابن أبي عاصم: ق ٤٢ ـ ٤٣، ومحمد بن عثمان بن ابي شيبة في "العرش": ١١٨/ ٢، والطبراني

(٣)۔ وأما حديث عبد الله بن عمرو؛ فأخرجه أحمد: ٦٦٤٢

(٤)۔ وأما حديث أبي موسى؛ فأخرجه ابن ماجه: ١٣٩٠

(٥)۔ وأما حديث أبي هريرة؛ فأخرجه البزار في "مسنده": صـ ٢٤٥

(٦)۔ وأما حديث أبي بكر الصديق؛ فأخرجه البزار ايضا، وابن خزيمة في "التوحيد": صـ ٩٠، والبيهقي

(٧)۔ وأما حديث عوف بن مالك؛ فأخرجه ابو محمد الجوهري في "المجلس السابع"، والبزار في "مسنده": صـ ٢٤٥

٨)۔ وأما حديث عائشة؛ فأخرجه الترمذي: ١/ ١٤٣، وابن ماجه: ١٣٨٩، واحمد: ٦/ ٢٣٨

فوائد: ...... اس حدیث سے نصف شعبان کی رات کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، اس رات کو جو کچھ ہمارے ہاں کیا جاتا ہے، اس کا اس حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس رات کو کسی مخصوص عبادت کے ساتھ خاص نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اگر اس حدیث کی وجہ سے پندرہ شعبان کی رات کو مروّجہ پروگرام کیے جا سکتے ہے، تو پھر یہ پروگرام تو ہر سوموار اور جمعرات کو ہونے چاہئیں، کیونکہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((تُعْرَضُ الْاَعْمَالُ فِيْ كُلِّ اثْنَيْنِ وَخَمِيْسٍ ، فَيَغْفِرَ اللّٰهَ لِكُلِّ امْرِءٍ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ ، اِلَّا امْرَأً كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اَخِيْهِ شَهْنَاءُ ، فَيَقُوْلُ: أُتْرُكُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا .))(مسلم: ٢٥٦٥)

یعنی: ''ہر سوموار اور جمعرات کو (بارگاہِ الٰہی میں) اعمال پیش کیے جاتے ہیں، بس اللہ تعالی ہر اس شخص کے گناہ معاف کر دیتا ہے، جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔ سوائے اس شخص کے کہ اس کے اور اس کے بھائی۔ کے درمیان دشمنی اور کینہ ہو، تو اللہ تعالی فرماتا ہے: ان دونوں کو چھوڑ دو، یہاں تک کہ یہ صلح کر لیں۔''

یہ اللہ تعالی کا ایک نظام ہے کہ اس نے اپنی بخشش کے لیے کچھ اوقات مقرر دیئے ہیں، ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم اپنی طرف سے ان اوقات میں عبادات کا تعین شروع کر دیں۔

مذکورہ بالا حدیثِ مبارکہ کے علاوہ شبِ براءت کے ثبوت کے لیے جتنی روایات پیش کی جاتی ہے، وہ درجۂ ثبوت تک نہیں پہنچتیں، مثال کے طور پر:

(۱) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رجب کو تمام مہینوں پر ایسے ہی فضیلت ہے، جیسے قرآن کو تمام کلاموں پر، شعبان کو تمام مہینوں پر ایسے ہی فضیلت ہے، جیسے مجھے تمام انبیا پر اور رمضان کو تمام مہینوں پر ایسے ہی فضیلت ہے، جیسے اللہ تعالی کو تمام مخلوق پر۔'' (غنية الطالبين: ١/٦٨٠)

یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے، جیسا کہ ملا علی قاری، حافظ ابن حجر، امام سخاوی اور دیگر محدثین رحمہم اللہ نے وضاحت کی ہے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے نصف شعبان کی رات کو تیرہ رکعت نماز پڑھی اور ہر رکعت میں تیس بار

''قل ھواللہ احد'' پڑھی تو اس کی سفارش ان دس آدمیوں کے بارے میں مقبول ہو گی، جس پر جہنم واجب ہو چکی ہو گی۔''

یہ حدیث بھی موضوع اور من گھڑت ہے۔

(۳) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کو بستر سے گم پایا، سو میں آپ کی تلاش میں نکلی اور آپ کو بقیع کے قبرستان میں پا لیا،......... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالی نصف شعبان کی رات کو آسمانِ دنیا پر نازل ہوتے ہیں اور اس رات کو قبیلہ بنو کلب کی بھیڑوں کے بالوں سے بھی زیادہ لوگوں کی مغفرت فرماتے ہیں۔'' (ترمذی)

لیکن اس حدیث کی سند میں دو مقامات پر انقطاع ہے، حجاج بن ارطاۃ کا یحیی بن کثیر سے اور یحیی کا عروہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔ ان دو وجوہات کی بنا پر یہ روایت ضعیف ہے۔

(۴) سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب شعبان کی پندرہویں رات ہو تو اس رات کا قیام کیا کرو اور اس دن کا روزہ رکھا کرو، بیشک اللہ تعالی اس رات کو غروبِ آفتاب سے ہی آسمان دنیا پر نازل ہوتے ہیں اور یہ اعلان کرتے ہیں: خبر دار! کون ہے، جو مجھ سے بخشش طلب کرے، تا کہ میں اس کو معاف کر دوں، کون ہے جو مجھ سے رزق طلب کرے تا کہ میں اس کو رزق عطا کروں، کون ہے مصیبت زدہ، کہ میں اس کی مصیبت دور کر دوں۔ خبر دار! فلاں فلاں کون ہے، (اعلانات کا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے) یہاں تک صبح صادق طلوع ہو جاتی ہے۔'' (سنن ابن ماجہ)

لیکن اس حدیث کی سند میں ابو بکر بن عبد اللہ بن ابو سبیرہ ہے، جو خود احادیث گھڑتا تھا۔

(۵) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شعبان سے شعبان تک موتوں کے فیصلے کیا جاتے ہیں، حتی کہ ایک شخص نکاح کرتا ہے یا اس کی اولاد ہوتی ہے، جبکہ اس کا نام مردوں کی فہرست میں داخل کیا جاتا ہے۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر (۴/ ۱۳۸) میں یہ روایت نقل کی اور اس کو مرسل قرار دیا۔

مزید تفصیل اور دیگر مرویات کے خواہشمند کو ملا علی قاری رحمہ اللہ کی موضوعات کبیر کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

اس رات کو آتش بازی کی ابتدا کیسے ہوئی؟

''برامکہ'' ایرانیوں اور مجوسیوں کا مشہور خاندان تھا، مجوسی اور آتش پرست لوگ آتش کدے کی آگ روشن کرنے والے اور اس کی نگرانی کرنے والے کو ''برمک'' کہتے تھے اور یہ مجوسیوں کے ہاں سب سے بڑا مذہبی عہدہ تھا۔ مسلمانوں کی آمد کی وجہ سے برمک کے عہدے ختم ہو گئے اور برمکی خاندان کے لوگوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا، لیکن اندرونِ خانہ آگ سے ان کی محبت برقرار تھی۔

جب بنو عباس نے بنو امیہ سے اقتدار چھیننا چاہا تو انھوں اس قسم کے نو مسلم عجمیوں سے تعاون لیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایرانی امورِ سلطنت میں شامل ہو گئے اور برمکی خاندان نے حکومتِ اسلامیہ میں بڑے بڑے عہدے حاصل کر لیے اور

خالد برمی تو عہدۂ وزارت تک جا پہنچا۔ ۱۶۳ھ میں جب خالد کا انتقال ہوا تو خلیفہ ہارون الرشید نے اس کے بیٹے یحیی برمکی کو قلمدان سونپ دیا۔ سابقہ آگ پرست ہونے کی وجہ سے اِس نے مقدس آگ روشن کرنے کا ایک عجیب طریقہ ایجاد کیا اور بالخصوص شعبان کی پندرھویں رات کو نیک اعمال سے منسوب کر کے اس رات کو کثرت سے چراغاں کیا۔ آگ روشن کرنے کا مقصد لوگوں کے قلوب و اذہان میں آگ کا تقدس پیدا کرنا تھا، مساجد میں چراغاں کی بدعت کو اسی نے ایجاد کیا تا کہ وہ اس طریقے سے آگ کی پوجا کر سکیں، پھر زمانے کے ساتھ ساتھ اس میں تبدیلیاں رونما ہوتی گئیں اور معاملہ وہاں تک جا پہنچا، جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ مذکورہ واقعہ کا ثبوت (تحفۃ الاحوذی) اور (مرعاۃ المفاتیح) سے مل سکتا ہے۔

اہل توحید بھی بدعملی کی وجہ سے جہنم میں جا سکتے ہیں

(۲۹۸)۔ عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ ، قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((يُعَذَّبُ نَاسٌ مِنْ اَهْلِ التَّوْحِيْدِ فِي النَّارِ ، حَتّٰى يَكُوْنُوْا فِيْهَا حَمَمًا ، ثُمَّ تُدْرِكُهُمُ الرَّحْمَةُ ، فَيُخْرَجُوْنَ وَيُطْرَحُوْنَ عَلٰى أَبْوَابِ الْجَنَّةِ ، قَالَ: فَيَرُشُّ عَلَيْهِمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْمَاءَ ، فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا يَنْبُتُ الْغِثَاءُ فِي حَمَالَةِ السَّيْلِ ، ثُمَّ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ .)) (الصحيحة: ۲٤٥۱)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بعض اہل توحید کو جہنم میں عذاب دیا جائے گا، حتی کہ وہ جل جل کر کوئلہ ہو جائیں گے، پھر اللہ کی رحمت ان کو پا لے گی، انھیں نکالا جائے گا، جنت کے دروازوں پر لایا جائے گا، جنتی لوگ ان پر پانی چھڑکیں گے اور ان کا جسم یوں اگے گا جیسے سیلاب کے بہاؤ سے جمع ہونے والے کوڑا کرکٹ (میں بیج سے پودا) اگتا ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ۳/ ۳۹۱، والترمذي: ۲٦۰۰

فوائد: ...... شرک کے علاوہ ہر گناہ کے بارے میں اللہ تعالی کا قانون یہ ہے کہ اگر اس نے اس گنہگار کو معاف نہ کیا تو عارضی طور پر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا، مدت کا تعین اللہ تعالی خود کرے گا۔ اللہ تعالی ہمیں معاف فرمائے۔ آمین۔

کسی مصلحت کے پیش نظر بعض احادیث بیان نہ کرنا

(۲۹۹)۔ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي مُوْسٰى عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَمَعِي نَفَرٌ مِنْ قَوْمِي ، فَقَالَ: ((أَبْشِرُوْا وَبَشِّرُوْا مَنْ وَرَاءَكُمْ ، أَنَّهُ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ صَادِقًا دَخَلَ الْجَنَّةَ .)) فَخَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ ﷺ نُبَشِّرُ النَّاسَ ، فَاسْتَقْبَلَنَا عُمَرُ بْنُ

ابو بکر بن ابو موسی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میں اپنی قوم کے کچھ افراد کے ہمراہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''خوش ہو جاؤ اور پچھلوں کو بھی یہ خوشخبری سنا دو کہ جس نے صدقِ دل سے گواہی دی کہ اللہ ہی معبودِ برحق ہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔'' ہم لوگوں کو خوشخبری سنانے کے لئے نبی کریم ﷺ کے پاس سے

الْخَطَّابِ ، فَرَجَعَ بِنَا إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنْ رَدَّكُمْ؟)) قَالُوْا: عُمَرُ۔ قَالَ: ((لِمَ رَدَدْتَهُمْ يَاعُمَرُ؟)) فَقَالَ عُمَرُ: إِذاً يَتَّكِلُ النَّاسُ ، قَالَ: فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ۔ (الصحيحة: ٧١٢)

نکلے، ہمیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ملے اور (جب ان کو صورتحال کا علم ہوا تو) ہمیں رسول اللہ ﷺ کی طرف واپس کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ”تمھیں کس نے واپس کر دیا؟“ ہم نے کہا: عمر رضی اللہ عنہ نے۔ آپ نے پوچھا: ”عمر! تم نے ان کو کیوں لوٹا دیا؟“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: (اگر ایسی خوشخبریاں لوگوں کو سنائی جائیں تو) وہ توکل کر بیٹھیں گے (اور مزید عمل کرنا ترک کر دیں گے)۔ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ٤٠٢، ٤١١

فوائد:...... حیران کن بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس قسم کی احادیث بیان نہ کرنے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے موافقت کی، لیکن اللہ تعالی نے ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ ہمیں احادیث کا علم بھی ہو گیا اور ان کو بیان نہ کرنے کی وجہ اور فقاہت کا بھی پتہ چل گیا۔ اب ہم بہترین داعی بن سکتے ہیں۔

کئی موقعوں پر آپ ﷺ نے بعض احادیث بیان نہ کرنے کی تلقین کی، ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے مبلغ اور داعی کا حکمت و دانائی اور بصیرت و بصارت والا ہونا ضروری ہے، تاکہ وہ زمان و مکاں اور سامعین کی ذہنی سطح پرکھ کر خطاب کرے اور ایسی آیات و احادیث بیان کرے، جن سے حاضرین پہلی فرصت میں سبق حاصل کر سکیں۔ پہلے یہ گزارشات کی جا چکی ہیں کہ اس قسم کی احادیث سے ہمیں یہ سبق حاصل کرنا چاہیے کہ ہم زیادہ سے زیادہ کلمۂ شہادت پڑھا کریں، نہ کہ یہ کہ ہم اعمالِ صالحہ سے ہی غافل ہو جائیں۔

(٣٠٠)۔ عَنْ سُلَيْمِ بْنِ عَامِرٍ ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا بَكْرٍ رضي الله عنه يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((أُخْرُجْ فَنَادِ فِي النَّاسِ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ .)) قَالَ: فَخَرَجْتُ فَلَقِيَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ: مَالَكَ أَبَا بَكْرٍ؟ فَقُلْتُ: قَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أُخْرُجْ فَنَادِ فِي النَّاسِ: مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ .)) قَالَ عُمَرُ: اِرْجِعْ إِلَى رَسُوْلِ

سلیم بن عامر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”نکل جا اور لوگوں میں اعلان کر دے کہ جس نے گواہی دی کہ اللہ ہی معبودِ برحق ہے، اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔“ وہ کہتے ہیں: میں اعلان کرنے کے لئے نکلا، آگے سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ٹاکرا ہوا، انھوں نے کہا: ابوبکر کہاں اور کیسے؟ میں نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جاؤ اور لوگوں میں اعلان کر دو کہ جس نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے تو اس کے لئے جنت واجب

اللّٰهِ فَإِنِّی أَخَافُ أَنْ یَّتَّکِلُوْا عَلَیْهَا، فَرَجَعْتُ إِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ فَقَالَ: ((مَارَدَّكَ؟)) فَأَخْبَرْتُهُ بِقَوْلِ عُمَرَ، فَقَالَ: ((صَدَقَ .))

(الصحيحه:١١٣٥)

ہو جائے گی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: (یہ اعلان کئے بغیر) رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹ جاؤ، مجھے خطرہ ہے کہ لوگ اس (بشارت) پر توکل کر کے عمل کرنا ترک کر دیں گے۔ میں لوٹ آیا، آپ ﷺ نے پوچھا: ''واپس کیوں آ گئے ہو؟'' میں نے آپ کو حضرت عمر والی بات بتلائی۔ آپ نے فرمایا: ''عمر نے سچ کہا۔''

تخریج: أخرجه أبويعلي في "مسنده" صـ ٣٥- مصورة المكتب الأسلامي، ورواه مسلم: ١/ ٤٤، لكن وقع القصة فيه لابى هريرة مع عمر رضی اللہ عنہما

نبی کریم ﷺ کا معجزہ اور راشن میں برکت

(٣٠١)- عَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ فِی غَزَاةٍ فَقُلْنَا: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ الْعَدُوَّ قَدْ حَضَرَ وَهُمْ شُبَاعٌ، وَالنَّاسُ جِیَاعٌ؟ فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ: أَلَا نَنْحَرُ نَوَاضِحَنَا فَنُطْعِمَهَا النَّاسَ؟ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: ((مَنْ کَانَ مَعَهُ فَضْلُ طَعَامٍ، فَلْیَجِئْ بِهِ .)) فَجَعَلَ یَجِیْءُ بِالْمُدِّ وَالصَّاعِ وَأَکْثَرَ وَأَقَلَّ فَکَانَ جَمِیْعُ مَا فِی الْجَیْشِ بِضْعاً وَعِشْرِیْنَ صَاعاً، فَجَلَسَ النَّبِیُّ إِلٰی جَنْبِهِ، وَدَعَا بِالْبَرَکَةِ، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: ((خُذُوْا وَلَا تَنْتَهِبُوْا .)) فَجَعَلَ الرَّجُلُ یَأْخُذُ فِی جِرَابِهِ وَفِی غِرَارَتِهِ، وَأَخَذُوْا فِی أَوْعِیَتِهِمْ، حَتّٰی إِنَّ الرَّجُلَ لَیَرْبِطُ کُمَّ قَمِیْصِهِ فَیَمْلَأُهُ فَفَرَغُوْا وَالطَّعَامُ کَمَا هُوَ! ثُمَّ قَالَ النَّبِیُّ ا: ((أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّی رَسُوْلُ اللّٰهِ، لَا یَأْتِی بِهِمَا عَبْدٌ مُحِقٌّ إِلَّا وَقَاهُ اللّٰهُ حَرَّ النَّارِ .)) (الصحيحة:٣٢٢١)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم ایک غزوے میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے۔ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! دشمن شکم سیر ہو کر پہنچ چکا ہے اور ہم بھوکے ہیں (کیا بنے گا)؟ انصار نے کہا: کیا ہم اونٹ ذبح کر کے لوگوں کو کھلا نہ دیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس کے پاس زائد کھانا ہے، وہ لے آئے۔'' کوئی ایک مدّ لے کر آیا تو کوئی ایک صاع اور کوئی زیادہ لے کر آیا تو کوئی کم۔ پورے لشکر میں سے چوبیس صاع جمع ہوئے۔ نبی کریم ﷺ اس ڈھیر کے ساتھ بیٹھ گئے، برکت کی دعا کی، پھر فرمایا: ''لینا شروع کر دو اور لُوٹو مت۔'' لوگوں نے اپنے اپنے تھیلے، بوریاں اور برتن بھر لئے، حتی کہ بعض افراد نے اپنی آستینیں باندھ کر ان کو بھی بھر لیا، وہ سب فارغ ہو گئے اور اناج ویسے کا ویسا پڑا رہا۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میں یہ شہادت دیتا ہوں کہ اللہ ہی معبودِ برحق ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ جو بندہ حق کے ساتھ یہ دو (گواہیاں) لے کر آئے گا، اللہ تعالی اسے جہنم کی حرارت سے بچائیں گے۔''

تخريج: أخرجه أبو يعلي في "مسنده": ١/ ١٩٩ - ٢٠٠/ ٢٣٠ - والسياق له - ، والبزار: ١/ ١٣/ ١١

فوائد: ...... معجزہ: وہ مافوق العادت چیز، جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی نبی کی نبوت کے ثبوت کے لیے نبی سے ظاہر کرائی جاتی ہے اور غیر نبی اس پر قادر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس معجزہ کے بعد آپ ﷺ نے اپنے حق میں شہادت دی اور اس کی فضیلت بیان کی، کیونکہ اس معجزے سے آپ کی نبوت و رسالت ثابت ہو رہی ہے۔

مد اور صاع پیمانے ہیں، صاع کا وزن دو کلو سو گرام ہوتا ہے اور مد، صاع کا چوتھا حصہ ہوتا ہے۔

سب سے پہلی مخلوق

(٣٠٢)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ أَوَّلَ شَيْءٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ عَزَّ وجلَّ الْقَلَمُ، فَأَخَذَهُ بِيَمِيْنِهِ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ قَالَ فَكَتَبَ الدُّنْيَا وَمَا يَكُوْنُ فِيْهَا مِنْ عَمَلٍ مَعْمُوْلٍ: بِرٍّ أَوْفُجُوْرٍ، رَطْبٍ أَوْ يَابِسٍ، فَأَحْصَاهُ عِنْدَهُ فِي الذِّكْرِ.)) ثُمَّ قَالَ: ((اِقْرَأُوْا إِنْ شِئْتُمْ: ﴿هٰذَا كِتَابُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَاكُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (سورة الجاثية:٢٩) فَهَلْ تَكُوْنُ النُّسْخَةُ إِلَّا مِنْ أَمْرٍ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ.)) (الصحيحة:٣١٣٦)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا، اسے اپنے داہنے ہاتھ میں پکڑا اور اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، پھر اس نے دنیا کو، اور دنیا میں کی جانے والی ہر نیکی و بدی اور رطب و یابس کو لکھا اور سب چیزوں کو اپنے پاس لوحِ محفوظ میں شمار کر لیا۔ پھر فرمایا: اگر چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھ لو: ﴿یہ ہے ہماری کتاب جو تمھارے بارے میں سچ سچ بول رہی ہے، ہم تمھارے اعمال لکھواتے جاتے ہیں﴾ (سورۂ جاثیہ: ۲۹) لکھنا اور نقل کرنا اسی امر میں ہوتا ہے جس سے فارغ ہوا جا چکا ہو۔''

تخريج: أخرجه الآجري في "الشريعة": ٣٢١

فوائد: ...... امام مبارکپوری نے کہا: اضافی طور پر قلم کو پہلی مخلوق کہا گیا ہے، یعنی عرش، پانی اور ہوا کے بعد باقی مخلوقات سے پہلے قلم کو پیدا کیا گیا، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((كَتَبَ اللّٰهُ مَقَادِيْرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ بِخَمْسِيْنَ أَلْفَ سَنَةٍ.)) قَالَ: ((وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ.)) (مسلم) یعنی: ''اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل مخلوقات کی تقدیریں لکھ لی تھیں، اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔''

اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے روایت کیا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ﴿وکان عرشہ علی الماء﴾ کے بارے میں پوچھا گیا کہ پھر پانی کس چیز پر تھا۔ انھوں نے کہا: ہوا کی کمر پر۔ (تحفۃ الاحوذی: ۳/ ۲۰۳) امام مبارکپوری رحمہ اللہ کی بات محل نظر ہے۔ درج ذیل حدیث اور اس کے فوائد کا مطالعہ کریں۔

(۳۰۳)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعًا: ((اِنَّ اَوَّلَ شَيْءٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى الْقَلَمُ، وَاَمَرَهٗ اَنْ يَّكْتُبَ كُلَّ شَيْءٍ يَكُوْنُ.)) (الصحيحة: ۱۳۳)

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کے اور اسے (مستقبل میں) ہونے والی ہر چیز کو لکھنے کا حکم دیا۔''

تخريج: رواه ابن أبي عاصم في "السنة": ۱۰۸ و "الأوائل": ۳، وأبويعلى: ۱۲۶/۱، والبيهقي في "السنن الكبرى": ۹/ ۳، و "الأسماء والصفات": ۲۷۱ من طريق أحمد

فوائد:...... امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: کئی لوگوں کے دلوں میں یہ عقیدہ مضبوط ہو چکا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کا نور پیدا کیا، لیکن یہ عقیدہ بے بنیاد ہے اور عبد الرزاق رحمہ اللہ کی حدیث کی سند معروف نہیں ہے۔ نیز اس حدیث میں ان لوگوں کا بھی ردّ ہے جو اللہ تعالیٰ کے عرش کو پہلی مخلوق تصور کرتے ہیں، کیونکہ ان کے پاس اس دعوی کی کوئی واضح نص موجود نہیں ہے، سب کچھ استنباط و اجتہاد کی روشنی میں کہا گیا۔

قلم کے پہلی مخلوق ہونے کے دلائل واضح ہیں، ایسی واضح نصوص کے موجودگی میں کسی دوسرے اجتہاد کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

ان احادیث کا یہ مطلب بیان کرنا کہ عرش کے بعد پہلی مخلوق قلم ہے، باطل ہے۔ اگر عرش کے اول الخلوق ہونے پر کوئی قطعی نص ہوتی تو ایسی تاویل کی گنجائش مل سکتی تھی۔

بعض فلسفی قسم کے لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ حوادث کی کوئی ابتدا نہیں ہے اور ہر مخلوق سے پہلے کسی نہ کسی مخلوق کا وجود ضروری ہے۔

اگر اس نظریے کو درست تسلیم کر لیا جائے تو کسی چیز کو اول الخلوق نہیں کہا جا سکتا۔ جبکہ اس حدیثِ مبارکہ میں ایسے لوگوں کا ردّ کیا گیا ہے اور قلم کو سب سے پہلی مخلوق قرار دے کر یہ ثابت کیا گیا کہ مخلوقات کی ایک ابتدا ہے، اس ابتدا سے پہلے مخلوق کا کوئی فرد موجود نہ تھا۔ (صحیحہ: ۱۳۳) یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کہ وہ ازل سے ہے، ابد تک رہے گا، اس کی ابتدا ہے نہ انتہا۔

العِلْمُ وَالسُّنَّةُ وَالْحَدِيْثُ النَّبَوِيُّ

علم ،سنت اور حدیثِ نبوی

العلم: لغوی معنی: جاننا، پہچاننا، واقف ہونا

اصطلاحی تعریف: علم ایسے اصول کلیہ اور مجموعۂ مسائل کو کہتے ہیں، جو کسی خاص جہت سے متعلق ہوں۔

اس باب میں اس سے مراد ''علم شرعی'' اور اس سے متعلقہ امور کا بیان ہے، مثلاً علم کی فضیلت، تعلیم و تعلم کی فضیلت، فرضی علوم، نفلی علوم۔

السنة: لغوی معنی: طریقہ، سیرت، فطرت، عادت، صورت، چہرہ، طریقۂ خاص

(۱)......اصطلاحی تعریف: وہ اقوال، افعال، احوال اور تقریرات جو آپ ﷺ سے منقول ہوں اور وہ امور جن کو سرانجام دینے کا آپ ﷺ نے ارادہ کیا ہو۔

(۲)......(فی اصطلاح المتأخرین): وہ شرعی حکم کہ جس کے سرانجام دینے والا اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور چھوڑنے والا گنہگار نہیں ہوتا، اس کو مستحب، مندوب اور نفل بھی کہتے ہیں۔

الحدیث: لغوی معنی: کلام، خبر، روایت، بات، جدید،

اصطلاحی تعریف: ہر وہ قول، فعل، تقریر، پیدائشی وصف اور اخلاقی خصلت، جو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کیا جائے۔

''تقریر'' سے مراد وہ قول یا فعل ہے، جس پر آپ ﷺ نے خاموشی اختیار کی ہو اور اس پر انکار نہ کیا ہو۔

آپ ﷺ کی احادیث پر اکتفا کرنا چاہیے

(٣٠٤)ـ عَنْ سَمُرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا حَدَّثْتُكُمْ حَدِيْثًا، فَلَا تَزِيْدُنَّ عَلَيَّ، وَقَالَ: أَرْبَعٌ مِنْ أَطْيَبِ الْكَلَامِ، وَهُنَّ مِنَ الْقُرْآنِ لَا يَضُرُّكَ بِأَيِّهِنَّ بَدَأْتَ: سُبْحَانَ

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب میں تم لوگوں کو کوئی بات بیان کروں تو (اس کے بارے میں) مجھ سے مزید سوال نہ کیا کرو۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''انتہائی اچھے (اور عمدہ) کلام والے چار کلمات ہیں،

اللّٰهِ، وَالْحَمْدُلِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ.)) ثُمَّ قَالَ: ((لَاتُسَمِّيَنَّ غُلَامَكَ أَفْلَحَ وَلَا نَجِيْحاً وَلَا رَبَاحاً وَلَا يَسَارًا، فَإِنَّكَ تَقُوْلُ: أَثَمَّ هُوَ؟ فَلَايَكُوْنُ، فَيَقُوْلُ: لَا.)) (الصحيحة: ٣٤٦)

ان کا ذکر قرآن مجید میں ہے، (ان میں سے) جو کلمہ شروع میں ذکر کر دیا جائے، اس سے تجھے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ (وہ کلمات یہ ہیں:) سُبْحَانَ للّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنے بچے کا نام افلح، نجیح، رباح اور یسار نہ رکھنا، کیونکہ تو پوچھتا ہے کہ کیا وہ یہاں ہے؟ لیکن وہ وہاں نہیں ہوتا، اس لیے (جواب دینے والا) کہتا ہے: نہیں۔"

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ١١، ٢٠، واخرجه الطيالسي في "مسنده": ٨٩٩، ٩٠٠، وابن ماجه: ٣٨١١، وكذالك اخرجه احمد: ٥/ ٧، ومسلم: ٦/ ١٧٢ من طرق اخرى عن شعبه به.

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث میں کچھ آداب اور فوائد کا بیان ہے، سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کی حدیث سے آگے نہ بڑھا جائے اگرچہ وہ اجر وثواب کے حصول کی نیت سے ہو۔ مثال کے طور پر آپ ﷺ نے کھانا کھانے سے پہلے صرف "بسم اللہ" پڑھنے کی تعلیم دی ہے، اب کسی کو کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" پڑھے۔ دیکھیں کہ ایک آدمی نے چھینک کے بعد "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ" کہا، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر ردّ کیا اور کہا کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو چھینک کے بعد "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ" کہنے کی تعلیم دی ہے، نہ کہ "وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ" کی۔ (مستدرك حاكم: ٤/ ٢٦٥)

یہ اور اس موضوع سے متعلقہ دیگر احادیث اس حقیقت پر دلالت کرتی ہیں کہ دین اور عبادت میں زیادتی نہ کی جائے۔ آپ خود اس نقطے پر غور کریں اور اس کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں، یہ مخالفین کو مطمئن کرنے میں آپ کا معاون ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی فرمائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حدیث میں یسار، رباح، افلح اور نجیح جیسے ناموں سے منع کیا گیا ہے، ہمیں بھی آگاہ رہنا چاہیے اور اپنے بیٹوں کو ایسے ناموں سے موسوم نہیں کرنا چاہیے۔ بعض سلف صالحین ان ناموں سے موسوم تھے، ظاہر یہی ہے کہ اگر وہ تابعین ہیں تو ان کو ان احادیث کا علم نہیں ہوگا اور اگر وہ صحابہ ہیں تو انھوں نے آپ ﷺ کی نہی سے پہلے یہ نام رکھے ہوں گے۔ (صحيحه: ٣٤٦)

اعمالِ صالحہ کی قلت و کثرت کا معیار آپ ﷺ کی ذات ہے

(٣٠٥)۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِذَا أَمَرَهُمْ، أَمَرَهُمْ مِنَ الْأَعْمَالِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب صحابہ کو کوئی حکم دیتے تو اُن اعمال کو سرانجام دینے کا حکم دیتے

مَـا يُـطِيْـقُـوْنَ، قَـالُوْا: إِنَّـا لَسْنَـا كَهَيْئَتِكَ يَـا رَسُـوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ۔ فَيَغْضَبُ حَتّٰى يُعْرَفُ الْـغَـضَـبُ فِـي وَجْهِهِ، ثُمَّ يَقُوْلُ: ((إِنَّ أَتْقَاكُمْ وَأَعْلَمَكُمْ بِاللّٰهِ أَنَا۔))

(الصحيحة: ٣٥٠٢)

تھے، جن کی وہ طاقت رکھتے تھے۔ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم تو آپ کی طرح نہیں ہیں، (آپ کی صورتحال تو یہ ہے کہ) اللہ تعالی نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے ہیں، (جبکہ ہم گنہگار ہیں، اس لیے ہمیں زیادہ عمل کرنے چاہئیں)۔ لیکن آپ ﷺ (اس مطالبے پر) ناراض ہو جاتے اور آپ کے چہرے سے ناراضگی کا پتہ چلتا تھا، پھر فرماتے: ''بیشک میں تم میں سے سب سے زیادہ اللہ تعالی سے ڈرنے والا اور اس کو جاننے والا ہوں۔''

تخریج: أخرجه البخاري: ٢٠، وأحمد: ٦/ ٥٦، ٦١

شرح:...... نبی کریم ﷺ نے اپنے قول یا فعل کے ذریعے عبادات کی کم از کم یا زیادہ سے زیادہ مقدار کا اور حلال وحرام کا تعین کر دیا ہے، جو شخص بھی کسی کام کے عبادت ہونے کا دعوی کرے گا، اس سے صرف یہ سوال کیا جائے گا کہ کیا آپ ﷺ کی تعلیمات قدسیہ میں اس چیز کا وجود ملتا ہے۔ اگر عوام الناس اس نقطے کو سمجھ لیں اور اپنے رہنماؤں کے دعووں کی تحقیق شروع کر دیں تو ہر ایک تفرقہ بازی اور تقلید کو چھوڑ کر قرآن وحدیث کی طرف لوٹ آئے گا۔

مثال کے طور پر قبر پر اذان دینا، عام اذان سے پہلے درود کا اہتمام کرنا، تقلید کرنا، فوتگی کے موقع پر ختم قرآن اور قل وغیرہ کا اہتمام کرنا، مختلف مواقع پر قبروں پر پھول وغیرہ رکھنا، وغیرہ وغیرہ۔ اگر عوام میں یہ جرأت پیدا ہو جائے کہ وہ اپنے خطیبوں اور اماموں سے پوچھ سکیں کہ کیا نبی کریم ﷺ نے یہ امور سرانجام دیے ہیں؟ پھر اس سوال کا جواب لیے بغیر ان مذہبی رہنماؤں کو نہ چھوڑیں، تو چند دنوں کے بعد یہ بدعتیں دم توڑ جائیں گی۔

آپ ﷺ کی نافرمانی جنت کا انکار کرنے کے مترادف ہے

(٣٠٦)۔ عَـنْ أَبِـي هُـرَيْـرَةَ: أَنَّ رَسُـوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا مَـنْ أَبَـى۔)) قَالُوْا: وَمَنْ يَأْبٰى؟ قَالَ: ((مَنْ أَطَـاعَـنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبٰى۔)) (الصحيحة: ٣١٤١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت (کے سارے افراد) جنت میں داخل ہوں گے، مگر وہ جس نے انکار کر دیا۔'' صحابہ نے کہا: (بھلا) انکار کون کرتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے (دوسرے الفاظ میں جنت میں جانے سے) انکار کر دیا۔''

تخریج: أخرجه البخاري: برقم ٧٢٨٠، وأحمد: ٢/ ٣٦١

شرح:...... اطاعت کرنے والا زبانِ حال سے جنت میں داخل ہونے کا اور آپ ﷺ کی نافرمانی کرنے والا زبان حال سے جنت میں داخل ہونے سے انکار کرنے کا اظہار کر رہا ہوتا ہے۔

احادیث کے مفاہیم کو طبعی مزاج سے مقدم سمجھا جائے

(۳۰۷)۔ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أُنَيْسٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَنْ لِي بِخَالِدِ بْنِ نُبَيْحٍ؟)) رَجُلٍ مِنْ هُذَيْلٍ۔ وَهُوَ يَوْمَئِذٍ قِبَلَ (عَرَفَةَ) بِ (عَرَنَةَ) قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أُنَيْسٍ: أَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنْعَتْهُ لِي۔ قَالَ: ((إِذَا رَأَيْتَهُ هِبْتَهُ۔)) قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَاهِبْتُ شَيْئًا قَطُّ۔ قَالَ: فَخَرَجَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أُنَيْسٍ حَتّٰى أَتٰى جِبَالَ (عَرَفَةَ) قَبْلَ أَنْ تَغِيْبَ الشَّمْسُ۔ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: فَلَقِيْتُ رَجُلاً فَرُعِبْتُ مِنْهُ حِيْنَ رَأَيْتُهُ، فَعَرَفْتُ حِيْنَ رُعِبْتُ مِنْهُ أَنَّهُ مَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ لِيْ: مَنِ الرَّجُلُ؟ فَقُلْتُ: بَاغِيْ حَاجَةٍ هَلْ مِنْ مَبِيْتٍ؟ قَالَ: نَعَمْ فَالْحَقْ، فَرُحْتُ فِيْ أَثَرِهِ فَصَلَّيْتُ الْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ، وَأَشْفَقْتُ أَنْ يَرَانِيْ، ثُمَّ لَحِقْتُهُ، فَضَرَبْتُهُ بِالسَّيْفِ، ثُمَّ خَرَجْتُ، فَأَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، فَأَخْبَرْتُهُ۔ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ كَعْبٍ: فَأَعْطَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِخْصَرَةً، فَقَالَ: ((تَخَصَّرْ بِهٰذِهِ حَتّٰى تَلْقَانِيْ، وَأَقَلُّ النَّاسِ الْمُتَخَصِّرُوْنَ۔)) قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ كَعْبٍ: فَلَمَّا تُوُفِّيَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أُنَيْسٍ أَمَرَ بِهَا

محمد بن کعب روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کون ہے، جو میرے لیے خالد بن نبیح کو (قتل کر دے)؟“ اس شخص کا تعلق ہذیل قبیلے سے تھا اور ان دنوں وہ عرفہ کی جانب عرنہ مقام میں سکونت پذیر تھا۔ عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں (اسے قتل کروں گا)، آپ اس کی صفات بیان کر دیں، (تاکہ میں اسے پہچان لوں)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب تو اسے دیکھے گا، تو ڈر جائے گا۔“ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کرنے والی ذات کی قسم! میں تو (آج تک) کسی چیز نہیں ڈرا۔ راوی کہتا ہے: بہرحال سیدنا عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ روانہ ہو گئے اور غروبِ آفتاب سے قبل عرفہ کے پہاڑوں تک پہنچ گئے۔ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں وہاں ایک آدمی کو ملا اور جب میں نے اسے دیکھا تو میں مرعوب ہو گیا۔ جب میں اس سے ڈرا تو مجھے پتہ چل گیا کہ یہ وہی نشانی ہے، جس کی رسول اللہ ﷺ نے نشاندہی کی تھی۔ اس نے مجھے کہا: کون ہے؟ میں نے کہا: ضرورت مند ہوں، کیا رات گزارنے کی گنجائش ہے؟ اس نے کہا: ہاں، آ جاؤ۔ میں اس کے پیچھے چل پڑا، میں نے جلدی جلدی دو رکعت نمازِ عصر ادا تو کر لی، لیکن ڈرتا رہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مجھے (نماز پڑھتے ہوئے) دیکھ لے۔ پھر میں اسے جا ملا اور تلوار کا وار کر کے اسے قتل کر دیا۔ پھر میں وہاں سے نکل پڑا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ کر آپ ﷺ کو واقعہ کی خبر دی۔ محمد بن

فَوُضِعَتْ عَلٰى بَطْنِهٖ وَكَفَنِهٖ، وَدُفِنَ وَدُفِنَتْ مَعَهٗ۔ (الصحيحة:۲۹۸۱)

کعب کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک لاٹھی دی اور فرمایا: ''اس لاٹھی کو اپنے ہاتھ میں ہی رکھنا، حتی کہ مجھے آملو اور لاٹھی پکڑنے والے لوگ کم ہی ہوتے ہیں۔'' محمد بن کعب کہتے ہیں: جب سیدنا عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ فوت ہونے لگے تو انھوں نے لاٹھی کے بارے میں حکم دیا تو وہ ان کے پیٹ اور کفن کے اوپر رکھ دی گئی اور پھر اس کو ان کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔

تخريج: أخرجه أبو نعيم في "الحلية": ۲/ ۵-۶، و"أخبار أصبهان": ۱/ ۱۸۹-۱۹۰

شرح:...... دیکھیں کہ آپ ﷺ نے عبد اللہ بن انیس کے سامنے ایک علامت رکھی کہ جب وہ خالد بن نبیح کو دیکھے گا تو ڈر جائے گا، آگے سے عبد اللہ بن انیس نے اپنی سمجھ کے مطابق کہا کہ وہ تو آج تک کسی سے نہیں ڈرے۔ بہر حال آپ ﷺ نے ان کو بھیج دیا اور انھوں نے جب خالد کو دیکھا تو وہ واقعی ڈر گئے۔

معنی و مفہوم یہ ہوا کہ حدیث کو سمجھتے وقت اپنے طبعی معیار کو ترجیح نہیں دینی چاہیے۔

عبادت کا دارومدار سنت سے موافقت پر ہے، نہ کہ کثرت پر

(۳۰۸)۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ سَلِمَةَ الْهَمْدَانِيِّ قَالَ: كُنَّا نَجْلِسُ عَلٰى بَابِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَبْلَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ، فَإِذَا خَرَجَ مَشَيْنَا مَعَهٗ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَجَاءَنَا أَبُوْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيُّ، فَقَالَ: أَخَرَجَ إِلَيْكُمْ أَبُوْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بَعْدُ؟ قُلْنَا: لَا، فَجَلَسَ مَعَنَا حَتّٰى خَرَجَ، فَلَمَّا خَرَجَ قُمْنَا إِلَيْهِ جَمِيْعًا فَقَالَ لَهٗ أَبُوْ مُوْسٰى: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ! إِنِّيْ رَأَيْتُ فِي الْمَسْجِدِ آنِفًا أَمْرًا أَنْكَرْتُهٗ، وَلَمْ أَرَ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ إِلَّا خَيْرًا، قَالَ: فَمَا هُوَ؟ فَقَالَ: إِنْ عِشْتَ فَسَتَرَاهُ قَالَ: رَأَيْتُ فِي الْمَسْجِدِ قَوْمًا حِلَقًا جُلُوْسًا يَنْتَظِرُوْنَ الصَّلَاةَ، فِيْ كُلِّ حَلْقَةٍ رَجُلٌ، وَفِيْ أَيْدِيْهِمْ حَصًى، فَيَقُوْلُ: كَبِّرُوْا مِئَةً فَيُكَبِّرُوْنَ مِئَةً، فَيَقُوْلُ: هَلِّلُوْا مِئَةً،

عمرو بن سلمہ ہمدانی کہتے ہیں کہ ہم قبل از نمازِ فجر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے گھر کے دروازے پر بیٹھا کرتے تھے، جب وہ نکلتے تو ہم ان کے ساتھ مسجد کی طرف چل پڑتے، ایک دن حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے اور پوچھا: ابھی تک ابو عبد الرحمن (ابن مسعود) تمھارے پاس نہیں آئے؟ ہم نے کہا: نہیں۔ وہ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئے، (ہم انتظار کرتے رہے) حتی کہ حضرت عبد اللہ تشریف لائے، جب وہ آئے تو ہم بھی ان کی طرف کھڑے ہو گئے۔ ابوموسی نے انھیں کہا: ابوعبدالرحمن! ابھی میں نے مسجد میں ایک چیز دیکھی ہے، مجھے اس پر بڑا تعجب ہوا، لیکن اللہ کے فضل سے وہ نیکی کی ہی ایک صورت لگتی ہے۔ انھوں نے کہا: وہ ہے کیا؟ ابوموسی نے کہا: اگر آپ زندہ رہے تو خود بھی دیکھ لیں گے، میں نے دیکھا کہ لوگ حلقوں کی صورت میں بیٹھ کر نماز کا انتظار کر رہے ہیں، ان کے سامنے کنکریاں پڑی ہیں، ہر حلقے میں ایک (مخصوص) آدمی کہتا ہے: سو

فَيُهَلِّلُوْنَ مِئَةً، وَيَقُوْلُ: سَبِّحُوْا مِئَةً فَيُسَبِّحُوْنَ مِئَةً، قَالَ: فَمَاذَا قُلْتَ لَهُمْ؟ قَالَ: مَا قُلْتُ لَهُمْ شَيْئًا اِنْتِظَارَ رَأْيِكَ، قَالَ: أَفَلَا أَمَرْتَهُمْ أَنْ يَعُدُّوْا سَيِّئَاتِهِمْ، وَضَمِنْتَ لَهُمْ أَنْ لَا يَضِيعَ مِنْ حَسَنَاتِهِمْ شَيْءٌ؟ ثُمَّ مَضٰى وَمَضَيْنَا مَعَهُ، حَتّٰى أَتٰى حَلْقَةً مِنْ تِلْكَ الْحِلَقِ، فَوَقَفَ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ: مَاهٰذَا الَّذِيْ أَرَاكُمْ تَصْنَعُوْنَ؟ قَالُوْا: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ! حَصًى نَعُدُّ بِهَا التَّكْبِيْرَ وَالتَّهْلِيْلَ وَالتَّسْبِيْحَ، قَالَ: فَعُدُّوْا سَيِّئَاتِكُمْ فَأَنَا ضَامِنٌ أَنْ لَّا يَضِيعَ مِنْ حَسَنَاتِكُمْ شَيْءٌ، وَيْحَكُمْ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ! مَا أَسْرَعَ هَلَكَتَكُمْ! هٰؤُلَاءِ صَحَابَةُ نَبِيِّكُمْ مُتَوَافِرُوْنَ، وَهٰذِهِ ثِيَابُهُ لَمْ تَبْلَ، وَآنِيَتُهُ لَمْ تُكْسَرْ، وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ إِنَّكُمْ لَعَلٰى مِلَّةٍ هِيَ أَهْدٰى مِنْ مِلَّةِ مُحَمَّدٍ، أَوْ مُفْتَتِحُوْ بَابِ الضَّلَالَةِ؟ قَالُوْا: وَاللّٰهِ يَا أَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ! مَا أَرَدْنَا إِلَّا الْخَيْرَ، قَالَ: وَكَمْ مِنْ مُرِيْدٍ لِّلْخَيْرِ لَنْ يُصِيْبَهُ، إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ حَدَّثَنَا: ((إِنَّ قَوْمًا يَقْرَؤُوْنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، يَمْرُقُوْنَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ.)) وَأَيْمُ اللّٰهِ مَا أَدْرِيْ لَعَلَّ أَكْثَرَهُمْ مِنْكُمْ! ثُمَّ تَوَلّٰى عَنْهُمْ، فَقَالَ عَمْرُو بْنُ سَلِمَةَ: فَرَأَيْنَا عَامَّةَ أُولٰئِكَ الْحِلَقِ يُطَاعِنُوْنَا يَوْمَ النَّهْرَوَانِ مَعَ الْخَوَارِجِ. (الصحيحة: ٢٠٠٥)

(۱۰۰) دفعہ "اَللّٰهُ اَكْبَر" کہو۔ یہ سن کر حلقے والے سو دفعہ "اَللّٰهُ اَكْبَر" کہتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے: سو (۱۰۰) دفعہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ" کہو۔ یہ سن کر وہ سو دفعہ "سُبْحَانَ اللّٰه" کہتے ہیں۔ انھوں نے پوچھا: اس عمل پر تو نے ان کو کیا کہا؟ ابو موسیٰ نے کہا: میں نے آپ کی رائے کے انتظار میں کچھ نہیں کہا۔ انھوں نے کہا: تو نے انھیں یہ کیوں نہیں کہا کہ وہ (ایسے نیک اعمال کی بجائے) برائیاں شمار کریں اور یہ ضمانت کیوں نہیں دی کہ ان کی نیکیاں (کبھی بھی) ضائع نہیں ہوں گی (لیکن وہ ہوں نیکیاں)؟ پھر وہ چل پڑے، ہم بھی ان کے ساتھ ہو لیے۔ ایک حلقے کے پاس گئے، ان کے پاس کھڑے ہوئے اور کہا: تم لوگ یہ کیا کر رہے ہو؟ انھوں نے کہا: اے ابوعبد الرحمٰن! یہ کنکریاں ہیں، ہم ان کے ذریعے تکبیرات، تہلیلات اور تسبیحات کو شمار کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا: ایسی (نیکیوں کو) برائیاں تصور کرو، میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمھاری نیکیوں میں سے کسی نیکی کو ضائع نہیں کیا جائے گا (بشرطیکہ وہ نیکی ہو)۔ اے امت محمد! تمھاری ناس ہو جائے، تم تو بہت جلد اپنی ہلاکت کے پیچھے پڑ گئے ہو، ابھی تک تم میں اصحابِ رسول کی بھرپور تعداد موجود ہے، ابھی تک تمھارے نبی کے کپڑے بوسیدہ نہیں ہوئے اور نہ ان کے برتن ٹوٹے ہیں، (یعنی آپ ﷺ کی وفات کا زمانہ قریب ہی ہے)۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کیا تم لوگوں نے محمد (ﷺ) کے دین سے بہتر دین کو اپنا رکھا ہے یا ضلالت و گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو؟ انھوں نے کہا: اے ابوعبد الرحمٰن! ہمارا ارادہ تو نیکی کا ہی تھا۔ انھوں نے کہا: کتنے لوگ ہیں جو نیکی کا ارادہ تو کرتے ہیں، لیکن اس تک پہنچ نہیں پاتے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ حدیث

بیان کی تھی: ''بعض لوگ قرآن مجید کی تلاوت تو کریں گے، لیکن وہ تلاوت ان کے گلے سے نیچے (دل میں) نہیں اترے گی، وہ (بیگانے ہوکر) دین سے یوں نکلیں گے جیسے تیر شکار سے آر پار ہو جاتا۔'' اللہ کی قسم! مجھے تو کوئی سمجھ نہیں آرہی، شاید تم میں سے اکثر لوگ (اسی حدیث کا مصداق) ہوں، پھر وہ وہاں سے چلے گئے۔ عمرو بن سلمہ کہتے ہیں: ہم نے ان حلقے والوں کی اکثریت کو دیکھا کہ وہ نہروان والے دن خوارج کے ساتھ مل کر ہم پر نیزہ زنی کر رہے تھے۔

تخریج: أخرجه الدارمی: ۱/ ٦٨-٦٩، وبحشل فی "تاریخ واسط": ۱۹۸ تحقیق عواد

شـــرح:...... سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ذکر کی کیفیت کو دیکھ کر ان کے عمل پر مردود ہونے کا فتوی دیا، کیونکہ اس اجتماعی ہیئت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ذکر نہیں کیا جاتا تھا۔

قرآن مجید سرچشمۂ رشد و ہدایت ہے، اس کے نزول کا اصل مقصد لوگوں کی اصلاح ہے اور یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ اس کتابِ عظیم کی تلاوت کی جائے اور اس کو سمجھ کر اس پر عمل کیا جائے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرما دی کہ کچھ لوگ قرآن مجید انتہائی خوبصورت آواز میں پڑھیں گے، لیکن یہ سارا کچھ حلق کے اوپر تک ہوگا، ان کے دلوں میں قرآن مجید کا ذرا برابر اثر نہیں ہوگا۔ جیسے تیر شکار سے خون آلودہ ہوئے بغیر پار ہو جاتا ہے اور ایسے صاف لگتا ہے کہ گویا یہ کسی شکار میں پیوست ہوا ہی نہیں تھا، اسی طرح یہ لوگ خوش الحانی میں تلاوت تو کریں گے، لیکن ان کو جو حالت قبل از تلاوت ہوگی، وہی بعد از تلاوت ہوگی، یہ تلاوت کے دوران قرآن مجید سے متاثر نہیں ہوں گے۔

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: حلقوں کی صورت میں بیٹھ کر ذکر کرنے والوں کے بارے میں سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے کی وجہ سے میں نے اس حدیث کو صحیحہ میں قلمبند کیا ہے، تاکہ راستوں میں اور حلقوں کی صورت میں بیٹھ کر ذکر کرنے والوں کو متنبہ کیا جا سکے، کیونکہ جب ان لوگوں کے طریقے پر انکار کیا جاتا ہے تو یہ انکار کرنے والے پر یہ تہمت لگا دیتے ہیں کہ یہ لوگ تو ذکر کے منکر ہیں۔

قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ کے ذکر کا انکار کرنا تو کفر ہے، انکار اس ہیئت و کیفیت اور اجتماع و اکٹھ کا کیا جا رہا ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مشروع نہیں تھا۔

غور تو کریں کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اِن لوگوں کی کس صفت پر انکار کیا تھا؟ ان کا یہ انکار "سبحان الله" اور "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" پر نہیں تھا، بلکہ اس چیز پر تھا، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایجاد کر لی گئی تھی، یعنی معین دن میں یہ اکٹھ اور ذکر کی مخصوص تعداد۔

ایک حلقے کا ایک سربراہ ہے، وہ ان کو خود ساختہ حکم دیتا ہے، گویا کہ اللہ تعالی کی طرف سے شریعت سازی کر رہا ہے، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ﴾ (سورۂ شوری: ۲۱) ...... ''کیا ان لوگوں نے ایسے اللہ کے شریک مقرر کر رکھے ہیں، جنھوں نے ایسے احکامِ دین مقرر کر دیے ہیں، جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔''

آپ ﷺ کی فعلی اور قولی سنتوں کا لب لباب یہ ہے کہ انگلیوں کے پوروں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے۔

اس حدیثِ مبارکہ اور قصہ میں مذکورہ مزید شرح:......

عبادت کی کثرت کا اعتبار نہیں ہے، اصل معیار سنتِ رسول سے موافقت اور بدعت سے دوری کا ہے، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اِقْتِصَادٌ فِیْ سُنَّةٍ، خَیْرٌ مِّنْ اِجْتِهَادٍ فِیْ بِدْعَةٍ۔ ......سنت (کو اپناتے ہوئے) میانہ روی اختیار کرنا بدعت کے لیے کی گئی جد و جہد سے بہتر ہے۔

چھوٹی بدعت، بڑی بدعت کا سبب ہے۔ آپ غور کریں کہ ان حلقوں والوں نے بعد میں خارجیوں کے گمراہ فرقے میں شمولیت اختیار کر لی تھی، جن کو خلیفۂ راشد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ کیا کوئی عبرت حاصل کرنے والا ہے؟

(صحیحہ: ۲۰۰۵)

حکم نبوی کی پیروی کی مثال

(۳۰۹)۔ عَنْ ضَمْرَةَ بْنِ ثَعْلَبَةَ: اَنَّهُ اَتَی النَّبِیَّ وَعَلَیْهِ حُلَّتَانِ مِنْ حُلَلِ الْیَمَنِ، فَقَالَ: ((یَا ضَمْرَةُ! اَتَرٰی ثَوْبَیْكَ مُدْخِلَیْكَ الْجَنَّةَ؟)) فَقَالَ: لَئِنِ اسْتَغْفَرْتَ لِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! لَا اَقْعُدُ حَتّٰی اَنْزَعَهُمَا عَنِّیْ۔ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: ((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِضَمْرَةَ بْنِ ثَعْلَبَةَ۔)) فَانْطَلَقَ سَرِیْعًا حَتّٰی نَزَعَهُمَا عَنْهُ۔ (الصحیحة: ۳۰۱۸)

سیدنا ضمرہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں دو یمنی عمدہ پوشاکیں پہن کر نبی کریم ﷺ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ضمرہ! تیرا کیا خیال ہے کہ یہ کپڑے تجھے جنت میں داخل کرنے والے ہیں؟'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر آپ میرے لیے بخشش طلب کریں تو بیٹھنے سے پہلے اتار دیتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! ضمرہ بن ثعلبہ کو بخش دے۔'' (یہ دعا سنتے ہی) اس نے جلدی سے کپڑے اتار دیے۔

تخریج: أخرجه البخاري في "التاريخ" ٤/ ٣٣٦۔ ٣٣٧، وأحمد: ٤/ ٣٣٨۔ ٣٣٩، والبزار: ٣/ ٢٧٥/ ٢٧٤٠، والطبراني في "المعجم الكبير" ٨/ ٣٦٠/ ٨١٥٨

شرح:...... ممکن ہے کہ ان پوشاکوں میں ریشم ہو یا وہ اتنی عمدہ ہوں کہ ان کی بنا پر پہننے والے کے بارے میں یہ خطرہ ہو کہ وہ فخر اور ریاکاری میں مبتلا ہو جائے گا۔

حدیثِ نبوی کو پرکھنے کا معیار

(۳۱۰)۔ عَنْ أَبِیْ حُمَیْدٍ، أَوْ أَبِیْ أُسَیْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا سَمِعْتُمُ الْحَدِیْثَ عَنِّیْ تَعْرِفُهُ قُلُوْبُكُمْ، وَتَلِیْنُ لَهُ أَشْعَارُكُمْ وَأَبْشَارُكُمْ، وَتَرَوْنَ أَنَّهُ مِنْكُمْ

حضرت ابو حمید یا حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میری طرف منسوب حدیث سنو (تو دیکھو کہ آیا) تمہارے دل اس سے مانوس ہو رہے ہیں اور تمہارے بال اور چمڑے اس کے لیے نرم ہو رہے ہیں

قَرِيْبٌ، فَأَنَا أَوْلَاكُمْ بِهِ، وَإِذَا سَمِعْتُمُ الْحَدِيْثَ عَنِّي تُنْكِرُهُ قُلُوْبُكُمْ، وَتَنْفِرُ مِنْهُ أَشْعَارُكُمْ وَأَبْشَارُكُمْ، وَتَرَوْنَ أَنَّهُ مِنْكُمْ بَعِيْدٌ، فَأَنَا أَبْعَدُكُمْ مِنْهُ.))

(الصحيحة: ٧٣٢)

اور تم دیکھ رہے ہو کہ وہ بات تم بھی کر سکتے ہو تو میں ایسی (حدیث بیان کرنے کا) بالاولی مستحق ہوں گا۔ لیکن اگر تم دیکھو کہ جو حدیث میری طرف منسوب ہے، تمہارے دل اس کا انکار کر رہے ہیں اور تمہارے بال اور چمڑے اس سے نفرت کر رہے ہیں اور تم دیکھ رہے ہو کہ تم بھی (اس کی قسم کی) بات نہیں کر سکتے، تو میں اس سے سب سے زیادہ دور رہنے والا ہوں گا۔"

تخریج: رواہ ابن سعد: ١/ ٣٨٧، ٣٨٨، وأحمد: ٣/ ٤٩٧، ٥/ ٤٢٥

شرح:...... سب سے پہلے دو باتیں عرض کرنا ضروری ہیں: (۱) صحابہ کرام کے دور سے لے کر آج تک عام طور پر معتبر محدثین کا یہی قانون رہا کہ سند کی روشنی میں حدیث کو پرکھا جائے۔ جہاں کہیں بھی کوئی حدیث پیش کی گئی، اس کی سند کا مطالبہ کیا گیا اور صحیح سند ثابت ہونے کے بعد ہر کسی نے اس کو بحیثیتِ حدیث قبول کر لیا۔ صحابہ کرام کا تو معیار ہی آپ ﷺ کی مقدس زبان تھی، نہ کہ ان کی فطرت وطبیعت۔ ابوبکر کو صدیق کا لقب ملنے کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے بلا تردّد اسرا و معراج کا سفر تسلیم کر لیا تھا۔ (۲) قرآن مجید اور متواتر احادیث میں بھی ایسے امور موجود ہیں، جو کئی لوگوں کے لیے طبعی اور فطرتی لحاظ سے نامنظور ہیں۔ وہ صرف اس بنا پر ان کی صداقت وحقانیت کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات وفرمودات ہیں۔

قارئین کرام! اس لیے ایک خاص طبقے کو مذکورہ بالا حدیثِ مبارکہ کا مخاطَب سمجھا جائے گا، یعنی وسیع علم حدیث سے گہری دلچسپی رکھنے والے محدثین اور فقہا، جن کا اوڑھنا بچھونا حدیث تھا، جو احادیثِ مبارکہ کا ذوق رکھنے والے اور ان کے ذوق کو پہچاننے والے تھے۔ ایسے لوگ آپ ﷺ کی طرف منسوب بات کے مزاج کو دیکھ کر اس کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا دعوی کرتے ہیں، پھر جب تحقیق کرتے ہیں تو ان کا دعوی درست ثابت ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

مزید توضیح کے لیے ہم پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول پیش کرتے ہیں: وہ کہتے ہیں: ((إِذَا حَدَّثْتُمْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حَدِيْثًا، فَظُنُّوْا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَهْيَاهُ وَأَتْقَاهُ وَأَهْدَاهُ.)) (مسند احمد: ٩٨٧، ابن ماجہ: ٢٠) یعنی: جب تم لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث بیان کی جائے تو اس حدیث کو آپ ﷺ کی بات خیال کرو جو ہیئت میں زیادہ اچھی، زیادہ تقوے والی اور زیادہ ہدایت والی ہو۔

حسان عبد المنان اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یعنی وہ حدیث جو آپ ﷺ کی کامل ہدایت کے زیادہ لائق، آپ سے زیادہ موافقت کرنے والی اور آپ کے تقوی کے زیادہ مناسب ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ کے فرامین درستی اور خیر خواہی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے واجب العمل ہیں، کیونکہ ان کا منبع اللہ تعالی کی ذات ہے اور لوگوں

تک پہنچانے والے آپ ﷺ ہیں، اس لیے اگر آپ ﷺ سے کوئی ایسی حدیث منقول ہو، جس میں دو احتمال پائے جاتے ہوں، تو جو احتمال مقام نبوت کے زیادہ مناسب اور کاملیت والا ہوگا، اس حدیث کو اسی احتمال پر محمول کیا جائے گا۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک آدمی نے آپ ﷺ سے اپنی بیوی کی یوں شکایت کی: ((اِنَّ امْرَأَتِي لَا تَرُدُّ يَدَ لَامِسٍ .)) (میری بیوی چھونے والے کا ہاتھ نہیں روکتی)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کو طلاق دے دو۔'' اس نے پھر کہا: میں تو اس سے بڑی محبت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر اسے اپنے پاس روکے رکھ۔''

سوال یہ ہے کہ ''چھونے والے کا ہاتھ نہیں روکتی'' کا مفہوم کیا ہے؟ دو قول بیان کیے گئے ہیں: (۱) جو آدمی اس سے جو چیز مانگتا ہے، وہ اسے دے دیتی ہے۔ (۲) وہ ہر زانی کو زنا کرنے کا موقع دیتی ہے۔

امام احمد اور جمہور اہل علم کی رائے یہ ہے کہ پہلا معنی ہی درست اور زیادہ مناسب ہے، کیونکہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے صحابی کو یہ حکم دیں کہ وہ ایسی عورت کو اپنے عقد میں بحال رکھے جو زنا کرتی ہے۔ (بلوغ الامانی من اسرار الفتح الربانی: ۱/ ۹۸، ۹۹)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جو حدیثِ مبارکہ سند کے ساتھ ثابت ہو جائے لیکن معنی کے لحاظ سے اس سے مختلف احتمالات نکالے جا سکتے ہوں، تو آپ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ اور صفاتِ حسنہ کو سامنے رکھ کر اچھے احتمال کو ترجیح دینی چاہیے۔

واللہ اعلم بالصواب (رحم اللہ السلف الصالح رحمۃ واسعۃ).

عقائد میں بھی خبر واحد حجت ہے

(۳۱۱)۔ عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ أَهْلَ الْيَمَنِ قَدِمُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالُوْا: اِبْعَثْ مَعَنَا رَجُلًا يُعَلِّمُنَا السُّنَّةَ وَالإِسْلَامَ، قَالَ: فَأَخَذَ بِيَدِ أَبِيْ عُبَيْدَةَ، قَالَ: ((هٰذَا أَمِيْنُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ.)) (الصحيحة: ۱۹٦٤)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یمنی لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: ''ہمارے ساتھ کوئی ایسا آدمی بھیجیں جو ہمیں سنت اور اسلام کی تعلیم دے۔ آپ نے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: ''یہ اس امت کا امین ہے۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ۱۲۹۷، والحاكم: ۳/ ۲٦۷، وأحمد: ۳/ ۱۲۵، وأبويعلي: ۲/ ۸۳۱

شرح:...... نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے دور میں خبر واحد اور خبر متواتر کی تقسیم کا کوئی وجود نہ تھا، آپ ﷺ زیادہ تر مختلف علاقوں میں وعظ و تبلیغ کے لیے صرف ایک ایک صحابی کو بھیجتے تھے، وہی قرآن کی آیات پڑھ کر سناتا تھا اور احادیثِ رسول بیان کرتا تھا، آگے سے کسی کو یہ کہنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ یہ شخص تو ایک ہے، اس کی بات تو ظنی ہے۔ اگرچہ خبر متواتر پر آدمی کو طبعی طور زیادہ یقین ہوتا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ خبر واحد کی اہمیت کو کم کر دیا جائے، حقیقت یہ ہے کہ خبر واحد بھی خبر متواتر کی طرح حجت ہے، نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال کی اہمیت میں اس بنا پر کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی کہ یہ خبر متواتر ہے اور یہ خبر واحد ہے۔ اس معاملے میں امام ابن حزم کے قول کو خراج تحسین پیش کرنا

چاہیے، انھوں نے کہا کہ عادل اور ثقہ راوی کی روایت علم اور عمل دونوں کو واجب کرتی ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث اس اہم فائدے پر بھی مشتمل ہے کہ احکام کی طرح عقائد میں بھی خبر واحد حجت ہے، کیونکہ یہ بات تو حتمی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو احکام اور عقائد دونوں کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا تھا۔ اگر عقائد میں خبر واحد کا حجت ہونا تسلیم نہ کیا جائے تو تعلیم دینے کے لیے آپ ﷺ کا سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو بھیجنا بامقصد نہیں رہتا، جبکہ شارع علیہ السلام ایسے امر سے پاک ہیں کہ حصولِ مقصد کے بغیر کوئی کام سرانجام دیں۔

(صحیحہ: ۱۹٦٤)

(۳۱۲)۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، قَالَ: بَيْنَمَا النَّبِيُّ ﷺ فِيْ حَائِطٍ لِبَنِي النَّجَّارِ عَلٰى بَغْلَةٍ لَّهُ وَنَحْنُ مَعَهُ، إِذْ حَادَتْ بِهِ، فَكَادَتْ تُلْقِيْهِ، وَإِذَا أَقْبُرٌ سِتَّةٌ أَوْ خَمْسَةٌ أَوْأَرْبَعَةٌ۔ شَكَّ الْجَرِيْرُ۔ فَقَالَ ﷺ: ((مَنْ يَعْرِفُ أَصْحَابَ هٰذِهِ الْاَقْبُرِ؟)) فَقَالَ رَجُلٌ: أَنَا۔ وَقَالَ: ((فَمَتٰى مَاتَ هٰؤُلَاءِ؟)) قَالَ: مَاتُوْا فِيْ الْاِشْرَاكِ، فَقَالَ: ((إِنَّ هٰذِهِ الْاُمَّةَ تُبْتَلٰى فِيْ قُبُوْرِهَا، فَلَوْلَا أَنْ لَاتَدَافَنُوْا، لَدَعَوْتُ اللّٰهَ أَنْ يُسْمِعَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِيْ أَسْمَعُ مِنْهُ۔)) قَالَ زَيْدٌ: ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ، فَقَالَ: ((تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ۔)) قَالُوْا: نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ۔ فَقَالَ: ((تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔)) قَالُوْا: نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ قَالَ: ((تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔)) قَالُوْا: نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔ قَالَ: ((تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ۔)) قَالُوْا: نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ۔ (الصحيحة:۱۵۹)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بنونجار کے ایک باغ میں اپنے خچر پر سوار جارہے تھے، اچانک خچر بدک گیا اور قریب تھا کہ آپ ﷺ گر جائیں۔ راوی حدیث جریر کے شک کے مطابق ادھر چار یا پانچ یا چھ قبریں تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کون ان قبر والوں کو جانتا ہے؟“ ایک آدمی نے کہا: میں جانتا ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ”یہ لوگ کب مرے تھے؟“ اس نے کہا: شرک کی حالت میں۔ (یہ سن کر) آپ ﷺ نے فرمایا: ”(انسانوں کی) امت کو قبروں میں آزمایا جاتا ہے اور اگر تمہارے دفن نہ کرنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اللہ تعالی سے دعا کرتا کہ جو عذاب قبر میں سنتا ہوں وہ تمھیں بھی سنا دے۔“ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور کہا: ”اللہ تعالی کی پناہ طلب کرو آگ کے عذاب سے۔“ ہم نے کہا: ہم آگ کے عذاب سے بچنے کے لیے اللہ تعالی کی پناہ چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ”عذابِ قبر سے اللہ تعالی کی پناہ طلب کرو۔“ ہم نے کہا: ہم عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ”ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔“ ہم نے کہا: ہم ظاہری اور باطنی فتنوں سے بچنے کے لیے اللہ تعالی کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ”دجال کے

فتنے سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔'' ہم نے کہا: ہم دجال کے فتنے سے اللہ تعالی کی پناہ چاہتے ہیں۔

تخریج: أخرجه مسلم: ٨/ ١٦٠۔١٦١

شرح: ...... امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: یہ حدیث درج ذیل اہم فوائد پر مشتمل ہے، ایک یہ ہے:
عذاب قبر کا ثبوت، اس مسئلہ کو ثابت کرنے والی احادیث متواتر ہیں اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے، اگر اس سلسلے میں صرف اخبارِ آحاد ہوں تو بھی ان کے مصداق کو تسلیم کرنا ضروری ہے، کیونکہ قرآن مجید سے ان کی تائید ہوتی ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ. النَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ (سورة الغافر: ٤٥، ٤٦) ......''اور فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب الٹ پڑا، آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح شام لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی (فرمان ہوگا کہ) فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں ڈالو۔''
اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ قرآن مجید سے عذابِ قبر کا ثبوت نہیں ملتا تو اخبارِ آحاد اس عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ خبرِ واحد سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا۔ لیکن یہ رائے باطل ہے، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، ائمہ اربعہ سمیت کوئی بڑا امام اس خیال کا مالک نہیں تھا۔ یہ باطل خیال بعض اہل کلام کا ہے، جس کی ان کے پاس کوئی برہان اور سلطان نہیں ہے۔ (صحیحہ: ١٥٩)

حدیثِ نبوی حجت ہے

(٣١٣)۔ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ الْكِنْدِيِّ مَرْفُوْعاً: ((أُوْتِيْتُ الْكِتَابَ وَمَا يَعْدِلُهُ (يَعْنِي: مِثْلَهُ) يُوْشِكُ شَبْعَانُ عَلَى أَرِيْكَتِهِ يَقُوْلُ: بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ هٰذَا الْكِتَابُ، فَمَا كَانَ فِيْهِ مِنْ حَلَالٍ أَحْلَلْنَاهُ، وَمَاكَانَ فِيْهِ مِنْ حَرَامٍ حَرَّمْنَاهُ، أَلا وَإِنَّهُ لَيْسَ كَذٰلِكَ۔ أَلا لَايَحِلُّ ذُوْنَابٍ مِنَ السِّبَاعِ، وَلَا الْحِمَارُ الْأَهْلِيُّ، وَلَا اللُّقْطَةُ مِنْ مَالِ مُعَاهِدٍ، إِلَّا أَنْ يُسْتَغْنٰى عَنْهَا، وَأَيُّمَا رَجُلٍ أَضَافَ قَوْماً فَلَمْ يُقْرُوْهُ فَإِنَّ لَهُ أَنْ يُعْقِبَهُمْ بِمِثْلِ قِرَاهُ۔)) (الصحيحة: ٢٨٧٠)

حضرت مقدام بن معدیکرب کندی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے ایک (اللہ کی) کتاب دی گئی ہے اور دوسری اس کے برابر یعنی اس کی مثل ایک اور چیز بھی دی گئی ہے۔ قریب ہے کہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے ایک پیٹ بھرا شخص یوں کہے: ہمارے اور تمہارے مابین یہ (اللہ کی) کتاب (ہی کافی ہے)۔ جو چیز اس میں حلال ہے، ہم اسے حلال سمجھیں گے اور جو اس میں حرام ہے، ہم اسے حرام سمجھیں گے۔ خبردار! معاملہ اس طرح نہیں ہے، آگاہ رہو! کچلیوں والا درندہ حلال نہیں ہے اور نہ گھریلو گدھا اور نہ ذمی کی گری پڑی چیز، الا یہ کہ اس سے بے نیاز ہوا جائے۔ اور جو آدمی کسی قوم کا مہمان بنا، جبکہ انھوں نے اس کی ضیافت نہیں

کی تو اس کے لیے درست ہے کہ میزبانی کے بقدر ان سے
وصول کرے۔''

تخریج: رواه عباس الترقفي في "حديثه": ٤٦/ ١، والطبراني في "الكبير": ٢٠/ ٢٨٣/ ٦٦٩، والطحاوي في "شرح معاني الآثار": ٢/ ٣٢١، وابوداود: ٤٦٠٤، واحمد: ٤/ ١٣٠

شرح:...... شریعت کے دو مرکزی مصادر ہیں: قرآن اور حدیث، بیک وقت دو کو لے کر نہ چلنے اور کسی ایک پر اکتفا کرنے والا گمراہ ہے۔

یہ حدیث دلیل ہے کہ احادیثِ نبویہ کو قرآن پر پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، جب بھی رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو جائے تو وہ خود حجت ہو گی۔ یہ تو خارجیوں اور رافضیوں جیسے گمراہوں کا قانون تھا کہ ان سنتوں کو ترک کر دیا جائے، جن کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے، سو وہ حیران و ششدر رہ گئے اور گمراہ ٹھہرے۔

یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ حدیث کے مضمون کو قرآن کے مضامین پر پیش کیا جائے، موافقت کی صورت میں اسے قبول کر لیا جائے اور مخالفت کی صورت میں اسے ترک کر دیا جائے، یہ باطل اور بے بنیاد قانون ہے اور یہ دعوے زندیقوں اور بے دین لوگوں کے ہیں۔

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ قرآن مجید میں مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جانے والا جانور جیسی چند حرام چیزوں کا ذکر ہے

جبکہ احادیثِ مبارکہ نے ''کچلیوں سے شکار کرنے والا جانور'' کا قانون پیش کر کے شیر، چیتے، لومڑ، گیدڑ اور دوسرے درندوں کو حرام قرار دیا اور ''پنجے سے شکار کرنے والا پرندہ'' کا قانون پیش کر کے باز، بحری، شکرہ، الو، چیل اور گدھ وغیرہ کو حرام قرار دیا۔ گھریلوں گدھے اور کتے کے حرام ہونے کا اعلان حدیث میں کیا گیا ہے۔ یہ حدیث ہی ہے جس نے پھوپھی اور بھتیجی اور خالہ اور بھانجی کو ایک نکاح میں جمع کرنے سے منع کر دیا، جبکہ قرآن سے تو جواز کا اشارہ مل رہا تھا۔ قرآن نے مردار کو حرام قرار دیا، جبکہ حدیث نے مچھلی اور ٹڈی کے مرداروں کو حلال قرار دیا۔ قرآن کریم نے خواتین و حضرات کو بلا ناغہ نماز قائم کرنے اور رمضان کے روزے رکھنے کا حکم دیا، لیکن حدیث نے حیض اور نفاس والی عورت کو نماز کی مکمل رخصت دے دی اور اس حالت میں روزے رکھنے سے منع کر دیا اور بعد میں قضائی کا حکم دیا۔ علی ہذا القیاس۔

یہ بیّن اور ٹھوس دلائل اس حقیقت کو عیاں کرتے ہیں کہ سید الاولین والآخرین کی احادیث بنفسہ حجت اور شریعت کا ماخذ ہیں، ان کی روشنی میں قرآن کے عام کو خاص اور مطلق کو مقید کیا جا سکتا ہے۔

ہر کوئی ان حقائق کو عملاً تسلیم کرتا ہے، اب کہاں گیا خودساختہ اور بے بنیاد قانون کہ حدیث کو قرآن مجید پر پیش کیا جائے۔ میں نے کئی ڈاکٹروں، پروفیسروں، انجینیئروں اور بعض نام نہاد فقہوں کے دعویداروں کو یہ کہتے سنا کہ ہر مسئلے میں

پہلے قرآن کو دیکھیں گے اور قرآن کے مفہوم سے مخالفت کرنے والی احادیث کو ترک کر دیں گے۔ ان لوگوں سے ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ قرآن کی رو سے کتے، چیتے، شیر، گیدڑ، لومڑ، گدھے، چوہے، سانپ، کوے، گدھ جیسے جانور حلال ہیں، ان کو چاہیے کہ ان جانوروں کا گوشت کھائیں، ذرا سانپوں کو نگل کر دکھائیں اور ایسے قصاب بازاروں میں بٹھائیں، جو گیدڑوں، لومڑوں اور چوہوں کا گوشت فروخت کریں، ان کو چاہیے کہ اپنی عورتوں کو حیض کے خون کے دوران نماز پڑھنے اور روزے رکھنے اور حج وعمرہ کے دوران طواف کرنے کا حکم دیں۔ کیا یہ لوگ کسی شخص کو کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنی بیوی کی بھتیجی، بھانجی، پھوپھی اور خالہ سے شادی کر لے؟ پھر ہم تسلیم کریں گے کہ ان کو اپنے دعوے کی صداقت پر کتنا یقین ہے۔

یہ تناقض، یہ تضاد بیانی، یہ متضاد آرا، کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ سبحان اللہ! یہ دماغ فیصلہ کریں گے کہ کون سی حدیثِ قدسیہ قابل تسلیم ہے اور کون سی ناقابل تسلیم۔ اگر کوئی آدمی اپنی اہلیت کا صحیح اندازہ نہ کر سکے تو ایسی ہفوات اور ''بونگیاں'' منظرِ عام پر آتی رہتی ہیں۔

یہ ہمارے نبی کی احادیث اتنی مظلوم زمانہ بن گئی ہیں کہ جو ناظرہ قرآن مجید نہ پڑھ سکنے والا جیسے چاہتا ہے، اگلنا شروع کر دیتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ احادیث لکھنے کا اہتمام نہیں کیا گیا، کوئی کہتا ہے دو سو سال کے بعد لکھی گئیں، کوئی کہتا ہے جھوٹے اور من گھڑت قصوں کو کتبِ احادیث میں داخل کر دیا گیا۔

ہائے ایسے دعویداروں کی خرابی! یہ اس نکمّے کا دعوی ہے، جو فنِ حدیث سے کوسوں دور ہے، جس بیچارے کو اسلام کی امتیازی خصوصیت ''علم الرجال'' کی حقانیت کا اندازہ نہیں ہے۔ مغربی اور یورپی سکالر اسلام کے اس امتیازی علمی شعبے پر انگشتِ بدنداں ہو جاتے ہیں اور اس کے حق میں اقرار کیے بغیر نہیں رہ سکتے ہے۔ لیکن یہ اپنے ہیں، یارانِ اسلام، یہ علم کی حدّوں کو پھلانگ جانے والے، جن بیچاروں کو اپنے اسلام کی خوبیوں تک کی خبر تک نہیں ہے۔

میں عاجزانہ التماس کروں گا کہ ایسے دعووں کی وجہ علم حدیث اور فن حدیث سے دوری ہے اور ایسے لوگوں کو اپنی اہلیت پر ناز ہے اور چکڑالوی اور منکرین حدیث لوگوں کے وسوسوں میں گرفتاری ہے۔ نبی کریم ﷺ پر زیادہ سے زیادہ درود وسلام بھیجنے کا اہتمام کریں، تاکہ دل میں آپ ﷺ کی محبت پیدا ہو، پھر آپ ﷺ کی احادیثِ قدسیہ کو حرزِ جان بنا کر پڑھنا شروع کر دیں اور عمل کرتے جائیں، علم وعمل میں نکھار آئے گا۔

اللہ کی پناہ، میرا مقصد قرآن حکیم کی اہمیت کو کم کرنا نہیں ہے، شرعی مسئلے کی توضیح کرنا ہے کہ رشد و ہدایت کے پیاسے کو دو چشموں سے سیراب ہونا چاہیے، ایک قرآن اور دوسرا حدیث۔ قرآن پاک نے خود بیسیوں مقامات پر آپ ﷺ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی گئی پیشین گوئیوں کا ثابت ہونا احادیث کے سچا ہونے کا ثبوت

پیغمبر اعظم ﷺ نے مستقبل کے بارے میں جتنی پیشین گوئیاں کیں، ان میں جو پوری ہو چکی ہیں، وہ حرف بہ

حرف پوری ہوئیں اور باقیوں کا انتظار ہے۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی احادیث میں شک و شبہ کرنے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ہم آپ ﷺ کی پیشین گوئیوں سے متعلقہ کل روایات کا احاطہ نہیں کریں گے، بلکہ صرف سلسلہ صحیحہ کی احادیث پر اکتفا کریں گے۔

(٣١٤)۔ عَنْ نُعَيْمِ ابْنِ دَجَّاجَةَ، أَنَّهُ قَالَ: دَخَلَ أَبُوْ مَسْعُوْدٍ عُقْبَةُ بْنُ عَمْرٍو الْأَنْصَارِيُّ عَلَى عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ، فَقَالَ لَهُ عَلِيٌّ: أَنْتَ الَّذِيْ تَقُوْلُ: لَايَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ مِئَةُ سَنَةٍ وَعَلَى الْأَرْضِ عَيْنٌ تَطْرِفُ؟ إِنَّمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَايَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ مِئَةُ سَنَةٍ، وَعَلَى الْأَرْضِ عَيْنٌ تَطْرِفُ مِمَّنْ هُوَ حَيٌّ الْيَوْمَ۔)) وَاللّٰهِ إِنَّ رَجَاءَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ مِئَةِ عَامٍ۔ (الصحيحة: ٢٩٠٦)

نعیم بن دجاجہ کہتے ہیں کہ سیدنا ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، سیدنا علی نے ان سے کہا: تم ہو جو کہتے ہو کہ لوگوں پر ابھی تک سو برس نہیں گزریں گے کہ جھپکنے والی آنکھیں ختم ہو جائیں گی۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے تو یہ فرمایا تھا کہ ''لوگوں پر ابھی تک سو سال نہیں گزریں گے کہ وہ جھپکنے والی آنکھ ختم ہو جائے گی جو آج زندہ ہے۔'' اللہ کی قسم! اس امت کی امید سو برس کے بعد بھی ہوگی۔

تخريج: أخرجه أحمد: ١/ ٩٣، وابن عبدالله: ١/ ١٤٠، ومن طريقه الضياء في "الأحاديث المختارة": ٢/ ٣٧٨/ ٧٦٠، وأبو يعلي: ١/ ٤٣٨/ ٥٨٤، والطبراني في "المعجم الأوسط": ٢/ ٥٩/ ١/ ٥٩٨٨

شرح: ...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیثِ مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد بیان کرتے جو روئے زمین پر موجود تھے، ان کی زندگی سو برسوں تک ختم ہو جائے گی، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس مدت کے بعد زندگی ختم ہو جائے گی۔ مزید (فتح الباری: ١/ ٢١١۔ ٢١٢) دیکھ لیں۔ (صحیحہ: ٢٩٠٦)

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں ہمیں نمازِ عشا پڑھائی، سلام پھیرنے کے بعد فرمایا: ((أَرَأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هٰذِهِ، فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْهَا لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ۔)) ...... ''کیا خیال ہے تمہارا اس رات کے بارے، (ذرا غور کرو کہ آج) جو زمین کی پشت پر موجود ہے، وہ سو برس تک باقی نہیں رہے گا۔'' (بخاری، مسلم)

حافظ ابن حجر نے کہا: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی وفات سے ایک ماہ پہلے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی۔ (فتح الباری: ١/ ٢٨٢)

محدثین کا اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور ابو الطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ آخری صحابی

ہیں جو ٹھیک سو برس کے بعد ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے۔ ایسی پیشین گوئیوں کے پورا ہونے کے باوجود اگر کوئی احادیث نبویہ کو حجت تسلیم نہیں کرتا تو وہ اس شخص کی مانند ہوگا جو کسی مقصد کے لیے دوپہر کے وقت سورج پر تھوکنا چاہتا ہو، جبکہ اس کا تھوک واپس اس کے چہرے پر پڑ رہا ہو۔

(۳۱۵)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعاً: ((آلَا اِنَّ الْفِتْنَةَ هَاهُنَا، آلَا اِنَّ الْفِتْنَةَ هَاهُنَا قَالَهَا مَرَّتَيْنِ اَوْثَلَاثًا، مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ، يُشِيْرُ بِيَدِهِ اِلَى الْمَشْرِقِ، وَفِي رِوَايَةٍ: الْعِرَاقِ۔)) (الصحيحة:٢٤٩٤)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خبردار! فتنہ یہاں ہے، خبردار! فتنہ یہاں ہے (دو یا تین دفعہ فرمایا) یہاں سے شیطان کے سر کا کنارہ طلوع ہو گا۔'' آپ نے یہ فرماتے ہوئے مشرق یا عراق کی طرف اشارہ کیا۔

تخريج: هو من حديث ابن عمر، وله عنه طرق،

الأولى: أخرجه البخاري:٢/ ٢٧٥، ٤/ ٣٧٤، ومسلم:٨/ ١٨٠۔ ١٨١، وأحمد:٢/ ١٨و ٩٢،

الثانية: أخرجه البخاري:٢/ ٣٨٤، ٤/ ٣٧٤، ومسلم أيضا، والترمذي: ٢/ ٤٤، وأحمد: ٢/ ٢٣، ٤٠، ٧٢، ١٤٠، ١٤٣

الثالثة: أخرجه مالك: ٣/ ١٤١۔ ١٤٢، والبخاري: ٢/ ٣٢١، ٣/ ٤٧١، وأحمد: ٢/ ٢٣، ٥٠، ٧٣، ١١٠

شـــرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: حدیث کے مختلف طرق سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہت مشرق کی طرف اشارہ کیا، بعض روایات میں یہ توضیح بھی کر دی گئی ہے کہ اس جہت سے مراد عراق ہے۔ یہ حدیث نبوت کی نشانیوں میں سے ایک ہے، کیونکہ پہلا فتنہ مشرق سے ہی ابھرا اور مسلمانوں میں تفرقہ بازی کا سبب بنا، اسی طرح شیعیت اور خارجیت جیسی بدعتیں بھی اسی جہت کی پیداوار ہیں، امام بخاری (۷/۷۷) اور امام احمد (۲/۸۵،۱۵۳) نے بیان کیا کہ ابن ابی نعیم نے کہا: میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا، ایک عراقی آدمی نے ان سے سوال کیا کہ اگر محرِم (احرام والا) آدمی مکھی مار دے تو (وہ کیا کفارہ ادا کرے گا)۔ انھوں نے جواب دیتے ہوئے کہا: عراقیو! تم مکھی کو قتل کرنے والے محرِم کے بارے میں سوال کرتے ہو، تم نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے (سیدنا حسین رضی اللہ عنہ) کو قتل کر دیا، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا۔)) ...... ''یہ (حسن و حسین) تو دنیا میں میری کلیاں (یا گلدستے) ہیں۔''

ایک فتنہ یہ بھی تھا کہ شیعوں نے جلیل القدر صحابہ پر طعن کیا، بطورِ مثال سیدہ عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا ہیں، جن کی براءت آسمان سے نازل ہوئی تھی۔ ایک متعصب شیعہ عبد الحسین نے پوری جرأت، بے شرمی اور چالاکی کے ساتھ اپنی کتاب (المراجعات: ص: ۲۳۷) میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر طعن کرنے کے لیے اور احادیث کے سلسلے میں ان کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے کئی فصلیں قائم کیں۔ اس نے یا تو ضعیف اور موضوع روایات کا سہارا لیا، ان میں سے

بعض ضعیفہ (۴۹۶۳، ۴۹۷۰، ۴۹۷۴) میں مذکورہ ہیں یا پھر احادیث صحیحہ کی تحریف کی اور ان کے ایسے مفاہیم بیان کیے، جن کی ان روایات میں کوئی گنجائش نہ تھی .... (صحیحہ: ۲٤۹٤)

(۳۱٦)۔ عَنْ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ يُحَدِّثُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَبَأَ لِابْنِ صَيَّادٍ (دُخَانًا) فَسَأَلَهُ عَمَّا خَبَأَهُ؟ فَقَالَ: دُخٌّ۔ فَقَالَ: ((اِخْسَأْ: فَلَنْ تَعْدُوَ قَدْرَكَ۔)) فَلَمَّا وَلَّى قَالَ النَّبِيُّ: ((مَا قَالَ؟)) فَقَالَ بَعْضُهُمْ: دُخٌّ۔ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: بَلْ قَالَ: زُخٌّ۔ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((قَدِ اخْتَلَفْتُمْ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ، وَأَنْتُمْ بَعْدِي أَشَدُّ اخْتِلَافًا۔))

(الصحيحة: ۳۲۵٦)

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ابن صیاد کے لیے لفظ "دُخَان" چھپایا، پھر اس سے اس کے بارے میں سوال کیا۔ اس نے لفظ "دُخّ" کہہ کر جواب دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ذلیل ہو جا، تو ہرگز اپنے درجے (اور حیثیت) سے آگے نہیں بڑھ سکے گا۔" جب وہ چلا گیا تو آپ ﷺ نے پوچھا: "اس نے کیا جواب دیا تھا؟" بعض نے کہا: اس نے لفظ "دُخّ" کہا، جبکہ بعض نے کہا کہ اس نے لفظ "زُخّ" کہا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تم میری موجودگی میں اختلاف میں پڑ گئے ہو اور میرے بعد بہت زیادہ اختلاف کرنے والے ہو گے۔"

تخريج: أخرجه عبدالرزاق في "المصنف": ۱۱/ ۳۸۹/ ۲۰۸۱۸، ومن طريقه: الطبراني في "المعجم الكبير": ۳/ ۱٤٦، واعلم ان أحاديث ابن صياد وسؤال النبى ﷺ اياه عن الدخان كثيرة، وبعضها فى الصحيح و السنن۔

شرح: ...... لوگ واقعی بہت زیادہ اختلافات میں پڑ گئے، بہرحال آپ ﷺ نے یہ وضاحت بھی فرما دی کہ کامیاب وہی ہوگا، جو آپ ﷺ کی سیرت کو اپنائے گا۔

(۳۱۷)۔ عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ: أَنَّهَا دَخَلَتْ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنِّي رَأَيْتُ حُلْمًا مُنْكَرًا اللَّيْلَةَ۔ قَالَ: ((وَمَا هُوَ؟)) قَالَتْ: إِنَّهُ شَدِيْدٌ۔ قَالَ: ((وَمَا هُوَ؟)) قَالَ: رَأَيْتُ كَأَنَّ قِطْعَةً مِنْ جَسَدِكَ قُطِعَتْ وَوُضِعَتْ فِي حِجْرِيْ۔ قَالَ: ((رَأَيْتِ خَيْرًا، تَلِدُ فَاطِمَةُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ غُلَامًا فَيَكُوْنُ فِي حِجْرِكِ۔)) فَوَلَدَتْ فَاطِمَةُ الْحُسَيْنَ،

سیدہ ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے رات کو قبیح خواب دیکھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: "وہ کیا ہے؟" اس نے کہا: وہ بہت سخت ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: "آخر وہ ہے کیا؟" اس نے کہا: مجھے ایسے لگا کہ آپ کے جسم کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں پھینکا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تو نے تو عمدہ خواب دیکھا ہے، (اس کی تعبیر یہ ہے کہ ان شاء اللہ میری بیٹی) فاطمہ کا بچہ پیدا ہو گا جو تیری گود میں ہو گا۔" واقعی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بچہ حسین

فَكَانَ فِي حِجْرِي كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَدَخَلْتُ يَوْمًا إِلَى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَوَضَعْتُهُ فِي حِجْرِهِ، ثُمَّ حَانَتْ مِنِّي الْتِفَاتَةٌ فَإِذَا عَيْنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ تُهَرِيْقَانِ مِنَ الدُّمُوْعِ، قَالَتْ: فَقُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي مَالَكَ؟ فَقَالَ: ((أَتَانِي جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فَأَخْبَرَنِي أَنَّ أُمَّتِي سَتَقْتُلُ اِبْنِي هٰذَا۔)) فَقُلْتُ: هٰذَا؟ فَقَالَ: ((نَعَمْ۔ وَأَتَانِي بِتُرْبَةٍ مِنْ تُرْبَتِهٖ حَمْرَاءَ۔)) (الصحيحة:۸۲۱)

پیدا ہوا جو میری گود میں تھا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گئی اور حسین کو آپ کی گود میں رکھ دیا۔ جب آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہوئی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کو کیا ہو گیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے بتلایا کہ میری امت میرے اس بیٹے کو قتل کر دے گی۔“ میں نے کہا: ”یہ بیٹا (حسین)؟ انھوں نے کہا: ہاں، وہ میرے پاس اس علاقے کی سرخ مٹی بھی لائے۔“

تخريج: أخرجه الحاكم: ۳/ ۱۷٦-۱۷۷، وعنه البيهقي في"الدلائل": ٦/ ٤٦٩

شرح:...... ایسے ہی ہوا اور نواسۂ رسول اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لختِ جگر کو کربلا کی سرزمین میں شہید کر دیا گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

بقیہ احادیث یہ ہیں:

(۱)......ابراہیم بن سعد اپنے باپ اور وہ ان کے دادے سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو صفین کے مقام پر، جس دن وہ شہید ہوئے، کہتے ہوئے سنا:

أُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ، وَزُوِّجَتِ الْحُوْرُ الْعِيْنُ، الْيَوْمَ نَلْقَى حَبِيْبَنَا مُحَمَّدًا ﷺ۔ وَفِي رِوَايَةٍ: نَلْقَى الْأَحِبَّةَ، مُحَمَّداً وَحِزْبَهُ۔ عَهِدَ إِلَيَّ أَنَّ آخِرَ زَادِكَ مِنَ الدُّنْيَا ضَيْحٌ مِنْ لَبَنٍ۔ (الحاكم: ۳/ ۳۸۹، والطبراني في الاوسط: ۲/ ۱۰۱/ ۲، واحمد: ٤/ ۳۱۹، الصحيحة: ۳۲۱۷)

...... جنت قریب کر دی گئی اور خوبصورت آنکھوں والی حور سے شادی کر لی گئی، آج ہم اپنے حبیب محمد ﷺ کو ملیں گے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہم اپنے محبوبوں یعنی محمد ﷺ اور ان کی جماعت کو ملیں گے۔ آپ ﷺ نے مجھے یہ فرمایا تھا کہ دنیا سے تیرا آخری توشہ پانی ملا پتلا دودھ ہو گا۔

شرح:...... سیدنا عمار رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ صفین میں شریک ہوئے، اس لڑائی میں اسی جماعت کا اجتہاد حق تھا۔ جب سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے مذکورہ صفت والا دودھ پیا تو ان کو آپ ﷺ کی پیشین گوئی یاد آ گئی۔ پھر وہ یہ مشروب پینے کے بعد شہید ہو گئے اور اس طرح آپ ﷺ کی یہ پیشین گوئی پوری ہو گئی۔

(۲)......سیدنا نافع بن عتبہ بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((تَغْزُوْنَ جَزِيْرَةَ الْعَرَبِ فَيَفْتَحُهَا اللّٰهُ ، ثُمَّ فَارِسَ فَيَفْتَحُهَا اللّٰهُ ، ثُمَّ تَغْزُوْنَ الرُّوْمَ فَيَفْتَحُهَا اللّٰهُ ، ثُمَّ تَغْزُوْنَ الدَّجَّالَ فَيَفْتَحُهُ اللّٰهُ۔)) (مسلم: ٨/ ١٧٨، الصحيحة: ٣٢٤٦)

''تم جزیرۂ عرب کے باسیوں سے لڑائی کرو گے، اللہ تعالیٰ فتح نصیب فرمائے گا، پھر فارس سے لڑائی ہوگی، وہ بھی فتح ہو جائے گا، پھر روم سے لڑائی ہوگی اللہ تعالیٰ فتح دے گا اور پھر تم دجال سے لڑائی کرو گے، اس پر بھی اللہ تعالیٰ فتح سے ہمکنار کرے گا۔''

شرح: ...... یہ احادیث، اعلام نبوت میں سے ہیں، کیونکہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد بہت جلد یہ پیشین گوئیاں پوری ہو گئیں اور دنیا کی بڑی بڑی سلطنتیں مسلم مجاہدوں کے قدموں میں ڈھیر ہو گئیں، البتہ ابھی تک دجال سے لڑائی باقی ہے، ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ بیچارہ بھی مغلوب ہو جائے گا۔

(۳)...... سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مُثِّلَتْ لِيَ الْحِيرَةُ كَأَنْيَابِ الْكِلَابِ ، وَإِنَّكُمْ سَتَفْتَحُوْنَهَا۔)) فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: هَبْ لِي يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ابْنَةَ بَقِيْلَةَ۔ فَقَالَ: ((هِيَ لَكَ۔)) فَأَعْطَوْهَا إِيَّاهُ فَجَاءَ أَبُوْهَا فَقَالَ: أَتَبِيْعُنِيْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ۔ قَالَ: بِكَمْ؟ قَالَ: اَحْتَكِمْ مَاشِئْتَ۔ قَالَ: بِأَلْفِ دِرْهَمٍ ، قَالَ: قَدْ أَخَذْتُهَافَقِيْلَ: لَوْقُلْتَ ثَلَاثِيْنَ أَلْفاً۔ قَالَ: وَهَلْ عَدَدٌ أَكْثَرُ مِنْ أَلْفٍ؟ (ابن حبان في صحيحه: ١٧٠٩، والبيقي في السنن: ٩/ ١٣٦، الصحيحة: ٢٨٢٥)

''میرے لیے حیرہ (مقام) کو کتوں کی کچلیوں سے تشبیہ دی گئی اور عنقریب تم اسے فتح کر لو گے۔'' ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہا: اے اللہ کے رسول! بنت بقیلہ مجھے عطا کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ اسے دے دو۔'' اس کے باپ نے آ کر کہا: ''کیا تو مجھے وہ فروخت کر دے گا؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ اس نے پوچھا: کتنی قیمت میں؟ اس نے کہا: من مانی کروں گا اور ایک ہزار درہم (کے عوض فروخت کروں گا)۔ اس نے کہا: میں نے خرید لی ہے۔ کہا گیا کہ اگر میں تیس ہزار کہتا تو؟ اس نے کہا: بھلا ہزار سے بڑا کوئی عدد ہے؟

شرح: ...... حیرہ، لخمی بادشاہوں کا دار الحکومت تھا، جس کے آثار عراق میں کوفہ اور نجف کے درمیان پائے جاتے ہیں، آغازِ اسلام کے وقت یہاں نسطوری عیسائی آباد تھے۔

جب سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنا لشکر لیے بحری اور برّی راستے امغیشیا روانہ ہوئے، ان کے خَوَرنَق پہنچنے سے پہلے تمام اسلامی دستے اکٹھے ہو گئے۔ ادھر حیرہ کے مرزبان آزادبہ، غریّین اور قصر ابیض کے درمیان ڈیرے ڈالے ہوئے تھا۔ جب اسے خالد کے قریب آ پہنچنے کی خبر ملی تو وہ پسپا ہو گیا اور دریائے فرات کے پار چلا گیا اور حیرہ کے عربوں کو وہیں چھوڑ گیا، ان لوگوں کے چار بڑے قلعے تھے۔ ان قلعوں کے ارد گرد جنگ جاری رہی اور ان پر ہر طرف سے یورش کی گئی حتی کہ انھوں نے جزیے اور مسلمانوں کی حفاظت میں آنے کی شرط پر صلح کر لی۔ یہ واقعہ ربیع الاول ۱۲ھ کو پیش آیا۔

(۴) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ جِبْرِيْلَ كَانَ يُعَارِضُنِي الْقُرْآنَ كُلَّ سَنَةٍ مَرَّةً. وَاِنَّهُ عَارَضَنِي الْعَامَ مَرَّتَيْنِ، وَلَا اَرَاهُ اِلَّا حَضَرَ اَجَلِيْ، اِنَّكِ اَوَّلُ اَهْلِ بَيْتِي لِحَاقًا بِي، فَاتَّقِي اللّٰهَ، وَاصْبِرِيْ، فَاِنِّيْ نِعْمَ السَّلَفُ اَنَا لَكِ.))

(البخاري: ٣٦٢٤، مسلم: ٧/ ١٤٣، الصحيحة: ٣٥٢٤)

''جبریل (علیہ السلام) مجھ سے ہر سال قرآن مجید کا ایک دفعہ دور کرتے تھے اور اس سال دو دفعہ کیا، یہی لگتا ہے کہ میری وفات کا وقت آ چکا ہے اور تو (فاطمہ) میرے اہل بیت کا پہلا فرد ہے جو سب سے پہلے مجھے ملے گی، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور صبر کرنا، میں تیرے لیے بہترین میر سامان ہوں گا۔''

شرح:...... یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور خانۂ نبوت میں سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد سیدنا فاطمہ رضی اللہ عنہا خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔

(۵)...... سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

يُوْشِكُ اَنْ تَطْلُبُوْا فِي قُرَاكُمْ هٰذِهِ طَسْتًا مِنْ مَاءٍ فَلَا تَجِدُوْنَهُ، يَنْزَوِي كُلُّ مَاءٍ اِلٰى عَنْصَرِهِ، فَيَكُوْنُ فِي الشَّامِ بَقِيَّةُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَاءُ. (الحاكم في "المستدرك": ٤/ ٥٠٤، والحديث موقوف لكنه في حكم المرفوع، لانه لايقال من قبل الرأي، كما هو الظاهر، الصحيحة: ٣٠٧٨)

''قریب ہے کہ تم ان بستیوں میں ایک پیالہ پانی کا تلاش کرو، لیکن کامیاب نہ ہوسکو، یعنی سارے کا سارا پانی اپنی اصل کی طرف سکڑ جائے گا اور باقی ماندہ مومن اور پانی شام میں ہوں گے۔''

شرح:...... مستقبل میں یہ پیشین گوئی پوری ہوگی، ممکن ہے کہ قیامت کے قریب واقع ہو۔

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ایک امریکی ادارے نے یہ تحقیق پیش کی ہے کہ دنیا میں بہت بڑی مقدار میں زمینی پانی نکالا جا رہا ہے، بلکہ تکساس اور نیومیکسیکو کے علاقوں میں زمینی پانی مکمل خشک ہونے کا خدشہ پیدا ہو گیا ہے اور شمالی علاقہ جات میں ہر سال پانی کی سطح بارہ فٹ نیچے ہو رہی ہے۔

ریاست ہائے متحدہ امریکا میں ایک دوسری تحقیق میں کہا گیا ہے کہ عنقریب دنیا پانی کی قلت کے مسئلے سے دوچار ہو جائے گی اور اس مسئلے کا کوئی حل نہیں ہوگا اور ڈیم اور ٹینکوں سے مصنوعی طریقے مفید ثابت نہیں ہو سکیں گے۔ (ملاحظہ ہو: الأهرام: ١/ ١٠/ ١٩٨٥ اور ٢/ ١٠/ ١٩٨٥) (صحیحہ: ٣٠٧٨)

(۶)...... سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

((اَتَزْعُمُوْنَ اَنِّي مِنْ آخِرِكُمْ وَفَاةً؟ اَلَا اِنِّي مِنْ اَوَّلِكُمْ وَفَاةً، وَتَتَّبِعُوْنِّي اَفْنَادًا، يُهْلِكُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا.)) (احمد في المسند: ٤/ ١٠٦، الصحيحة: ١٨٥١)

''کیا تم لوگ یہ خیال کرتے ہو کہ میں تم میں وفات کے لحاظ سے آخری ہوں؟ آگاہ رہو! میں تو بلحاظ وفات کے تم میں

سب سے پہلا ہوں، پھر تم گروہوں (اور جماعتوں) کی شکل میں میرے پیچھے آ ؤ گے، تمھارے بعض لوگ بعضوں کو ہلاک کریں گے۔''

شرح:...... ایسے ہی ہوا، آپ ﷺ جلد ہی دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے، آپ ﷺ کی زندگی میں صحابہ کی کم تعداد فوت ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے ایک دوسرے کو ہلاک کرنے کی جو پیشین گوئی کی تھی، وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے ہی شروع ہوگئی تھی اور آج تک جاری ہے۔

(۷)......سیدنا ابوموسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ، حَتّٰى يَقْتُلَ الرَّجُلُ جَارَهُ وَأَخَاهُ وَأَبَاهُ۔)) (البخاري في الادب المفرد: رقم ۱۱۸، الصحيحة: ۳۱۸۵)

''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی، جب تک آدمی اپنے پڑوسی، اپنے بھائی اور اپنے باپ کو قتل نہیں کرے گا۔''

شرح:...... ایسے واقعات تو اخبار و جرائد کی زینت بن چکے ہیں اور آپ ﷺ کی پیشین گوئی پوری ہو چکی ہے، دیکھیں مستقبل میں کیا ہوتا ہے۔

(۸) بنوسلیم کا ایک آدمی اپنے دادا سے روایت کرتا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس چاندی لے کر آیا اور کہا یہ ہماری کان ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((ستكُونُ معادنُ يَحْضُرُها شرَارُ النَّاسِ۔)) (احمد: ۵/ ۴۳۰، الصحيحة: ۱۸۸۵)

''عنقریب ان کانوں پر بدترین لوگ پہنچیں گے۔''

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہے: ''معادن (کانیں)'' ان مقامات کو کہتے ہیں، جہاں سے سونے، چاندی اور تانبے جیسے زمینی جواہر برآمد ہوتے ہیں، اس کی واحد ''معدِن'' ہے۔

کوئی شک نہیں کہ کافر لوگ ہی بدترین ہوتے ہیں۔ عربوں کے زمینی خزانے نکالنے کے لیے یورپیوں اور امریکیوں کو وہاں لانے کی وجہ سے مسلمان جس آزمائش میں مبتلا ہیں، اس حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ واللہ المستعان۔ (صحيحه: ۱۸۸۵)

(۹)......سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

((سَيَكُوْنُ فِي آخِرِ أُمَّتِي رِجَالٌ يَرْكَبُوْنَ عَلٰى سُرُوْجٍ كَأَشْبَاهِ الرِّحَالِ، يَنْزِلُوْنَ عَلٰى اَبْوَابِ الْمَسَاجِدِ، نِسَاؤُهُمْ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ، عَلٰى رُؤُوْسِهِنَّ كَاَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْعِجَافِ، اِلْعَنُوْهُنَّ فَاِنَّهُنَّ مَلْعُوْنَاتٌ، لَوْكَانَتْ وَرَائَكُمْ اُمَّةٌ مِنَ الْاُمَمِ لَخَدَمَهُنَّ نِسَاؤُكُمْ، كَمَاخَدَمَكُمْ نِسَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَكُمْ۔)) (احمد: ۲/ ۲۲۳، الصحيحة: ۲۶۸۳)

''میری امت کے آخری زمانے میں لوگ کجاووں کی طرح کی زینوں پر سوار ہوں گے، وہ مساجد کے دروازوں پر اتریں

گے، ان کی عورتیں لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، ان کے سر کمزور بختی اونٹوں کی کوہانوں کی طرح ہوں گے۔ ایسی عورتیں ملعون ہیں، ان پر لعنت کرنا۔ اگر تمھارے بعد کوئی اور امت ہوتی تو تمھاری عورتیں اس کی خدمت کرتیں جیسا کہ تم سے پہلے والی امتوں کی عورتوں نے تمھاری خدمت کی ہے۔''

شرح:...... مسجد کی طرف سواری پر آنا جائز ہے، اس حدیث میں کی گئی پیش گوئی کے بارے میں امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیثِ مبارکہ اس اعتبار سے آپ ﷺ کا معجزہ ہے کہ آپ ﷺ کی پیشین گوئی پوری ہوتی ہوئی نظر آ رہی ہے، آج کل واقعی لوگ گاڑیوں پر سوار ہو کر مساجد کے دروازوں تک پہنچتے ہیں۔ جمعہ کے دن اتنی موٹر کاریں اور دوسری گاڑیاں جمع ہو جاتی ہیں کہ سڑک کھلی ہونے کے باوجود تنگ ہو جاتی ہے۔ ان لوگوں کی کثیر تعداد یا تو سرے سے باقی پانچ نمازوں کا اہتمام نہیں کرتی یا پھر اپنے گھروں میں ادا کرنے پر اکتفا کرتی ہے۔ گویا کہ ان لوگوں نے نمازِ جمعہ کو ہی کافی سمجھ لیا ہے، اس لیے اس موقع پر ان کی کثیر تعداد موجود ہوتی ہے، گاڑیوں کے ذریعے مساجد تک پہنچنے کی وجہ سے یہ لوگ نماز کے مقصد اور ثمرہ سے محروم رہتے ہیں، اور ایسے لوگوں کی بیویوں اور بیٹیوں کا معاملہ بھی بڑا واضح ہے۔

اس سے بڑھ کر اس حدیثِ مبارکہ کا ایک اور مصداق نمازِ جنازہ کے موقع پر دکھائی دیتا ہے۔ نازک مزاج، عیش پرست اور آسودگی کی وجہ سے مغرور اور فرضی نماز کو ترک کرنے والے لوگ اپنی گاڑیوں پر سوار ہو کر نمازِ جنازہ کے پیچھے چلتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جب جنازہ کو گاڑی سے اتار کر مسجد میں یا جنازہ گاہ میں رکھا جاتا ہے تو یہ لوگ اپنی گاڑیوں میں بیٹھے رہتے ہیں، البتہ جب دفنانے کا وقت آتا ہے تو عبادت یا ذکرِ آخرت کی بنا پر نہیں، بلکہ نفاق، مداہنت اور چاپلوسی سے کام لیتے ہوئے جنازے کے ساتھ چل پڑتے ہیں ہیں۔ بس اللہ ہی ہے، جس سے مدد طلب کرنی چاہیے۔

میرے نزدیک تو تاویل کی یہی صورت بہتر ہے، اگر یہ درست ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی اور اگر یہ خطا پر مبنی ہے تو میری طرف سے ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے سوال ہے کہ وہ میرے تمام گناہ معاف کر دے، وہ دانستہ طور پر کیے ہوں یا نادانستہ طور پر۔ (صحیحہ: ۲۶۸۳)

(۱۰)...... سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَظْهَرُ هٰذَا الدِّيْنُ حَتّٰى يُجَاوِزَ الْبِحَارَ ، وَحَتّٰى تُخَاضَ بِالْخَيْلِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ ، ثُمَّ يَأْتِيْ اَقْوَامٌ يَقْرَءُ وْنَ الْقُرْآنَ ، فَاِذَا قَرَأُوْا قَالُوْا: قَدْ قَرَأْنَا الْقُرْآنَ ، فَمَنْ أَقْرَءُ مِنَّا؟ مَنْ اَعْلَمُ مِنَّا؟)) ثُمَّ الْتَفَتَ اِلٰى اَصْحَابِهٖ ، فَقَالَ: ((هَلْ تَرَوْنَ فِي أُولٰئِكَ مِنْ خَيْرٍ؟)) قَالُوْا: لَا۔ قَالَ: ((فَأُوْلٰئِكَ مِنْكُمْ ، وَأُوْلٰئِكَ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ، وَأُوْلٰئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ۔)) (ابو يعلى: ١٢/ ٥٦/ ٦٦٩٨، البزار: ١/ ٩٩/ ١٧٤، الصحيحة: ٣٢٣٠)

''یہ دین منظرِ عام پر آئے گا اور سمندروں سے تجاوز کر جائے گا، حتی کہ اللہ کے راستے میں گھوڑے (سمندر) میں گھس

جائیں گے، پھر ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن پڑھیں گے اور اس کی تلاوت کر چکنے کے بعد کہیں گے: ہم نے قرآن مجید پڑھ لیا ہے، ہم سے زیادہ پڑھنے والا کون ہے؟ ہم سے زیادہ علم والا کون ہے؟'' پھر اپنے صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا: تمھارا کیا خیال ہے کہ ان میں کوئی خیر و بھلائی ہو گی؟ انھوں نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ لوگ تم میں سے ہوں گے، یہ لوگ اس امت میں سے ہوں گے اور یہ لوگ آگ کا ایندھن بنیں گے۔''

شرح:...... گھوڑوں کے سمندروں میں گھسنے کی پیشین گوئی فاروقی عہدِ خلافت میں ایک دفعہ پوری ہو چکی ہے۔

شاہ معین الدین احمد ندوی نے کہا: بہرسیر اور مدائن کے درمیان دجلہ حائل تھا۔ ایرانیوں نے مسلمانوں کو مدائن پر حملے سے روکنے کے لیے دجلہ کا پل توڑ کر کشتیاں روک لی تھیں، اس لیے جب مسلمان دجلہ کے کنارے پہنچے تو اسے عبور کرنے کا کوئی سامان نہ تھا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اللہ کا نام لے کر دجلہ میں گھوڑا ڈال دیا۔ انھیں دیکھ کر پوری فوج دجلہ میں اتر گئی اور نہایت اطمینان سے باتیں کرتی ہوئی پار پہنچ گئی۔ ایرانی دور سے یہ حیرت انگیز منظر دیکھتے تھے اور متحیر تھے۔ جب مسلمان کنارے پر پہنچ گئے تو متحیر ایرانی ''دیواں آمدند، دیواں آمدند'' (دیو آگئے! دیو آگئے!) کہتے ہوئے بھاگ گئے۔ ایک افسر خرزاد نے معمولی مزاحمت کی مگر مسلمانوں نے اسے مغلوب کر لیا۔ یزدگرد پایۂ تخت چھوڑ کر بھاگ گیا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ صفر ۱۶ھ میں مدائن میں داخل ہو گئے۔ (تاریخ اسلام: حصہ اول/ جلد دوم، ص: ۱۵۴،۱۵۳)

علامہ اقبال نے مشہور نظم ''شکوہ'' میں یہ شعر کہا تھا

دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

اس کے پہلے مصرع میں عبورِ دجلہ کے اس حیرت انگیز واقعے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۱۱)...... سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ تبوک والے سال نکلے، آپ نمازیں جمع کر کے ادا کرتے تھے، یعنی ظہر اور عصر کی اور مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کر لیتے تھے، ایک دن ایسا بھی آیا کہ نماز کو مؤخر کیا، پھر باہر تشریف لائے اور ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کر کے پڑھیں، بعد ازاں اندر چلے گئے اور پھر جب تشریف لائے تو مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے ادا کیں، پھر فرمایا: ''تم ان شاء اللہ کل تبوک کے چشمے پر پہنچ جاؤ گے، اور دن کے روشن ہونے کے بعد پہنچو گے۔ (یاد رکھنا کہ) جو بھی وہاں پہنچے، پانی کو میرے پہنچنے سے پہلے نہ چھوئے۔'' جب ہم اس چشمے کے پاس پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ دو آدمی ہم سے بھی سبقت لے جا چکے تھے۔ (ہم نے دیکھا کہ) تسمے کے بقدر چشمہ تھا اور تھوڑا تھوڑا پانی رس رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دو آدمیوں سے پوچھا: ''آیا تم نے اس پانی کو چھوا ہے؟'' انھوں نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے ان کو برا بھلا کہا، پھر صحابہ نے اس چشمے سے چلو بھر کر پانی ایک برتن میں جمع کیا۔ آپ ﷺ نے اس میں اپنا ہاتھ اور چہرہ دھویا، پھر اس پانی کو اس چشمے میں انڈیل دیا، چشمے کا

پانی زور سے بہنا شروع ہوگیا، حتی کہ لوگوں نے پانی پی لیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:
((يُوْشِكُ يَا مُعَاذُ إِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ اَنْ تَرٰى مَا هٰهُنَا قَدْ مُلِئَ جِنَانًا۔))

(مسلم: ۷/ ۶۰، الصحيحة: ۱۲۱۰)

''معاذ! ممکن ہے کہ تیری زندگی لمبی ہو، (اگر ایسے ہوا تو) تو دیکھے گا کہ یہ جگہ باغات سے بھر جائے گی۔''

شرح:...... مولانا مودودی کہتے ہیں: تبوک کے محکمہ شرعیہ کے رئیس شیخ صالح نے بتایا کہ یہ چشمہ دو سال پہلے تک پونے چودہ سو سال سے مسلسل ابلتا رہا، بعد میں نشیبی علاقوں میں ٹیوب ویل کھودے گئے تو اس چشمے کا پانی ان ٹیوب ویلز کی طرف منتقل ہوگیا۔ تقریباً پچیس ٹیوب ویلز میں تقسیم ہو جانے کے بعد اب یہ چشمہ خشک ہوگیا ہے، اس کے بعد شیخ صالح ہمیں ایک ٹیوب ویل کی طرف بھی لے گئے، جہاں ہم نے دیکھا کہ چار انچ کا ایک پائپ لگا ہوا ہے اور کسی مشین کے بغیر اس سے پانی پورے زور سے نکل رہا ہے، قریب قریب یہی کیفیت دوسرے ٹیوب ویلز کی بھی ہمیں بتائی گئی۔ یہ نبی کریم ﷺ کے معجزے ہی کی برکت ہے، آج تبوک میں اس کثرت سے پانی موجود ہے، کہ مدینہ اور خیبر کے سوا ہمیں کہیں اتنا پانی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تبوک کا پانی ان دونوں جگہوں سے بھی زیادہ ہے۔ اس پانی سے فائدہ اٹھا کر اب تبوک میں ہر طرف باغ لگائے جا رہے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق تبوک کا علاقہ باغوں سے بھرا ہوا ہے اور دن بدن بھرتا جا رہا ہے۔ (سفرنامہ ارض القرآن)

یہ دلائل اس حقیقت پر بیّن ثبوت ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جو کچھ فرمایا وہ برحق اور حجت تھا، اگر ہمارے ذہن تسلیم نہ کریں تو شریعت کی روشنی میں ایسے زنگ آلودہ ذہنوں کو صیقل کرنا پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں
موجودہ مقلدوں اور مریدوں کی حقیقت

(۳۱۸)۔ عَنْ عَلِيٍّ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ بَعَثَ جَيْشًا، وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا فَأَوْقَدَ نَارًا، وَقَالَ: اُدْخُلُوْهَا فَأَرَادَ نَاسٌ أَنْ يَدْخُلُوْهَا، وَقَالَ الْآخَرُوْنَ: إِنَّا قَدْ فَرَرْنَا مِنْهَا، فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: فَقَالَ لِلَّذِيْنَ أَرَادُوْا أَنْ يَدْخُلُوْهَا: ((لَوْ دَخَلْتُمُوْهَا، لَمْ تَزَالُوْا فِيْهَا إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ)) وَقَالَ لِلْآخَرِيْنَ قَوْلًا حَسَنًا، وَقَالَ: ((لَا طَاعَةَ لِبَشَرٍ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِيْ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجا اور ان پر ایک آدمی کو امیر مقرر کیا۔ اس امیر نے آگ جلائی اور کہا: اس میں داخل ہو جاؤ۔ کچھ لوگوں نے (امیر کی اطاعت کرتے ہوئے) واقعی داخل ہونے کا ارادہ کر لیا، دوسروں نے کہا: ہم نے (اسلام قبول کر کے تو) آگ سے دور بھاگنے کی کوشش کی ہے (اور اب......)۔ جب یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کو سنایا گیا تو آپ ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا، جو داخل ہونا چاہتے تھے: ''اگر تم آگ میں داخل ہو جاتے تو روزِ قیامت تک وہیں ٹھہرنا پڑتا۔'' اور

الْمَعْرُوْفِ))۔ (الصحيحة: ١٨١)

آپ ﷺ نے دوسرے لوگوں کی تعریف کی اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی بشر کی اطاعت نہیں کی جاتی، اطاعت تو نیکی کے کاموں میں ہوتی ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ١٣/ ٢٠٣۔فتح، ومسلم: ٦/ ١٥، وأبوداود: ٢٦٢٥، والنسائي: ٢/ ١٨٧، والطيالسي: ١٠٩، وأحمد: ١/ ٩٤

شرح:...... کوئی اعلی ہو یا ادنی، حاکم ہو یا محکوم، جس کی بات بھی قرآن وحدیث کے مخالف ہوگی، اس کی کوئی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

امام البانی ہمارے اللہ رحمۃ واسعۃ لکھتے ہیں: یہ حدیث مبارکہ کئی فوائد پر مشتمل ہے، ایک فائدہ یہ ہے: اللہ تعالیٰ کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں کی جا سکتی، وہ امرا و حکام ہوں یا علما و مشائخ۔ معلوم ہوا کہ درج ذیل تین گروہ گمراہ ہیں:

پہلا گروہ...... بعض صوفی منش لوگ اپنے پیروں اور شیخوں کی تقلید کرتے ہیں، اگرچہ وہ ان کو واضح نافرمانی کا حکم دیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ وہ درحقیقت نافرمانی نہیں ہوتی، کیونکہ شیخ کی علم و معرفت کی سطح مرید سے کہیں زیادہ ہوتی ہے اور جو کچھ شیخ دیکھتا ہے، وہ مرید کو نظر نہیں آ رہا ہوتا۔

میں ایک ایسے ہی شیخ کو جانتا ہوں، وہ اپنے آپ کو مرشد سمجھتا ہے، وہ ایک دن مسجد میں اپنے مریدوں کے سامنے ایک قصہ بیان کر رہا تھا، جس کا خلاصہ ہے:

ایک صوفی شیخ نے ایک رات اپنے مرید کو حکم دیا کہ وہ اپنے باپ کو قتل کر کے آئے، جو اس وقت بستر پر اپنی بیوی کے ساتھ لیٹا ہوا تھا، سو اس نے اپنے باپ کو قتل کر دیا اور اس بات پر خوش تھا کہ اس نے اپنے شیخ کے حکم کی تعمیل کی ہے۔ جب شیخ نے اس کی طرف دیکھا تو پوچھا: کیا تو اس گمان میں ہے کہ تو نے اپنے حقیقی باپ کو قتل کر دیا؟ نہیں نہیں۔ وہ تیری ماں کا یار تھا، تیرا باپ تو گھر پر موجود ہی نہ تھا۔

اس نے قصہ بیان کر کے اس سے بزعم خود ایک شرعی حکم کا استدلال کرتے ہوئے کہا: جب کوئی شیخ اپنے مرید کو ایسا حکم دے، جو شریعت کے مخالف ہو، تو مرید کو چاہیے کہ وہ اس کی پاسداری کرے۔ تم لوگ دیکھتے نہیں کہ اس شیخ نے اپنے مرید سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اپنے باپ کو قتل کر کے آئے۔ دراصل وہ اسے اس کی ماں کے ساتھ زنا کرنے والے کو قتل کرنے کا حکم دے رہا تھا اور وہ شرعاً قتل کا ہی مستحق تھا۔

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ اس قصہ کے باطل ہونے کی کئی وجوہات ہیں، مثال کے طور پر:

(اول)...... حد نافذ کرنا شیخ کا حق نہیں ہے، وہ کتنا عظیم ہی کیوں نہ ہو، یہ امیر یا والی کا حق ہے۔

(دوم)...... اگر اس شیخ کو نفاذِ حد کا حق تھا تو اس نے عورت پر حد کیوں نہ لگائی؟ کیونکہ وہ دونوں اس برائی میں برابر کے مجرم اور برابر کی سزا کے حقدار تھے۔

(سوم)......شادی شدہ زانی کی حد رجم یعنی پتھروں سے سنگسار کرنا ہے، نہ کہ صرف قتل۔

واضح ہوا کہ شیخ نے کئی طرح سے شریعت کی مخالفت کی، یہی معاملہ اِس مرشد کا ہے، جو اس قصے کو بنیاد بنا کر شیخ کی تقلید کو واجب قرار دے رہا ہے، اگرچہ یہ قصہ شریعت کے مخالف ہے۔

اِس مرشد نے اپنے باطل بیان کے دوران مریدوں سے یہ بات بھی کہی تھی کہ اگر تم اپنے شیخ کی گردن میں صلیب دیکھوتو تم اس پر اعتراض کرنے کا کوئی جواز نہیں رکھتے۔

اگرچہ یہ کلام واضح طور پر باطل ہے اور شرع اور عقل کے مخالف ہے، لیکن اس کے باوجود بااعتماد نوجوانوں سمیت بعض لوگوں پر اس کا جادو چل جاتا ہے۔

اسی قسم کے ایک مرید کے ساتھ اس قصہ کے موضوع پر میرا مباحثہ ہونے لگا، اس نے یہ سارا واقعہ اور اس سے کیا جانے والا استدلال اپنے مرشد سے سنا ہوا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق یہ اس شیخ کی کرامت تھی اور اس کا اس قصے کے صحیح ہونے پر مکمل اعتماد تھا۔ اس نے مجھے کہا: تم لوگ کرامتوں کا انکار کرتے ہو۔ لیکن جب میں نے اسے کہا: اگر تیرا شیخ تجھے یہ حکم دے کہ تو اپنے والدین کو قتل کر دے تو کیا تو اس کی اطاعت کرے گا؟ اس نے کہا: میں ابھی تک اس مقام تک نہیں پہنچا۔

ستیاناس ہو اس قیادت کا، کہ جس سے لوگوں کے عقل ماؤف ہو جاتے ہیں اور وہ ضلالت و گمراہی میں پھنسے ہوئے شیخوں کے اس قدر تابع نظر آتے ہیں۔

دوسرا گروہ ......مقلدین کا گروہ، جو اپنے امام کے قول کو نبی کریم ﷺ کی حدیث پر ترجیح دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب کسی مقلّد سے کہا جاتا ہے کہ اقامت ہو جانے کے بعد فجر کی سنتیں نہ پڑھا کرو، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، تو وہ اس حدیث کی اطاعت نہیں کرے گا، بلکہ یوں لب کشائی کرے گا: ہمارے مذہب میں جائز ہے۔ اسی طرح جب (حنفی) مقلدوں سے کہا جاتا ہے کہ حلالہ والا نکاح باطل ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایسے کرنے والے پر لعنت کی ہے، تو وہ جواب دے گا: نہیں، نہیں۔ بلکہ فلاں فلاں مذہب کے مطابق جائز ہے۔ اسی طرح کے سیکڑوں مسائل ہیں۔

اکثر محقق علما وفقہا کا یہ خیال ہے کہ اس قسم کے مقلد اللہ تعالی کے اس فرمان کا مصداق ہیں: ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (سورۂ توبہ: ۳۱) ......''ان لوگوں نے اللہ تعالی کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو ربّ بنایا ہے۔'' فخر الرازی نے اپنے تفسیر میں اس کی خوب وضاحت کی ہے۔

تیسرا گروہ ......وہ لوگ، جو اپنے حکمرانوں کے وضع کردہ ان قوانین وضوابط کی پیروی کرتے ہیں، جو شریعت کے مخالف ہوتے ہیں، جیسے کیمونزم اور اس کے ملتے جلتے نظام ہیں۔ اور ان سے بدتر وہ لوگ ہیں، جو شریعت کے ان مخالف امور کو شریعت کے موافق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ایسی مصیبت ہے جس نے عصرِ حاضر کے علم و اصلاح

کے دعویداروں کا گھیراؤ کر لیا ہے اور عوام کو ان سے بڑا دھوکہ ہوا ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ یہ پیروکار اپنے قائدین سمیت اس آیت کا مصداق بنتے ہیں: ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (سورۂ توبہ:۳۱)...... ''ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو ربّ بنایا ہے۔'' ہم اللہ تعالیٰ سے حمایت وحفاظت اور سلامت وسلامتی کا سوال کرتے ہیں۔(صحیحه: ۱۸۱) رحم الله الالباني رحمة واسعة۔

دلائل کو دیکھا جائے، نہ کہ اندازِ خطابت کو

(۳۱۹)۔ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ عُمَرَ وَهُوَ يَخْطُبُ النَّاسَ فَقَالَ فِي خُطْبَتِهِ، فَذَكَرَهُ مَرْفُوْعاً: ((إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلٰى أُمَّتِي كُلُّ مُنَافِقٍ عَلِيْمُ اللِّسَانِ۔)) (الصحيحة: ۱۰۱۳)

ابو عثمان نہدی کہتے ہیں: میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، وہ لوگوں سے خطاب کر رہے تھے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ ڈر اس منافق کا ہے، جو زبان آور ہوتا ہے۔''

تخريج: رواه أحمد: ۱/ ۲۲ و ٤٤، وابن بطة في "الأبانة" ٥/ ٤٨/ ٢

شرح:...... کوئی شک نہیں کہ خطاب میں جادو کی سی تاثیر پائی جاتی ہے اور بعض لوگ اپنے اندازِ خطابت کے زور پر لوگوں میں اتنی مقبولیت حاصل کر لیتے ہیں کہ ان کی ہر بات کو حجت سمجھا جانے لگتا ہے۔ ایسے میں مومن کو دلائل کا سہارا لینا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی خصلتِ بد کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ۔﴾ (سورۂ بقره: ١٤) ......''اور جب (یہ منافق) ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان والے ہیں اور جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو ان (مسلمانوں) سے صرف مذاق کرتے ہیں۔''

اب جو منافق جتنا زبان آور، چرب لسان، زبان دراز، خوشامدی، زبان کے داؤ پیچ جاننے والا اور سیاہ کو سفید ثابت کرنے والا ہوگا، وہ اتنا ہی مسلمانوں کے سامنے ان کا وفادار بن کر ان کو نقصان پہنچائے گا اور ان کے رازدارانہ امور ان کے دشمنوں تک پہنچا دے گا۔

کتاب اللہ اور اہل بیت معیارِ حق ہیں

(۳۲۰)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ فِي حَجَّتِهِ يَوْمَ عَرَفَةَ، وَهُوَ عَلٰى نَاقَتِهِ الْقَصْوَاءِ يَخْطُبُ، فَسَمِعْتُهُ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دورانِ حج عرفہ والے دن دیکھا، آپ ﷺ اپنی اونٹنی ''قصوا'' پر سوار ہو خطاب کر

يَقُوْلُ: ((يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنْ أَخَذْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا: كِتَابَ اللهِ، وَعِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي.)) (الصحیحة: ۱۷۶۱)

رہے تھے۔ میں نے آپ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''لوگو! میں تم میں ایسی (دو) چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم نے ان کو تھامے رکھا تو کبھی بھی گمراہ نہیں ہو گے: (۱) اللہ تعالیٰ کی کتاب اور (۲) اپنی نسل یعنی اہل بیت۔''

تخریج: أخرجه الترمذي: ۲/ ۳۰۸، والطبراني: ۲۶۸۰

شرح: ......امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ذی وقار قارئین! معروف بات ہے کہ شیعہ لوگ اس حدیث سے حجت پکڑتے ہیں اور دوسروں کو یوں قائل کرتے ہیں کہ بعض اہل السنہ بھی اس رائے کے ہو کر رہ جاتے ہیں کہ وہ درست ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلے میں ان سب کو وہم ہوا ہے، ہم اس کی دو پہلوؤں سے وضاحت کریں گے:

(اول)......اس حدیث میں آپ ﷺ کے قول ''وعِتْرَتِي'' سے مراد آپ ﷺ کے اہل بیت ہیں، کیونکہ بعض طرق میں اس کی وضاحت موجود ہے، جیسا کہ اسی حدیث میں ''وعِتْرَتِي أَهْلِ بَيْتِي'' کے الفاظ موجود ہیں اور اصل اہل بیت آپ ﷺ کی بیویاں ہیں، جن میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی موجود ہیں، جیسا کہ سورۂ احزاب میں ہے:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾

(سورۂ احزاب: ۳۳)

''اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے اہل بیت! تم سے وہ (ہر قسم کی) گندگی کو دور کر دے اور تمہیں خوب پاک کر دے۔''

ہمارے دعوے کی تائید اس آیت کے سیاق و سباق سے ہوتی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا○ وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا○ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا○﴾ (الاحزاب: ۳۲۔ ۳۴)

''اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم پرہیزگاری اختیار کرو۔ پس تم نرم لہجے سے بات نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ کوئی خیال کرے اور ہاں قاعدے کے مطابق کلام کرو۔ اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کرو اور نماز ادا کرتی رہو اور زکوۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرو، اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے اہل بیت! تم سے وہ (ہر قسم

کی) گندگی کو دور کر دے اور تمہیں خوب پاک کر دے اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور رسول کی جو احادیث پڑھی جاتی ہیں، ان کا ذکر کرتی رہو، یقیناً اللہ تعالی لطف کرنے والا خبر دار ہے۔''

شیعہ لوگوں نے اس آیت میں مذکورہ اہل بیت سے مراد سیدنا علی، سیدہ فاطمہ، سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم مراد لیے ہیں اور آپ کی بیویوں کو چھوڑ دیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی خواہشات کے مطابق قرآن مجید میں تحریف کرتے ہیں۔ جس واقعہ کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا چار ہستیوں کو چادر میں اکٹھا کیا اور ان کو اہل بیت قرار دیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت کی دلالت میں توسیع کی گئی، جیسا کہ حافظ ابن کثیر وغیرہ نے وضاحت کی۔

یہی معاملہ ''وعِتْــرَتِــیْ'' والی حدیث کا ہے، کہ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت مراد ہیں، جن میں امہات المومنین اور سیدنا علی اپنے اہل سمیت داخل ہیں۔

تورپشتی نے کہا: آدمی کی ''عترت'' سے مراد اس کے اہل بیت اور اور انتہائی قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''اهــل بيتى'' فرما کر وضاحت کی تو معلوم ہو گیا کہ آپ اپنی نسل، قریب تر رشتہ دار اور بیویاں مراد لینا چاہتے ہیں۔

(دوم)..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے مراد امت کے وہ علما ہیں، جو نیک، صالح اور کتاب وسنت پر عمل کرنے والے ہیں، جیسا کہ امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالی نے کہا: ''عترت'' سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت، آپ کے دین کے پیروکار اور آپ کے حکم کی پابندی کرنے والے ہیں۔

شیخ ملا علی قاری نے بھی اسی قسم کا معنی بیان کیا ہے۔

پھر انھوں نے اس حدیث میں اہل بیت کو خاص کرنے کی وجہ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا:

زیادہ تر یہ دیکھا گیا ہے کہ گھر کے سربراہ کو اور اس کے احوال کو زیادہ جاننے والے اس کے اہل بیت ہوتے ہیں، جن سے مراد وہ اہل علم ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت و کردار، حکم و حکمت اور طرز وطریقہ پر مطلع تھے۔ اس معنی میں ''اہل بیت'' قرآن مجید کے مقابلے میں ذکر کیا گیا، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ (سورۂ جمعہ: ۲) ''وہ رسول ان کو کتاب اور حکمت (یعنی احادیث رسول) کی تعلیم دیتا ہے۔''

میں (البانی) کہتا ہوں: سورۂ احزاب کی آیات تطہیر میں امہات المومنین سے خطاب کرتے ہوئے کہا گیا:

﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا﴾

(سورۂ احزاب: ۳۴)

''اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور رسول کی جو احادیث پڑھی جاتی ہیں، ان کا ذکر کرتی رہو، یقیناً اللہ تعالی لطف کرنے والا خبر دار ہے۔''

یعنی اس آیت میں حکمت سے مراد احادیث رسول ہیں۔

اس بحث سے معلوم ہوا کہ ''اہل بیت'' سے مراد آپ ﷺ کی سنت کو تھامنے والے ہیں، حدیث میں یہی مقصود بالذات ہے، اسی معنی میں سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ''ثَـقَـلَـیْـن'' سے مراد قرآن مجید اور اہل بیت مراد ہیں۔ ابن اثیر نے (النہایۃ) میں کہا: آپ ﷺ نے اس کو ''ثقلین'' کہا، کیونکہ کتاب و سنت کو حرزِ جان بنانا اور ان پر عمل کرنا ثقیل اور مشکل کام ہے اور ہر خطرناک اور عمدہ چیز کو ''ثقل'' کہتے ہیں، آپ ﷺ ان دو کی قدر کو عظیم ثابت کرنے کے لیے ان کو ''ثقلین'' کہا۔

راقم الحروف کہتا ہے: امام البانی کی مراد درج ذیل حدیث ہے:

آپ ﷺ نے فرمایا: ((وَاَنَـا تَـارِكٌ فِیْكُمْ ثَقَلَیْنِ: اَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ ...... وَاَهْلُ بَیْتِیْ ، اُذَكِّرُكُمُ اللّٰـهَ فِـیْ اَهْلِ بَیْتِیْ......)) (مسلم: ۲٤۰۸) ...... ''میں تم میں دو نفیس (اور بیش قیمت) چیزیں چھوڑنے والا ہوں: اللہ کی کتاب ...... اور میرے اہل بیت، میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تم کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں......''

میں (البانی) کہتا ہوں: اس باب کی حدیث میں قرآن مجید کے ساتھ اہل بیت کا ذکر کرنے کا وہی مفہوم ہے، جو سنتِ رسول کے ساتھ خلفائے راشدین کی سنت کا ہے۔

شیخ ملا علی قاری نے کہا: خلفائے راشدین کا تذکرہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے آپ ﷺ کی سنت پر ہی عمل کیا، ان کی طرف اس کی اضافت یا تو ان کے عمل کی وجہ سے ہے یا اس بنا پر کہ وہ سنت کو اختیار کرتے ہیں اور اس سے استدلال کرتے ہیں۔

سابقہ بحث سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث مؤطا کی درج ذیل روایت کا قوی شاہد ہے: ((تَرَكْتُ فِیْكُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَـضِـلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللّٰهِ! وَسُنَّةَ رَسُوْلِهِ)) ...... ''میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑیں، اگر تم نے ان کو تھامے رکھا تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے، ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اس کے رسول کی سنت۔'' یہ روایت مشکوۃ (۱۸٦) میں بھی ہے۔

جن لوگوں نے مؤطا کی روایت کو ضعیف ثابت کرنے کے لیے اوراق سیاہ کیے، ان بیچاروں کو اس شاہد کی اس صورت کا علم نہیں تھا۔ واللہ المستعان۔ (صحیحه: ۱۷٦۱)

دنیوی معاملات میں آپ ﷺ کی رائے کی حیثیت

(۳۲۱)۔ عَـنْ أَنَسٍ قَالَ: سَمِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَصْـوَاتـاً ، فَـقَـالَ: ((مَـاهٰذَا؟)) قَـالُوْا: یُـلَقِّحُوْنَ النَّخْلَ ، فَقَالَ: ((لَوْتَرَكُوْهُ ، فَلَمْ یُـلَقِّحُوْهُ لَصَلَحَ۔)) فَتَرَكُوْهُ فَلَمْ یُلَقِّحُوْهُ ، فَخَرَجَ شِیْصًا ، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: ((مَالَكُمْ؟))

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے کچھ آوازیں سنیں اور پوچھا: ''یہ (آوازیں) کیسی ہیں؟'' انھوں نے کہا: لوگ کھجوروں کی تلقیح کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہ اس کو ترک کر دیں اور تلقیح نہ کریں تو اچھا ہو گا۔'' پس انھوں نے اس عمل کو چھوڑ دیا اور تلقیح نہ کی،

قَالُوْا: تَرَكُوْهُ لِمَا قُلْتَ۔ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِذَا كَانَ شَيْءٌ مِنْ أَمْرِ دُنْيَاكُمْ، فَأَنْتُمْ أَعْلَمُ بِهِ فَإِذَا كَانَ مِنْ أَمْرِ دِيْنِكُمْ، فَإِلَيَّ۔))
(الصحيحة: ٣٩٧٧)

(جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ) ردّی اور ناکارہ کھجوریں پیدا ہوئیں۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا: ''تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟'' انھوں نے کہا: صحابہ نے آپ کے کہنے پر یہ عمل نہیں کیا تھا (جس کی وجہ سے یہ نقصان ہو گیا)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تمہارا کوئی دنیوی معاملہ ہو تو تم خود اس کے بارے میں زیادہ (بہتر) جانتے ہو، ہاں اگر دین کا معاملہ ہو تو میرے طرف لایا کرو۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٣/ ١٥٢، ومسلم: ٧/ ٩٥، وابن ماجه: ٢٤٧١

شرح:...... تلقیح (تابیر): نر کھجور کا شگوفہ مادہ کھجور میں ڈالنا تاکہ عمدہ کھجور پیدا ہو۔

امام مسلم نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے: "بَابُ وُجُوْبِ اِمْتِثَالِ مَا قَالَهُ شَرْعًا دُوْنَ مَا ذَكَرَهُ ﷺ مِنْ مَعَايِشِ الدُّنْيَا عَلَى سَبِيْلِ الرَّأْيِ" (اس بیان میں کہ جو کچھ آپ ﷺ از روئے شریعت فرمائیں اس کی پیروی کرنا واجب ہے، نہ کہ اس کی جو آپ رائے کے طور پر اسباب زندگی کے بارے میں فرماتے ہیں)

مسلم کی ایک روایت میں ہے: ((اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمْرِ دُنْيَاكُمْ)) ...... ''تم خود اپنی دنیا کے معاملات کو بہتر جانتے ہو'' ان روایات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی ان احادیث کی پیروی ضروری ہے، جو آپ شرعی طور پر بحیثیت رسول ارشاد فرماتے ہیں، نہ کہ ان کی جو آپ ﷺ بحیثیتِ بشر دنیوی معاملات کے بارے میں ارشاد فرمائیں۔

خلیفۂ راشد کی اطاعت کا حکم

(٣٢٢)۔ عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ، قَالَ: وَعَظَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَوْعِظَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ، وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ، فَقُلْنَا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ هٰذِهِ لَمَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ، فَمَا ذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا؟ قَالَ: ((قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا، لَايَزِيْغُ عَنْهَا بَعْدِي إِلَّا هَالِكٌ وَمَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرَى اِخْتِلَافاً كَثِيْراً، فَعَلَيْكُمْ بِمَا عَرَفْتُمْ مِن سُنَّتِي، وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ، عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ،

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایسا وعظ کیا کہ آنکھیں بہہ پڑیں اور دل ڈر گئے۔ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ تو الوداعی وعظ لگتا ہے، پس آپ ہمیں کیا وصیت فرمائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تم کو سفید (اور روشن شریعت) پر چھوڑا ہے، جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے، اب وہی گمراہ ہو گا، جو ہلاک ہونے والا ہے، تم میں سے جو بھی زندہ رہا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا، پس اپنی معرفت کے مطابق میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا اور اس کو مضبوطی سے تھام لینا، اور (خلیفہ کی)

وَعَلَيْكُمْ بِالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدًا حَبْشِيًّا ، فَإِنَّمَا الْمُؤْمِنُ كَالْجَمَلِ الْأَنِفِ ، حَيْثُمَا قِيْدَ انْقَادَ۔)) (الصحيحة: ۹۳۷)

اطاعت تم پر لازم ہوگی، اگرچہ وہ کوئی حبشی غلام ہو، بیشک مومن نکیل شدہ اونٹ کی طرح ہے، جس (کی نکیل یا لگام یا رسی) پکڑ کر اس کو جدھر چلایا جاتا ہے، وہ چل پڑتا ہے۔''

تخریج: أخرجه ابن ماجه: ٤٣، والحاكم: ١/ ٩٦، وأحمد: ٤/ ١٢٦

شـــــرح:...... خلیفۂ راشد کی اطاعت فرض ہے، لیکن قانون ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی صورت میں کسی کی کوئی اطاعت نہیں، جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((عَلَى الْمَرءِ الْمُسْلِمِ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ ، إِلَّا أَنْ يُؤمر بِمَعْصِيَةٍ ، فَإِذَا أَمَرَ بِمَعْصِيَّةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ۔)) ...... ''مسلمان مرد پر (اپنے حکمران کی بات) سننا اور ماننا فرض ہے، وہ بات اسے پسند ہو یا ناپسند، مگر یہ کہ اسے گناہ کرنے کا حکم دیا جائے، پس جب اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دیا جائے تو نہ وہ بات سنی جائے گی اور نہ مانی جائے گی۔'' (بخاری: ٧١٤٤، مسلم: ١٨٣٩)

اس حدیث میں خلفائے راشدین کی سنت سے کیا مراد ہے؟ ان کی سنت سے آپ ﷺ کی سنت ہی مراد ہے، جیسا کہ ملا علی قاری حنفی نے کہا: کیونکہ خلفائے راشدین نے آپ ﷺ کی سنت پر ہی عمل کیا، سنت کو ان کی طرف مضاف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اس پر عمل کیا یا اس سے استنباط کیا یا اس کو اختیار کیا۔ (مرقاة المفاتیح: ١/ ٤٠٨)

امام عبد الرحمٰن مبارکپوری نے کہا: گویا کہ آپ ﷺ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ میرے طریقے کو لازم پکڑو اور خلفائے راشدین کے طریقے کو، حقیقت یہ ہے کہ ان کا طریقہ آپ ﷺ کا ہی طریقہ تھا، کیونکہ وہ آپ ﷺ کی سنت کے سب سے زیادہ حریص تھے اور ہر معاملے میں اور ہر وقت اسی پر عمل کرتے تھے، ادنیٰ سے ادنیٰ معاملے میں سنت کی مخالفت کرنے سے بچتے تھے۔ ہاں جب کسی مسئلہ میں ان کے پاس قرآن وسنت سے کوئی دلیل نہ ہوتی تو وہ تحقیق وتفتیش، تدبر وتفکر اور صلاح ومشورہ کے بعد اپنا اجتہاد اور رائے پیش کرتے تھے۔ (تحفة الاحوذی: ٣/ ٣٧٨)

یہی بات حق ہے کہ خلفائے راشدین کی سنت سے مراد آپ ﷺ کی سنت ہی ہے۔ اس پر دلالت کرنے والے مزید تین امور پر غور کریں:

(۱) خلفائے راشدین کا سنت کا حریص اور متلاشی ہونا اور کسی حدیث کی روشنی میں اپنی رائے اور فیصلے کو ترک کر کے حدیث کی طرف رجوع کرنا۔

(۲) صحابہ کرام کا حدیث رسول کو بنیاد بنا کر خلفائے راشدین پر اعتراض کرنا اور ان کا تسلیم کر لینا، اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔

(۳) کئی احادیث میں آپ ﷺ کا یہ بیان کرنا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی معصیت میں خلیفہ کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔

آپ ﷺ کے بعد اختلاف وافتراق کی پیشین گوئی

(٣٢٣)۔ عَنْ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ يُحَدِّثُ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَبَأَ لِابْنِ صَيَّادٍ (دُخَانًا) فَسَأَلَهُ عَمَّا خَبَأَهُ؟ فَقَالَ: دُخٌّ۔ فَقَالَ: ((اِخْسَأْ فَلَنْ تَعْدُوَ قَدْرَكَ۔)) فَلَمَّا وَلّٰى قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((مَا قَالَ؟)) فَقَالَ بَعْضُهُمْ: دُخٌّ۔ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: بَلْ قَالَ: زُخٌّ۔ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((قَدِ اخْتَلَفْتُمْ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ، وَأَنْتُمْ بَعْدِي أَشَدُّ اخْتِلَافًا۔)) (الصحيحة: ٣٢٥٦)

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ابن صیاد کے لیے لفظ ''دُخان'' چھپایا، پھر اس سے اس کے بارے میں سوال کیا۔ اس نے لفظ ''دُخ'' کہہ کر جواب دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ذلیل ہو جا، تو ہرگز اپنے درجے (اور حیثیت) سے آگے نہیں بڑھ سکے گا۔'' جب وہ چلا گیا تو آپ ﷺ نے پوچھا: ''اس نے کیا جواب دیا تھا؟'' بعض نے کہا: اس نے لفظ ''دُخ'' کہا، جبکہ بعض نے کہا کہ اس نے لفظ ''زُخ'' کہا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم میری موجودگی میں اختلاف میں پڑ گئے ہو اور میرے بعد بہت زیادہ اختلاف کرنے والے ہو گے۔''

تخريج: أخرجه عبدالرزاق في "المصنف": ١١/ ٣٨٩/ ٢٠٨١٨، ومن طريقه: الطبراني في "المعجم الكبير": ٣/ ١٤٦، واعلم ان أحاديث ابن صياد وسؤال النبي ﷺ اياه عن الدخان كثيرة، وبعضها في الصحيح و السنن۔

شرح:...... آپ ﷺ نے خود اختلاف اور تفرقہ بازی کی پیشین گوئی فرما دی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ وضاحت بھی فرما دی کہ کامیاب وہی ہوگا، جو آپ ﷺ کی سیرت کو اپنائے گا۔

ہمارے ہاں عوام الناس کا مذہبی طبقے پر بہت بڑا اعتراض یہ ہے کہ ان ''مولویوں'' نے لوگوں کو فرقوں میں تقسیم کر دیا ہے، ان کی وجہ سے عوام کو حق کی سمجھ نہیں آ رہی۔

یہ اعتراض، اعتراض کی حد تک ٹھیک ہے، لیکن یہ اعتراض کرنے والے وہ لوگ ہیں، جن کا مزاج تحقیقی نہیں ہے، فکرِ آخرت کا جو جذبہ ہونا چاہیے، اس سے محروم ہیں، جن کے پاس کسی مسئلہ کے دلائل کو پرکھنے اور مختلف علما سے ملاقات کر کے حق تک رسائی حاصل کرنے کے لیے وقت نہیں ہے۔ ان لوگوں کا مقصد صرف بحث کرنا، کٹ حجتی کرنا اور علما پر اعتراضات کی بوچھاڑ کرنا ہے۔ وگرنہ جو لوگ، پڑھے لکھے ہوں یا ان پڑھ، دین میں دلچسپی لیتے ہیں، چشم فلک گواہ ہے کہ چند دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے قرآن وحدیث کی روشنی میں حق سمجھنے کی راہیں ہموار کر دیتا ہے۔ لیکن جن لوگوں نے اعتراضات کی راہ اپنائی، سالہا سال بیت گئے ہیں، ابھی تک ان کے وہی اعتراضات ہیں، وہی گپیں ہیں، وہی ہنسیاں ہیں، بدکردار مذہبی طبقے کی وہی مثالیں ہیں۔

عجیب بات ہے کہ جس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا، وہ ہدف ہی ان کو سمجھ نہیں آ رہا۔ اللہ تعالیٰ تو اپنی

شریعت کی بڑی تعریف کرتا ہے کہ اس کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا انتہائی آسان ہے، لیکن ان لوگوں کی رٹ یہ ہے کہ ان کو تو سمجھ ہی نہیں آ رہی۔ اب اللہ تعالیٰ کو حق سمجھا جائے یا ان کو سچا گردانا جائے؟

ہمارا نظریہ یہ ہے کہ تفرقہ بازی کی بہت بڑی وجہ عوام خود ہیں، جو لکیر کے فقیر بن چکے ہیں، تحقیقی مزاج سے یکسر محروم ہیں اور اپنے مسلک کے خطیبوں اور مفتیوں کے دعووں اور فتووں پر اندھا اعتماد کرتے ہیں اور ان کے دلائل کا جائزہ لینے کی ہمت نہیں کرتے۔

صحابہ کا کہنا کہ فلاں عمل ''سنت'' ہے

(٣٢٤)۔ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ، قَالَ: خَرَجْتُ مِنَ الشَّامِ إِلَى الْمَدِيْنَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَدَخَلْتُ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَقَالَ: مَتَى أَوْلَجْتَ خُفَّيْكَ فِي رِجْلَيْكَ؟ قُلْتُ: يَوْمَ الْجُمُعَةِ، قَالَ: فَهَلْ نَزَعْتَهُمَا؟ قُلْتُ: لَا۔ قَالَ: أَصَبْتَ السُّنَّةَ۔ (الصحيحة: ٢٦٢٢)

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں جمعہ کے روز شام سے مدینہ کی طرف روانہ ہوا، (جب وہاں پہنچا تو) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ انھوں نے کہا: تم نے موزے کب پہنے تھے؟ میں نے کہا: جمعہ کے روز۔ انھوں نے پوچھا: کیا پھر ان کو اتارا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ انھوں نے کہا: تم نے سنت کی موافقت کی ہے۔

تخريج: أخرجه الطحاوي في"شرح المعاني": ١/ ٤٨، والدارقطني في"السنن": ص٧٢، والحاكم: ١/ ١٨٠۔ ١٨١، وعنه البيهقي في"السنن": ١/ ٢٨٠

شــرح:...... صحابہ کرام مختلف اعمال اور اقوال کو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرنے کے لیے یہ الفاظ استعمال کرتے تھے کہ وہ عمل یا قول ''سنت'' ہے۔ اس سے ان کی مراد بالاتفاق رسول اللہ ﷺ کی ذات ہوتی تھی۔

امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ایسے لگتا ہے کہ امام بیہقی اور امام نووی وغیرہ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا، کیونکہ انھوں نے اس کو مسح کے لیے ایک اور تین ایام کے تعین پر دلالت کرنے والی احادیث کے تعارض میں ذکر کیا اور ضعیف نہیں کہا۔

(موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں متعارض قسم کی روایات مروی ہے، ایک حدیث کے مطابق مقیم ایک دن تک اور مسافر تین دنوں تک مسح کر سکتا ہے، جبکہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مسافر کو سات ایام تک مسح کرنے کی رخصت ہے۔)

ان دو احادیث میں اس طرح جمع و تطبیق ممکن ہے کہ سات دنوں والی روایت کو ضرورت اور جماعت کی معیت میں رہنے کی وجہ سے موزے نہ اتار سکنے پر محمول کیا جائے، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کا بھی یہی خیال ہے......

(صحيحه: ٢٦٢٢)

صحابہ کا آپ ﷺ کے سامنے اپنے خواب بیان کرنا

ایک خواب اور اس کی تعبیر......کون سی تعبیر نہ کی جائے؟

(۳۲۵)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ : أَنَّ رَجُلاً أَتَى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: إِنِّي رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ فِي الْمَنَامِ ظُلَّةً تَنْطِفُ بِالسَّمَنِ وَالْعَسَلِ، فَأَرَى النَّاسَ يَتَكَفَّفُوْنَ مِنْهَا، فَالْمُسْتَكْثِرُ وَالْمُسْتَقِلُّ، وَإِذَا سَبَبٌ وَاصِلٌ مِنَ الأَرْضِ إِلَى السَّمَاءِ، فَأَرَاكَ أَخَذْتَ بِهِ فَعَلَوْتَ، ثُمَّ أَخَذَ بِهِ رَجُلٌ آخَرُ فَعَلَا بِهِ، ثُمَّ أَخَذَهُ رَجُلٌ آخَرُ فَعَلَا بِهِ، ثُمَّ أَخَذَهُ رَجُلٌ فَانْقَطَعَ، ثُمَّ وُصِلَ۔ فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! بِأَبِي أَنْتَ! وَاللّٰهِ! لَتَدَعُنِّيْ فَأَعْبُرَهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَهُ: ((أُعْبُرْهَا۔)) قَالَ: أَمَّا الظُّلَّةُ: فَالإِسْلَامُ، وَأَمَّا الَّذِيْ يَنْطِفُ مِنَ الْعَسَلِ وَالسَّمَنِ، فَالْقُرْآنُ حَلَاوَتُهُ تَنْطِفُ، فَالْمُسْتَكْثِرُ مِنَ الْقُرْآنِ وَالْمُسْتَقِلُّ، وَأَمَّا السَّبَبُ الْوَاصِلُ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الأَرْضِ، فَالْحَقُّ الَّذِيْ أَنْتَ عَلَيْهِ تَأْخُذُ بِهِ فَيُعْلِيْكَ اللّٰهُ، ثُمَّ يَأْخُذُ بِهِ رَجُلٌ فَيَعْلُوْ بِهِ ثُمَّ يَأْخُذُبِهِ رَجُلٌ آخَرُ فَيَعْلُوْ بِهِ ثُمَّ يَأْخُذُ بِهِ رَجُلٌ فَيَنْقَطِعُ بِهِ ثُمَّ يُوْصَلُ لَهُ فَيَعْلُوْ بِهِ، فَأَخْبِرْنِي يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! بِأَبِي أَنْتَ! أَصَبْتُ أَمْ أَخْطَأْتُ؟ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((أَصَبْتَ بَعْضًا وَأَخْطَأْتَ بَعْضًا۔)) قَالَ: فَوَاللّٰهِ لَتُحَدِّثَنِّيْ بِالَّذِي أَخْطَأْتُ، قَالَ: ((لَاتُقْسِمْ۔)) (الصحيحة:۱۲۱)

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: میں نے رات کو ایک خواب دیکھا، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سائباں ہے، اس سے گھی اور شہد ٹپک رہا تھا، میں نے دیکھا کہ لوگ اُس سے چُلو بھر رہے ہیں، کوئی زیادہ لے رہا ہے اور کوئی کم۔ ادھر ایک رسی ہے، جو زمین سے آسمان تک پہنچ رہی ہے۔ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے اس کو پکڑا اور اوپر چڑھ گئے، پھر ایک دوسرے آدمی نے اس کو پکڑا اور وہ بھی چڑھ گیا، پھر ایک تیسرے آدمی نے پکڑا، اور وہ بھی اوپر چڑھ گیا، پھر ایک آدمی نے اس کو پکڑا لیکن وہ رسی ٹوٹ گئی، پھر اس کو جوڑا گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ مجھے اجازت دیں میں اس کی تعبیر بیان کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(ٹھیک ہے) تم اس کی تعبیر بیان کرو۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: سائبان اسلام ہے اور اس سے ٹپکنے والا شہد اور گھی سے مراد قرآن اور اس کی مٹھاس ہے۔ پس کوئی قرآن کا زیادہ حصہ سیکھنے والا ہے اور کوئی کم اور جو آسمان سے زمین تک پہنچنے والی رسی ہے، وہ حق ہے، جس پر آپ قائم ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کے ذریعے سربلند فرمائے گا۔ پھر اس کو ایک آدمی پکڑے گا، وہ بھی اس کے ساتھ بلندی پر فائز ہوگا، پھر اس کو ایک دوسرا آدمی پکڑے گا وہ اس کے ساتھ بلند ہوگا، پھر اس کو تیسرا آدمی پکڑے گا، پس وہ ٹوٹ جائے گا۔ پھر اس کو جوڑا جائے گا، پھر وہ اس کے ساتھ بلند ہوگا۔ اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، مجھے بتلائیے میری یہ

بیان کردہ تعبیر صحیح ہے یا غلط؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بعض حصہ درست بیان کیا اور بعض میں غلطی کی۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! آپ ضرور میری غلطی کو بیان کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابوبکر! قسم نہ اٹھاؤ۔''

تخریج: أخرجه مسلم أيضا: ٧/ ٥٥-٥٦، وأبوداود: ٣٢٦٨و٤٦٣٢، والترمذي: ٢/ ٤٧، والدارمي: ٢/ ١٢٨، وابن ماجه:٣٩١٨، وابن أبي شيبة في"المصنف": ١٢/ ١٩٠/ ٢، وأحمد: ١/ ٢٣٦

شرح:...... کل چار افراد نے رسی کو پکڑا اور بلند ہوئے، پہلے فرد نبی کریم ﷺ ہیں، جیسا کہ وضاحت موجود ہے، دوسرے سیدنا ابوبکر صدیق، تیسرے سیدنا عمر اور چوتھے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم ہیں۔ لیکن مؤخر الذکر کے وقت رسی کے ٹوٹ جانے اور اس کے جڑ جانے سے کیا مراد ہے؟ اس کے دو جوابات دیے گئے ہیں:

(۱) قریب تھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنے عہدِ خلافت میں ان قضایا کی وجہ سے صدیق و فاروق کو نہ پا سکیں، جو ان کے عہدِ خلافت میں واقع ہوئے، لیکن پھر ان کے حق میں گواہی مکمل ہوگئی اور وہ ان کو جا ملے۔

(۲) ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ رسی کے کٹ جانے سے مراد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہے، لیکن اعتراض یہ ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت، خلافت میں علو کی وجہ سے نہیں تھی، بلکہ ایک خاص دشمنی کی وجہ سے تھی۔ جبکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اس ولایت و خلافت کی وجہ سے پیش آئی، جس کی وجہ سے ان کو علو ملا تھا۔

آپ ﷺ خواب کی مکمل تعبیر کرنے سے کیوں خاموش رہے؟ واضح یہی ہے کہ اس کی مکمل تعبیر میں لوگوں کے لیے کوئی پریشانی تھی، اس سے یہ پتہ چلا کہ تعبیر کرنے والا مصلحتاً مکمل تعبیر کرنے سے خاموش رہ سکتا ہے۔

قراء کی مذمت

(٣٢٦)۔ قَالَ ﷺ: ((أَكْثَرُ مُنَافِقِي أُمَّتِي قُرَّاؤُهَا۔)) وَرَدَ مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، وَعَصْمَةَ بْنِ مَالِكٍ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کے اکثر منافق قرا ہوں گے۔'' یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت عقبہ بن عامر، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عصمہ بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

(الصحيحة:٧٥٠)

تخريج: ١-أما حديث ابن عمرو؛ فأخرجه عبدالله بن المبارك في"الزهد": ٤٥١، ومن طريقه أحمد: ٢/ ١٧٥، وعنه ابن بطة في"الابانة": ٥/ ٤٨/ ٢، والبخاري في"التاريخ الكبير": ١/ ١/ ٢٥٧/ ٨٢٢، والفريابي في"صفة النفاق": صـ٥٣-٥٤

٢-وأما حديث عقبة؛ فأخرجه أحمد: ٤/ ١٥١، ١٥٤، والفريابي، وابن بطة، وابن قتيبة في"غريب الحديث": ١/ ١٠٥/ ١، وابن عدي في"الكامل": ٢١١/ ١، والخطيب في"تاريخ بغداد": ١/ ٥١/ ١،

وابن عساكر في "تاريخ دمشق": ١٠/ ١٩/ ١ والفريابي: ٥٣

٣ـ وأما حديث ابن عباس؛ فاخرجه العقيلي في ترجمة العدني

٤ـ وأما حديث عصمة بن مالك؛ فأخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" ١٧/ ١٧٩/ ٤٧١، وابن عدي في "ترجمة الفضل بن المختار" (راوي هذا الطريق)

شرح:...... ہم ذاتی مشاہدے کی بات کرنا چاہیں گے کہ زیادہ تر قاری حضرات مقاصدِ قرآن، احکامِ قرآن اور روحِ قرآن سے غافل ہوتے ہیں، تشریحاتِ نبویہ اور اسلامی آداب سے محروم ہوتے ہیں، صرف اس بنا پر لمبے لمبے سانسوں اور خوش الحانی کی مشق کرتے ہیں کہ لوگ ان کی تلاوت سن کر بلّے بلّے اور عش عش کر اٹھیں۔

قارئین کرام! اگر آپ اتفاق نہ کریں تو ہمارا سوال یہ ہوگا کہ ایک قاری تلاوت کر رہا ہے، سات آٹھ آیات پر مشتمل سورت ایک سانس میں تلاوت کرنا چاہی، سانس لمبا کرنے کی وجہ سے چہرہ سرخ ہو چکا ہے، مقصودہ آیت تک پہنچنے کے لیے کبھی ٹانگ کو حرکت دیتا ہے، کبھی سر ہلاتا ہے، پیشانی کو ہاتھوں سے دبایا ہوا ہے، منہ کا عجیب ڈیزائن بن چکا ہے، آیات کے معانی سے بالکل غافل ہے، سامعین داد دینے کے لیے دونوں ہاتھ بلند کر چکے ہیں۔ کس نے یہ تکلف کرنے پر مجبور کیا؟ کیا محمد رسول اللہ ﷺ کا اندازِ تلاوت کافی نہیں ہے؟

کئی قرّا سے واسطہ پڑا، شعبہ حفظ کے کامیاب استاد ہوتے ہیں، لیکن نمازوں تک سے غافل اور اخلاقی جرائم میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں۔ سچ فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ اکثر قاریوں میں نفاق ہوتا ہے، بظاہر قرآن مجید کے ساتھ اپنے تعلق کا بڑا اظہار کرتے ہیں، لیکن حقیقت میں نزولِ قرآن کے مقصد سے غافل ہوتے ہیں۔

بہرحال نیک سیرت اور حسن کردار والے قاری حضرات موجود ہیں، اللہ تعالی ان کی تعداد میں اضافہ فرمائے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ علم، فقاہت فی الدین اور عمل پر توجہ دینی چاہیے۔ خطبا کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو علم و عمل اور اصلاح وتقوی کی بھی تعلیم دیں، جو شریعت کا اصل مقصود ہے۔

آپ ﷺ کو امت کے بارے میں تین امور کا خدشہ

(٣٢٧)ـ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ رَفَعَهُ: ((إِنَّ أَخْوَفَ مَاأَتَخَوَّفُهُ عَلٰى أُمَّتِي آخِرَ الزَّمَانِ، ثَلَاثًا: إِيْمَاناً بِالنُّجُوْمِ، وَتَكْذِيْباً بِالْقَدَرِ، وَحَيْفَ السُّلْطَانِ۔)) (الصحيحة: ١١٢٧)

حضرت طلحہ بن مصرف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے بعد میں آنے والے زمانے میں اپنی امت پر سب سے زیادہ تین امور کا ڈر ہے: ستاروں پر ایمان لانا، تقدیر کو جھٹلانا اور حکمران کا ظلم کرنا۔''

تخريج: رواه أبوعمرو الداني في "السنن الواردة في الفتن" ٢٣/ ١ـ٢

شرح:...... وائے خرابی! اب فرزندان امت میں تینوں امور پائے جاتے ہیں: ستاروں کو دیکھ کر مستقبل کی

باتیں بتانے والے موجود ہیں اور تقدیر کو جھٹلانے والوں کا بھی وجود پایا جاتا ہے، رہا مسئلہ بادشاہ کے ظلم کا، تو وہ بھی عام ہے۔ تقدیر کیا ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے؟

اس کی تعریف کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا جا سکتا ہے، مثال کے طور پر:

(۱) وہ امورِ کائنات کہ اللہ تعالیٰ نے جن کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ان کا بخوبی اندازہ لگا لیا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات سے قبل کائنات میں رونما ہونے والی تمام اشیا کی کیفیات و کمیّات، احوال وظروف، اوقات وازمان، آمد و رفت، غرضیکہ ہر چیز کی ہر کیفیت کا اندازہ لگا لیا۔ پھر آج تلک عالم علوی اور عالم سفلی میں جو کچھ ہوا، وہ اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق ہوا۔

(۳) کائنات کی ابتدا سے انتہا تک اس میں جو کچھ ہونا تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے علم کے ذریعے معلوم کر لیا۔

(۴) کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے سابق علم اور مشیت کے مطابق ہو رہا ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ کا علم اتنا مضبوط ہے کہ اس نے مستقبل کی اخبار و واقعات کو معلوم کر لیا، یہی معلومات تقدیر ہیں۔

ستارے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو تین مقاصد کے لیے پیدا کیا ہے:

(۱) آسمانوں کی زینت

(۲) شیطانوں کی مرمت، یعنی جب شیطان وحی کی باتیں چوری کرنے کے لیے آسمان پر جانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ ان پر شعلہ بن کر گرتے ہیں۔

(۳) بعض معاملات میں انسانوں کی رہنمائی، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ﴾ (سورۂ الانعام: ۹۷) ......''اور وہ اللہ ایسا ہے جس نے تمہارے لیے ستاروں کو پیدا کیا، تاکہ تم ان کے ذریعہ سے اندھیروں میں، خشکی میں اور دریا میں راستہ معلوم کر سکو۔''

پرانے زمانے میں بحری سفر کرنے والے ستاروں کو دیکھ کر اپنے سفر کی سمت کا تعین کرتے تھے، عصر حاضر میں تو سائنسی آلات سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔ ستاروں کے علم کو علم نجوم کہتے ہیں۔

تقدیر کی سب سے زیادہ وضاحت "الْاِیْمَانُ وَالتَّوْحِیْدُ وَالدِّیْنُ وَالْقَدْرُ" میں کی گئی ہے، اور علم نجوم پر اسی کتاب میں ''نجامت'' کے عنوان کے تحت تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

وہ مجرم ہے، جس کے سوال کی وجہ سے کوئی حلال چیز حرام ہو جائے

(۳۲۸)۔ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِی وَقَّاصٍ، عَنْ أَبِیْهِ، أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ أَعْظَمَ الْمُسْلِمِیْنَ فِی الْمُسْلِمِیْنَ جُرْمًا:

عامر بن سعد بن ابی وقاص اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے، جس نے ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا، جو

مَنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يُحَرَّمْ وَنَقَرَ عَنْهُ فَحُرِّمَ عَلَى النَّاسِ مِنْ أَجْلِ مَسْأَلَتِهِ۔)) (الصحيحة:٣٢٧٦)

حرام نہیں تھی، لیکن اس نے اس کے بارے میں اتنی چھان بین کی کہ اس کے سوال کی وجہ سے اسے لوگوں پر حرام قرار دیا گیا۔"

تخریج: أخرجه البخاري: ٧٢٨٩، ومسلم: ٨/ ٩٢، وأبوداود: ٤٦١٠، وابن حبان: ١/ ٦١/ ١١٠، والحميدي في"مسنده":٣٧/ ٦٧، وأحمد: ١/ ١٧٦، ١٧٩، والبزار في"البحر الزخار": ٣/ ٢٩٢/ ١٠٨٤، وأبويعلي:٢/ ١٠٤

شرح:...... سوال کی دو اقسام ہیں:

(۱) وہ سوال جو ان امورِ دین سے متعلقہ ہو جو عام ضرورت ہونے کی وجہ سے توضیح طلب ہوتے ہیں، ایسا سوال کرنا جائز ہے، جیسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اور دوسرے صحابہ کا شراب کے بارے میں سوال کرتے رہنا، یہاں تک اسے حرام قرار دیا گیا، کیونکہ ضرورت کا تقاضا یہ تھا کہ اسے حرام قرار دیا جائے۔ اسی طرح ظالم امرا کی اطاعت کرنے، کلالہ، جوا، حیض، شکار اور حرمت والے مہینوں میں قتال کرنے کے بارے میں سوال کرنا، کیونکہ یہ ضروریات ہیں۔

(۲) وہ سوال جو محض تکلف اور تعنت کی بنا پر کیا جائے، مثلا ایسی چیز کے بارے میں پوچھنا جو ابھی واقع نہیں ہوئی ہو یا جس کی کوئی ضرورت نہ ہو۔ مثلا: عذابِ قبر جیسے غیبی امور کی حقیقت کے بارے میں سوال کرنا، اسی طرح قیامت کے بارے میں، روح کی حقیقت اور اس امت کی مدت کے بارے میں سوال کرنا یا کوئی ایسا سوال کرنا جس کا عمل سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اس اور دیگر احادیث میں ایسے سوالات سے منع کیا گیا ہے۔

حلال و حرام کے بارے میں شریعت نے بڑا آسان اور سادہ قانون پیش کیا ہے، سیدنا ابو الدردا رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَا أَحَلَّ اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ فَهُوَ حَلَالٌ، وَمَا حَرَّمَ فَهُوَ حَرَامٌ، وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ، فَاقْبَلُوْا مِنَ اللّٰهِ عَافِيَتَهُ، فَإِنَّ الله لم يكن ينسى شيئا۔)) ثم تلا هذه الآية: ﴿وما كان ربك نسيا۔﴾ ...... "اللہ تعالی جن چیزوں کو اپنی کتاب میں حلال کیا، وہ حلال ہیں۔ جن چیزوں کو حرام کیا، وہ حرام ہیں اور جن چیزوں سے خاموشی اختیار کی، وہ معاف ہیں۔ پس تم اللہ تعالی سے اس کی عافیت قبول کرو، کیونکہ اللہ تعالی کسی چیز کو نہیں بھولتا۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی: "اور تیرا رب بھولنے والا نہیں ہے۔" (مسند بزار)

ایک اہم سوال: حلال و حرام کا فیصلہ محض اللہ تعالی کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے، تو پھر سوال کرنے والا مجرم کیوں ہے؟

جواب: حافظ ابن حجر نے کہا: بلا شک و شبہ تقدیر میں حلال و حرام کے فیصلے ہو چکے ہیں اور ایسے آدمی کے سوال کی وجہ سے حرام ہونے والی چیز پہلے بھی حرام ہی ہوتی ہے، اس کو مجرم ٹھہرانے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے محض تکلف اور تعنت کی بنا پر سوال کیا، حقیقت میں اس کو ایسا سوال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس حدیث میں جرم سے مراد گناہ ہے۔

(تلخیص از فتح الباری: ۱۳/ ۳۳۳)

نبی کریم ﷺ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنا سنگین جرم ہے

(۳۲۹)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ الَّذِي يَكْذِبُ عَلَيَّ يُبْنٰى لَهُ بَيْتٌ فِي النَّارِ۔)) (الصحيحة: ۱۶۱۸)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو مجھ پر جھوٹ بولتا ہے، (یعنی میری طرف جھوٹی بات منسوب کرتا ہے)، اس کے لیے آگ میں ایک گھر بنا دیا جاتا ہے۔“

تخريج: أخرجه أحمد: ۲/ ۲۲ و ۱۰۳ و ۱۴۴

(۳۳۰)۔ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((إِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَدِيْثِ عَنِّي، مَنْ قَالَ عَلَيَّ فَلَا يَقُوْلَنَّ إِلَّا حَقًّا أَوْ صِدْقاً، فَمَنْ قَالَ عَلَيَّ مَالَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔)) (الصحيحة:۱۷۵۳)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”مجھ سے زیادہ احادیث بیان کرنے سے بچو، جو بندہ میری طرف کوئی بات منسوب کرے تو وہ حق اور سچ کہے، کیونکہ جس نے میری طرف وہ بات منسوب کی جو میں نے نہ کہی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔“

تخريج: أخرجه الأمام أحمد: ۵/ ۲۹۷، والدارمي: ۱/ ۷۷، وابن ماجه: ۳۵، والحاكم: ۱/ ۱۱۱

شرح:...... معلوم ہوا کہ مکمل تحقیق کے بعد آپ ﷺ کی طرف بات کو منسوب کرنا چاہیے۔ محض اخباروں، ڈائجسٹوں اور عام غیر معیاری کتب کے مطالعہ کے دوران آپ ﷺ کی طرف منسوب باتوں کو آپ ﷺ کی احادیث نہیں سمجھ لینا چاہیے، جب تک تحقیق نہ کر لی جائے۔

سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں زیادہ احادیث بیان کرنے سے منع کیا گیا ہے، اگر سیاق و سباق اور دوسری روایات کو دیکھا جائے تو اس نہی کا تعلق اس شخص سے ہوگا، جو کثرت کی وجہ سے غلطیاں کرتا ہے یا جس کا حافظہ قوی نہیں ہے، یا جو غیر محتاط ہو، وگرنہ اس شخص کی تعریف کی گئی ہے، جو احادیث کو اچھی طرح یاد کر کے آگے بیان کرتا ہے، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَادَّاهَا، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرَ فِقِيهٍ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ۔))

......”اللہ تعالی تر و تازہ رکھے اس شخص کو جس نے میری بات سنی، اس کو یاد کیا اور پھر اس کو آگے پہنچا دیا، کئی حاملینِ فقہ غیر فقیہ ہوتے ہیں اور کئی حاملینِ فقہ اپنے سے زیادہ فقیہ تک میری بات پہنچا دیتے ہیں۔“

(احمد: ۱/ ۴۳۶، ترمذی: ۲۶۵۸)

بدعتی لوگوں کا انجام

(۳۳۱)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((تَرِدُ عَلَيَّ أُمَّتِي الْحَوْضَ، وَأَنَا أَذُوْدُ النَّاسَ عَنْهُ، كَمَا يَذُوْدُ الرَّجُلُ إِبِلَ الرَّجُلِ عَنْ إِبِلِهِ۔ قَالُوْا: يَانَبِيَّ اللّٰهِ أَتَعْرِفُنَا؟ قَالَ: ((نَعَمْ، لَكُمْ سِيَمًا لَيْسَتْ لِأَحَدٍ غَيْرِكُمْ تَرِدُوْنَ عَلَيَّ غُرًّا مُحَجَّلِيْنَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوْءِ۔ وَلَيُصَدَّنَّ عَنِّي طَائِفَةٌ مِنْكُمْ، فَلَايَصِلُوْنَ، فَأَقُوْلُ: يَارَبِّ! هٰؤُلَاءِ مِنْ أَصْحَابِي؟! فَيُجِيْبُنِي مَلَكٌ فَيَقُوْلُ: وَهَلْ تَدْرِي مَاأَحْدَثُوْا بَعْدَكَ۔)) (الصحيحة: ۳۹۵۲)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت حوض پر میرے پاس آئے گی۔ میں کچھ لوگوں کو اس سے یوں دھتکاروں گا، جیسے کوئی آدمی دوسرے کے اونٹوں کو اپنے اونٹوں سے دور دھتکارتا ہے۔'' صحابہ نے کہا: اے اللہ کے نبی! کیا آپ ہمیں پہچان لیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جی ہاں، تمہاری ایک ایسی علامت ہوگی، جو دوسروں کی نہیں ہوگی، تم میرے پاس اس حال میں آؤ گے کہ وضو کے اثر کی وجہ سے تمہاری پیشانی، دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں چمکتے ہوں گے۔ لیکن تم میں ایک گروہ کو مجھ سے روک لیا جائے گا، وہ (مجھ تک) نہ پہنچ پائیں گے۔ میں کہوں گا: اے میرے ربّ! یہ میرے ساتھی ہیں؟ ایک فرشتہ مجھے جواب دے گا: اور کیا آپ جانتے ہیں کہ انھوں نے آپ کے بعد (دین میں) بدعتوں کو رواج دیا تھا۔''

تخریج: هذا الحديث له عن ابى هريرة طرق و الفاظ، بعضها مطول و بعضها مختصر (و ترى التفصيل فى الصحيحة) أخرجه مسلم: ۱/ ۱۵۰۔ والسياق له۔، وأبوعوانة: ۱/ ۱۳۷، والبيهقي: ۱۶۱، وأحمد: ۲/ ۳۰۰، ۴۰۸، و البخاري: ۲۳۶۷، و ابن أبي عاصم في "السنة": ۷۶۹

شرح:...... اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کی مخصوص علامت کا ذکر ہے، جس کی وجہ سے تمام دوسرے انبیا کے امتیوں سے ممتاز نظر آئیں گے۔ اس سے ہمیں سبق یہ ملتا ہے کہ ہم ان احکام کی پیروی کریں، جن کے لیے وضو کرنا پڑتا ہے، تاکہ اس سعادت تک پہنچ سکیں۔

جن لوگوں کو حوض محمدی سے دور دھتکار دیا جائے گا، وہ بدعتی لوگ ہوں گے، اس لیے ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی پیروی کا حریص ہونا چاہیے۔

بدعت: وہ نئی بات جو دین میں اجر و ثواب کی غرض سے نکالی جائے اور جس کی دلیل کتاب و سنت سے نہ ہو۔ مثلا نماز عید سے پہلے خطبہ دینا، نماز کے بعد مصافحہ یا معانقہ کا اہتمام کرنا، مجلس میلاد، عرس، گیارہویں، چہلم، مجلس مرثیہ خوانی، رسم قل، رسم ختم وغیرہ وغیرہ۔

(۳۳۲)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ رَافِعٍ مَوْلٰى

زوجۂ رسول سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ان کے غلام عبد اللہ بن

أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهَا قَالَتْ: كُنْتُ اَسْمَعُ النَّاسَ يَذْكُرُوْنَ الْحَوْضَ، وَلَمْ اَسْمَعْ ذٰلِكَ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ ﷺ، فَلَمَّا كَانَ يَوْمًا مِّنْ ذٰلِكَ وَالْجَارِيَةُ تَمْشِطُنِي، فَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهُ ﷺ يَقُوْلُ: ((اَيُّهَا النَّاسُ!)) فَقُلْتُ لِلْجَارِيَةِ: اسْتَاخِرِي عَنِّي، قَالَتْ: اِنَّمَا دَعَا الرِّجَالَ، وَلَمْ يَدْعُ النِّسَاءَ!، فَقُلْتُ: اِنِّي مِنَ النَّاسِ! فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ: ((اِنِّي لَكُمْ فَرَطٌ عَلَى الْحَوْضِ، فَاِيَّايَ! لَا يَأْتِيَنَّ اَحَدُكُمْ فَيُذَبُّ عَنِّي كَمَا يُذَبُّ الْبَعِيْرُ الضَّالُّ، فَاَقُوْلُ: فِيْمَ هٰذَا؟ فَيُقَالُ: اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ؟! فَاَقُوْلُ: سُحْقًا۔)) (الصحيحة:٣٩٤٤)

رافع بیان کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں: میں لوگوں کو حوض کا تذکرہ کرتے ہوئے سنتی رہتی تھی، نبی کریم ﷺ سے اس موضوع پر کوئی حدیث براہِ راست نہیں سنی تھی، ایک دن میری لونڈی میری کنگھی کر رہی تھی، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: ''لوگو!'' میں نے لونڈی سے کہا: پیچھے ہٹ جاؤ۔ اس نے کہا: آپ ﷺ نے مردوں کو بلایا ہے، نہ کہ عورتوں کو۔ میں نے کہا: (آپ ﷺ نے لوگوں کو بلایا ہے اور) میں بھی ان میں سے ہی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں حوض پر تم لوگوں کا پیش رو ہوں گا۔ میری اطاعت کرتے رہنا! کہیں ایسا نہ ہو کہ تم وہاں میرے پاس پہنچو اور تمھیں بھٹکے ہوئے اونٹ کی طرح (مجھ سے دور) دھتکار دیا جائے۔ میں پوچھوں: ایسے کیوں ہو رہا ہے؟ مجھے جوابًا کہا جائے: آپ نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کون کون سی بدعات رائج کر دی تھیں۔ (یہ سن کر) میں کہوں گا: بربادی ہو۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٧/ ٦٧، والنسائي في"التفسير۔ الكبرى": ١٣/ ١٦/ ١٨١٧٣۔ تحفة الأشراف، وأحمد: ٦/ ٢٩٧، والطبراني في"المعجم الكبير": ٢٣/ ٢٩٧، ٤١٣

بدعتی کی توبہ قبول نہیں ہوتی

(٣٣٣)۔ عَنْ أَنَسٍ مَرْفُوْعاً: ((إِنَّ اللّٰهَ احْتَجَزَ التَّوْبَةَ عَنْ صَاحِبِ كُلِّ بِدْعَةٍ۔)) (الصحيحة:١٦٢٠)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی سے توبہ کو روک لیا ہے۔''

تخريج: أخرجه أبوالشيخ في"تاريخ أصبهان": صـ٢٥٩، والطبراني في"الأوسط": رقم ٤٣٦٠، وأبوبكر الملحمي في"مجلسين من الأمالي": ق١٤٨/ ١۔ ٢، والهروي في"ذم الكلام": ٦/ ١٠١/ ١، والبيهقي في"شعب الأيمان": ٢/ ٣٨٠/ ٢، ويوسف بن عبدالهادي في"جمع الجيوش والدساكر على ابن عساكر": ق ٣٣/ ١

شرح:...... بدعتی: وہ شخص جو اجر و ثواب کی غرض سے دین میں ایسی نئی بات نکالے، جس کی کتاب و سنت سے

کوئی دلیل نہ ہو۔

اس میں بدعتی لوگوں کے لیے بڑی وعید ہے، مذہبی لوگوں کو دیکھنا چاہیے کہ کیا ان کی عبادات کی کمیتیں اور کیفیتیں قرآن وحدیث سے ثابت ہیں۔

ظاہر تو یہی ہے کہ یہ حدیث اس بدعتی سے متعلقہ ہے جو اپنے بدعت پر برقرار رہتا ہے، کیونکہ اگر کوئی شخص اپنی بدعت سے باز آ کر توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ مقبول ہو گی، کیونکہ شرعی ضابطہ یہ ہے کہ کفر وشرک اور دوسرے کبیرہ گناہوں سے توبہ کرنا ممکن ہے۔

تقدیر میں کلام کرنا باعثِ ہلاکت ہے

(٣٣٤)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((إِنَّ أَمْرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ لَا يَزَالُ مُقَارِباً أَوْ مُوَاتِياً حَتّٰى يَتَكَلَّمُوْا فِي الْوِلْدَانِ وَالْقَدَرِ))۔ (الصحيحة:١٦٧٥)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: ''اس امت کا معاملہ اس وقت تک ہم نوائی، ہم خیالی، (اتحاد اور موافقت) والا رہے گا، جب تک بچوں اور تقدیر (کے مسائل) میں گفتگو نہیں کریں گے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": رقم - ١٢٧٦٤ و "الأوسط": ٢٤٤٢ - بترقيمي، وعنه أبو موسى المديني في "منتهى رغبات السامعين": ١/ ٢٤٨/ ١، والحاكم: ١/ ٣٣، وابن حبان: ١٨٢٤

شرح:...... ''مواتیا'' اور ''مقاربا'' ہم معنی الفاظ ہیں۔

''وِلْدَان'' سے مراد مشرکین کی اولاد کے اخروی انجام کے بارے میں گفتگو کرنا ہے کہ آیا وہ جنت میں ہوں گے، یا جہنم میں یا اعراف پر، جیسا امام ابو حاتم نے کہا: اَلْوِلْدَانُ اَرَادَ بِهِ اَطْفَالَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (ابن حبان) ......''وِلْدَان'' سے مشرکوں کے بچے مراد لیے گئے ہیں۔

مرادی معنی یہ ہے کہ ان دو موضوعات پر لایعنی گفتگو نہیں کرنی چاہیے۔

بنواسرائیل کی ہلاکت کا سبب

علم نافع اور فقہ فی الدین کو ترک کر کے حکایتوں اور قصوں کا اہتمام نہ کیا جائے

(٣٣٥)۔ عَنْ خَبَّابٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيْلَ لَمَّا هَلَكُوْا قَصُّوْا۔)) (الصحيحة:١٦٨١)

سیدنا خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب بنواسرائیل ہلاک ہوئے تو انھوں نے قصہ گوئی شروع کر دی۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": رقم- ٣٧٠٥، وأبو نعيم في "الحلية": ٤/ ٣٦٢

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابن اثیر نے (النھایۃ) میں کہا: ''قصّوا'' کے دو معانی مراد لیے جا سکتے ہیں: (۱)...... انھوں نے قصہ گوئی (اور قول واقرار) کا سہارا لے کر عمل ترک کر دیا اور یہی ان کی ہلاکت کا سبب تھا یا

(۲)......اس معنی کے برعکس یعنی جب وہ عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے تو انھوں نے اپنے حق میں قصہ گوئی کو کافی سمجھ لیا۔

میں (البانی) کہتا ہوں: اس حدیث کا یہ مفہوم بیان کرنا درست معلوم ہوتا ہے کہ جب انھوں نے لوگوں کو عمل صالح پر آمادہ کرنے والا نافع علم اور فقاہت فی الدین کو ترک کر دیا اور ایسے واعظین کا اہتمام کیا، جو لوگوں کو صرف حکایات اور قصے کہانیاں سنایا کرتے تھے، تو وہ ہلاک ہو گئے۔ ہمارے زمانے میں بھی اکثر قصہ گو اور واعظ خطیبوں کا یہی حال ہے، ان کے کلام کا بیشتر حصہ اسرائیلی روایات، صوفیات اور دلوں کو نرم کرنے والی باتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہم اللہ تعالی سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ (صحیحہ: ١٦٨١)

اگر کسی میں اسلام کی رغبت پیدا ہو تو......

(٣٣٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((إِنَّ لِلْإِسْلَامِ شِرَّةً، وَإِنَّ لِكُلِّ شِرَّةٍ فَتْرَةً، فَإِنْ كَانَ صَاحِبُهُمَا سَدَّدَ وَقَارَبَ فَارْجُوْهُ، وَإِنْ أُشِيْرَ إِلَيْهِ بِالْأَصَابِعِ فَلَا تَرْجُوْهُ۔)) (الصحيحة: ٢٨٥٠)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسلام کے لیے حرص اور رغبت ہوتی ہے اور ہر رغبت کے بعد آخر سستی اور کمی ہوتی ہے، (دیکھو) اگر نیک کام کی رغبت رکھنے والا راہِ صواب پر چلتا ہے اور میانہ روی اختیار کرتا ہے تو اس کے بارے میں امید رکھو (کہ وہ اللہ تعالی کا مقبول بندہ ہوگا) اور اگر (وہ عبادت میں اس قدر غلو کرے کہ) اس کی طرف انگلیوں کے ساتھ اشارے کیے جائیں تو اس کے بارے میں امید نہ رکھو (کہ وہ نیک آدمی ہوگا)۔''

تخريج: رواه الطحاوي في "مشكل الآثار": ٢/ ٨٩، وتمام: ١٦٣/ ١، والترمذي: ٢٤٥٥، وابن حبان: ٦٥٢

شرح:...... اگر کسی شخص کو دین اسلام کی رغبت پیدا ہوتی تو اسے چاہیے کہ صاحبِ دین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ حیات کو اسوۂ حسنہ قرار دے اور افراط و تفریط سے بچے۔

''اور ہر رغبت کے بعد آخر سستی اور کمی ہوتی ہے'' کا مفہوم یہ ہے کہ عبادت میں مبالغہ کرنے والا بالآخر سست پڑ جاتا ہے، اگر چہ کچھ وقت کے بعد ہو۔

اس حدیثِ مبارکہ میں دو قسم کے لوگوں کا بیان ہے:

(۱)......نیک لوگ، جو اعتدال اور میانہ روی سے کام لیتے ہیں، وہ اللہ تعالی کے حقوق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے بندوں، بالخصوص ماں باپ، اہل و عیال اور اعزہ و اقارب کے حقوق بھی ادا کرتے ہیں، ان کے معاملات میں تسلسل اور استقامت ہوتی ہے، ان کی عبادات میں اس قدر کثرت نہیں پائی جاتی کہ وہ اس بنا پر مشہور ہو جائیں، عام

طور پر ایسے لوگ پرخلوص ہوتے ہیں اور اپنی مراد پر فائز ہو جاتے ہیں، ان لوگوں کے بارے میں اچھی امید رکھنی چاہیے۔

(۲)......اس کے برعکس کچھ لوگ عبادت اور نیکی میں اس قدر افراط اور غلو کرتے ہیں کہ لوگ ان کی طرف انگلیاں اٹھانے لگ جاتے ہیں، سب لوگوں میں ان کا بڑا شہرہ ہونے لگتا ہے کہ فلاں بڑا عابد و زاہد، درویش کامل اور عالم و فاضل ہے۔ زیادہ تر دیکھا گیا ہے کہ ایسے لوگ مکّار اور ریاکار نکلتے ہیں، ان کی غرض شہرت اور ناموری ہوتی ہے، افراط و تفریط میں اس قدر مبتلا ہو جاتے ہیں کہ بیوی بچوں اور ماں باپ کے حقوق پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔ یہ طریقہ خلافِ سنت ہے۔

اس میں جاہل درویشوں کا ردّ ہے، جو رات دن مراقبے اور عبادت میں مصروف رہتے ہیں، سخت سخت ریاضت کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مسلمان کو شریعت کا پابند ٹھہرنا چاہیے نہ کہ اپنی عقل کا اور جہاں تک ہو سکے نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق اپنے اعمال کو مخفی رکھنا چاہیے۔ ہر وقت یہ نقطہ ذہن میں رہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کا خیال رکھا جائے، ہمارے ماحول میں بھی افراط و تفریط پایا جاتا ہے اور وہ اس طرح کہ کچھ لوگ حقوق اللہ کا بہانہ کر کے بندوں کے حقوق سے غفلت برت رہے ہیں اور کچھ حقوق العباد کا بہانہ کر کے اللہ تعالیٰ کے حقوق سے غافل ہیں۔

فقہا کی کثرت اور خطبا کی قلت باعثِ خیر ہے

(۳۳۷)۔ عَنْ حَرَامِ بْنِ حَكِيْمٍ، عَنْ عَمِّهِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِنَّكُمْ أَصْبَحْتُمْ فِي زَمَانٍ كَثِيْرٍ فُقَهَاءُهُ، قَلِيْلٍ خُطَبَاؤُهُ، قَلِيْلٍ سُؤَّالُهُ، كَثِيْرٍ مُعْطُوْهُ، الْعَمَلُ فِيْهِ خَيْرٌ مِنَ الْعِلْمِ، وَسَيَأْتِي زَمَانٌ قَلِيْلٌ فُقَهَاؤُهُ، كَثِيْرٌ خُطَبَاؤُهُ، كَثِيْرٌ سُؤَّالُهُ، قَلِيْلٌ مُعْطُوْهُ، الْعِلْمُ فِيْهِ خَيْرٌ مِنَ الْعَمَلِ۔))

(الصحيحة:٣١٨٩)

حرام بن حکیم اپنے چچا حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(آج) تم ایسے زمانہ میں ہو کہ جس میں فقہا زیادہ اور خطبا کم ہیں اور سوال کرنے والے کم اور دینے والے زیادہ ہیں، اس زمانہ میں علم سے بہتر عمل ہے، لیکن عنقریب ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ اس میں فقہا کم اور خطبا زیادہ ہوں گے اور سوال کرنے والے زیادہ اور دینے والے کم ہوں گے، اس زمانے میں عمل سے بہتر علم ہوگا۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": وفي "مسند الشاميين": ٢/ ٢٢١/ ١٢٢٥، وابن عبد البر في "الجامع": ١/ ٢٣، والخطيب في "الموضح": ١/ ١٠٨

شرح:...... آج کل زیادہ تر خطبا کے دو مقاصد نظر آتے ہیں:

(۱)......عوام میں مقبولیت، اس کے لیے وہ مختلف حربے استعمال کرتے ہیں، کبھی آواز کو خوبصورت بنانے کی کوشش

کرتے ہیں، کبھی اشعار پڑھ کر عوام الناس کو سبحان اللہ کہنے پر اور نعرے لگانے پر مجبور کرتے ہیں اور کبھی ایسے انداز میں فضائل کا تذکرہ کرتے ہیں اور ایسے ایسے مضامین کا انتخاب کرتے ہیں کہ سامعین واہ واہ کر اٹھیں۔ ایک مرتبہ ایک خطیب نے مجھے بتایا کہ وہ جمالِ مصطفیٰ ﷺ پر چار خطباتِ جمعہ دے چکا ہے۔

(۴)......وہ ہم مسلک کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ صرف وہ برحق ہے، باقی سارے مسالک باطل ہیں، اس سلسلے میں وہ کئی احادیث اور مجتہدین کے کئی اجتہادات کا مذاق بھی اڑا جاتے ہیں اور اپنے مسلک والوں کو عمل کی ترغیب دلائے بغیر مطمئن کر دیتے ہیں۔ ان کا ہر ہم مسلک یوں سمجھتا ہے کہ مرنے کی دیر ہے، بس جنت کھری ہے۔

رہا مسئلہ دستِ سوال پھیلانے اور صدقہ کرنے کا تو نبی کریم ﷺ کی پیش گوئی ہو بہو پوری ہو چکی ہے، مانگنے والوں کی کثرت ہے اور صدقہ دینے والے آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ علم، فقاہت فی الدین اور عمل پر توجہ دینی چاہیے۔ خطبا کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو علم و عمل اور اصلاح و تقوی کی بھی تعلیم دیں، جو شریعت کا اصل مقصود ہے۔

قرآن کو یاد رکھنا کیسے ممکن ہے؟

(۳۳۸)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعاً: ((إِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْآنِ: كَمَثَلِ صَاحِبِ الْإِبِلِ الْمُعَقَّلَةِ، إِنْ عَاهَدَ عَلَيْهَا أَمْسَكَهَا، وَإِنْ أَطْلَقَهَا ذَهَبَتْ۔)) (الصحيحة: ۳۵۷۷)

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک صاحب قرآن کی مثال، رسی سے بندھے ہوئے اونٹ کی طرح ہے، اگر وہ اس اونٹ کا خیال رکھتا ہے تو اسے روکے رکھے گا اور اگر اسے کھول دیتا ہے تو وہ چلا جائے گا۔''

تخریج: أخرجه البخاري: ۵۰۳۱، ومسلم: ۱/ ۱۹۰۔ ۱۹۱، والنسائي في "الصغرى": ۲/ ۱۵٤ و "الكبرى": ۱/ ۳۲۷، وابن ماجه: ۳۷۸۳، وابن حبان: ۷٦۱، ۷٦۲، ومالك: ۱/ ۲۰۲، وابن أبي شيبة: ۲/ ۵۰۰، ۱۰/ ٤۷٦، وعبدالرزاق: ۵۹۷۱، ۵۹۷۲، ٦۰۳۲، وأحمد: ۲/ ۱۷، ۲٤، ۳۰، ٦٤، والبيهقي: ۲/ ۳۹۵، والبغوي في "شرح السنة" ۱۲۲۱

شرح:...... اگر اونٹ کا مالک چاہتا ہے کہ اس کا اونٹ اس کے پاس رہے تو وہ اس پر کڑی نظر رکھے اور اسے باندھ کر رکھے، اگر وہ اسے کھول دے گا تو وہ بھاگ جائے گا اور اس کو تلاش کرنا اور پکڑنا مشکل ہو جائے گا۔

اسی طرح جو صاحبِ قرآن، اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو برقرار رکھنا چاہتا ہے، وہ اس کی دیکھ بھال کرے، جس کی صرف ایک صورت ہے کہ پابندی کے ساتھ اس کی تلاوت جاری رکھے، تاکہ اس کی زبان آسانی و روانی کے ساتھ لفظوں کی ادائیگی کر سکے اور سینے میں محفوظ رہ سکے۔

صاحبِ قرآن سے مراد اس کتاب کی تلاوت کرنے والا شخص ہے، وہ دیکھ کر تلاوت کرتا ہو یا زبانی۔ جب ناظرہ

قرآن مجید پڑھنے والے اس کی تلاوت کا اہتمام نہیں کرتے تو ان کی زبان موٹی ہو جاتی ہے اور بعد میں وہ قواعد اور روانی کے ساتھ تلاوت نہیں کر پاتے، اسی طرح جو لوگ اس کتاب کا ترجمہ پڑھنے کے بعد اس کا مطالعہ جاری نہیں رکھتے تو قرآن ان کو بھول جاتا ہے۔

کتاب اللہ میں اختلاف کرنا باعثِ ہلاکت ہے
قرآنی آیات میں مجادلہ نہ کیا جائے

(۳۳۹)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: هَجَرْتُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَوْماً قَالَ:فَسَمِعَ أَصْوَاتَ رَجُلَيْنِ اخْتَلَفَا فِي آيَةٍ، فَخَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ يُعْرَفُ فِي وَجْهِهِ الْغَضَبُ فَقَالَ: ((إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ: بِاخْتِلَافِهِمْ فِي الْكِتَابِ۔)) (الصحيحة: ۳۵۷۸)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں ایک دن دوپہر کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا، آپ نے دو آدمیوں کی آوازیں سنیں، جو ایک آیت کی بابت اختلاف میں پڑے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، آپ کے چہرے سے غیظ وغضب کا پتہ چل رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم سے پہلے والے لوگ اس بنا پر ہلاک ہو گئے کہ وہ کتاب میں اختلاف کرتے تھے۔''

تخريج: رواه مسلم: ۷/ ۵۷، والنسائي في"الكبرى": ۸۰۹۵، وأحمد: ۲/ ۱۹۲، والآجري في"الشريعة": صـ ۶۷

شرح:...... مجتہدین میں اختلافِ رائے تو یقینی ہے، اس حدیث میں مذکورہ اختلاف سے مراد اس کی ناجائز صورت ہے یا ایسا اختلاف مراد ہے، جو ناجائز صورت تک پہنچا دیتا ہے، جیسے نفس قرآن کے بارے میں اختلاف کرنا یا ایسے معنی میں اختلاف کرنا جس میں سرے سے اجتہاد ہی جائز نہ ہو یا ایسا اختلاف جو شک و شبہ اور فتنہ وفساد کا باعث بنے۔

(۳۴۰)۔ عَنِ النَّوَاسِ بْنِ سَمْعَانَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لَا تُجَادِلُوْا بِالْقُرْآنِ، وَلَا تُكَذِّبُوْا كِتَابَ اللّٰهِ بَعْضَهُ بِبَعْضٍ، فَوَاللّٰهِ! إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُجَادِلُ بِالْقُرْآنِ فَيُغْلَبُ، وَإِنَّ الْمُنَافِقَ لَيُجَادِلُ بِالْقُرْآنِ فَيَغْلِبُ۔)) (الصحيحة: ۳۴۴۷)

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''قرآن میں جھگڑا نہ کرو اور اللہ تعالی کی کتاب کے بعض حصے کو دوسرے حصے کی وجہ سے نہ جھٹلاؤ۔ اللہ کی قسم! (بسا اوقات ایسے ہوتا ہے کہ جب) مومن قرآن کے ساتھ مجادلہ کرتا ہے تو مغلوب ہو جاتا ہے اور جب منافق قرآن کے ساتھ کٹ حجتی کرتا ہے تو وہ غالب آجاتا ہے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في"مسند الشاميين": ۲/ ۷۴/ ۹۴۲

(۳۴۱)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو مَرْفُوْعًا:

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ

((لَا تُجَادِلُوْا فِي الْقُرْآنِ، فَإِنَّ جِدَالًا فِيْهِ كُفْرٌ۔)) (الصحيحة: ٢٤١٩) نے فرمایا: ''قرآن میں مت جھگڑو، کیونکہ اس میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔''

تخریج: أخرجه الطيالسي: ٢/ ٧

شرح:...... سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلْمِرَاءُ فِي الْقُرْآنِ كُفْرٌ۔)) ...... ''قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔'' (ابوداود: ٤٦٠٣)

لیکن قرآن مجید میں جھگڑا کرنے سے مراد کیا ہے؟

شارح ابودود علامہ عظیم آبادی نے کہا: قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے میں شک کرنا، یا اس موضوع پر غور وخوض کرنا کہ یہ کتاب محدَث ہے یا قدیم، یا متشابہ آیات میں مجادلانہ انداز میں بحث مباحثہ کرنا۔ ان سب امور کا نتیجہ انکار اور کفر کی صورت میں نکلتا ہے۔ یا قرآن مجید کی سات قراءت پر مناظرہ کرنا اور کسی ایک قراءت کو حق تسلیم کر لینا اور دوسری کو باطل یا تقدیر والی آیات پر غیر ضروری بحث کرنا یا ان آیات کو موضوعِ بحث بنا کر مضامینِ قرآن میں ٹکراؤ پیدا کرنا، جن کے معانی میں ظاہری طور تضاد پایا جاتا ہے۔ (عون المعبود: ۴۶۰۳ کے تحت، مفہوم پیش کیا گیا)

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابن عبد البر نے سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعد کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ دو افراد ایک آیت کے بارے میں مجادلانہ گفتگو کریں، نتیجتاً ایک اس کا انکار کر دے، یا اس کو ردّ کرے یا اس کے بارے میں شک میں پڑ جائے۔ ایسا جھگڑا کرنا کفر ہے۔ (صحیحہ: ٣٤٤٧)

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے کہا: جھگڑنے سے مراد ایک دوسرے کا ردّ کرنا ہے، مثلا ایک آدمی ایک آیت سے ایک استدلال کرتا ہے، جبکہ دوسرا آدمی کسی دوسری آیت سے اس کے الٹ استدلال کر کے اس پر ٹوٹ پڑتا ہے، حالانکہ قرآن کا مطالعہ کرنے والے کو چاہیے کہ ایسی آیات میں جمع و تطبیق کی کوئی صورت پیدا کرے، تاکہ یہ نقطہ واضح ہو جائے کہ قرآن کا بعض بعض کی تصدیق کرتا ہے، اگر وہ مختلف آیات میں موافقت پیدا نہ کر سکے تو اس کو اپنے علم وفہم کی کوتاہی سمجھے اور ان آیات کو اللہ تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾..... (سورة النساء: ٥٩)

پھر انھوں نے ایک مثال دی:

ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾...... (سورة النساء: ٧٨) ''کہہ دیجئے کہ ہر چیز اللہ تعالی کی طرف سے ہے۔''

جبکہ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَ مَآ أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ﴾...... (سورة النساء: ٧٩) ''تجھے جو بھلائی ملتی ہے، وہ اللہ تعالی کی طرف سے ہے، اور جو برائی پہنچتی ہے تو تیرے اپنے نفس کی طرف سے ہے۔''

تناقض: پہلی آیت میں ہر چیز کو اللہ تعالی کی طرف منسوب کیا گیا اور دوسری آیت میں برائی کو بندے کی طرف

منسوب کیا گیا۔

(اگر دوسری آیات، احادیث اور اجماعِ امت کو دیکھا جائے تو سب سے بہترین جمع وتطبیق یہ ہے کہ برائی بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتی ہے، لیکن یہ برائی نفس کے گناہ کی عقوبت یا اس کا بدلہ ہوتی ہے، اس لیے اس کو نفس کی طرف منسوب کیا گیا، یعنی یہ نفس کی غلطیوں کا نتیجہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ﴾ (سورۃ الشوریٰ: ۳۰) ...... ''تمھیں جو مصیبت پہنچتی ہے، وہ تمہارے اپنے عملوں کا نتیجہ ہے، اور بہت سے گناہ تو (اللہ) معاف ہی فرما دیتا ہے۔'')

لیکن اگر تقدیر کا منکر اس بات پر ڈٹ جائے کہ برائی کا خالق انسان خود ہے اور انکارِ تقدیر پر بطورِ دلیل پیش کرے، تو یہی مجادلہ ہوگا، جس سے منع کیا گیا۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۱/ ۴۹۳، مفہوم لکھا گیا ہے، بریکٹ والا پیراگراف راقم الحروف کی طرف سے بیان کیا گیا)۔

اگر کوئی مسلمان بعض آیات کو نہ سمجھ پا رہا ہو تو وہ درج ذیل حدیث کو مدنظر رکھے۔

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو سنا، وہ قرآن میں اختلاف کر رہے تھے اور ایک دوسرے کا ردّ کر رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِهٰذَا: ضَرَبُوا كِتَابَ اللّٰهِ بَعْضَهٗ بِبَعْضٍ، وَاِنَّمَا نَزَلَ كِتَابُ اللّٰهِ يَصْدُقُ بَعْضُهٗ بَعْضًا، فَلَا تُكَذِّبُوا بَعْضَهٗ بِبَعْضٍ، فَمَا عَلِمْتُمْ مِنْهُ فَقُوْلُوا، وَمَا جَهِلْتُمْ فَكِلُوْهُ اِلٰى عَالِمِهٖ۔)) ...... ''تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہو گئے کہ وہ کتاب اللہ کے بعض حصے کو اس کے دوسرے حصے سے ٹکراتے تھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اس طرح نازل ہوئی کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تصدیق کرتا ہے، پس تم اس کے ایک حصے کی وجہ سے اس کے دوسرے حصے کو نہ جھٹلاؤ۔ جتنا تم جان لو وہ بیان کرو، اور جو نہ جان سکو اس کو اس کے عالم کے سپرد کر دو۔'' (احمد، ابن ماجہ)

تعلیم قرآن کے مختلف مقاصد

(۳۴۲)۔ عَنْ أَبِی سَعِيْدٍ الْخُدْرِیِّ، أَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: ((تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ، وَسَلُوا اللّٰهَ بِهِ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَن يَتَعَلَّمَهٗ قَوْمٌ يَسْأَلُوْنَ بِهِ الدُّنْيَا، فَإِنَّ الْقُرْآنَ يَتَعَلَّمُهٗ ثَلَاثَةٌ: رَجُلٌ يُبَاهِی بِهٖ وَرَجُلٌ يَسْتَأْكِلُ بِهٖ، وَرَجُلٌ يَقْرَأُهٗ لِلّٰهِ۔)) (الصحيحة: ۲۵۸)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''قرآن کی تعلیم حاصل کرو اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرو، قبل اس کے کہ ایسے لوگ (پیدا ہوں جو) اس کی تعلیم حاصل کریں گے، لیکن اس کے ذریعے دنیا کا سوال کریں گے۔ تین قسم کے افراد قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے ہیں: وہ آدمی جو اس کے ذریعے فخر کرتا ہے، وہ آدمی جو اس کے ذریعے کھاتا ہے اور وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی تلاوت کرتا ہے۔''

تخریج: رواه ابن نصر فی"قيام الليل": ٧٤، والبغوی فی"شرح السنة": ١١٨٢

شرح:...... قرآن کی تعلیم و تعلّم کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا حصول ہونا چاہیے، اگر اس مقصد کے ساتھ ساتھ دنیوی فائدہ حاصل ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن اگر اس عظیم کتاب کو سیکھنے یا سکھانے یا کہیں پیش کرنے کا مقصد ہی دنیوی مال و دولت اور عزت و جاہ کا حصول ہو تو یقیناً یہ جرم ہو گا۔ یعنی اصل معاملہ نیت کا ہے۔

اس امت کے اگلوں میں خیر اور پچھلوں میں شرّ ہے
جنت کے خواہش مندوں کو کس حالت میں موت آنی چاہیے؟

(٣٤٣)۔ عن عبدالرحمن بن عبد رب الكعبة، قال: دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ، فَإِذَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَمْرِوبْنِ الْعَاصِ جَالِسٌ فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ، وَالنَّاسُ مُجْتَمِعُوْنَ عَلَيْهِ، فَأَتَيْتُهُمْ، فَجَلَسْتُ إِلَيْهِ، فَقَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِي سَفَرٍ، فَنَزَلْنَا مَنْزِلاً، فَمِنَّا مَن يُصْلِحُ خِبَاءَهُ، وَمِنَّا مَنْ يَنْتَضِلُ، وَمِنَّا مَنْ هُوَ فِي جَشَرَةٍ، إِذْ نَادٰى مُنَادِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ، فَاجْتَمَعْنَا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: ((إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ قَبْلِي إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ يَدُلَّ أُمَّتَهُ عَلٰى خَيْرِ مَايَعْلَمُهُ لَهُمْ، وَيُنْذِرُهُمْ شَرَّ مَا يَعْلَمُهُ لَهُمْ، وَإِنَّ أُمَّتَكُمْ هٰذِهِ جُعِلَ عَافِيَتُهَا فِي أَوَّلِهَا وَسَيُصِيْبُ آخِرَهَا بَلَاءٌ وَأُمُوْرٌ تُنْكِرُوْنَهَا، وَتَجِيْءُ فِتْنَةٌ فَيُرَقِّقُ بَعْضُهَا بَعْضاً، وَتَجِيْءُ الْفِتْنَةُ فَيَقُوْلُ الْمُؤْمِنُ: هٰذِهِ مُهْلِكَتِي، ثُمَّ تَنْكَشِفُ وَتَجِيْءُ الْفِتْنَةُ، فَيَقُوْلُ الْمُؤْمِنُ: هٰذِهِ هٰذِهِ۔ فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ وَيُدْخَلَ الْجَنَّةَ، فَلْتَأْتِهِ مَنِيَّتُهُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ

عبدالرحمٰن بن عبدِ ربِّ کعبہ کہتے ہیں: میں مسجد حرام میں داخل ہوا، وہاں کعبہ کے سائے میں سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے ارد گرد لوگ جمع تھے، میں ان کے پاس آیا اور وہاں بیٹھ گیا۔ انھوں نے کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے، ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا، کوئی اپنے خیمے کو درست کرنے لگ گیا، کوئی تیر اندازی میں مقابلہ کر رہا تھا اور کوئی جانوروں میں مصروف تھا، اچانک رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اعلان کرنے والے نے (لوگوں کو اکٹھا کرنے کے لیے) یہ آواز دی: "اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ" کی آواز دی۔ سو ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہو گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ سے پہلے ہر نبی پر حق تھا کہ اپنی امت کو ہر اس خیر و بھلائی کی تعلیم دے، جس کا اسے علم تھا اور اس کو ہر اس شرّ سے متنبہ کر دے، جس کا اس کو علم تھا، (میں یہی فریضہ ادا کرتے ہوئے کہوں گا کہ) تمہاری اس امت کے ابتدائی دور میں (سلامتی و) عافیت ہے، لیکن بعد والے دور میں (فرزندانِ امت) آزمائشوں اور ناپسندیدہ امور میں مبتلا ہو جائیں گے، فتنے نمودار ہوں گے اور (ہر بعد والا) فتنہ (اپنی شدت کی وجہ سے پہلے والے) فتنے کی سختی کو کم کر دے گا۔ ایک فتنہ ابھرے گا، اسے دیکھ کر مومن کہے گا: یہ میری ہلاکت گاہ ہو گی، لیکن وہ چھٹ جائے گا۔ دوسرا فتنہ

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَأْتِ إِلَى النَّاسِ الَّذِي يُحِبُّ أَنْ يُؤْتَى إِلَيْهِ وَمَنْ بَايَعَ إِمَاماً، فَأَعْطَاهُ صَفْقَةَ يَدِهِ، وَثَمَرَةَ قَلْبِهِ، فَلْيُطِعْهُ إِنِ اسْتَطَاعَ، فَإِنْ جَاءَ آخَرُ يُنَازِعُهُ، فَاضْرِبُوْا عُنُقَ الْآخَرِ)) وَزَادَ فِي آخِرِهِ: فَدَنَوْتُ مِنْهُ، فَقُلْتُ لَهُ: أَنْشُدُكَ اللّٰهَ: أَنْتَ سَمِعْتَ هٰذَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ؟ فَأَهْوٰى إِلٰى أُذُنَيْهِ وَقَلْبِهِ بِيَدَيْهِ، وَقَالَ: سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ، وَوَعَاهُ قَلْبِي۔ فَقُلْتُ لَهُ: هٰذَا ابْنُ عَمِّكَ مُعَاوِيَةُ يَأْمُرُنَا أَنْ تَأْكُلَ أَمْوَالَنَا بَيْنَنَا بِالْبَاطِلِ، نَقْتُلُ أَنْفُسَنَا، وَاللّٰهُ يَقُوْلُ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْماً﴾ (النساء: ٢٩) قَالَ: فَسَكَتَ سَاعَةً، ثُمَّ قَالَ: أَطِعْهُ فِي طَاعَةِ اللّٰهِ، وَاعْصِهِ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ۔)) (الصحيحة:٢٤١)

ظاہر ہوگا، مومن اسے دیکھ کر کہے گا: یہ ہے (میری ہلاکت گاہ)، یہ ہے۔ (خلاصہ یہ ہے کہ) جو یہ چاہتا ہو گا کہ اسے جہنم سے بچا لیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے، اس کی موت اس حال میں آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور لوگوں سے وہی معاملہ کرتا ہو، جو ان سے اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ جس نے کسی امام کی بیعت کی، اس کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم قرار دیا اور اس سے پکا عہد کیا اور دل سے اس سے محبت کی، تو وہ حسب استطاعت اس کی اطاعت کرے۔ اگر کوئی دوسرا (خلیفہ) اس سے اختلاف شروع کر کے (بغاوت شروع کر دے) تو اس دوسرے کا سر قلم کر دو۔'' میں (عبدالرحمن) ان کے قریب ہوا اور کہا: میں تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں! کیا تو نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے؟ انھوں نے اپنے ہاتھوں کو اپنے کانوں اور دل کے ساتھ لگایا اور کہا: میرے کانوں نے سنا اور میرے دل نے یاد کیا۔ میں نے کہا: یہ آپ کے چچا زاد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں، وہ ہمیں حکم دیتے ہیں کہ ہم لوگ اپنا مال باطل طریقے سے کھائیں اور اپنے آپ کو قتل کریں، جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اے ایمان والو! اپنے آپس کے مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ، مگر یہ کہ تمہاری آپس کی رضامندی سے خرید و فروخت ہو اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نہایت مہربان ہے۔'' (سورۂ نسا: ۲۹) یہ سن کر وہ (عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ) وہ خاموش ہو گئے اور پھر کہا: اگر وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے تو اس کی اطاعت کر اور اللہ کی نافرمانی کی صورت میں اس کی نافرمانی کر۔

تخريج: أخرجه مسلم: ٦/ ١٨، والسياق له، والنسائي: ٢/ ١٨٥، وابن ماجه: ٢/ ٤٦٦۔ ٤٦٧، وأحمد: ٢/ ١٩١

شرح: ...... امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

(۱) ((فَيُرَقِّقُ بَعْضُهَا بَعْضًا)) ......ایک فتنہ دوسرے فتنے (کی شدت) کو کم کر دے گا، اس کا مفہوم یہ ہے کہ بعد میں آنے والا فتنہ اتنا شدید ہوگا کہ اس سے پہلے والے کی سختی محسوس نہیں ہوگی۔

(۲) ((صَفْقَةَ يَدِهِ)) ...... حاکم وقت کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم قرار دینے کا معاہدہ کرے، اصل میں اس کے معانی دو ہاتھوں سے ایک دفعہ تالی بجانے کے ہیں، یہی انداز خلافت کی بیعت کے وقت ہوتا ہے کہ (آدمی خلیفہ کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر اس کی بیعت کرتا ہے)۔

(۳) ((ثَمْرَةَ قَلْبِهِ)) ...... پکا عہد اور دل کی محبت۔

(۴) ((فَاضْرِبُوا عُنُقَ الآخَرِ)) ...... دوسرے کی گردن قلم کر دو۔

امام نووی نے کہا: اس کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے خلیفہ کے موجودگی میں خلافت کا دعوی کر دینے والے دوسرے شخص کو روکو، کیونکہ وہ باغی ہے، اگر وہ باز نہ آئے تو اس سے قتال کیا جائے گا، اگر دوران قتال اسے قتل کرنا پڑ جائے تو ایسے ہی کیا جائے گا اور اس کا قتل رائیگاں جائے گا، کیونکہ وہ اس جنگ کے سلسلے میں ظالم اور حد سے بڑھ جانے والا ہے۔

اس حدیثِ مبارکہ میں کئی فوائد کا بیان ہے، سب سے اہم یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پر واجب ہے کہ آپ اپنی امت کو خیر و بھلائی کی دعوت دیں، ان کو ہدایت و رشد کا پیغام پہنچائیں اور ان کو شرّ و فساد سے باز رہنے کی تلقین کریں۔ اس فائدے میں ان لوگوں کا ردّ ہے، جو اس بات کے قائل ہیں کہ آپ ﷺ کی طرف وحی تو کی گئی تھی، لیکن آپ کو تبلیغ کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ (صحیحہ: ۲۴۱)

امام نووی نے کہا: سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تذکرے سے مقصود یہ ہے کہ جب سننے والے نے سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے پہلے خلیفے کی اطاعت اور بغاوت کرنے والے کو قتل کرنے کی حدیث سنی تو اس نے سمجھا کہ یہ وصف سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں پایا جاتا ہے، کیونکہ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا، حالانکہ پہلے ان پر بیعت لی جا چکی تھی۔ اب اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں لشکر تیار کرنا، ان کا خرچ کرنا اور ان سے لڑائی کرنا، یہ سب امور باطل انداز میں مال کھانے کی شقیں ہیں۔ اپنے آپ کو قتل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے قتال کرنا ناحق ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے جواب سے پتہ چلا کہ جو لوگ بغیر کسی اجماع اور معاہدے کے زبردستی حکمران بن جائیں، (جہاں تک اللہ تعالی کی نافرمانی نہ ہو) ان کی اطاعت واجب ہے۔ (شرح مسلم للنووی: ۲/ ۱۲۶۔ ۱۲۷) مختلف احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق تھی۔ دیکھیں "الفتن و اشراط الساعة والبعث" میں "حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے"

نبی کریم ﷺ نے جہاں فتنوں کی پیشین گوئی کی ہے، وہاں ان کے احکام سے بھی آگاہ کر دیا ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ جس ملک میں بھی رہ رہے ہیں، وہاں کی آزمائشوں اور فتنوں کو دیکھ کر شریعت سے رہنمائی حاصل کر کے اپنی آخرت کو سنوارنے کی کوشش کریں۔ ہم پاکستان میں دیکھتے ہیں کہ یہاں جو مسئلہ کھڑا ہو جائے، کوئی آزمائش آ پڑے، کوئی فتنہ ابھر آئے، کوئی شخص برسر اقتدار آ جائے، عوام کا ردّ عمل یہ ہوگا کہ وہ شکوہ کرے گی، تنقیدی تبصرہ میں اپنا وقت ضائع کرے گی، اپنے آپ کو حق بجانب اور معصوم ثابت کرنے کے لیے ایڑھی چوٹی کا زور لگائے گی۔ کوئی شخص یہ نہیں

سوچے گا کہ ہماری شریعت میں ایسے حالات کو بیان کر دیا گیا ہے اور ان کے احکام کی بھی وضاحت فرما دی گئی ہے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ مسلمان دنیا میں بھی آزمائشوں میں پڑا رہے اور آخرت میں بھی اس کو سکون نہ ملے۔

اگر کوئی آدمی کسی فتنے کو تبدیل کرنے کی طاقت رکھتا ہے تو ٹھیک، وگرنہ اپنے کام سے کام رکھے اور دنیا کے لیے ضروری امور سرانجام دینے کے بعد اپنی آخرت کو سنوارنے کی کوشش کرے۔ ایک فتنے کی مثال یہ ہے کہ الیکشن کے موقع پر جب لوگ سیاسی رہنماؤں کی خاطر دو یا زیادہ دھڑوں میں تقسیم ہوتے ہیں تو علاقے میں عجیب قسم کے فتنہ وفساد کی فضا پھیل جاتی ہے، لڑائی جھگڑے عام ہو جاتے ہیں، برادری ازم اور ذاتیات کا شیطان رقص کناں نظر آتا ہے، جانوں کو خطرات لاحق ہو جاتے ہیں، ایک امیدوار کو ووٹ نہ دینے کا نتیجہ اس کے ساتھ ہمیشہ کی دشمنی کی صورت میں نکلتا ہے۔ ایسے میں عقلمندوں اور دور اندیشوں کو کیا کرنا چاہیے، وہ خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔

فتنوں سے نجات کیسے ممکن ہے؟

(٣٤٤)۔ عَنْ أَبِي وَاقِدِ اللَّيْثِيِّ ، قَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ-وَنَحْنُ جُلُوْسٌ عَلٰى بِسَاطٍ-: ((إِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ۔))قَالُوْا: وَكَيْفَ نَفْعَلُ؟ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَرَدَّ يَدَهُ إِلَى الْبِسَاطِ وَأَمْسَكَ بِهِ، فَقَالَ : ((تَفْعَلُوْنَ هٰكَذَا۔)) وَذَكَرَ لَهُمْ يَوْماً: ((إِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ۔)) فَلَمْ يَسْمَعْهُ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ، فَقَالَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ: أَلَا تَسْمَعُوْنَ مَايَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ؟ فَقَالُوْا: مَاقَالَ؟ قَالَ: ((إِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ۔)) فَقَالُوْا: كَيْفَ لَنَا؟ يَارَسُوْلَ اللّٰه! أَوْ كَيْفَ نَصْنَعُ؟ قَالَ: ((تَرْجِعُوْنَ إِلٰى أَمْرِكُمْ الْأَوَّلِ۔)) (الصحيحة: ٣١٦٥)

حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جبکہ ہم فرش (یا چٹائی) پر بیٹھے ہوئے تھے: ”بیشک عنقریب فتنہ ہوگا۔“ صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ چٹائی کی طرف لمبا کیا اور اس کو پکڑ لیا اور فرمایا: ”اس طرح کرنا۔“ پھر ایک دن آپ ﷺ نے فرمایا: ”بیشک عنقریب فتنہ ہوگا۔“ لیکن اکثر لوگ آپ ﷺ کا ارشاد نہ سن سکے۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگو! تم سن نہیں رہے کہ رسول اللہ ﷺ کیا فرما رہے ہیں؟ انھوں نے کہا: کیا فرمایا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بیشک عنقریب فتنہ ہوگا۔“ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے کیا حکم ہے یا ہم اس وقت کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اپنے پہلے معاملے کی طرف لوٹ آنا۔“

تخريج: أخرجه الطبراني في"المعجم الكبير": ٣/ ١٨١۔ ١٨٢ و"الأوسط": ٢/ ٢٤٩/ ٨٨٤٣، و الطحاوي في "مشكل الآثار": ٢/ ٦٨

شرح:...... فتنوں کا اصل حل تو اسی میں ہے کہ اہل اسلام امرِ اول یعنی قرآن و حدیث اور خلافتِ اسلامیہ کی طرف رجوع کریں، اگر نظام کو تبدیل کرنا ناممکن ہو تو حسبِ استطاعت لوگوں کے ساتھ خیر و بھلائی کرنے کے بعد اپنی

ذات کی اصلاح پر توجہ دی جائے۔

علم والا دوسروں کو احادیث کی تعلیم دے

(٣٤٥)۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ مَرْفُوْعاً: ((إِنِّي أُحَدِّثُكُمْ بِالْحَدِيْثِ ، فَلْيُحَدِّثِ الْحَاضِرُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ۔)) (الصحيحة:١٧٢١)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تم لوگوں کو ایک حدیث بیان کرتا ہوں، حاضر لوگوں کو چاہیے کہ وہ (میری یہ بات) غیر حاضر لوگوں کو پہنچا دیں۔''

تخريج: أخرج الديلمي: ١/ ٢/ ٣١٧

شرح:...... اللہ تعالی نے اس امت کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بیان کیا گیا ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾

(سورة آل عمران: ١١٠)

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہو کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔''

اس لیے جس کے پاس خیر و بھلائی کی جو بات بھی ہو وہ اسے احسن انداز میں آگے پہنچانے کی کوشش کرے۔ چونکہ عوام الناس یہ سمجھ کر خود غافل ہو گئے ہیں کہ اس فریضے کے ذمہ دار مساجد و مدارس والے لوگ ہیں، اس لیے لوگوں کی اکثریت کو چاہتے یا نہ چاہتے ہوئے کئی برائیوں میں مبتلا ہونا پڑ گیا ہے۔

جس علم کو پھیلایا نہ جائے، اس کی مثال

(٣٤٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَثَلُ الَّذِي يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ ثُمَّ لا يُحَدِّثُ بِهِ ، كَمَثَلِ الَّذِيْ يَكْنِزُ الْكَنْزَ فَلَا يُنْفِقُ مِنْهُ۔)) (الصحيحة:٣٤٧٩)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو آدمی علم حاصل کرتا ہے، لیکن اس کو (لوگوں کے سامنے) بیان نہیں کرتا، اس کی مثال اس شخص کی سی ہے، جو خزانہ جمع کرتا رہتا ہے، لیکن اس میں سے خرچ نہیں کرتا۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط": ١/ ٢١٣/ ٦٨٩ ، وابن عبد البر في "جامع بيان العلم": ١/ ١٢٢ ، والدارمي في "سننه": ١/ ١٣٤ ، واحمد في "مسنده": ٢/ ٤٩٩

شرح:...... تبلیغ کرنے اور آپ ﷺ کی احادیث کو آگے پہنچانے کا عام حکم ہے، قرآن و حدیث کا علم حاصل کرنے کے دو مقاصد ہیں ایک، کہ آدمی اس پر عمل کرے اور دوسرا، کہ اس علم کو آگے پھیلائے۔

حرام چیزوں کے بارے میں احتیاط برتنا

(٣٤٧)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((إِنِّي لَأَنْقَلِبُ إِلٰى أَهْلِي ، فَأَجِدُ التَّمْرَةَ سَاقِطَةً

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اپنے گھر والوں کی طرف لوٹتا ہوں اور اپنے

عَلٰى فِرَاشِي، فَأَرْفَعُهَا لِآكُلَهَا، ثُمَّ أَخْشٰى أَنْ تَكُوْنَ صَدَقَةً! فَأُلْقِيْهَا.)) (الصحيحة:٣٤٥٧)

بستر پر گری پڑی کھجور پاتا ہوں، میں اسے اٹھاتا ہوں تاکہ کھا لوں، لیکن پھر یہ اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ صدقہ (کی کھجور) ہو، اس لیے میں اس کو پھینک دیتا ہوں۔“

تخريج: هو من حديث أبي هريرة، وله عنه طريقان:

الأول: همام بن منبِّه: فرواه البخاري عنه معلقا (عقب حديث ٢٠٥٥)، ووصله (٢٤٣٢)، وكذا مسلم: ١٠٨٠، وعبدالرزاق في "المصنف": (٦٩٤٤)۔ بلفظ قريب۔، وعنه أحمد: ٢/ ٣١٧۔ ضمن سرده صحيفة همام، والبيهقي في "السنن": ٥/ ٣٣٥ و"الشعب" ٥٧٤٣، والطحاوي في "شرح المعاني الآثار": ٢/ ١٠، وأبونعيم في "الحلية": ٨/ ١٨٧، والبغوي في "شرح السنة": ١٦٠٦

الثاني: أبويونس۔ مولى أبي هريرة: فرواه مسلم: ٣/ ١١٧، وابن حبان في "صحيحه": ٣٢٩٢۔ الأحسان، والبيهقي في "سننه": ٧/ ٢٩

شرح:...... سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک گری پڑی کھجور کے پاس سے گزرے اور فرمایا: ”اگر اس کے صدقہ ہونے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں اسے کھا لیتا۔“

امام بخاری نے اِس حدیث اور معلّق روایت کو اس باب میں ذکر کیا ہے: "بَابُ مَا يُنَزَّهُ مِنَ الشُّبْهَاتِ"۔

سوال یہ ہے کہ شرعی قوانین کے مطابق گھر میں یا راستے میں پڑی ہوئی معمولی چیز مباح ہوتی ہے، جب تک اس کے حرام ہونے کی دلیل واضح نہ ہو۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے شبہ کا اظہار کیوں کیا ہے؟

حافظ ابن حجر جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں: مہلب نے کہا: ممکن ہے کہ جب آپ تقسیمِ صدقات کے بعد اپنے گھر کو لوٹے ہوں تو کھجور کا کوئی دانہ آپ ﷺ کے کپڑے کے ساتھ لگ گیا اور پھر آپ ﷺ کے بستر پر گر گیا ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ یہ کھجور اپنے گھر میں موجود کسی مستحق کی طرف لے کر گئے اور اسے دینے میں تاخیر ہو گئی ہو اور اس چیز کا امکان بھی ہے کہ صدقہ کی کھجوریں تقسیم کرنے کے لیے آپ کے گھر لائی گئی ہوں اور ان میں سے کچھ بچ گئی ہوں۔ امام احمد نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ ایک رات کو آپ ﷺ بے چین رہے، آپ سے پوچھا گیا: کون سی چیز نے آپ کو بیدار رکھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے ایک گری پڑی کھجور کھا لی، پھر مجھے یاد آیا کہ میرے گھر میں تو صدقہ والی کھجوریں بھی پڑی تھیں، پھر مجھے یہ علم نہ ہو سکا کہ آیا یہ کھجور صدقے والی تھی یا ذاتی تھی، اس (فکر) نے مجھے نہ سونے دیا۔“

یہ واقعہ کوئی اور ہے، لیکن اس سے آپ محتاط ضرور ہو گئے اور جس کھانے کے بارے تردد ہوتا اسے احتیاطاً ترک کر دیتے۔ لیکن مہلب نے یہ بھی کہا کہ آپ ﷺ کا یہ کھجور نہ کھانا محض تورّع اور احتیاط کی بنا پر تھا، نہ کہ وجوب کی بنا پر، کیونکہ جو چیز گھر میں پڑی ہوتی ہے، اسے اباحت پر محمول کیا جاتا ہے۔ (تلخیص از فتح الباری: ٤/ ٣٦٩)

آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب گھر تشریف لاتے تو گھر میں موجود چیزیں کھا لیتے اور اس کے بارے میں دریافت نہ کرتے تھے، اس لیے آپ ﷺ کے پاس کوئی قرینہ یا علامت ضرور ہوگی، جس کی بنا پر یہ شبہ قوی ہو گیا کہ یہ چیز صدقے کی ہو سکتی ہے۔

اس حدیث سے مزید دو مسائل کا استنباط کیا جا سکتا ہے:

(۱) راستوں اور دوسرے مقامات میں گری پڑی معمولی چیزوں کے بارے میں اعلان کرنے کی ضرورت نہیں، جیسا کہ آپ ﷺ نے کھجور کے دانے میں اپنے شبہ کا اظہار کر دیا، لیکن یہ اعلان نہیں کیا کہ اس کا مالک کون ہے۔

(۲) اگر کسی چیز کے بارے میں کوئی شبہ پڑ جائے، جس کا کوئی قرینہ یا دلیل بھی ہو، تو ایسی چیز کو استعمال کرنے سے باز رہنا چاہیے۔ محض وسوسے کی اہمیت ہے نہ گنجائش۔

عبادات میں میانہ روی کو ترجیح دی جائے

(٣٤٨)۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ: مرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلٰی رَجُلٍ قَائِمٍ يُصَلِّي عَلٰى صَخْرَةٍ، فَأَتٰى نَاحِيَةَ مَكَّةَ، فَمَكَثَ مَلِيًّا، ثُمَّ أَقْبَلَ فَوَجَدَ الرَّجُلَ عَلٰى حَالِهِ يُصَلِّي، فَجَمَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ: ((أَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمْ بِالْقَصْدِ، فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا۔)) (الصحيحة: ١٧٦٠)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ایک آدمی کے پاس سے گزرے، وہ ایک چٹان پر کھڑا ہو کر نماز پڑھ رہا تھا، آپ ﷺ مکہ کی ایک طرف چلے گئے، وہاں کچھ دیر ٹھہرے اور پھر واپس آ گئے، آپ ﷺ نے اس آدمی کو اسی حالت میں نماز پڑھتے ہوئے پایا، آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ جمع کیے اور فرمایا: ''لوگو! میانہ روی کو اختیار کرو، کیونکہ اللہ تعالی اس وقت تک نہیں اکتاتا، جب تک تم نہیں اکتا جاتے۔''

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ٤٢٤١، وأبويعلي: ٢/ ٤٩٧، وابن حبان: ٦٥١

شرح:...... عبادات فرضی ہوں یا نفلی، شریعت نے یا تو ان کی حد مقرر کر دی ہے یا ان کے بارے میں عام قوانین وضع کر دیے ہیں، تا کہ کوئی عبادت گزار شریعت کی منشا سے آگے گزرنے کی کوشش نہ کر سکے، کیونکہ طاقت سے زیادہ عبادت کرنے میں یہ اندیشہ ہے کہ چند روز کے بعد انسان اکتا جائے گا اور عبادت بالکل چھوڑ بیٹھے گا۔

عوام الناس کو یہ نقطہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام خود بھی طویل قیام کرتے تھے اور آپ ﷺ نے قولی احادیث میں لمبے قیام کی فضیلت اور ترغیب بھی بیان کی ہے، بالخصوص انفرادی نمازوں میں۔ اس لیے اس حدیث میں جس کیفیت سے منع کیا جا رہا ہے، یہ ہماری طاقت سے بڑھ کر ہے۔ اس حدیث کا یہ معنی نہیں کہ ہم فرضی نمازوں کو انتہائی مختصر کر دیں اور نفلی نماز ترک کر دیں۔

امام نووی نے کہا ہے کہ اللہ تعالی کے اکتانے یا نہ اکتانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اعمال پر اجر و ثواب سے نوازتا رہتا

ہے، لیکن جب کوئی آدمی نیک عمل کرنے سے اکتا جاتا ہے تو اللہ تعالی اس کو ثواب دینا بند کر دیتا ہے، اس کو اللہ تعالی کے اکتانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (ریاض الصالحین)

(۳۴۹)۔ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِی أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لَا تُشَدِّدُوْا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ قَبْلَكُمْ بِتَشْدِيْدِهِمْ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ، وَسَتَجِدُوْنَ بَقَايَاهُمْ فِي الصَّوَامِعِ وَالدِّيَارَاتِ۔)) (الصحيحة: ۳۱۲۴)

سہل بن ابوامامہ بن سہل بن حنیف اپنے باپ اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''(دین کے معاملے میں) اپنے آپ پر سختی مت کرو، کیونکہ تم سے پہلے والے لوگ اپنے نفسوں پر سختیاں کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ اب بھی تم ایسے لوگوں کے باقی ماندہ کو گرجا گھروں اور راہبوں کی خانقاہوں میں دیکھ سکتے ہو۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "التاريخ": ۲/ ۲/ ۹۷، والطبرانی فی "المعجم الكبير": ۶/ ۸۸/ ۵۵۵۱، فی "الاوسط": ۱/ ۱۷۴/ ۲/ ۳۲۳۰، والبيهقی فی "شعب الايمان": ۳/ ۴۰۱/ ۳۸۸۴

شرح:...... ''دین کے معاملے میں اپنے آپ پر سختی مت کرو'' کا معنی یہ ہے کہ مشقت والے اعمال شروع نہ کر دو، جیسے ساری رات قیام کرنا، تسلسل کے ساتھ روزے رکھنے اور عورتوں سے جدائی اختیار کرنا۔ اگر تم نے اس طرح کیا کہ تو اللہ تعالی یہی اعمال تم پر فرض کر دے گا، جن کی وجہ سے یا تو تم شدت میں پڑ جاؤ گے یا پھر اپنے ضعف کی وجہ سے مکمل ادائیگی نہ کر سکو گے۔

غیر مسلموں کی زبانیں سیکھنی چاہئیں

(۳۵۰)۔ عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِيْنَةَ، أُتِيَ بِي إِلَيْهِ، فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ، فَقَالَ لِي: ((تَعَلَّمْ كِتَابَ الْيَهُوْدِ، فَإِنِّي لَا آمَنُهُمْ عَلٰى كِتَابِنَا۔)) قَالَ: فَمَا مَرَّ بِي خَمْسَ عَشْرَةَ، حَتّٰى تَعَلَّمْتُهُ، فَكُنْتُ أَكْتُبُ لِلنَّبِيِّ ﷺ وَأَقْرَأُ كُتُبَهُمْ إِلَيْهِ۔ (الصحيحة: ۱۸۷)

خارجہ بن زید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو مجھے آپ کے پاس لایا گیا، میں نے آپ کو کچھ چیزیں پڑھ کر سنائیں۔ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''تم یہودیوں کا رسم الخط سیکھو، کیونکہ میں اپنے خطوط کے سلسلے میں ان پر مطمئن نہیں ہوں۔'' ابھی تک پندرہ روز نہیں گزرے تھے کہ میں نے ان کا خط سیکھ لیا۔ پھر میں آپ ﷺ کے (خطوط) لکھتا تھا اور ان کے خطوط آپ کو پڑھ کر سناتا تھا۔''

تخريج: رواه أبوداود: ۳۶۴۵، والترمذی: ۲/ ۱۱۹، والحاكم: ۱/ ۷۵، وصححه، وأحمد: ۵/ ۱۸۶، والفاكهی فی "حديثه": ۱/ ۱۴/ ۲

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: درج ذیل حدیث لوگوں کے ہاں معروف ہے: ((مَنْ تَعَلَّمَ لِسَانَ قَوْمٍ، اَمِنَ مِنْ مَكْرِهِمْ۔)) ......''جو جس قوم کی زبان سیکھ لے گا، وہ ان کے مکر سے محفوظ رہے گا۔''

یہ حدیث اگرچہ درج بالا حدیث کے ہم معنی ہے، لیکن مجھے اس کی اصل کا علم نہ ہو سکا کہ یہ کہاں ہے، جن اہل علم نے لوگوں کے ہاں مشہور روایات کو جمع کیا، وہ بھی اس کا ذکر نہ کر سکے، شاید یہ حدیث ان کے بعد مشہور ہوئی ہو۔ (صحیحه : ۱۸۷)

اگر کوئی اہم مقصد ہو تو کوئی بھی زبان سیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر اہل زبان برے ہوں تو اس سے زبان کی اہمیت میں کوئی کمی نہیں آتی۔

نسب کا علم صلہ رحمی میں معاون ثابت ہوتا ہے

(۳۵۱)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوعاً: ((تَعَلَّمُوا مِنْ أَنْسَابِكُمْ مَاتَصِلُوْنَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ، فَإِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِي الْأَهْلِ، مَثْرَاةٌ فِي الْمَالِ، مَنْسَأَةٌ فِي الْأَثَرِ۔)) (الصحيحة:۲۷٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے نسبوں کے بارے میں اتنا علم تو حاصل کر لو کہ جس کے ذریعے آپس میں صلہ رحمی اختیار کر سکو، کیونکہ صلہ رحمی سے قرابتداروں میں محبت پیدا ہوتی ہے، مال میں برکت ہوتی ہے اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ١/ ٣٥٧۔٣٥٨، والحاكم: ٤/ ١٦١، وأحمد: ٢/ ٣٧٤، والسمعاني في "الأنساب": ١/ ٥

شرح:...... ویسے تو اسلام کا رشتہ سب سے مضبوط ہے، بہر حال نسب کی بھی بڑی اہمیت ہے اور آدمی طبعاً نسب کی طرف بہت زیادہ میلان رکھتا ہے۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نسب کا علم حاصل کرنے کی تلقین کی ہے، تاکہ رشتہ داروں کے درجۂ قرابت اور قوتِ قرابت کا علم ہو سکے، اسی درجے کو دیکھ کر آدمی ان کا قرب حاصل کرتا ہے اور ان پر شفقت کرتا ہے اور ان کے ساتھ احسان کرتا ہے۔

صلہ رحمی کی وجہ سے عمر میں اضافہ ہونا، یہ کیسے ممکن ہے، کیونکہ ہر ایک کی تاریخ وفات کا فیصلہ ہو چکا ہے؟ اس کے تین جوابات ہیں:

(۱) عمر میں اضافے سے مراد برکت کا حصول، عمل کی توفیق اور عمر کا ضائع نہ ہونا ہے۔ ان تین امور کی وجہ سے آدمی اپنی تھوڑی زندگی میں اتنا توشۂ آخرت تیار کر لیتا ہے کہ طویل عمریں پانے والے بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ایسی صورت کو کہا جا سکتا ہے کہ زندگی میں اضافہ ہو گیا ہے۔

(۲) عمر میں اضافے سے مراد اس شخص کے ذکر جمیل کا باقی رہنا ہے، یعنی صلہ رحمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو دوسرے لوگوں میں نیک مشہور کر دیتا ہے، اس طرح عرصۂ دراز تک اس کی نیک نامی کا چرچا رہتا ہے۔

(۳) دوسرے اسباب کی طرح صلہ رحمی بھی طویل زندگی کا ایک سبب ہے، اللہ تعالی جس شخص کو لمبی زندگی عطا کرنا چاہتا ہے تو اسے صلہ رحمی کی توفیق دیتا ہے، لیکن یہ اضافہ مخلوق کے اعتبار سے ہے، رہا اللہ تعالی کے علم کا مسئلہ تو اس میں کوئی کمی بیشی واقع نہیں ہوتی۔ اس کی مثال ایسے ہی جیسے شفا کو زندگی کا سبب سمجھا جاتا ہے۔

بنواسرائیل کا حیران کن اور سبق آموز واقعہ

(۳۵۲)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((حَدِّثُوْا عَنْ بَنِی إِسْرَائِیْلَ وَلَا حَرَجَ، فَإِنَّهُ كَانَتْ فِیْهِمُ الْأَعَاجِیْبُ۔)) ثُمَّ أَنْشَأَ یُحَدِّثُ، قَالَ: ((خَرَجَتْ طَائِفَةٌ مِنْ بَنِی إِسْرَائِیْلَ حَتّٰی أَتَوْا مَقْبَرَةً لَهُمْ مِنْ مَقَابِرِهِمْ، فَقَالُوْا: لَوْ صَلَّیْنَا رَكْعَتَیْنِ، وَدَعَوْنَا اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ أَنْ یُخْرِجَ لَنَا رَجُلاً مِمَّنْ قَدْ مَاتَ نَسْأَلُهُ عَنِ الْمَوْتِ، قَالَ: فَفَعَلُوْا، فَبَیْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ إِذْ أَطْلَعَ رَجُلٌ رَأْسَهُ مِنْ قَبْرٍ مِنْ تِلْكَ الْمَقَابِرِ، خِلَاسِیٌّ، بَیْنَ عَیْنَیْهِ أَثَرُ السُّجُوْدِ فَقَالَ: یَاهٰؤُلَاءِ مَاأَرَدْتُمْ إِلَیَّ؟ فَقَدْ مُتُّ مُنْذُ مِئَةِ سَنَةٍ، فَمَا سَكَنَتْ عَنِّی حَرَارَةُ الْمَوْتِ حَتّٰی كَانَ الْآنَ، فَادْعُوْا اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لِی یُعِیْدُنِی كَمَا كُنْتُ۔))

(الصحیحة:۲۹۲۶)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بنواسرائیل سے (ان کی روایات) بیان کر سکتے ہو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ ان میں کچھ انوکھے امور بھی پائے جاتے ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے خود فرمایا: ''بنواسرائیل کا ایک گروہ نکلا، وہ اپنے ایک قبرستان کے پاس سے گزرا، وہ کہنے لگے: اگر ہم دو رکعت نماز پڑھیں اور اللہ تعالی سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لیے کسی مردہ کو (زندہ کر کے اسے اس کی قبر) سے نکالے، تاکہ ہم اس سے موت کے بارے میں دریافت کر سکیں۔ پس انھوں نے ایسے ہی کیا، وہ اس طرح کر رہے تھے کہ ایک گندمی رنگ کے آدمی نے قبر سے اپنا سر نکالا، اس کی پیشانی پر سجدوں کا نشان تھا، اس نے کہا: اوئے! تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ میں آج سے سو سال پہلے مرا تھا، لیکن ابھی تک موت کی حرارت ختم نہیں ہوئی، اب اللہ تعالی سے دعا کرو کہ وہ مجھے اسی حالت میں لوٹا دے، جس میں میں تھا۔''

تخریج: أخرجه أحمد في"الزهد": ١٦ـ ١٧، وابن أبي شيبة في"المصنف": ٩/ ٦٢ دون القصة، وكذا البزار في"مسنده": ١/ ١٠٨/ ١٩٢ـ كشف الأستار

شرح:...... اس حدیث کا اصل موضوع فکر آخرت ہے، کہ سو سال تک موت کی حرارت ختم نہیں ہوئی۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بنواسرائیل سے ان کی روایات لی جا سکتی ہے، لیکن نہ ان کی تصدیق کی جائے اور نہ تکذیب۔

متن کے لفظ "خـلاسی" کے معانی: گندمی رنگ والا، نیز خلاسی ایسے بچے کو کہتے ہیں جس کے والدین میں سے

ایک کا رنگ سفید اور دوسرے کا کالا ہے۔

بنو اسرائیل سے ان کی احادیث بیان کرنا

(٣٥٣)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَؤُوْنَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَيُفَسِّرُوْنَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا تُصَدِّقُوْا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ، وَقُوْلُوْا: آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ۔)) (الصحيحة: ٤٢٢)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب عبرانی زبان میں تورات پڑھتے تھے اور اہل اسلام کے لیے اس کی تفسیر عربی زبان میں پیش کرتے تھے۔ (یہ صورتحال دیکھ کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”نہ اہل کتاب کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب، بلکہ یہ کہہ دیا کرو: ہم اللہ تعالی پر ایمان لائے اور اس (شریعت) پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی تھی۔“

تخريج: أخرجه البخاري: ٨/ ١٣٨، ١٣/ ٣٨٥ و٤٤٢

(٣٥٤)۔ عَنِ ابْنِ أَبِي نَمْلَةَ عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ دَخَلَ عَلَيْهِ رَجُلٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ أَتَكَلَّمُ هٰذِهِ الْجَنَازَةُ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اَللّٰهُ أَعْلَمُ۔ فَقَالَ الْيَهُوْدِيُّ: أَنَا أَشْهَدُ أَنَّهَا تُكَلَّمُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((مَا حَدَّثَكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ فَلَا تُصَدِّقُوْهُمْ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ، وَقُوْلُوْا: آمَنَّا بِاللّٰهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ، فَإِنْ كَانَ حَقًّا لَمْ تُكَذِّبُوْهُمْ، وَإِنْ كَانَ بَاطِلًا لَمْ تُصَدِّقُوْهُمْ۔)) (الصحيحة: ٢٨٠٠)

ابن ابی نملہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میں نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ایک یہودی آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے محمد! کیا اس میت سے کلام کی جاتی ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالی ہی بہتر جانتے ہیں۔“ اس یہودی نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اس سے کلام کی جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جب اہل کتاب تم کو کوئی بات بیان کریں تو ان کی تصدیق کیا کرو نہ تکذیب، بلکہ کہا کرو: ہم اللہ تعالی، اس کی کتابوں اور رسولوں پر ایمان لائے ہیں، اگر ان کی بات سچ ہوئی تو تم نے اس کی تکذیب نہیں کی اور اگر وہ بات باطل ہوئی تو تم نے اس کی تصدیق نہیں کی۔“

تخريج: أخرجه أبو داود: ٢/ ١٢٤، وعبد الرزاق في ”المصنف“: ٢٠٠٥٩، وابن حبان: ١١٠، والدولابي في ”الكنى“: ١/ ٥٨، والبيهقي: ٢/ ١٠، وفي ”الشعب“: ٢/ ٩٩/ ١، وأحمد: ٤/ ١٣٦، وابن منده في ”المعرفة“: ٢/ ٢٦٦/ ٢

(٣٥٥)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((حَدِّثُوْا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيْلَ وَلَا حَرَجَ، فَإِنَّهُ كَانَتْ فِيْهِمُ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بنو اسرائیل سے (ان کی روایات) بیان کر سکتے ہو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ ان میں کچھ

الْأَعَاجِيْبُ.)) ثُمَّ أَنْشَأَ يُحَدِّثُ، قَالَ: ((خَرَجَتْ طَائِفَةٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيْلَ حَتَّى أَتَوْا مَقْبَرَةً لَّهُمْ مِنْ مَقَابِرِهِمْ، فَقَالُوْا: لَوْ صَلَّيْنَا رَكْعَتَيْنِ، وَدَعَوْنَا اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ أَن يُخْرِجَ لَنَا رَجُلاً مِمَّنْ قَدْ مَاتَ نَسْأَلُهُ عَنِ الْمَوْتِ، قَالَ: فَفَعَلُوْا، فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ إِذْ أَطْلَعَ رَجُلٌ رَأْسَهُ مِنْ قَبْرٍ مِنْ تِلْكَ الْمَقَابِرِ، خِلَاسِيٌّ، بَيْنَ عَيْنَيْهِ أَثَرُ السُّجُوْدِ فَقَالَ: يَاهٰؤُلَاءِ مَاأَرَدتُّمْ إِلَيَّ؟ فَقَدْ مُتُّ مُنْذُ مِئَةِ سَنَةٍ، فَمَا سَكَنَتْ عَنِّي حَرَارَةُ الْمَوْتِ حَتّٰى كَانَ الآنَ، فَادْعُوْا اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لِي يُعِيْدُنِي كَمَا كُنْتُ.))

(الصحيحة:٢٩٢٦)

انوکھے امور بھی پائے جاتے ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے خود فرمایا: ''بنو اسرائیل کا ایک گروہ نکلا، وہ اپنے ایک قبرستان کے پاس سے گزرا، وہ کہنے لگے: اگر ہم دو رکعت نماز پڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لیے کسی مردہ کو (زندہ کر کے اسے اس کی قبر) سے نکالے، تاکہ ہم اس سے موت کے بارے میں دریافت کر سکیں۔ پس انھوں نے ایسے ہی کیا، وہ اس طرح کر رہے تھے کہ ایک گندمی رنگ کے آدمی نے قبر سے اپنا سر نکالا، اس کی پیشانی پر سجدوں کا نشان تھا، اس نے کہا: اوئے! تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ میں آج سے سو سال پہلے مرا تھا، لیکن ابھی تک موت کی حرارت ختم نہیں ہوئی، اب اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ مجھے اسی حالت میں لوٹا دے، جس میں میں تھا۔''

تخریج: أخرجه أحمد في "الزهد": ١٦۔١٧، وابن أبي شيبة في "المصنف": ٩/ ٦٢ دون القصة، وكذا البزار في "مسنده": ١/ ١٠٨/ ١٩٢۔ كشف الأستار

شرح:...... معلوم ہوا کہ بنو اسرائیل کی روایات بیان کی جا سکتی ہے، لیکن ان کی تصدیق کرنی چاہیے نہ تکذیب، کیونکہ ان کی روایات کا حق ہونا یا باطل ہونا ممکن ہے۔ لیکن اگر قرآن و حدیث میں ان کی کسی روایت کی تصدیق کر دی گئی ہو تو اس کی ہر حال میں تصدیق کی جائے گی اور اگر تکذیب کر دی گئی ہو تو بہرصورت تکذیب کی جائے گی۔

ہجرت و جہاد کے بغیر بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت ممکن ہے، لیکن......

(٣٥٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: أَتَى نَفَرٌ مِّنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: فَقَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ أَهْلَ قُرْآنٍ زَعَمُوْا أَنَّهُ لَايَنْفَعُ عَمَلٌ دُوْنَ الْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((حَيْثُمَا كُنْتُمْ، فَأَحْسَنْتُمْ عِبَادَةَ اللّٰهِ، فَأَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ.)) (الصحيحة: ٣١٤٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دیہاتی لوگوں کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہا: اے اللہ کے رسول! اہلِ قرآن کا خیال ہے کہ جب تک ہجرت اور راہِ خدا میں جہاد نہ کیا جائے، اس وقت تک کوئی عمل فائدہ نہیں دیتا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم جہاں کہیں بھی ہوئے، اگر اچھے انداز میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے، تو جنت کی وجہ سے خوش ہو جاؤ۔''

تخریج: أخرجه الدولابي في "الكنى": ١/ ١٧٩، والبيهقي: ٩/ ١٧

شرح:...... ہجرت کا حکم باقی ہے اور بلادِ کفر سے بلادِ اسلام کی طرف ہجرت کرنا ضروری ہے، اگرچہ دیارِ اسلام کے حکمران اسلامی احکام کے پابند ہوں یا ان سے منحرف، کیونکہ اسلامی ممالک جیسے بھی ہوں، بہرحال کردار سازی، دین داری اور اخلاقی پہلو میں کفرگاہوں سے بہتر ہوں گے۔ اس پر تفصیلی بحث "الْإِيْمَانُ وَالتَّوْحِيْدُ وَالدِّيْنُ وَالْقَدْر" میں ''ہجرت کا حکم باقی ہے'' کے عنوان کے تحت موجود ہے، اسی طرح جہاد کا حکم بھی باقی ہے، بوقتِ ضرورت اس کو اپنانا ضروری ہے۔

ظاہری بات تو یہی ہے کہ ان لوگوں کا علاقہ دار الاسلام تھا، اس لیے ہجرت کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی، یا پھر یہ کوئی نو مسلم تھے، مناسب یہی سمجھا گیا کہ ان کو اپنے علاقے میں ہی رہنے کی اجازت دی جائے۔

لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والے کی فضیلت

(٣٥٧)۔ عَنْ عَائِشَةَ مَرْفُوْعاً: ((اَلْخَلْقُ كُلُّهُمْ يُصَلُّوْنَ عَلٰى مُعَلِّمِ الْخَيْرِ حَتّٰى حِيْتَانُ الْبَحْرِ۔)) (الصحيحة: ١٨٥٢)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ساری کی ساری مخلوق (لوگوں کو) خیر و بھلائی کی تعلیم دینے والے رحمت کی دعا کرتی ہے، حتی کہ سمندر کی مچھلیاں بھی۔''

تخریج: رواه ابن عدي: ٦٤/ ١، وعنه الجرجاني: صـ ٢٢، والديلمي: ٢/ ١٣٦

(٣٥٨)۔ عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مُعَلِّمُ الْخَيْرِ يَسْتَغْفِرُ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ حَتَّى الْحِيْتَانُ فِي الْبِحَارِ۔)) (الصحيحة: ٣٠٢٤)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سمندروں کی مچھلیوں سمیت ہر چیز خیر و بھلائی کی تعلیم دینے والے کے لیے بخشش طلب کرتی ہے۔''

تخریج: أخرجه الطبراني في "الأوسط" ٢/ ٨٥/ ١/ ٦٣٥٥

شرح:...... ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (سورۂ حم السجده: ٣٣) ......''اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں۔''

اس دنیا میں سب سے بڑا اور عظیم منصب یہ ہے کہ لوگوں کو خیر و بھلائی کی تعلیم دی جائے۔ نماز روزے اور دوسرے ارکان اسلام کی تعلیم اور عملی ترغیب دینا، لوگوں کو قرآن و حدیث کی تعلیم دینا، حافظ قرآن پیدا کرنا، لوگوں کی مشکلات کو شریعت کی روشنی میں حل کرنا۔ دنیا کے سب عہدے اس وقت تک ہیں، جب تک عہدیدار زندہ ہے، لیکن لوگوں کو خیر و بھلائی کی تعلیم دینے والا عہدے دار دنیائے فانی سے کوچ کر جائے گا، لیکن اس کا کام اور نام تادیر زندہ رہے گا۔ دنیا میں

نیکی کے جتنے کام ہو رہے ہیں، وہ خیر و بھلائی کی تعلیم دینے والوں کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔

طلبۂ حدیث کی فضیلت

(۳۵۹)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: حَدَّثَ صَفْوَانُ بْنُ عَسَّالٍ الْمُرَادِيُّ قَالَ: أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَهُوَ مُتَّكِئٌ فِي الْمَسْجِدِ عَلٰى بُرْدٍ لَّهُ أَحْمَرُ فَقُلْتُ لَهُ: يَارَسُوْلَ اللّٰه ﷺ! إِنِّي جِئْتُ أَطْلُبُ الْعِلْمَ، فَقَالَ: ((مَرْحَباً بِطَالِبِ الْعِلْمِ، إِنَّ طَالِبَ الْعِلْمِ لَتَحُفُّهُ الْمَلَائِكَةُ وَتُظِلُّهُ بِأَجْنِحَتِهَا، ثُمَّ يَرْكَبُ بَعْضُهُمْ بَعْضاً، حَتّٰى يَبْلُغُوا السَّمَاءَ الدُّنْيَا، مِنْ حُبِّهِمْ لِمَا يَطْلُبُ۔)) قَالَ: قَالَ صَفْوَانُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! لَا نَزَالُ نُسَافِرُ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ، فَأَفْتِنَا عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ۔ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ لِلْمُسَافِرِ، وَيَوْمٌ وَلَيْلَةٌ لِلْمُقِيْمِ۔)) (الصحيحة:۳۳۹۷)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت صفوان بن عسال مرادی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ اپنی سرخ چادر پر ٹیک لگائے مسجد میں تشریف فرما تھے، میں آپ ﷺ کے پاس گیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں حصول علم کے لیے آپ کے پاس آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''طالب علم کو مرحبا، بیشک فرشتے طالب علم کو گھیر لیتے ہیں اور اس پر اپنے پروں سے سایہ کرتے ہیں اور (کثرتِ تعداد کی وجہ سے) ایک دوسرے پر سوار ہوتے ہوتے آسمانِ دنیا تک پہنچ جاتے ہیں، کیونکہ وہ اس چیز سے محبت کرتے ہیں، جس کو طالب علم حاصل کر رہا ہوتا ہے۔'' حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے مابین سفر میں ہی رہتے ہیں، آپ ہمیں موزوں پر مسح کرنے کے بارے فتوی دے دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسافر کے لیے تین دن اور مقیم کے لیے ایک دن اور رات (تک مسح کرنے کی گنجائش ہے)۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ۸/ ٦٤/ ۷۳٤۷، و ابن عدي في "الكامل": ٦/ ۳۳۱، وابن عبدالبر في "جامع بيان العلم": ۱/ ۳۲، واحمد: ٤/ ۲۳۹

شرح:...... اس میں طلبۂ حدیث کی فضیلت کا بیان ہے، اللہ تعالی خلوص سے نواز دے۔

طلبۂ حدیث کے حق میں نبوی وصیت

(۳٦۰)۔ عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ قَالَ: مَرْحَباً بِوَصِيَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُوْصِيْنَا بِكُمْ، يَعْنِي طَلَبَةَ الْحَدِيْثِ۔ (الصحيحة: ۲۸۰)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے تھے: (ہم) رسول اللہ ﷺ کی وصیت کو مرحبا (کہتے ہیں)۔ رسول اللہ ﷺ ہمیں تمہارے بارے میں وصیت کرتے تھے۔ ان کی مراد حدیث کے طلبہ تھے۔

تخريج: أخرجه تمام في "الفوائد": ۱/ ٤/ ۲۔نسخة الحافظ عبدالغني المقدسي، وابو بكر بن ابي علي

فی "الاربعین": ق ۱۱۷/ ۱، والرامھرمزی فی "الفاصل بین الراوی والواعی" ق ۵/ ۲، والحاکم: ۱/ ۸۸

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے شواہد کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا: جب سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نوجوانوں کو دیکھتے تو کہتے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کی وجہ سے مرحبا، ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم تم لوگوں کو حدیث یاد کروائیں اور تمہارے لیے مجالس کو وسیع کر دیں۔ (اخرجه الرامهرمزی)

شہر بن حوشب کی روایت میں یہ زیادتی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فقہ حاصل کرنے کے لیے تمہارے پاس لوگ آئیں، سوان کو فقیہ بنانا اوران کو اچھی تعلیم دینا۔ (اخرجه عبد الله بن وهب في المسند: ۸/ ۱٦۷/ ۲) وعبد الغنی المقدسی فی کتاب العلم: ۵۰/ ۱)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''طلبِ علم کے لیے لوگ تمہارے پاس آئیں گے، پس ان کو مرحبا کہنا، ان کو خوشخبریاں سنانا اور ان سے اچھی طرح بات کرنا'' (اخرجه الرامهرمزی وفيه رجل لم يسم و زنبور متروك والعمدة على ما تقدم) (دیکھیں: صحیحه: ۲۸۰)

اس حدیث سے طلبۂ حدیث کے مقام و مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے، مدارس کے متعلقہ لوگوں کو ان احادیث کا خیال رکھتے ہوئے طلبا کا احترام کرنا چاہیے۔

فقاہت فی الدین کن لوگوں کی صفت ہے؟

(۳٦۱)۔ عَنْ يُونُسَ بْنِ مَيْسَرَةَ بْنِ حَلْبَسٍ، أَنَّهُ حَدَّثَهُ قَالَ: سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلْخَيْرُ عَادَةٌ، وَالشَّرُّ لَجَاجَةٌ، وَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْراً يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ۔)) (الصحيحة: ٦۵۱)

یونس بن میسرہ بن حلبس بیان کرتے ہیں کہ اس نے حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو بیان کرتے ہوئے سنا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خیر و بھلائی فطری چیز ہے اور شر و فساد تکلف ہے، اور اللہ تعالیٰ جس فرد کے بارے میں خیر و بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں، اسے دین میں فقاہت عطا کر دیتے ہیں۔''

تخریج: أخرجه ابن ماجه: ۱/ ۹۵-۹٦، والطبرانی فی "المعجم الكبير": ۱۹/ ۳۸۵/ ۹۰٤، والفقرة الثانية متفق على صحتها بين الشيخين من حديث معاوية

(۳٦۲)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعاً: ((مَن يُرِدُاللّٰهُ بِهِ خَيْراً يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ۔)) (الصحيحة: ۱۱۹٤)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر و بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں، اس کو دین میں فقاہت عطا کرتے ہیں۔''

تخریج: أخرجه الترمذي: ۲/ ۱۰۸، والدارمي: ۱/ ۷٤

(۳٦۳)۔ عَنْ حُمَيْدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ

حمید سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت معاویہ

مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ خَطِيباً يَقُوْلُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْراً يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ، وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِي، وَلَنْ تَزَالَ هٰذِهِ الْأُمَّةُ قَائِمَةً عَلَى أَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ۔)) (الصحيحة:١١٩٥)

بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، وہ کہہ رہے تھے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالی جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتے ہیں، اس کو دین میں فقاہت عطا کرتے ہیں، میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں، عطا کرنے والا تو اللہ تعالی ہے۔ میری امت (کی ایک جماعت) ہمیشہ اللہ تعالی کے حکم پر قائم رہے گی، ان کی مخالفت کرنے والے ان کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالی کا حکم آجائے گا۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ١/ ٢٥، ٢٦، ٤/ ٤٩، ٨/ ١٤٩، والطحاوي في "المشكل" ٢/ ٢٧٨، وأخرجه أحمد: ٤/ ٩٣، ومسلم: ٦/ ٥٣

(٣٦٤)۔ عَنْ مَعْبَدٍ الْجُهَنِيِّ، قَالَ: كَانَ مُعَاوِيَةُ قَلَّمَا يُحَدِّثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ شَيْئًا وَيَقُوْلُ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ قَلَّمَا يَدَعُهُنَّ أَوْ يُحَدِّثُ بِهِنَّ فِي الْجُمَعِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْراً يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ، وَإِنَّ هٰذَا الْمَالَ حُلْوٌ خُضْرٌ فَمَنْ يَأْخُذُهُ بِحَقِّهِ يُبَارَكُ لَهُ فِيْهِ، وَإِيَّاكُمْ وَالتَّمَادُحَ، فَإِنَّهُ الذَّبْحُ۔)) (الصحيحة:١١٩٦)

معبد جہنی کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے کم احادیث بیان کرتے تھے، اور ان کلمات کو تو کم ہی چھوڑتے تھے (یا راوی نے کہا کہ) جمعہ کے خطبوں میں بیان کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالی جس کے ساتھ خیر و بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں، اس کو دین میں فقاہت عطا کر دیتے ہیں۔ یہ مال میٹھا، سرسبز و شاداب (اور پر کشش) ہے، جو اس کو اس کے حق کے ساتھ حاصل کرے گا، اس کے لیے اس میں برکت کی جائے گی اور تم لوگ ایک دوسرے کی تعریف کرنے سے بچو، کیونکہ ایسے کرنا ذبح کرنے کے (مترادف ہے)۔''

تخريج: أخرجه الطحاوي في "المشكل" ٢/ ٢٧٩، وأحمد: ٤/ ٩٢، ٩٣، ٩٨، ٩٩، ورواه ابن ماجه منه الجملة الاخيرة فقط

شرح: ...... ان احادیث میں فقاہت فی الدین کی فضیلت بیان کی گئی ہے، اس سے مراد دین اور امورِ دین کی سمجھ، اسلام کے قواعد اور ان سے متعلقہ فروعات کا علم حاصل کرنا ہے، کیونکہ جس کو امورِ دین کی معرفت نہ ہوگی، وہ فقیہ ہوسکتا ہے نہ فقہ کا طالب۔ اس میں علما کی دوسرے لوگوں پر اور تفقہ فی الدین کی دوسرے علوم پر فضیلت کا بیان ہے۔ ذہن نشین رہنا چاہیے کہ احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں فقہ سے مراد حدیثِ رسول ہے، نہ کہ مروّجہ اور مخصوص فقہ۔

جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَادَّاهَا ، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرَ فَقِيْهٍ ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ))......
''اللہ تعالی تروتازہ رکھے اس شخص کو جس نے میری بات سنی، اس کو یاد کیا اور پھر اس کو آگے پہنچا دیا، کئی حاملینِ فقہ غیر فقیہ ہوتے ہیں اور کئی حاملینِ فقہ اپنے سے زیادہ فقیہ تک میری بات پہنچا دیتے ہیں۔'' (احمد: ١/ ٤٣٦، ترمذی: ٢٦٥٨)
آپ ﷺ نے اس حدیث میں اپنی حدیث کو ''فقہ'' کہا ہے۔

احادیث میں حق پر قائم رہنے والی جس جماعت کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس سے مراد اہل السنہ، محدثین اور ان کے منہج کو اپنانے والے ہیں، جن میں مجاہدین، محدثین، زاہدین، فقہا، علما، آمرین بالمعروف اور ناہین عن المنکر، غرضیکہ ہر قسم کے اہل خیر موجود تھے۔ امام احمد نے کہا: اگر اس جماعت سے مراد اہل الحدیث نہیں ہیں تو میں نہیں جانتا کہ پھر وہ کون ہیں۔ (ملاحظہ ہو: فتح الباری: ١/ ٢١٨)

نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والے کی فضیلت

(٣٦٥)۔ قَال ﷺ : ((اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ۔)) وَرَدَ مِنْ حَدِيْثِ أَبِي مَسْعُوْدٍ الْبَدْرِيِّ ، وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ ، وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ ، وَبُرَيْدَةَ بْنِ الْحَصِيْبِ ، وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ۔ (الصحيحة: ١٦٦٠)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نیکی پر رہنمائی کرنے والا (اجر میں) اُس پر عمل کرنے والے کی طرح ہے۔'' یہ حدیث حضرت ابومسعود بدری، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت سہل بن سعد، حضرت بریدہ بن حصیب، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

تخريج: (١)۔ أما حديث أبو مسعود: فأخرجه الطحاوي في"مشكل الآثار": ١/ ٤٨٤ ، وأحمد: ٥/ ٢٧٤ ، والخرائطي في"مكارم الأخلاق": ص: ١٦۔ ١٧ ، وابن حبان في"صحيحه": ٨٦٧و ٨٦٨ ، وابن عبدالبر في:الجامع": ١/ ١٦

(٢)۔ وأما حديث ابن مسعود: فأخرجه البزار: رقم۔ ١٥٤

(٣)۔ وأما حديث سهل: فأخرجه الطحاوي۔

(٤)۔ وأما حديث بريدة: فيرويه أبوحنيفة في"مسنده": ص: ١٦٠ بشرح القاري ، ومن طريق ابى حنيفة اخرجه احمد: ٥/ ٣٥٧

(٥)۔ وأما حديث أنس: فأخرجه الترمذي۔

(٦)۔ وأما حديث ابن عباس: فأخرجه أبوالقاسم القشيري في"الأربعين": ٢/١٥٧ ، و البيهقي في "الشعب": ٢/ ٤٤٩/ ٢

(۷)۔ وأما حديث ابن عمر: فأخرج ابن عدي: ۱۸۳/ ۲

شرح:...... اس میں لوگوں کی خیر و بھلائی کے امور کی طرف رہنمائی کرنے والوں کی فضیلت کا بیان ہے اور وہ علما اور مبلغین کی جماعت ہے۔ عوام الناس کو سمجھنا چاہیے کہ جتنا ثواب ان کو نیکیوں کی وجہ سے ملتا ہے، اتنا ثواب ان کی رہنمائی کرنے والے عالموں کو بھی ملتا ہے، اس لیے علما وفقہا کا احترام کرنا چاہیے۔

غربا کی صفات اور ان کی فضیلت

(۳٦٦)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ وَنَحْنُ جُلُوْسٌ: ((طُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ۔)) قِيْلَ: وَمَنِ الْغُرَبَاءُ؟ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: ((نَاسٌ صَالِحُوْنَ قَلِيْلٌ فِي نَاسِ سُوْءٍ كَثِيْرٍ ، مَنْ يَّعْصِيْهِمْ أَكْثَرُ مِمَّنْ يُطِيْعُهُمْ۔)) (الصحيحة:۱٦۱۹)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک دن ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''غربا کے لیے خوشخبری ہے۔'' کہا گیا: اے اللہ کے رسول! غربا سے کون لوگ مراد ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ نیک لوگ جو برے لوگوں کی بہ نسبت کم ہوتے ہیں اور ان کی نافرمانی کرنے والے، ان کی اطاعت کرنے والوں سے زیادہ ہوتے ہیں۔''

تخريج: رواه ابن المبارك في "الزهد": ۱۹۰/ ۲ من الكواكب ۵۷۵۔ ورقم ۷۷۵ مطبوعة، واحمد: ۲/ ۱۷۷، ۲۲۲

شرح:...... جب اسلام کی ابتدا ہوئی تو وہ غریب، نامانوس اور تنہا تھا، اس کو پہچاننے والے کم تھے، اس کی اقامت کے لیے غمخواری اور چارہ سازی کرنے والے نہ ہونے کے برابر تھے، رفتہ رفتہ اسلام کو شان و شوکت ملی اور وہ چہار دانگ عالم میں پھیل گیا، پھر ایک زمانہ آئے گا کہ خدا پرستوں، صادق الایمان اور دیندار لوگوں کی تعداد کم اور کفار، ملحدین اور برائے نام مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو جائے گی۔ یہ کم تعداد اجنبی اور غریب لوگ دنیا کے مصائب اور دین فراموش لوگوں کی جانب سے دی گئی ایذا پر صبر کریں گے اور خراب معاشرے اور برے ماحول میں اسلام کو غالب کرنے اور لوگوں کی اصلاح کرنے کے لیے مسلسل سعی کریں گے۔ اس حدیث میں ایسے لوگوں کو بشارت دی گئی ہے۔

اگرچہ آج کل مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، لیکن اسلام کا دکھ درد رکھنے والے، اس کی معرفت حاصل کرنے والے، اپنی زندگیوں میں اس کا لحاظ کرنے والے مسلمان بہت کم ہیں۔ بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ اکثر مسلمانوں کو یہ شعور بھی نہیں رہا کہ اسلام کی تبلیغ کے لیے انھوں نے کتنی کوشش کی یا آئندہ ان کو اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے۔ ستیاناس ہو اس معاشرے کا! جس میں سنتوں کی تعلیم دینے والے کو بڑوں کی طرف سے سمجھایا جاتا ہے کہ وہ بڑی مجلسوں میں ایسی باتیں کرنے سے باز رہیں، کیونکہ ان کو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ ان کے پاس آنے والے لوگ محسوس نہ کر جائیں۔

متن کے لفظ ''غُـربَـا'' کے معانی اجنبی، نامانوس، عجیب اور انوکھے کے ہیں، یعنی ان کو پہچاننے والے لوگ کم

ہوں گے۔

شرعی تعلیم دینے کا حکم اور اس کے تقاضے

(٣٦٧)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعاً: ((عَلِّمُوْا وَيَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا، وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا وَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ۔)) (الصحيحة:١٣٧٥)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تعلیم دو، آسانیاں پیدا کرو، تنگیاں پیدا نہ کرو، خوشخبریاں دو اور نفرتیں نہ دلاؤ اور جب کسی کو غصہ آ جائے تو وہ خاموش ہو جائے۔''

تخريج: رواه البخاري في "الأدب المفرد" رقم ١٢٣٠، وأحمد: ١/ ٢٣٩ و ٢٨٣ و ٣٦٥، وابن عدي: ٢٢٧/ ٢، والقضاعي في "مسند الشهاب" ق ٦٦/ ١

(٣٦٨)۔ عَنْ أَبِي مُوْسَى أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَهُ وَمُعَاذاً إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ: ((يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا، وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا۔)) (الصحيحة:١١٥١)

حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا: ''آسانیاں پیدا کرنا اور تنگیوں میں نہ ڈالنا اور خوشخبریاں دینا اور نفرتیں نہ دلانا اور آپس میں موافقت اختیار کرنا اور اختلاف نہ کرنا۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٤/ ٢٦، ٥/ ١٠٨، ٧/ ١٠١، ٨/ ١١٤، ومسلم: ٥/ ١٤١، والطيالسي: ص ٦٧ رقم ٤٩٦، وأحمد: ٤/ ٤١٢، ٤١٧

شرح:...... ان احادیث کا لب لباب یہ ہے کہ مبلغین کو حکمت و دانائی سے متصف اور مزاج شناس ہونا چاہیے، اسے یہ سمجھ ہو کہ مختلف لوگوں کو سمجھانے کے لیے مختلف پالیساں اختیار کی جاتی ہیں۔

امام نووی نے شرح مسلم میں مختلف روایات جمع کر کے کہا: ان احادیث میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالی کے فضل و کرم، اجر و ثواب اور اس کی وسعتِ رحمت کا ذکر کر کے لوگوں کو خوشخبریاں سنائی جائیں اور محض تخویف و وعید کا ذکر کر کے سامعین کو متنفر نہ کیا جائے۔ ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا نو مسلم یا قریب الاسلام شخص کے ساتھ الفت والا معاملہ کیا جائے، نہ کہ شدت والا۔ اسی طرح جو بچے بلوغت کے قریب ہوں یا بالغ ہو چکے ہوں اور جو لوگ معروف گناہوں سے توبہ کر چکے ہیں، ان کے ساتھ نرمی والا معاملہ کیا جائے اور رفتہ رفتہ ان کو اطاعت کے کاموں کو سرانجام دینے کی ترغیب دی جائے۔ غور کرنا چاہیے کہ امورِ اسلام کو صحابہ کرام پر بتدریج نافذ کیا گیا۔ (شرح نووی: ٢/ ٨٣)

حافظ ابن حجر نے کہا: (مفہوم) ''یسروا'' میں آسانی کا حکم دیا گیا ہے، مرادی معنی یہ ہے کہ کبھی سکون کا لحاظ رکھا جائے اور کبھی آسانی کا۔ مشقت طلب امور کا حکم نہ دیا جائے، تاکہ عمل کرنے والا اکتا نہ جائے۔ مجبور لوگوں پر ان کو دی گئی رخصتوں کی وضاحت کر دی جائے، مثلا بیٹھ کر نماز پڑھنا، مسافر اور مریض کا روزہ نہ رکھنا، اسی طرح اخف الضررین

اور اخف المفسدین کے قانون کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے، جیسے آپ ﷺ نے مسجد میں بدو کے پیشاب کرنے کے موقع پر کیا تھا۔ (فتح الباری: ١٠/ ٦٤٤)

مزید کہا: قریب الاسلام لوگوں کی تالیفِ قلبی کی جائے اور شروع شروع میں ان پر سختی نہ کی جائے، اسی طرح گناہوں سے ڈانٹ ڈپٹ کے موقع پر نرمی اختیار کی جائے اور لوگوں کو بتدریج تعلیم دی جائے، کیونکہ جب کسی چیز کو شروع سے آسان شکل میں پیش کیا جاتا ہے تو اس پر عمل کرنے والے اس کو محبوب سمجھ کر اور خوشی کے ساتھ قبول کرتے ہیں، اس طریقے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگ مشقت طلب اعمال کی طرف مائل ہونے لگتے ہیں۔ (فتح الباری: ١/ ٢١٦)

لکھ کر علم کو محفوظ کرنے کا حکم

(٣٦٩)۔ قَالَ ﷺ: ((قَيِّدُوا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ۔)) رُوِيَ مِنْ حَدِيْثِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْعَبَّاسِ۔ (الصحيحة:٢٠٢٦)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لکھ کر علم کو مقید کرو۔'' یہ حدیث حضرت انس بن مالک، حضرت عبد اللہ بن عمرو اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

تخريج: (١)۔أما حديث أنس؛ فأخرجه لوين في" أحاديثه": ٢٤/ ٢، وأخرجه أبو محمد المخلدي في"الفوائد": ٢٤٥/ ٢، وأبونعيم في"أخبار أصبهان": ٢/ ٢٢٨، والقضاعي في "مسندالشهاب": ٥٣/ ٢، والخطيب في "التاريخ": ١٠/ ٤٦، وابن عبد البر في "جامع العلم": ١/ ٧٢

(٢)۔وأماحديث عبداللّٰهابن عمرو؛فأخرجه الحاكم والخطيب في"التقييد":٦٨، وابن عبدالبر وعبدالغني المقدسي في"العلم": ٢٩/ ١، وعفيف الدين في"فضل العلم":١٢٥/ ٢

(٣)۔وأماحديث ابن عباس؛ فأخرجه ابن عدي في"الكامل":١٠١/ ١

شرح:...... موجودہ زمانے میں حافظے کمزور پڑھ گئے ہیں، غلطیوں کا زیادہ امکان ہوتا ہے، اس لیے آپ ﷺ کی اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے علم شرعی کو لکھ محفوظ کر لینا چاہیے اور بیان کرتے وقت تصدیق کر لینی چاہیے۔

آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ہی صحابہ کرام نے علم شرعی یعنی قرآن و حدیث کو ضبط تحریر میں لا کر اس کو محفوظ کیا تھا۔ اگر چہ آپ ﷺ نے اپنے بعض ارشادات قلمبند کروائے اور بعض صحابہ کرام نے احادیثِ طیبہ کے صحیفے تیار کیے، مثال کے طور پر:

صحیفۂ سعد بن عبادہ، صحیفۂ جابر بن عبد اللہ، صحیفۂ سیدہ عائشہ، صحیفۂ اسما بن عمیس، صحیفۂ عبد اللہ عمر، صحائف عبد اللہ بن عباس، صحیفۂ زید بن ارقم، صحیفۂ زید بن ثابت، صحیفۂ سلمان فارسی، صحیفۂ سمرہ بن جندب، صحیفۂ سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہم۔

لیکن قرآن مجید کو احاطہ تحریر میں لانے کے لیے جو اہتمام کیا گیا تھا، وہ احادیث کے لیے نہیں کیا گیا تھا۔

اس مقام پر منکرین حدیث کے اس اعتراض کا جواب دینے کی گنجائش نہیں کہ احادیث کو دو اڑھائی صدیوں کے بعد لکھا گیا۔

اتنا لکھنا مناسب ہوگا کہ اللہ تعالی نے احادیثِ رسول کو جس قدر تحفظ فراہم کیا، اس کی روشنی میں یہ کہنا ضروری ہو گا کہ یہ فرموداتِ نبوی کا اعجاز ہے، اور وہ اس طرح کہ احادیث کے جو صحیفے پہلی صدی میں مرتب کیے گئے، اگر تیسری صدی کی کتبِ احادیث سے ان کا تقابل کیا جائے تو معنی میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ صحابہ کرام، تابعین عظام اور محدثین کا ضبط وحفظ اور قوت یادداشت اتنی کمال کی تھی، کہ انھوں نے دنیا کو حیران کر دیا، یہ تفصیل کا مقام نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر ایک خطبہ ارشاد فرمایا، جب ابو شاہ یمنی نے یہ مطالبہ کیا کہ میرے لیے یہ خطبہ لکھوا دیا جائے، تو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کے حفظ پر اعتماد کرتے ہوئے فرمایا: ((اُكْتُبُوا لِاَبِيْ شَاہٍ۔)) ...... ''میرے صحابہ! یہ خطبہ ابوشاہ کے لیے لکھ دو۔''

اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو علم تھا کہ آپ کے صحابہ آپ کی احادیث یاد کر رہے ہیں۔ یہ صحابہ کرام کے کمال حافظے کی علامت ہے۔

تیسری اور اہم وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی اکثر و بیشتر احادیث کا تعلق عمل سے تھا، نہ کہ الفاظ سے، مثلا وضو کا طریقہ، تیمّم کا طریقہ، غسل کا طریقہ، نماز کا طریقہ، حج وعمرہ کا طریقہ، سونے کا انداز، جاگنے کا انداز، چلنے کا انداز، لڑنے کا انداز، وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام امور کو صحابہ نے عملی طور پر اپنایا اور ان کو محفوظ کیا اور اپنے اپنے الفاظ میں بیان کیا۔ اور جن احادیث کا تعلق الفاظ سے بھی تھا، مثلا نماز، ذکرو اذکار اور دعائیں وغیرہ، صحابہ کرام نے ان کو حفظ اور عمل کے ذریعے اگلی نسلِ انسانی کے لیے محفوظ کر دیا۔

اللہ تعالی سے علم نافع کا سوال کرنا

(۳۷۰)۔ عَنْ جَابِرٍ مَرْفُوْعاً: ((سَلُوْا اللّٰهَ عِلْماً نَافِعاً، وَتَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عِلْمٍ لَايَنْفَعُ۔)) (الصحيحة:۱۵۱۱)

حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالی سے ایسے علم کا سوال کرو، جو فائدہ دینے والا ہو اور بے فائدہ علم سے اس کی پناہ طلب کرو۔''

تخريج: رواه ابن أبي شيبة في "المصنف" ۱۲/ ۶۰۵، وابن ماجه: ۳۸۴۳، وعبد بن حميد في "المنتخب من المسند": ق ۱۱۸/ ۱، والفاكهي في "حديثه" ۲/ ۳۴/ ۲

(۳۷۱)۔ عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ: ((اَللّٰهُمَّ! انْفَعْنِي بِمَا عَلَّمْتَنِي، وَعَلِّمْنِي مَايَنْفَعُنِي، وَارْزُقْنِي عِلْماً تَنْفَعُنِي بِهٖ۔)) (الصحيحة:۳۱۵۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: ''اے اللہ! جو تو نے مجھے سکھایا، اس کے ذریعے مجھے نفع دے اور مجھے وہ چیز سکھا دے، جو میرے لیے فائدہ مند ہو اور مجھے ایسا علم عطا فرما کہ جس کے ذریعے تو مجھے نفع دے۔''

تخريج: أخرجه الحاكم: ١/ ٥١٠، وعنه البيهقي في "الدعوات الكبير": ١٥٧، والطبراني في "الدعاء": ٣/ ١٤٥٥/ ١٤٠٥، وابو الشيخ في "طبقات الاصبهانيين": ١٨٢/ ١٧٩

شرح: ...... علم شرعی کے حصول میں نیت کا کردار بہت زیادہ ہے، اگر نیت کا رجحان مالداری اور ریا کاری کی طرف ہو گیا تو تباہی و بربادی مقدر بن جائے گی اور اللہ تعالی کی خوشنودی و رضامندی کو ملحوظِ خاطر رکھا گیا تو خلقِ خدا ایسے عالم کی بخشش طلب کرنے کے لیے مگن ہو جائے گی۔

اس لیے نیت کی درستی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالی سے نفع بخش علم کا سوال کرنا چاہیے، انه سميع مجيب۔

دورانِ خطبہ مقتدیوں کی کیفیت

(٣٧٢)۔ عَنْ مُطِيْعِ الْغَزَالِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ: كَانَ ﷺ إِذَا صَعِدَ الْمِنْبَرَ، أَقْبَلْنَا بِوُجُوْهِنَا إِلَيْهِ۔

مطیع غزال اپنے باپ سے، وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھتے تو ہم اپنے چہروں کے ساتھ ان کی طرف متوجہ ہوتے۔

(الصحيحة: ٢٠٨٠)

تخريج: أخرجه البخاري في "التاريخ الكبير": ٤/ ٢/ ٢٧، وابن حبان في "ثقات أتباع التابعين": ٧/ ٥١٨

شرح: ...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: امام بخاری نے صحیح بخاری میں یہ باب قائم کیا:

بَابُ يَسْتَقْبِلُ الْإِمَامُ الْقَوْمَ وَاسْتِقْبَالُ النَّاسِ الْإِمَامَ إِذَا خَطَبَ، وَاسْتَقْبَلَ ابْنُ عُمَرَ وَ أَنَسٌ رضی اللہ عنہم الْإِمَامَ (یہ بیان کہ امام دورانِ خطبہ لوگوں کی طرف اور لوگ امام کی طرف متوجہ ہوں اور سیدنا عبد اللہ بن عمر اور سیدنا انس رضی اللہ عنہم امام کی طرف متوجہ ہوتے تھے)

اس باب میں یہ حدیث بیان کی: سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک دن نبی کریم ﷺ منبر پر بیٹھے اور ہم آپ کے اردگرد بیٹھ گئے۔ (صحيح بخاری: ٩٢١)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (فتح الباری: ٢/ ٤٠٢) میں کہا: امام بخاری نے اس حدیث سے باب میں بیان کردہ مسئلے کا استدلال کیا ہے اور وہ اس طرح کہ آپ ﷺ کا کلام سننے کے لیے صحابہ کا آپ کے اردگرد بیٹھنا، یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ آپ کی طرف دیکھتے ہوں گے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس حدیث میں منبر پر بیٹھنے کا ذکر ہے، جبکہ آپ ﷺ خطبہ تو کھڑے ہو کر دیتے تھے، تو ہم اس کا یہ جواب دیں گے کہ یہ کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ اس حدیث کو اس صورت پر محمول کیا جائے گا کہ آپ ﷺ اونچی جگہ پر اور صحابہ کرام نچلی جگہ پر بیٹھے ہوتے تھے، اگر غیر خطبہ کی کیفیت یہ تھی تو خطبۂ جمعہ میں تو یہ صورت بالاولی پائی جائے گی، کیونکہ اس کو غور سے سننے اور اس وقت خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

لوگوں کا خطیب کی طرف متوجہ ہونے میں حکمت یہ ہے کہ وہ اس کا کلام سننے کے لیے تیار رہیں گے اور اس ضمن

میں سارے آداب کا خیال رکھیں گے اور جب خطیب اپنے چہرے، وجود اور قلب و ذہن کی توجہ کے ساتھ لوگوں کی طرف متوجہ ہو گا تو وہ اپنی بات کو اچھے انداز میں سمجھا سکے گا اور کھڑے ہونے کا مقصد بھی پورا ہو جائے گا۔

(صحيحه: ٢٠٨٠)

بعض مساجد میں عربی خطبہ سنتے وقت لوگ تشہد کی حالت میں بیٹھ کر نیچے دیکھنا شروع کر دیتے ہیں، یہ اس حدیث کی مخالفت ہے۔

خطیب کا منبر پر چڑھ کر سلام کہنا

(٣٧٣)۔ عَنْ جَابِرٍ: كَانَ ﷺ إِذَا صَعِدَ الْمِنْبَرَ سَلَّمَ۔)) (الصحيحة:٢٠٧٦)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھتے تو سلام کہتے۔

تخريج: وله طرق: الأول: رواه ابن ماجه: ١١٠٩، وتمام في "الفوائد": ٦٠/ ٢، وابن عدي: ٢١١/ ١، والبغوي في "شرح السنة": ١/ ١٢٣/ ١

والثاني: رواه ابن أبي شيبة في "المصنف": ٢/ ١١٤، وعبد الرزاق: ٣/ ١٩٣

والثالث: عن عطاء مرسلا؛ رواه عبدالرزاق: ٥٢٨١، وذكره عبدالحق في "أحكامه": ٧٣/ ١

شرح:...... معلوم ہوا کہ جب خطیب منبر پر چڑھے تو سلام کہے، بعض خطبا کو دیکھا گیا کہ وہ حمد و ثنا اور تمہید کے بعد سلام کہتے ہیں، یہ خلاف سنت عمل ہے۔

دورانِ خطبۂ جمعہ کلام کرنے کا نقصان

(٣٧٤)۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ، أَنَّهُ سَأَلَ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَنَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ يَخْطُبُ عَنْ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ۔ فَأَعْرَضَ عَنْهُ، وَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ۔ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهُ قَالَ: إِنَّكَ لَمْ تُجَمِّعْ۔ فَسَأَلَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ۔ فَقَالَ: ((صَدَقَ أُبَيٌّ۔))

(الصحيحة: ٢٢٥١)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کتاب اللہ کی ایک آیت کے بارے میں سوال کیا، اس حال میں کہ نبی کریم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، انھوں نے ان سے منہ پھیر لیا اور ان کے سوال کا جواب نہ دیا۔ جب نماز پوری کی تو ابی بن کعب نے عبداللہ بن مسعود سے کہا: (آج) تم نے جمعہ ادا نہیں کیا۔ (یہ سن کر) عبداللہ بن مسعود نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابی نے سچ کہا ہے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ٣/ ٣٨/ ٢

شرح:...... آجکل جمعۂ مبارکہ جیسے عظیم عمل کو ضائع کرنے والے بہت زیادہ لوگ ہیں۔ دراصل دین سے بے رغبتی اور فکرِ آخرت کی کمی ہے۔ دوسری احادیث میں دورانِ خطبہ کلام کو لغو قرار دیا گیا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان

کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین قسم کے افراد جمعہ ادا کرنے کے لیے آتے ہیں: (۱) وہ شخص جو آتا تو ہے، لیکن کوئی لغو کام کر جاتا ہے، اس کا جمعہ سے یہی حصہ ہوتا ہے۔ (۲) وہ شخص جو حاضر تو ہو جاتا ہے لیکن (دورانِ خطبہ) ذکر کرتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہتا ہے، اب اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ اس کی دعا قبول کرے یا نہ کرے اور (۳) وہ شخص، جو جمعہ کی ادائیگی کے لیے آتا ہے، خاموش رہتا ہے، کسی مسلمان کی گردن نہیں پھلانگتا اور کسی کو تکلیف نہیں دیتا، ایسا جمعہ اگلے جمعہ تک اور مزید تین ایام کے گناہوں کا کفارہ بنتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جو نیکی لائے گا، اس کو دس گنا (ثواب ملے گا)۔'' (ابوداود: ۱۱۱۳)

کیا ریاکاری کی پہچان ممکن ہے؟

(۳۷۵)۔ عَنِ ابْنِ الْأَدْرَعِ، قَالَ: كُنْتُ أَحْرِسُ النَّبِيَّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَخَرَجَ لِبَعْضِ حَاجَتِهِ، قَالَ: فَرَآنِي فَأَخَذَ بِيَدِي، فَانْطَلَقْنَا، فَمَرَرْنَا عَلٰى رَجُلٍ يُصَلِّي يَجْهَرُ بِالْقُرْآنِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((عَسٰى أَنْ يَكُونَ مُرَائِيًا۔)) قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! يَجْهَرُ بِالْقُرْآنِ، قَالَ: فَرَفَضَ يَدِي، ثُمَّ قَالَ: ((إِنَّكُمْ لَنْ تَنَالُوْا هٰذَا الْأَمْرَ بِالْمُغَالَبَةِ۔)) قَالَ: ثُمَّ خَرَجَ ذَاتَ لَيْلَةٍ وَأَنَا أَحْرِسُهُ لِبَعْضِ حَاجَتِهِ، فَأَخَذَ بِيَدِي، فَمَرَرْنَا بِرَجُلٍ يُصَلِّي بِالْقُرْآنِ، قَالَ: فَقُلْتُ: عَسٰى أَنْ يَكُوْنَ مُرَائِياً، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((كَلَّا إِنَّهُ أَوَّابٌ۔)) قَالَ فَنَظَرْتُ فَإِذَا هُوَ عَبْدُاللّٰهِ ذُوْ النَّجَادَيْنِ۔ (الصحيحة: ۱۷۰۹)

سیدنا ابن ادرع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں ایک رات نبی کریم ﷺ کا پہرہ دے رہا تھا، آپ ﷺ کسی کام کے لیے نکلے، جب مجھے دیکھا تو میرا ہاتھ بھی پکڑ لیا، پس ہم چل پڑے اور ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جو نماز میں بآوازِ بلند تلاوت کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''قریب ہے کہ یہ ریاکاری کرنے والا بن جائے۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ قرآن کی بلند آواز سے تلاوت کر رہا ہے، (بھلا اس میں کیا حرج ہے)؟ آپ ﷺ نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا اور فرمایا: ''تم اس دین کو غلبے کے ساتھ نہیں پا سکتے۔'' وہ کہتے ہیں: پھر ایک رات کو ایسے ہوا کہ آپ ﷺ کسی ضرورت کے لیے نکلے، جبکہ میں ہی پہرہ دے رہا تھا، (اسی طرح) آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا (اور ہم چل پڑے) اور ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جو نماز میں بآوازِ بلند قرآن کی تلاوت کر رہا تھا۔ اب کی بار میں نے کہا: قریب ہے کہ یہ شخص ریاکاری کرنے والا بن جائے۔ لیکن آپ ﷺ نے (میرا ردّ کرتے ہوئے) فرمایا: ''ہرگز نہیں، یہ تو بہت توبہ کرنے والا ہے۔'' جب میں نے دیکھا تو وہ عبد اللہ ذوالبجادین تھا۔

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ٣٣٧

شرح:...... بلا شک وشبہ از روئے شریعت نماز میں باآوازِ بلند قرآن مجید کی تلاوت کرنا درست ہے، جیسا کہ اس حدیث کے دوسرے حصے سے بھی ثابت ہو رہا ہے۔ اس حدیث کے پہلے حصے میں آپ ﷺ نے جس شخص میں ریاکاری کا امکان ظاہر کیا ہے، یقیناً یہ قرائن یا وحی کی بنا پر تھا، کیونکہ جب آپ کے ساتھی ابن ادرع نے آپ ﷺ کی سابقہ حدیث کو نمونہ بناتے ہوئے یہی بات عبد اللہ ذو البجادین کے بارے میں کہی تو آپ ﷺ نے رد کر دیا، حالانکہ دونوں بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔

ہاں پہلے شخص کے بارے میں آپ ﷺ کا یہ کہنا کہ ''تم اس دین کو غلبے کے ساتھ اس دین کو نہیں پا سکتے۔'' سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یا تو ایسے مقام پر کھڑا تھا کہ اس کے عمل کا بہت زیادہ اظہار ہو رہا تھا اور یہ چیز ریاکاری کا سبب بن سکتی ہے یا بہت طویل قیام کر رہا تھا یا اس کی آواز بہت زیادہ بلند تھی، اس طرح وہ اعتدال اور میانہ روی سے آگے بڑھ رہا تھا۔

امام البانی رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ اس حدیث میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ عبادات کے سلسلے میں میانہ روی اور اعتدال کا خیال رکھا جائے، کیونکہ جو دین پر غلبہ پانے کی کوشش کرتا ہے، دین اس پر غالب آ جاتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے بعد ہم کسی شخص پر ریاکاری کا الزام نہیں لگا سکتے، دونوں آدمی بلند آواز سے تلاوت کر رہے تھے، لیکن آپ ﷺ نے ایک کے بارے میں ریاکاری کے شبہ کا اظہار کر دیا، جبکہ دوسرے کے بارے میں کلمۂ خیر کہا۔ ہاں لوگوں کو غلو اور افراط سے بچنے کی اور اعتدال کے ساتھ عبادت کرنے کی تلقین کرنی چاہیے۔

اگرچہ آج کل تبصرے کا دور ہے، بری تو بری، دوسروں کی اچھی خصلتوں پر بھی ناقدانہ تبصرہ کیا جاتا ہے یا اچھے شخص کی کمی کوتاہیوں کو ہوا دے کر تبصرہ نگار بزعم خود اپنے آپ کو انسانِ کامل خیال کرتا ہے۔ ایک مسجد کی انتظامیہ کا ایک فرد مسجد کے خادم پر اس بنا پر تبصرہ کر رہا تھا کہ وہ فجر کی اذان بغیر وضو کے دے دیتا ہے، میں نے اس سے پوچھا کہ آپ خود نمازِ فجر ادا کرتے ہیں؟ جناب نے منفی میں جواب دیا۔ ہائے خرابی! نماز سے محروم شخص اس بندۂ خدا پر نقد کر رہا ہے، جو فجر کی اذان دیتا ہے اور لوگوں کو باجماعت نمازِ فجر پڑھاتا ہے۔ جرم ہے بغیر وضو کے اذان دینا، جو شریعت میں سرے سے غلطی ہی نہیں ہے، اگرچہ افضل عمل یہی ہے کہ طہارت کا اہتمام کیا جائے۔

قارئین کرام! التماس یہ ہے کہ اگر کسی شخص میں نیکی کے آثار پائے جاتے ہیں تو ان کو قبول کرنا چاہیے اور اس بنا پر اس کی قدر کرنی چاہیے۔

غصے کے وقت خاموش رہنے کا حکم

(۳۷٦)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعاً: ((عَلِّمُوْا وَيَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا، وَبَشِّرُوْا

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تعلیم دو، آسانیاں پیدا کرو، تنگیاں پیدا

وَلَا تُنَفِّرُوْا وَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ۔)) (الصحيحة:١٣٧٥)

نہ کرو، خوشخبریاں دو اور نفرتیں نہ دلاؤ اور جب کسی کو غصہ آ جائے تو وہ خاموش ہو جائے۔''

تخريج: رواه البخاري في"الأدب المفرد" رقم ١٢٣٠، وأحمد: ١/ ٢٣٩و ٢٨٣و ٣٦٥، وابن عدي: ٢٢٧/ ٢، والقضاعي في"مسند الشهاب" ق ٦٦/ ١

شرح:......غصہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) محمود اور (۲) مذموم

محمود غصہ وہ ہے جو اللہ تعالی اور اس کے دین کے لیے ہو، یعنی جب اللہ تعالی کی حرمتیں پامال کی جا رہی ہوں تو اسلامی غیرت وحمیت کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان کو غصہ آنا چاہئے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ شرعی حدود و قیود سے لوگوں کے اعراض کے وقت غصے میں آ جاتے تھے۔

مذموم غصہ سے روکا گیا ہے، اس سے مراد وہ غصہ ہے، جس میں انسان اپنے مزاج کی تیزی کی وجہ سے مبتلا ہو جاتا ہے یا اپنی ذاتی چودھراہٹ اور اَنا کی بنا پر یا برادری و خاندانی عصبیتوں کی وجہ سے ذاتی مسائل میں پھنس جاتا ہے اور اسلامی قوانین کی رو رعایت رکھے بغیر غیظ وغضب کے شعلے اگلنے لگتا ہے، اول فول بکتا ہے، گالی گلوچ نکالتا ہے، اس غصے سے شیطانی مقاصد پورے ہوتے ہیں۔

ایسے غصے میں خاموش رہنے اور (اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ) پڑھنے کی تلقین کی گئی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((إِذَا غَضِبَ الرَّجُلُ، فَقَالَ: أَعُوْذُ بِاللّٰهِ، سَكَنَ غَضَبُهُ۔)) ......''جب آدمی کو غصہ آ جائے، تو وہ "أَعُوْذُ بِاللّٰه" کہے، اُس کا غصہ ختم ہو جائے گا۔'' (صحیحہ: ١٣٧٦) چونکہ مذموم غصے کا تعلق شیطان سے ہے، اس لیے اس کو رفع دفع کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے شیطان سے پناہ مانگنے کی تلقین کی ہے، تا کہ شیطان کے اثرات ختم ہو جائیں۔

ہمیں چاہئے کہ ہمارے غیظ وغضب، غیرت وحمیت اور صلح و صفائی کا معیار اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کے احکام ہوں۔

آپ ﷺ کا اشعار پڑھنا

(٣٧٧)۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ ﷺ إِذَا اسْتَرَاثَ الْخَبَرُ تَمَثَّلَ فِيْهِ بِبَيْتِ طَرْفَةَ: وَيَأْتِيْكَ بِالْأَخْبَارِ مَنْ لَّمْ تُزَوِّدِ۔ (الصحيحة:٢٠٥٧)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ بیان کرتی ہے کہ جب خبر آنے میں دیر ہوتی تو آپ طرفہ (بن عبد بکری) شاعر کا یہ مصرعہ پڑھتے: جس پر تو نے کچھ نہیں خرچا، وہ خبر لائے گا۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٦/ ٣١، ١٤٦، والبخاری فی "الادب المفرد": ٨٦٧، والترمذی فی "الشمائل": صـ ١٤٦، وفی "السنن": ٢/ ١٣٨

شرح :...... پورا شعر یوں ہے:

ستبدى لك الايام ما كنت جاهلا

ويأتيك بالاخبار من لم تزود

امام مبارکپوری نے اس شعر کا عربی میں یہ مفہوم بیان کیا ہے: ستظهر لك الايام ما كنت غافلا عنه وينقل لك الاخبار من لم تعطيه الزاد ...... ایام ان چیزوں کو تیرے لیے ظاہر کر دیں گے، جن سے تو غافل ہے وہ لوگ تیرے پاس خبریں لائیں گے، جن کو تو نے زادِ راہ نہیں دیا

اشعار کے پڑھنے یا نہ پڑھنے پر مکمل بحث کے لیے دیکھیں: "اَلْأَخْلَاقُ وَالْبِرُّ وَالصِّلَةُ" میں "کیا شعر و شاعری قابل نفرت ہے" کا عنوان اور "الآدَبُ وَالاِسْتِئْذَانُ" میں "شعر، حکمت و دانائی پر مشتمل ہوسکتا ہے"، "شعر اور نثر میں فرق"، "برے اشعار کی مذمت" کے عناوین۔

آپ ﷺ کا کلام واضح ہوتا

(۳۷۸)۔ عَنْ عَائِشَةَ : كَانَ ﷺ كَلَامُهُ كَلَاماً فَصْلاً يَفْهَمُهُ كُلُّ مَنْ سَمِعَهُ۔ (الصحيحة:۲۰۹۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کا کلام واضح ہوتا، ہر سننے والا اس کو سمجھ جاتا تھا۔

تخريج: أخرجه أبوداود:۲/ ۲۹۳، والنسائی فی"عمل اليوم والليلة":۴۱۲، ۴۱۳، و أحمد: ۶/ ۱۳۸

شرح :...... آپ ﷺ بڑے تحمل سے اور ٹھہر ٹھہر کر گفتگو کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے کلام میں تیزی اور جلد بازی نہیں ہوتی تھی۔

آپ ﷺ کو اچھا خواب پسند تھا

(۳۷۹)۔ عَنْ أَنَسٍ : كَانَ ﷺ يُعْجِبُهُ الرُّؤْيَا الْحَسَنَةُ۔ (الصحيحة: ۲۱۳۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اچھا خواب نبی کریم ﷺ کو پسند آتا تھا۔

تخريج: أخرجه أحمد:۲/ ۱۳۵، ۲۵۷

شرح :...... اچھا خواب نبوت کا ایک جزو ہے، اس کی اچھی تعبیر کی جائے گی، تفصیل کے لیے "اَلْأَخْلَاقُ وَالْبِرُّ وَالصِّلَةُ" میں "مسلمان کا خواب اور خواب کی اقسام" کے عنوان کا مطالعہ کریں۔

خواب میں دودھ کی تعبیر

(۳۸۰)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَوْقُوفاً: ((اَللَّبَنُ فِي الْمَنَامِ فِطْرَةٌ۔)) (الصحيحة: ۲۲۰۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: خواب میں دودھ دیکھنے (کی تعبیر) فطرت ہے۔

تخريج: أورده الهيثمی فی"مجمع الزوائد":۷/ ۱۸۳، فذكره موقوفا، وقال: رواه البزار۔ ثم رجعت الى

"كشف الاستار": ٣/ ١٣/ ٢١٢٧ فاذا الحديث فيه مرفوع

شرح:...... فطرت سے مراد دین اسلام ہے۔

واقعہ اسراء و معراج میں حضرت جبرائیل شراب اور دودھ کا ایک ایک برتن لائے، جب آپ ﷺ نے دودھ کا انتخاب کیا تو انھوں نے کہا: آپ نے فطرت کو پسند کیا۔ (مسلم)

جھوٹا خواب بیان کرنا

(٣٨١)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ مِنْ أَفْرَى الْفِرٰى أَن يُّرِىَ عَيْنَيْهِ فِي الْمَنَامِ مَالَمْ تَرِيَا۔)) (الصحيحة:٣٠٦٣)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ آدمی خواب میں اپنی آنکھوں کو وہ کچھ دکھلائے جو (درحقیقت) انھوں نے دیکھا نہ ہو۔"

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ٩٦۔ واللفظ له۔، والبخاري: ٧٠٤٣

شرح:...... لوگ اپنی شہرت، ناموری اور نیک نامی کے لیے جھوٹے خوابوں کا سہارا لیتے ہیں، اس حدیث میں خلافِ حقیقت خواب بیان کرنے کو سب سے بڑا جھوٹ کہا گیا ہے۔

(٣٨٢)۔ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ كَذَبَ فِي حِلْمِهِ، كُلِّفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَقْدَ شَعِيْرَةٍ۔)) (الصحيحة:٢٣٥٩)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے اپنے خواب میں جھوٹ بولا، اسے یہ تکلیف دی جائے گی کہ وہ جو کو گرہ لگائے۔"

تخريج: أخرجه الترمذي:٢٢٨٢، والدارمي:٢/ ١٢٥، والحاكم:٤/ ٣٩٢، وأحمد: ١/ ٧٦ و٩٠و٩١، وعبدالله بن أحمد:١٣١

شرح:...... اس کے لیے جو کو گرہ لگانا مشکل نہیں، بلکہ ناممکن ہوگا۔ بیداری میں جھوٹ بولنا بھی گناہ ہے، مگر جھوٹا خواب بیان کرنا اس سے بھی بڑا گناہ ہے، کیونکہ نیک خواب نبوت کا ایک جزو ہے، اس میں جھوٹ بولنے کا مطلب یہ ہوا کہ وہ شخص اللہ تعالی پر جھوٹ باندھ رہا ہے، جو بندوں پر جھوٹ باندھنے سے کہیں بڑا جرم ہے۔

ہر سنی سنائی بات بیان کرنا گناہ ہے

(٣٨٣)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((كَفٰى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَاسَمِعَ۔)) (الصحيحة: ٢٠٢٥)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "آدمی کے گناہگار ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے، اسے آگے بیان کردے۔"

تخريج: أخرجه مسلم فى "مقدمة صحيحه":١/ ٨، وأبوداود: ٤٩٩٢، و الحاكم: ١/ ١١٢، والقضاعى فى "مسندالشهاب":١/ ١١٤

شـــــرح:...... اس سے معلوم ہوا کہ ہر سنی ہوئی بات، اس کی تحقیق کیے بغیر، آگے بیان کرنا یا اسے صحیح سمجھ لینا درست نہیں ہے، کیونکہ عین ممکن ہے کہ وہ جھوٹی ہو اور یہ بھی بیان کر کے اپنے آپ کو جھوٹوں میں شامل کر لے، اس لیے پہلے ہر بات کی تحقیق ضروری ہے۔

لیکن یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اگر وہ بات ہی سوئے ظن یا عیب جوئی پر مشتمل ہے تو سرے سے اس کی تحقیق کرنا اور اس میں دلچسپی لینا منع ہے۔

طلبہ حدیث اور غریبوں کی وجہ سے رزق ملتا ہے

(٣٨٤)۔ عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ أَخَوَانِ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَكَانَ أَحَدُهُمَا يَأْتِي النَّبِيَّ (وَفِي رِوَايَةٍ: يَحْضُرُ حَدِيْثَ النَّبِيِّ ﷺ وَمَجْلِسَهُ) وَالْآخَرُ يَحْتَرِفُ، فَشَكَا الْمُحْتَرِفُ أَخَاهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ هٰذَا أَخِيْ لَايُعِيْنُنِيْ بِشَيْءٍ۔ فَقَالَ ﷺ: ((لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِهِ۔)) (الصحيحة: ٢٧٦٩)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے زمانے میں دو بھائی تھے، ان میں سے ایک نبی کریم ﷺ کے پاس آتا رہتا تھا، اور ایک روایت میں ہے کہ وہ آپ ﷺ کی گفتگو سنتا اور آپ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتا تھا، جبکہ دوسرا بھائی کمائی کرتا تھا۔ کمائی کرنے والا بھائی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور (شکایت کرتے ہوئے) کہا: اے اللہ کے رسول! ﷺ یہ میرا بھائی میری کوئی مدد نہیں کرتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''شاید تجھے اس کی وجہ سے رزق دیا جاتا ہو۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ٢٣٤٦، والحاكم: ١/ ٩٣- ٩٤، والروياني في "مسنده": ق ٢٤١/ ١، وابن عدي في "الكامل": ٢/ ٦٨٢، وابن عبد البر في "جامع بيان العلم": ١/ ٥٩ والرواية الأخرى له وكذا الزيادة، والضياء المقدسي في "المختارة": ١/ ٥١٢

شرح:...... سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَبْغُوْنِي الضُّعَفَاءَ، فَإِنَّمَا تُنْصَرُوْنَ وَ تُرْزَقُوْنَ بِضُعَفَائِكُمْ۔)) (ابوداود: ٢٥٩٤) ...... ''مجھے تم کمزوروں میں تلاش کرو، یقیناً تمہاری، اپنے ان ضعفا کی وجہ سے ہی مدد کی جاتی ہے اور تمہیں روزی دی جاتی ہے۔''

اس قسم کی احادیث کی وجوہات یہ بیان کی گئی ہیں کہ کمزوروں، غریبوں اور آپ ﷺ کی مجلس میں بیٹھنے والوں کے دل دنیا کی خوبصورتی اور اس کی جاذبیت سے پاک ہوتے ہیں، اس لیے ان میں اخلاص اور انابت الی اللہ کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے ان کی دعائیں بھی بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوتی ہیں۔

سنن نسائی کی ایک روایت میں ایک دوسری حدیث زیادہ وضاحت کے ساتھ یوں بیان کی گئی ہے: ''اللہ تعالیٰ اس امت کی مدد فرماتا ہے، اس امت کے کمزور لوگوں کی دعا، نماز اور ان کے اخلاص کی وجہ سے۔''

اس باب کی حدیث میں جہاں آپ ﷺ کے ہم نشینوں کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، وہاں حدیثِ مبارکہ کے

طلبہ کی بھی منقبت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ وہ صحابی آپ ﷺ کی گفتگو کی وجہ سے کام کاج میں اپنے بھائی کا تعاون نہیں کر سکتا تھا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم دل کھول کر قرآن و حدیث کے طلبہ کی خدمت کریں، کیونکہ ممکن ہے کہ رزق میں ہمیں جو وسعت عطا کی گئی ہے، یہ انہی کی دعا و مناجات کی وجہ سے ہو۔

علم شرعی پر مبارکباد دینا

(۳۸۵)۔ عَنْ أُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: ((أَیُّ آیَةٍ فِی کِتَابِ اللّٰهِ أَعْظَمُ؟)) فَقَالَ: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ! یُکَرِّرُهَا مِرَاراً، ثُمَّ قَالَ أُبَیٌّ: آیَةُ الْکُرْسِیِّ۔ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: ((لِیَهْنِكَ الْعِلْمُ أَبَا الْمُنْذِرِ! وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِهِ، إِنَّ لَهَا لِسَاناً وَشَفَتَیْنِ تُقَدِّسَانِ الْمَلِكَ عِنْدَ سَاقِ الْعَرْشِ۔)) (الصحیحة: ۳٤۱۰)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالی کی کتاب میں کون سی آیت سب سے عظیم ہے؟'' انھوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ لیکن آپ ﷺ نے بار بار سوال دوہرایا۔ (بالآخر) حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا: آیۃ الکرسی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ابو المنذر! یہ علم تجھے مبارک ہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس آیت کی ایک زبان اور دو ہونٹ ہیں، یہ عرش کے پائے کے پاس اس کی تقدیس بیان کرتی ہے۔''

تخریج: أخرجه عبدالرزاق في "المصنف": ۳/ ۳۷۰/ ۶۰۰۱، واحمد: ۵/ ۱٤۱، وأخرجه مسلم: ۲/ ۱۹۹ دون قوله: ((والذی نفسی بیده ......۔)) وهکذا أخرجه ابوداود: ۱٤۶۰

شرح:...... یہ صحابہ کرام کی کتاب اللہ میں دلچسپی تھی، انھوں نے قرآن مجید کی آیات پر اتنا غور کیا کہ آپ ﷺ کے ایک آیت سے متعلقہ سوال کا جواب تلاش کر لیا۔

جنت کے قریب اور جہنم سے دور کرنے والے اسباب کی وضاحت کر دی گئی ہے

(۳۸۶)۔ عَنْ أَبِی ذَرٍّ، قَالَ: تَرَکْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَمَا طَائِرٌ یُقَلِّبُ جَنَاحَیْهِ فِی الْهَوَاءِ إِلَّا وَهُوَ یُذَکِّرُنَا مِنْهُ عِلْماً قَالَ: فَقَالَ ﷺ: ((مَابَقِیَ شَیْءٌ یُقَرِّبُ مِنَ الْجَنَّةِ وَیُبَاعِدُ مِنَ النَّارِ إِلَّا وَقَدْ بُیِّنَ لَکُمْ۔)) (الصحیحة: ۱۸۰۳)

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نے رسول اللہ ﷺ کو چھوڑا، لیکن (آپ ﷺ کی زندگی میں) جب کوئی پرندہ فضا میں اپنے پر پھڑ پھڑاتا تھا تو آپ ﷺ اس سے ہمارے لیے کوئی علم کی بات نکال لیتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی ایسا عمل باقی نہیں رہا، جو جنت کے قریب اور جہنم سے دور کرتا ہے، مگر تمہارے لیے اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔''

تخریج: أخرجه الطبرانی في "المعجم الکبیر": ۱۶٤۷، واحمد: ۵/ ۱۵۳، ۱۶۲

شـــــــرح :...... اس حدیث کا مفہوم یہ ہے فرمانبرداریوں اور نافرمانیوں کا تعین ہو چکا ہے، عبادات ہوں یا معاملات، اجر وثواب کی بات ہو یا گناہ کی، شریعت میں ہر ایک کی توضیح موجود ہے، کسی نئے امر کی ضرورت نہیں۔

پاکستان کے ایک مذہبی سکالر محمد عبداللہ سلیم نے کہا: جو مضمون ﴿إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ.......﴾ والی آیات میں بیان کیا گیا ہے، اس حدیث کے پہلے حصے میں اسی مضمون کا تذکرہ ہے کہ صحابہ کرام خلق خدا کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، کاریگری اور ہنرمندی کا اندازہ لگاتے اور پھر اس کے قریب ہونے کی مزید کوشش کرتے۔ اگر اس ضمن میں صرف ایک پرندے پر غور کیا جائے کہ وہ کیسے اڑتا ہے، اس کے اڑنے کا انداز کیسا ہے، وہ کتنا خوبصورت ہے، وہ اپنے رزق کی تلاش کیسے کرتا ہے، اس میں یہ شعور کہاں سے آ گیا کہ انڈوں سے یوں بچے نکلتے ہیں، پھر ان کو اس انداز میں خوراک مہیا کی جاتی ہے،...... بالآخر سوچنے والا کہے گا: ﴿سُبْحٰنَكَ مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾

جاہل کو کیسے تعلیم دی جائے؟

(۳۸۷)۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ شُرَحْبِيْلٍ ، قَالَ: أَصَابَتْنِي سَنَةٌ ، فَدَخَلْتُ حَائِطاً مِنْ حِيْطَان الْمَدِيْنَةِ ، فَفَرَكْتُ سُنْبُلَةً فَأَكَلْتُ ، وَحَمَلْتُ فِي ثَوْبِي ، فَجَاءَ صَاحِبُهُ ، فَضَرَبَنِيْ ، وَأَخَذَ ثَوْبِيْ ، فَأَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لَهُ: ((مَا عَلَّمْتَهُ إِذْ كَانَ جَاهِلاً وَلَا أَطْعَمْتَهُ إِذْ كَانَ سَاغِباً أَوْ جَائِعاً.)) وَأَمَرَهُ ، فَرَدَّ عَلَيَّ ثَوْبِيْ ، وَأَعْطَانِي وَسْقًا أَوْ نِصْفَ وَسْقٍ مِّنْ طَعَامٍ۔ (الصحيحة: ۲۲۲۹)

حضرت عباد بن شرحبیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں قحط سالی میں مبتلا ہو گیا، میں مدینہ کے باغوں میں سے کسی ایک باغ میں داخل ہوا، ایک سٹے کو ملا اور اس سے دانے نکالے۔ کچھ دانے کھا لیے اور کچھ کپڑے میں اٹھا لیے، اتنے میں باغ کا مالک آ گیا، اس نے مجھے مارا اور میرا کپڑا چھین لیا۔ میں (شکایت لے کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا (اور ساری بات بتائی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (باغ کے اس مالک) سے فرمایا: ”وہ جاہل تھا تو نے اسے تعلیم نہیں دی اور وہ بھوکا تھا تو نے اسے کھلایا نہیں۔“ پھر آپ نے اسے حکم دیا، اس نے میرا کپڑا مجھے لوٹا دیا اور مجھے ایک یا نصف وسق کھانے کا بھی دیا۔

تخريج: أخرجه أبوداود:١/ ٤٠٨-٤٠٩ ، وابن ماجه:٢/ ٤٤ ، والحاكم:٤/ ١٣٣ ، و البيهقي:١٠/ ٢ ، وأحمد:٤/ ١٦٦-١٦٧ ، وابن سعد:٧/ ٥٥

(۳۸۸)۔ عَنْ عَبَّادِ بْنِ شُرَحْبِيْلٍ ، قَالَ: أَصَابَتْنِي سَنَةٌ فَدَخَلْتُ حَائِطًا مِنْ حِيْطَان الْمَدِيْنَةِ فَفَرَكْتُ سُنْبُلاً فَأَكَلْتُ وَحَمَلْتُ فِي ثَوْبِيْ فَجَاءَ صَاحِبُهُ ، فَضَرَبَنِي وَأَخَذَ ثَوْبِي فَأَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لَهُ:

حضرت عباد بن شرحبیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں قحط سالی میں مبتلا ہو گیا، میں مدینہ کے باغوں میں سے کسی ایک باغ میں داخل ہوا، ایک سٹے کو ملا اور اس سے دانے نکالے۔ کچھ دانے کھا لیے اور کچھ کپڑے میں اٹھا لیے، اتنے میں باغ کا مالک آ گیا، اس نے مجھے مارا اور میرا کپڑا چھین لیا۔ میں (شکایت

((مَا عَلَّمْتَهُ إِذْ كَانَ جَاهِلاً وَلَا أَطْعَمْتَهُ إِذْ كَانَ سَاغِبًا أَوْ جَائِعًا)) وَأَمَرَهُ فَرَدَّ عَلَيَّ ثَوْبِي وَأَعْطَانِي وَسْقاً أَوْ نِصْفَ وَسْقٍ مِنْ طَعَامٍ۔ (الصحيحة:٤٥٣)

لے کر) رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا (اور ساری بات بتائی) آپ ﷺ نے (باغ کے اس مالک) سے فرمایا: ''وہ جاہل تھا تو نے اسے تعلیم نہیں دی اور وہ بھوکا تھا تو نے اسے کھلایا نہیں۔'' پھر آپ نے اسے حکم دیا، اس نے میرا کپڑا مجھے لوٹا دیا اور مجھے ایک یا نصف وسق کھانے کا بھی دیا۔

تخريج: أخرجه أبوداود: ١/ ٤٠٨-٤٠٩ ، والنسائي: ٢/ ٢٠٩ ، وابن ماجه: ٢/ ٤٥ ، والحاكم: ٤/ ١٣٣ ، وأحمد: ٤/ ١٦٦

شرح:...... شرعی قانون کے مطابق اس آدمی کا باغ سے دانے اٹھا کر لے جانا غلطی تھی، اس کے احکام مقرر ہیں، چونکہ یہ آدمی جاہل تھا، اس لیے آپ ﷺ نے اسے معذور قرار دیا اور مالک کو معمولی سی سرزنش کر دی۔

''صاع'' ایک پیمانے کا نام ہے، جو دو کلو سو گرام کے برابر ہوتا ہے اور ایک وسق میں ساٹھ صاع ہوتے ہیں۔

قرآن اور دودھ کی وجہ سے امت کی ہلاکت؟

(٣٨٩)۔ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرِ الْجُهَنِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((هَلَاكُ أُمَّتِي فِي الْكِتَابِ وَاللَّبَنِ۔)) قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا الْكِتَابُ وَاللَّبَنُ؟ قَالَ: يَتَعَلَّمُوْنَ الْقُرْآنَ فَيَتَأَوَّلُوْنَهُ عَلَى غَيْرِ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَيُحِبُّوْنَ اللَّبَنَ فَيَدَعُوْنَ الْجَمَاعَاتِ وَالْجُمَعَ، وَيَبْدُوْنَ۔)) (الصحيحة: ٢٧٧٨)

سیدنا عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میری امت کی ہلاکت (اللہ کی) کتاب اور دودھ میں ہوگی۔'' صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! یہ کیا کتاب اور کیا دودھ (ہمیں بات سمجھ نہیں آئی)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن کی تعلیم حاصل کریں گے، لیکن ایسے معنی پر اس کی تاویل کریں گے، جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے نازل نہیں کیا۔ اور دودھ کو (اس قدر) پسند کریں گے کہ جماعتیں اور جمعے چھوڑ دیں گے اور جنگلوں (اور دیہاتوں) کی طرف نکل جائیں گے۔''

تخريج: أخرجه الامام أحمد: ٤/ ١٥٥

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابن عبد البر نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا: ''باب فيمن تأول القرآن او تدبره وهو جاهل بالسنة'' (اس شخص کے بیان میں، جو قرآن کی تاویل کرتا ہے یا اس میں غور و خوض کرتا ہے، جبکہ وہ سنت سے جاہل ہے)

پھر انھوں نے کہا: تمام اہل بدعت نے سنتوں سے اعراض کیا اور قرآن مجید کی وہ تاویل بیان کی، جو سنتوں میں پیش کی گئی تفسیر کے مخالف ہے، پس وہ خود بھی گمراہ ہو گئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کر دیا۔ ہم اللہ تعالیٰ کی رسوائی سے پناہ

چاہتے ہیں اور اس سے توفیق اور عصمت و سالمیت کا سوال کرتے ہیں۔

میں (البانی) کہتا ہوں: ان بدعتیوں کی گمراہی کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالی کے اس فرمان سے غافل ہیں، جس میں اللہ تعالی نے آپ ﷺ کا منصب بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ (سورهٔ نحل: ٤٤) ...... ''اور ہم نے یہ ذکر (کتاب) آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا، آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں۔'' (صحیحه: ۲۷۷۸)

کتنے تعجب کی بات ہے کہ آج کل مخصوص فقہ کے دعویدار لوگ قرآن مجید کی آیات کا سہارا لے کر احادیث کو ردّ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سبحان اللہ! جس ہستی پر یہ کتابِ عظیم نازل ہوئی، جس شخصیت کو تشریحِ قرآن کا عہدہ سونپا گیا، اس کے فرموداتِ عالیہ کا قرآن سے ٹکراؤ پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ احادیثِ نبویہ سے دوری، خواہش پرستی، مخصوص مسلک کی بے جا طرفداری اور اندھی تقلید کا نتیجہ ہے۔ مزید اسی کتاب کے عنوان ''حدیث نبوی بھی حجت ہے'' کا مطالعہ کریں۔

رہا مسئلہ کہ دودھ کی وجہ سے ہلاکت کا، تو کیا یہ درست ہوگا کہ دودھ سے مراد صرف دودھ ہی لیا جائے یا اس کی تمام مصنوعات، یا یہ کہا جائے کہ دودھ کو بطور مثال ذکر کیا گیا، آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ لوگ ماکولات و مشروبات کے پیچھے پڑ جائیں گے؟

اگر دودھ سے دودھ ہی مراد لیا جائے، تو ممکن ہے کہ ماضی میں ایسے لوگ رہے ہوں جنھوں نے دودھ کی وجہ سے مساجد سے بیزاری کا اظہار کیا ہو یا پھر مستقبل میں ایسے لوگوں کا وجود پایا جائے گا۔

اگر عصر حاضر کے لوگوں کے کردار پر نگاہ ڈالی جائے تو تیسرا معنی زیادہ مناسب معلوم ہو رہا ہے، کیونکہ لوگ ہوٹلوں، بالخصوص آبادی سے دور طعام گاہوں، آئس کریم مرکزوں اور کھیر گاہوں غرضیکہ زبان کے چسکوں اور دولت کی نمائش میں پڑ کر نماز اور جمعہ سے غافل ہو کر رہ گئے ہیں، ہر ایک مالدار کو بڑے بڑے ہوٹلوں کے کھلنے اور بند ہونے کے اوقات کا علم ہے، جس کا وہ لحاظ بھی کرتا ہے، لیکن وہ جاہل ہوگا تو پانچ نمازوں کے اوقات سے، خطبۂ جمعہ کی ابتدا کے وقت سے اور ان گھڑیوں کے تقاضے پورے کرنے سے۔ مساجد کے قریب واقع ہوٹلوں میں دودھ سوڈے کے بہانے آدھی آدھی رات تک بیٹھیں رہیں گے، لیکن نمازِ عشا پڑھنے کی توفیق نہیں ہوگی۔

جنگلوں کی طرف نکل جانے کا ایک مقصد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ چراگاہوں میں جا کر دودھ تلاش کیا جائے۔

مختلف امارتوں، فتنوں اور تفرقہ بازیوں کے ادوار کو کیسے گزارا جائے؟ حدیث کی رہنمائی

(۳۹۰)۔ عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْخَيْرِ، وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: لوگ رسول اللہ ﷺ سے خیر کے بارے میں سوال کرتے تھے اور میں شرّ کے بارے میں دریافت کرتا تھا تا کہ اس میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ (ایک دن)

يُدْرِكَنِيْ، فَقُلْتُ:يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّا كُنَّا فِيْ جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ، فَجَاءَ نَا اللّٰهُ بِهٰذَا الْخَيْرِ فَنَحْنُ فِيْهِ، وَجَاءَ بِكَ فَهَلْ بَعْدَ هٰذَا الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ كَمَا كَانَ قَبْلَهُ؟، قَالَ: ((يَا حُذَيْفَةُ! تَعَلَّمْ كِتَابَ اللّٰهِ، وَاتَّبِعْ مَافِيْهِ۔)) (ثَلَاثَ مَرَّاتٍ) قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَبَعْدَ هٰذَا الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ: ((نَعَمْ۔)) قُلْتُ: فَمَا الْعِصْمَةُ مِنْهُ؟ قَالَ: ((اَلسَّيْفُ۔)) قُلْتُ: وَهَلْ بَعْدَ ذٰلِكَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ؟ (وَفِيْ طَرِيْقٍ:قُلْتُ: وَهَلْ بَعْدَ السَّيْفِ بَقِيَّةٌ؟)قَالَ: ((نَعَمْ، وَفِيْهِ (وَفِيْ طَرِيْقٍ: تَكُوْنُ إِمَارَةٌ(وَفِيْ لَفْظٍ: جَمَاعَةٌ) عَلٰى أَقْذَاءٍ، وَهُدْنَةٌ عَلٰى دَخَنٍ۔)) قُلْتُ: وَمَا دَخَنُهُ؟ قَالَ: ((قَوْمٌ (وَفِيْ طَرِيْقٍ أُخْرٰى: يَكُوْنُ بَعْدِيْ أَئِمَّةٌ يَسْتَنُّوْنَ بِغَيْرِ سُنَّتِيْ، وَيَهْتَدُوْنَ بِغَيْرِ هَدْيِيْ، تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ وَسَيَقُوْمُ فِيْهِمْ رِجَالٌ قُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الشَّيَاطِيْنِ، فِيْ جُثْمَانِ إِنْسٍ))۔ (وَفِيْ أُخْرٰى: اَلْهُدْنَةُ عَلٰى دَخَنٍ مَاهِيَ؟ قَالَ: ((لَاتَرْجِعُ قُلُوْبُ أَقْوَامٍ عَلَى الَّذِيْ كَانَتْ عَلَيْهِ۔)) قُلْتُ: فَهَلْ بَعْدَ ذٰلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ: ((نَعَمْ، فِتْنَةٌ عَمْيَاءُ صَمَّاءُ، عَلَيْهَا دُعَاةٌ عَلٰى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ، مَنْ اَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوْهُ فِيْهَا)) قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! صِفْهُمْ لَنَا، قَالَ: ((هُمْ مِنْ جِلْدَتِنَا، وَيَتَكَلَّمُوْنَ بِأَلْسِنَتِنَا۔)) قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَمَا

میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم جاہلیت اور شرّ کا زمانہ گزار رہے تھے، اللہ تعالی نے اسلام، جسے ہم نے قبول کیا، کو اور آپ کو ہماری طرف بھیجا۔ (اب سوال یہ ہے کہ) کیا اس خیر کے بعد پھر شرّ (کا غلبہ ہوگا) جیسا کہ پہلے تھا؟ آپ ﷺ نے تین دفعہ فرمایا: ''حذیفہ! اللہ کی کتاب پڑھ اور اس کے احکام پر عمل کر۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا اُس شرّ کے بعد پھر خیر ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔'' میں نے کہا: اس سے بچنے کا کیا طریقہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تلوار۔'' میں نے کہا: کیا اس شرّ کے بعد پھر خیر ہوگی؟ اور ایک روایت میں ہے کہ کیا تلوار کے بعد خیر کا کوئی حصہ باقی رہے گا؟ (یعنی لڑائی کے بعد اسلام باقی رہے گا؟) آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔'' اور ایک روایت میں ہے کہ ''امارت (اور جماعت) تو قائم رہے گی، لیکن معمولی چون و چرا اور دلوں میں نفرتیں اور کینے ہوں گے اور ظاہری صلح، لیکن بباطن لڑائی ہوگی۔'' میں نے کہا: کینے کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے بعد ایک قوم یا مختلف حکمران ہوں گے جو میری سنت پر عمل نہیں کریں گے اور میری سیرت کے علاوہ کوئی اور سیرت اختیار کریں گے، تو ان کے بعض امور کو اچھا سمجھے گا اور بعض کو برا اور ان میں ایسے لوگ بھی منظرِ عام پر آئیں گے جو انسانوں کے روپ میں ہوں گے، لیکن ان کے دل شیطانی ہوں گے۔'' ایک روایت میں ہے: میں نے کہا: ظاہری صلح بباطن لڑائی اور دلوں میں کینہ، ان چیزوں کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کے دل (ان خصائل حمیدہ) کی طرف نہیں لوٹیں گے، جن سے وہ پہلے متصف ہوں گے۔'' میں نے کہا: کیا اس خیر کے

تَأْمُرُنِي إِنْ أَدْرَكَنِي ذٰلِكَ؟ قَالَ: ((تَلْتَزِمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَإِمَامَهُمْ، تَسْمَعُ وَتُطِيْعُ الْأَمِيْرَ، وَإِنْ ضُرِبَ ظَهْرُكَ، وَأُخِذَ مَالُكَ فَاسْمَعْ وَأَطِعْ۔)) قُلْتُ: فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلَا إِمَامٌ؟ قَالَ: ((فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا، وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ بِأَصْلِ شَجَرَةٍ، حَتّٰى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلٰى ذٰلِكَ۔)) وَفِي طَرِيْقٍ: ((فَإِنْ تَمُتْ يَاحُذَيْفَةُ وَأَنْتَ عَاضٌّ عَلٰى جِذْلٍ خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ تَتَّبِعَ أَحَدًا مِّنْهُمْ۔)) وَفِي أُخْرٰى: ((فَإِنْ رَأَيْتَ يَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فِي الْأَرْضِ خَلِيْفَةً فَالْزَمْ وَإِنْ ضُرِبَ ظَهْرُكَ وَأُخِذَ مَالُكَ، فَإِنْ لَّمْ تَرَ خَلِيْفَةً فَاهْرُبْ فِي الْأَرْضِ حَتّٰى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَاضٌّ عَلٰى جِذْلِ شَجَرَةٍ۔)) قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: ((ثُمَّ يَخْرُجُ الدَّجَّالُ۔)) قَالَ: قُلْتُ: فَبِمَ يَجِيْءُ؟ قَالَ: ((بِنَهْرٍ۔ أَوْ قَالَ: مَاءٍ وَنَارٍ۔ فَمَنْ دَخَلَ نَهْرَهُ حَطَّ أَجْرُهُ، وَوَجَبَ وِزْرُهُ، وَمَنْ دَخَلَ نَارَهُ وَجَبَ أَجْرُهُ، وَحَطَّ وِزْرُهُ۔)) قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ: فَمَا بَعْدَ الدَّجَّالِ؟ قَالَ: ((عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ۔)) قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: ((لَوْأَنْتَجْتَ فَرَسًا لَمْ تَرْكَبْ فُلُوَّهَا حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ۔))

(الصحيحة:۲۷۳۹)

بعد بھی شرّ ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں، اندھا دھند فتنہ ہو گا، اور (اس میں ایسے لوگ ہوں گے کہ گویا کہ) وہ جہنم کے دروازوں پر کھڑے داعی ہیں، جو آدمی ان کی بات مانے گا وہ اس کو جہنم میں پھینک دیں گے۔“ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ایسے لوگوں کی صفات بیان کرو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ ہماری نسل کے ہوں گے اور ہماری طرح باتیں کریں گے۔“ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر ایسا زمانہ مجھے پا لے تو میرے لیے کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مسلمانوں کی جماعت اور ان کے حکمران کو لازم پکڑے رکھنا، امیر کی بات سننا اور ماننا۔ اگرچہ تیری پٹائی کر دی جائے اور تیرا مال لوٹ لیا جائے پھر بھی ان کی بات سننا اور اطاعت کرنا۔“ میں نے کہا: اگر سرے سے مسلمانوں کی جماعت ہو نہ حکمران (تو پھر میں کیا کروں)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تمام فرقوں سے کنارہ کش ہو جانا، اگرچہ کسی درخت کے تنے کے ساتھ چمٹنا پڑے، یہاں تک کہ تجھے موت پا لے اور تو اسی حالت میں ہو۔“ اور ایک روایت میں ہے: ”حذیفہ! کسی درخت کے تنے کا ساتھ چمٹ کر مرنا ان حکمرانوں) کی اطاعت کرنے سے بہتر ہو گا۔“ اور ایک روایت میں ہے: ”اگر ان دنوں میں تجھے اللہ کی زمین میں کوئی خلیفہ مل جائے تو اس کو لازم پکڑنا، اگرچہ وہ تیری پٹائی کرے اور تیرا مال چھین لے اور اگر تجھے کوئی خلیفہ نظر نہ آئے تو کسی (گوشۂ) زمین میں بھاگ جانا، حتی کہ تجھے موت آ جائے اور تو کسی درخت کے تنے کے ساتھ چمٹا ہوا ہو۔“ میں نے کہا: پھر کیا ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”پھر دجال ظاہر ہو گا۔“ میں نے کہا: وہ کون سی علامت لے کر آئے گا؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہر یا پانی اور آگ کے ساتھ آئے گا، جو اس کی نہر میں داخل ہوا اس کا اجر ضائع اور گناہ ثابت ہو جائے گا اور جو اس کی آگ میں داخل ہوا اس کا اجر ثابت ہو جائے گا اور اس کا جرم مٹ جائے گا۔“ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! دجال کے بعد کیا ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”عیسی بن مریم۔“ میں نے کہا: پھر کیا ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر اس وقت تیری گھوڑی کا بچہ پیدا ہوا تو وہ ابھی تک اس قابل نہیں ہو گا کہ تو اس پر سواری کر سکے، کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔

تخریج: قد جاء هذا الحديث مطولا و مختصرا من طرق، جمعت هنا فوائدها، وضممت اليه زوائدها في أماكنها المناسبة للسياق۔ (لكن ما ميزنا الزوائد)

الطريق الأول :أخرجه البخاري:٣٦٠٦، ٧٠٨٤، ومسلم :٦/ ٢٠، وأبو عوانة: ٥/ ٥٧٤، والطبراني في "مسندالشامين": ص١٠٩/ ١، والداني في "الفتن": ق٤/ ١، وابن ماجه ببعضه: ٢/ ٤٧٥

الثانية: أخرجه مسلم

الثالثة : أخرجه أبو عوانة:٥/ ٤٧٦، وأبوداود :٤٢٤٤۔٤٢٤٧، والنسائي في"الكبرى": ٥/ ١٧/ ٨٠٣٢، والطيالسي في "مسنده": ٤٤٢، ٤٤٣، وعبدالرزاق في "المصنف": ١١/ ٣٤١/ ٢٠٧١١، وأحمد:٥/ ٣٨٦، ٤٠٣، ٤٠٤، ٤٠٦، والحاكم :٤/ ٤٣٢، وابن أبي شيبة: ١٥/ ٨/ ١٨٩٦٠، ١٨٩٦١، ١٨٩٨٠

الرابعة : أخرجه النسائي في "الكبرى": ٥/ ١٨/ ٨٠٣٣، وابن ماجه :٢/ ٤٧٦، والحاكم:٤/ ٤٣٢

الخامسة : أخرجه الطبراني في"الأوسط": ١/ ٢٠٢/ ٢/ ٣٦٧٤

شرح:...... پہلے بھی یہ توضیح پیش کی جا چکی ہے کہ اسلام ایسا کامل مذہب ہے کہ یہ اہل اسلام کی مکمل رہنمائی کرتا ہے، بالخصوص اس ضمن میں کہ اچھے یا برے حالات میں مسلمان کے شب و روز کیسے گزرنے چاہئیں۔ لیکن یہ رہنمائی حاصل کرنے کے لیے مسلمان کا صاحب بصیرت ہونا اور صاحب علم ہونا یا اہل علم سے رابطہ کرنا ضروری ہے، وگرنہ عصر حاضر کی طرح اکثر مسلمان ابن الوقتی اختیار کر جاتے ہیں اور شریر لوگوں کی ہاں میں ہاں ملا کر وقت گزارنے میں عافیت سمجھتے ہیں۔

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: مشکل الفاظ کے معانی:

”السیف“ :تلوار کے ذریعے عفت و عصمت کا تحفظ ہو گا۔ قتادہ کہتے ہیں: اس شرّ سے مراد وہ لوگ ہیں، جو آپ ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مرتدّ ہو گئے تھے۔

”بقیّة“ :یعنی جب ہم ان سے لڑیں گے، تو کیا اس لڑائی کے بعد اسلام باقی رہے گا؟

”أقـذاء“ :ابن اثیر کہتے ہیں: ”قذاۃ“ کی جمع ”القذی“ ہے اور ”القذی“ کی جمع ”أقذاء“ ہے۔ لغت میں اس

سے مراد وہ مٹی یا بھوسے کے تنکے یا میل کچیل ہے، جو آنکھ میں پڑتی ہے یا پانی میں گرتی ہے۔ حدیث میں اس لفظ کا مفہوم یہ ہے کہ بظاہر مسلمان اکٹھے تو ہوں گے، لیکن ان کے دلوں میں فساد اور کینہ ہوگا۔

"دَخَن" : قتادہ کی رائے کے مطابق اس سے مراد کینہ ہے، متن میں مذکور ایک طریق میں اس کی تفسیر یہ بیان کی گئی ہے: "لوگوں کے دل (ان خصائل حمیدہ) کی طرف نہیں لوٹیں گے، جن سے وہ پہلے متصف ہوں گے۔"

"جِذْل" : وہ لکڑی، جو اس مقصد کے لیے گاڑھی جاتی ہے، تا کہ اونٹ اس کے ساتھ خارش کریں۔

"فُلُوّھا" : ابن اثیر نے کہا: گھوڑے یا پالتو خچر وغیرہ کا چھوٹا سا بچھڑا۔

میں (البانی) کہتا ہوں: یہ حدیث نبوت کی عظیم نشانیوں میں سے ایک ہے۔ اس میں امت کی خیر خواہی کی گئی ہے۔ آج مسلمانوں کو سب سے زیادہ ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ فرقہ بندی اور حزبیت سے چھٹکارا حاصل کریں کہ جس کی وجہ سے ان کا شیرازہ منتشر ہو چکا ہے اور ان کی عظمت وسطوت راکھ بن چکی ہے، انہی وجوہات کی وجہ سے ان کا دشمن ان پر غالب آچکا ہے۔ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم﴾ (سورۂ انفال: ٤٦) ...... "آپس میں اختلاف نہ کرو، ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔"

اہم فائدہ: حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ طبری نے کہا: اس حدیث میں یہ وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ جب مسلمانوں کا ایک حاکم وخلیفہ نہ ہو اور وہ مختلف فرقوں میں بٹ چکے ہوں، تو پھر کسی مخصوص فرقے کی پیروی نہ کرے اور تمام تنظیموں سے علیحدگی اختیار کر لے، بشرطیکہ ایسا کرنے میں کسی شرّ کا خطرہ نہ ہو، اس موضوع پر مختلف احادیث میں یہی جمع وتطبیق مناسب ہے۔ (صحیحہ: ۲۷۳۹)

اَلطَّھَارَۃُ وَالْوُضُوْءُ

طہارت اور وضو کا بیان

الطھارۃ: لغوی معنی: صاف ہونا، پاک ہونا، عیب دار قول وفعل سے بری ہونا

اصطلاحی تعریف: شرعی اصولوں کے مطابق نجاست اور گندگی سے صفائی ستھرائی حاصل کرنے کو شرعی اصطلاح میں ''طہارت'' کہتے ہیں۔ وہ نجاست خواہ حقیقی ہو، جیسے پیشاب اور پائخانہ وغیرہ یا حکمی اور معنوی ہو، جیسے دبر سے ہوا کا خارج ہونا، اول الذکر کو ''خَبَث'' کہتے ہیں اور مؤخر الذکر کو ''حَدَث''

الوضوء: لغوی معنی: صفائی، اس کا مادہ ''وَضْأً'' اور ''وَضَاءَۃً'' بھی ہے، جس کے معانی ہیں: حسن اور صفائی میں کسی پر فوقیت لے جانا، حسین وجمیل ہونا

اصطلاحی تعریف: مخصوص اعضا کو مخصوص مقدار کے ساتھ دھونا اور مسح کرنا ''وضو'' کہلاتا ہے۔

سیدنا جبریل نے وضو کی تعلیم دی

(۳۹۱)۔ عَنْ زَیْدِ بْنِ حَارِثَۃَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((أَتَاہُ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِيْ أَوَّلِ مَا أُوْحِيَ إِلَیْہِ، فَعَلَّمَہُ الْوُضُوْءَ وَالصَّلَاۃَ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الْوُضُوْءِ، أَخَذَ غُرْفَۃً مِنْ مَاءٍ فَنَضَحَ بِھَا فَرْجَہُ۔))

(الصحیحۃ:۸٤۱)

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آپ ﷺ کی طرف وحی کے ابتدائی زمانے میں جبریل آئے اور آپ ﷺ کو وضو اور نماز کی تعلیم دی، جب وہ وضو سے فارغ ہوئے تو پانی کا ایک چلو لیا اور اسے اپنی شرمگاہ پر چھڑک دیا۔''

تخریج: أخرجہ ابن ماجہ: ۱/ ۱۷۲۔۱۷۳، والدارقطني: ص٤۱، والحاکم: ۳/ ۲۱۷، والبیھقي: ۱/ ۱٦۱، وأحمد: ٤/ ۱٦۱

شرح:...... یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وضو اور نماز کی اہمیت ہے کہ صرف وحی پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ تعلیم دینے کا بندوبست بھی کیا گیا۔

مسواک کی اہمیت

(٣٩٢)۔ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :((أَكْثَرْتُ عَلَيْكُمْ فِي السِّوَاكِ۔)) (الصحيحة:٣٩٩٥)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تم پر مسواک کے معاملے بہت زیادہ تاکید کرتا ہوں۔''

تخريج: أخرجه البخاري:٨٨٨، وابن حبان:٢/ ٢٠١/ ١٠٦٣، والدارمي:١٧٤، والنسائي:١/ ٦، والبيهقي:١/ ٣٥، وابن أبي شيبة في "مصنفه": ١/ ١٧١، وأحمد: ٣/ ١٤٣

(٣٩٣)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((أُمِرْتُ بِالسِّوَاكِ حَتّٰى خِفْتُ عَلٰى أَسْنَانِي۔)) (الصحيحة: ١٥٥٦)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مجھے مسواک کرنے کا (اس قدر زیادہ حکم دیا) کہ میں اپنے دانتوں کے بارے میں ڈرنے لگ گیا۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ٣/ ١٥٥/ ٢، وعنه الضياء في "المختارة": ٦١/ ٢٤٩/ ١

شرح:...... دانتوں کے بارے میں ڈرنے کا یہ مفہوم ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اکھڑ جائیں۔

(٣٩٤)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ : كَانَ ﷺ لَايَنَامُ إِلَّا وَالسِّوَاكُ عِنْدَهُ، فَإِذَا اسْتَيْقَظَ بَدَأَ بِالسِّوَاكِ۔ (الصحيحة: ٢١١١)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ سوتے تو مسواک آپ کے پاس ہوتا، جب بیدار ہوتے تو مسواک سے ابتدا کرتے۔

تخريج: أخرجه أحمد:٢/ ١١٧، وابن نصر في "قيام الليل":٤٣

(٣٩٥)۔ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلٰى، عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ رَفَعَهُ قَالَ: ((لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِي، لَفَرَضْتُ عَلٰى أُمَّتِي السِّوَاكَ كَمَا فَرَضْتُ عَلَيْهِمْ الْوُضُوْءَ۔)) (الصحيحة: ٣٠٦٧)

عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ کسی صحابیٔ رسول سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں اپنی امت پر مشقت نہ سمجھتا تو ان پر مسواک کو یوں فرض قرار دیتا، جیسے وضو کو لازم کیا ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن أبي شيبة في "المصنف": ١/ ١٧٠، وأخرجه النسائي في "السنن الكبرى": ٢/ ٣٦٦/ ٢٩٢٩، والحاكم: ١/ ١٤٦، وعنه البيهقي: ١/ ٣٦ عن ابي هريرة بلفظ: ((لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِي لَفَرَضْتُ عَلَيْهِمُ السِّوَاكَ مَعَ كُلِّ وُضُوءٍ۔))

شرح:...... امام صنعانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: مسواک کے بارے میں بہت ساری احادیث وارد ہوئی ہیں، مثلا: مسواک انبیا کی سنت ہے، یہ خصائل فطرت میں سے ہے اور جس نماز سے پہلے مسواک کیا جائے، اس کی اس نماز پر ستر

گنا فضیلت ہے، جس کے لیے مسواک نہ کیا جائے۔ مسواک کے بارے ایک سو سے زیادہ احادیث مروی ہے، لیکن بڑا تعجب ہے کہ اس سنت کے بارے میں اتنی زیادہ احادیث ہیں، لیکن پھر بھی عوام الناس، بلکہ علما وفقہا کی کثیر تعداد اس سنت سے غافل ہے، یہ بہت بڑی ناکامی ہے۔ (سبل السلام: ۱/ ۸۷)

وضو ایک تہائی نماز ہے

(۳۹۶)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلصَّلَاةُ ثَلَاثَةُ أَثْلَاثٍ: الطُّهُوْرُ ثُلُثٌ، وَالرُّكُوْعُ ثُلُثٌ، وَالسُّجُوْدُ ثُلُثٌ، فَمَنْ أَدَّاهَا بِحَقِّهَا قُبِلَتْ مِنْهُ، وَقُبِلَ مِنْهُ سَائِرُ عَمَلِهِ، وَمَنْ رُدَّتْ عَلَيْهِ صَلَاتُهُ رُدَّ عَلَيْهِ سَائِرُ عَمَلِهِ۔)) (الصحیحۃ:۲۵۳۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نماز تین حصوں پر مشتمل ہے: ایک تہائی حصہ طہارت ہے، ایک تہائی حصہ رکوع ہے اور ایک تہائی حصہ سجدے ہیں۔ جس نے اس کو کما حقہ ادا کیا، اس کی نماز بھی قبول کی جائے گی اور بقیہ اعمال بھی مقبول ہوں گے اور جس کی نماز ردّ کر دی گئی، اس کے باقی اعمال بھی ردّ کر دیے جائیں گے۔''

تخریج: أخرجه البزار في "مسنده":۱/ ۱۷۷/ ۳۴۹

شرح:...... چونکہ نماز میں طہارت، رکوع اور سجود کو مرکزیت حاصل ہے، اس لیے ان تین امور کا بطورِ خاص ذکر کیا گیا ہے، وگرنہ مزید ایسے ارکان وفرائض موجود ہیں، جن کے معدوم ہونے کی صورت نماز باطل ہو جاتی ہے۔

آپ ﷺ عام برتنوں کے ساتھ وضو کر لیتے

(۳۹۷)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ، قَالَ قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! الْوُضُوْءُ مِنْ جَرٍّ جَدِيْدٍ مُخَمَّرٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ، أَمْ مِنَ الْمَطَاهِرِ؟ قَالَ: ((لَا، بَلْ مِنَ الْمَطَاهِرِ، إِنَّ دِيْنَ اللّٰهِ يُسْرٌ، الْحَنِيْفِيَّةُ السَّمْحَةُ۔)) قَالَ: وَكَانَ يَبْعَثُ إِلَى الْمَطَاهِرِ، فَيُؤْتَى بِالْمَاءِ فَيَشْرَبُهُ، يَرْجُوْ بَرَكَةَ أَيْدِي الْمُسْلِمِيْنَ۔ (الصحیحۃ:۲۱۱۸)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ ڈھانکے ہوئے نئے مٹکے سے وضو کرنا پسند کریں گے، یا لوٹے جیسے دوسرے برتنوں سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ لوٹے جیسے عام برتنوں میں (وضو کرنا پسند کروں گا)۔ بیشک اللہ تعالی کا دین آسان ہے۔ ملتِ اسلام، نرمی وسہولت آمیز شریعت پر مشتمل ہے۔'' آپ ﷺ مطاہر کے لیے بھیجتے تھے، پس پانی لایا جاتا تھا، آپ ﷺ پیتے تھے اور مسلمانوں کے ہاتھوں کی برکت کی امید کرتے تھے۔

تخریج: أخرجه الطبراني في "الأوسط":۳۵، وأبو نعيم في "الحلية":۸/ ۲۰۳

شرح:...... ''مطاہر'' سے مراد وہ برتن ہیں، جن سے طہارت حاصل کی جاتی ہے، مثلا لوٹا، ڈونگا، بالٹی وغیرہ۔

وضو کا طریقہ

(۳۹۸)۔ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ أَبَا جُبَيْرٍ رضی اللہ عنہ قَدِمَ عَلٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بِابْنَتِهِ الَّتِي كَانَ تَزَوَّجَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، فَأَمَرَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ بِوَضُوْءٍ، فَقَالَ: ((تَوَضَّأْ يَا أَبَاجُبَيْرٍ!)) فَبَدَأَ أَبُوْ جُبَيْرٍ بِفِيْهِ، فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَاتَبْدَأْ بِفِيْكَ، فَإِنَّ الْكَافِرَ يَبْدَأُ بِفِيْهِ۔)) ثُمَّ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالْوَضُوْءِ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ حَتّٰى أَنْقَاهُمَا، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ثَلَاثاً، وَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثاً، وَغَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى إِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثًا وَالْيُسْرٰى ثَلَاثاً، وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ۔ (الصحيحة:۲۸۲۰)

عبدالرحمٰن بن جبیر بن نفیر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو جبیر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، جس سے آپ ﷺ نے شادی کی تھی۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے وضو کے پانی کا حکم دیا اور فرمایا: ''ابو جبیر! وضو کرو۔'' ابو جبیر نے منہ سے (وضو کرنا) شروع کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو فرمایا: ''منہ سے شروع نہ کرو، کیونکہ کافر منہ سے شروع کرتا ہے۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے وضو کا پانی منگوایا (اور اس ترتیب سے وضو کیا)، ہتھیلیاں دھوئیں، حتی کہ ان کو صاف کیا، تین بار کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا، تین دفعہ چہرہ دھویا، تین بار کہنی تک دایاں بازو دھویا اور پھر تین دفعہ بایاں، پھر سر کا مسح کیا اور دونوں پاؤں دھوئے۔

تخريج: أخرجه ابن حبان في "صحيحه":١٤٨، والدولابي في "الأسماء والكنى":١/ ٢٣، وأبو أحمد الحاكم في "الكنى": ق٦١/ ٢، والبيهقي في "السنن الكبرى": ١/ ٤٦، وابن عساكر في "تاريخ دمشق": ١٧/ ٣١٥/ ١

(۳۹۹)۔ عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ: كَانَ ﷺ إِذَا تَوَضَّأَ أَدَارَالْمَاءَ عَلٰى مِرْفَقَيْهِ۔

(الصحيحة:۲۰٦٧)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ جب وضو کرتے تو پانی کو اپنی کہنیوں پر گھماتے۔

تخريج: أخرجه الدارقطني في "سننه": ٣١، والبيهقي:١/ ٥٦

(۴۰۰)۔ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ: كَانَ ﷺ يَتَوَضَّأُ وَاحِدَةً وَاحِدَةً، وَثِنْتَيْنِ ثِنْتَيْنِ، وَثَلَاثاً ثَلَاثاً، كُلَّ ذٰلِكَ يَفْعَلُ۔

(الصحيحة: ۲۱۲۲)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کبھی وضو میں ایک ایک دفعہ (اعضا دھوتے)، کبھی دو دو دفعہ اور کبھی تین تین دفعہ۔ ان میں سے ہر طریقہ اپناتے تھے۔

تخريج: قال الهيثمي:١/ ٢٣٣: رواه الطبراني في "الكبير

شـــرح:...... یہ شریعت کی طرف سے رخصت ہے، پانی کی قلت کے پیش نظر یا عمداً صرف ایک مرتبہ اعضا دھو لینے سے وضو مکمل ہو جاتا ہے۔ البتہ دو دو مرتبہ اعضا دھونا ایک ایک مرتبہ اعضا کے دھونے سے زیادہ بہتر ہے، بلکہ اس سے دوہرا اجر ملتا ہے اور تین تین مرتبہ اعضا دھونا سابقہ دونوں صورتوں سے افضل، اعلیٰ اور بہتر ہے۔ جس طرح کہ حدیث مبارکہ میں صراحت کے ساتھ اس کی فضیلت کا بیان آ رہا ہے۔

(٤٠١)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ، قَالَ: دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِوَضُوْءٍ، فَغَسَلَ وَجْهَهُ مَرَّةً، وَيَدَيْهِ مَرَّةً، وَرِجْلَيْهِ مَرَّةً مَرَّةً، وَقَالَ: ((هٰذَا وُضُوْءٌ لَايَقْبَلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ الصَّلَاةَ إِلَّا بِهِ۔)) ثُمَّ دَعَا بِوَضُوْءٍ فَتَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ، وَقَالَ: ((هٰذَا وُضُوْءٌ، مَنْ تَوَضَّأَ ضَاعَفَ اللّٰهُ لَهُ الْأَجْرَ مَرَّتَيْنِ۔)) ثُمَّ دَعَا بِوَضُوْءٍ فَتَوَضَّأَ ثَلَاثًا، وَقَالَ: ((هٰكَذَا وَضُوْءُ نَبِيِّكُمْ وَالنَّبِيِّيْنَ قَبْلَهُ۔)) أَوْ قَالَ: ((هٰذَا وُضُوْئِي وَوُضُوْءُ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي۔)) (الصحيحة: ٢٦١)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کا پانی منگوایا اور اپنا چہرہ، دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں ایک ایک دفعہ دھوئے اور فرمایا: ''یہ وضو ہے کہ جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں کرتے۔'' پھر آپ ﷺ نے پانی منگوایا، دو دو بار (اعضا) دھوئے اور فرمایا: ''یہ وضو ہے، کہ جو آدمی ایسا وضو کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو دوگنا اجر عطا کرے گا۔'' پھر آپ ﷺ نے پانی منگوایا، تین تین بار (اعضا) دھوئے اور فرمایا: ''یہ تمہارے نبی اور اس سے پہلے والے انبیا کا وضو ہے۔'' یا فرمایا: ''یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے قبل انبیا کا وضو رہا ہے۔''

تخريج: رواه ابن شاهين في "الترغيب": ٢٦٢/ ١-٢، وابن السكن في "صحيحه"

(٤٠٢)۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَسْأَلُهُ عَنِ الْوُضُوْءِ؟ فَأَرَاهُ الْوُضُوْءَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ: ((هٰكَذَا الْوُضُوْءُ، فَمَنْ زَادَ عَلٰى هٰذَا فَقَدْ أَسَاءَ وَتَعَدّٰى وَظَلَمَ))

عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ایک بدّو نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور وضو کے بارے میں سوال کیا۔ آپ ﷺ نے اسے وضو کر کے دکھایا، جس میں تین تین دفعہ (اعضا دھوئے)، پھر فرمایا: ''وضو اس طرح کیا جاتا ہے، جو اس (مقدار) سے زیادہ دفعہ (اعضا) دھوتا ہے، وہ برا

(الصحیحة:٢٩٨٠) کرتا ہے، زیادتی کرتا ہے اور ظلم کرتا ہے۔''

تخریج: أخرجه النسائي :١/ ٣٣، وابن ماجه :١/ ١٦٣-١٦٤

شرح:...... درج بالا اور دوسری احادیث صحیحہ سے وضو کے ثابت ہونے والے احکام:

وضو کا مسنون طریقہ: ابتدا میں بسم اللہ پڑھنا، تین دفعہ ہاتھ دھونا اور انگلیوں کا خلال کرنا، تین دفعہ کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا اور یہ دونوں کام صرف ایک چلو سے کرنا، تین دفعہ چہرہ دھونا اور داڑھی کا خلال کرنا، تین دفعہ دایاں اور پھر بایاں بازو کہنیوں سمیت دھونا، سر اور کانوں کا ایک چلو پانی سے مسح کرنا، پھر تین دفعہ دایاں اور تین دفعہ بایاں پاؤں دھونا اور انگلیوں کا خلال کرنا، وضو کے بعد ایک چلو پانی شرمگاہ پر چھڑکنا اور مسنون دعائیں پڑھنا۔

ملحوظات: تین دفعہ اعضا دھونا افضل ہے، اگر تمام اعضا ایک ایک یا دو دو بار دھوئے جائیں یا ایک وضو کے دوران کوئی عضو ایک دفعہ، کوئی دو دفعہ اور کوئی تین دفعہ دھویا جائے تو وضو درست ہوگا۔

کلی کرتے وقت منہ میں پانی کو حرکت دی جائے اور سانس کے ذریعے ناک میں پانی چڑھا کر اسے سانس کے پریشر کے ذریعے باہر نکالا جائے، اور یہ دونوں کام ایک چلو پانی سے کیے جائیں، یعنی آدھے چلو سے کلی کی جائے اور آدھے سے ناک کی صفائی۔

سر پر مسح کرنے کے تین طریقے ہیں: مکمل سر پر، مکمل پگڑی پر اور سر کے اگلے حصے پر اور باقی پگڑی پر۔ سر کا مسح تین دفعہ کرنا بھی درست ہے۔ گردن اور اس کے پہلوؤں پر مسح کرنے کی کوئی قابل حجت دلیل نہیں ہے۔

جس حدیث میں وضو کے بعد انگلی اٹھانے کا ذکر ہے، وہ ضعیف ہے اور آسمان کی طرف دیکھنا بھی کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

وضو میں بھی اسراف ہوسکتا ہے؟

(٤٠٣)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّ بِسَعْدٍ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ، فَقَالَ: ((مَاهٰذَا السَّرَفُ يَاسَعْدُ؟)) قَالَ: أَفِي الْوُضُوْءِ سَرَفٌ؟قَالَ: ((نَعَمْ، وَإِنْ كُنْتَ عَلٰى نَهْرٍ جَارٍ۔)) (الصحیحة:٣٢٩٢)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے، وہ وضو کررہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سعد! یہ کیا اسراف ہے؟ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جی ہاں، اگرچہ تو جاری نہر پر بھی ہو۔''

تخریج: أخرجه الأمام أحمد: ٢/ ٢٢١، وابن ماجه: ٤٢٥

شرح:...... اعضائے وضو کو زیادہ سے زیادہ تین دفعہ دھونے کا حکم ہے، اس حد سے تجاوز کرنے والا برا کرتا ہے، زیادتی کرتا ہے اور ظلم کرتا ہے، جیسا کہ نسائی اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے۔

وضو کے بعد پانی کا ایک چلو شرمگاہ پر چھڑکنا

(٤٠٤)۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ رضی اللہ عنہ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((أَتَاهُ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ أَوَّلِ مَا أُوْحِيَ إِلَيْهِ ، فَعَلَّمَهُ الْوُضُوْءَ وَالصَّلَاةَ ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الْوُضُوْءِ ، أَخَذَ غُرْفَةً مِنْ مَّاءٍ فَنَضَحَ بِهَا فَرْجَهُ۔))

(الصحيحة:٨٤١)

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آپ ﷺ کی طرف وحی کے ابتدائی زمانے میں جبریل آئے اور آپ ﷺ کو وضو اور نماز کی تعلیم دی، جب وہ وضو سے فارغ ہوئے تو پانی کا ایک چلو لیا اور اسے اپنی شرمگاہ پر چھڑک دیا۔“

تخريج: أخرجه ابن ماجه :١/ ١٧٢۔١٧٣ ، والدارقطني: ص٤١ ، والحاكم : ٣/ ٢١٧ ، والبيهقي: ١/ ١٦١ ، وأحمد: ٤/ ١٦١

شرح:...... سنن ابی داود، ابن ماجہ اور نسائی وغیرہ کی دیگر روایات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے صراحت کے ساتھ وضو کے بعد چھینٹے مارنے کا معمول نقل کیا ہے۔ اس لیے وضو کے بعد اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

نامکمل وضو باعثِ ہلاکت ہے

(٤٠٥)۔ عَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ ، وَيَزِيْدَ بْنِ أَبِيْ سُفْيَانَ ، وَشُرَحْبِيْلِ بْنِ حَسَنَةَ ، وَعَمْرِو بْنِ الْعَاصِ ، كُلُّ هٰؤُلَاءِ سَمِعُوْا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((أَتِمُّوْا الْوُضُوْءَ ، وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ۔))

(الصحيحة:٨٧٢)

حضرت خالد بن ولید، حضرت یزید بن ابی سفیان، حضرت شرحبیل بن حسنہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”وضو کو مکمل کیا کرو، (وضو میں خشک رہ جانے والی) ایڑھیوں کے لیے آگ سے ہلاکت ہے۔“

تخريج: أخرجه ابن ماجه :١/ ١٧٠

شرح:...... اس حدیثِ طیبہ سے واضح ہوا کہ وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے۔ بعض لوگ وضو میں پاؤں پر مسح کرتے ہیں جو کہ قطعاً درست نہیں، اگر قرآنی آیت کی حقیقی تفسیر نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال کی روشنی میں کی جائے تو یہ بات بالکل عیاں ہوتی ہے کہ پاؤں پر مسح نہیں بلکہ پاؤں کو اچھی طرح دھونا فرض ہے۔ بصورتِ دیگر وضو نہیں ہوگا اور متعلقہ شخص ہلاکت کی وعید کا حقدار ٹھہرے گا۔ ہاں جب موزے پہنے ہوئے ہوں تو کچھ شرائط کے ساتھ مسح کیا جا سکتا ہے۔

(٤٠٦)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم طہارت والے پانی کے ساتھ انگلیوں کو

((لَتَنْهَكُنَّ الْأَصَابِعَ بِالطَّهُوْرِ، أَوْ لَتُنْهِكَنَّهَا النَّارُ۔)) (الصحيحة:٣٤٨٩)

مبالغہ کے ساتھ دھوؤ گے، (وگرنہ) آگ ان کو خوب جلائے گی۔"

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط": ٣/ ١٢٢/ ٢٦٧٤

شرح:...... اعضائے وضو کو اچھے انداز میں دھویا جائے تاکہ کوئی حصہ خشک نہ رہ جائے۔

دورانِ وضو انگلیوں کا خلال کرنا

(٤٠٧)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا تَوَضَّأْتَ فَخَلِّلْ أَصَابِعَ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ۔)) (الصحيحة:١٣٠٦)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تو وضو کرے تو ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں میں خلال کیا کر۔"

تخريج: أخرجه الترمذي: ١/ ١٠، والحاكم: ١/ ١٨٢، وأحمد: ١/ ٢٨٧

(٤٠٨)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((حَبَّذَا الْمُتَخَلِّلُوْنَ مِنْ أُمَّتِي۔)) (الصحيحة:٢٥٦٧)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "بہت خوب ہیں میری امت کے وہ لوگ، جو خلال کرتے ہیں۔"

تخريج: أخرجه الطبراني فی "الأوسط": ١/ ٣٩۔ مصورة الجامعة الأسلامية

(٤٠٩)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ، قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((خَلِّلْ اَصَابِعَ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ۔)) يَعْنِي: إِسْبَاغَ الْوُضُوْءِ، وَكَانَ فِيْمَا قَالَ لَهُ: ((إِذَا رَكَعْتَ فَضَعْ كَفَّيْكَ عَلَى رُكْبَتَيْكَ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ، وَإِذَا سَجَدْتَ فَأَمْكِنْ جَبْهَتَكَ مِنَ الْأَرْضِ، حَتّٰى تَجِدَ حَجْمَ الْأَرْضِ۔)) (الصحيحة: ١٣٤٩)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے نماز کے بارے میں کوئی سوال کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرو۔" آپ کی مراد یہ تھی کہ وضو مکمل کیا جائے۔ مزید آپ ﷺ نے اسے یہ بھی فرمایا تھا: "جب تو رکوع کرے تو اپنی ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھ کر (رکوع کی حالت میں) مطمئن ہو جا اور جب تو سجدہ کرے تو اپنی پیشانی کو اچھی طرح زمین پر رکھ، حتی کہ تو زمین کی ضخامت پائے۔"

تخريج: أخرجه أحمد: ١/ ٢٨٧

شرح:...... اس میں دورانِ وضو ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنے کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ اطمینان کے ساتھ نماز پڑھنے کی تلقین کی گئی ہے۔

آخری جملے کا مفہوم یہ ہے کہ دورانِ سجدہ پیشانی کا زمین پر زور آنا چاہیے اور وہ اس طرح ممکن ہو گا کہ سنت کے مطابق بازوؤں کو پہلوؤں سے اچھی طرح جدا کیا جائے، تا کہ ناک اور پیشانی زمین پر اچھی طرح ٹک سکیں۔

موزوں پر مسح کی مدت اور مزید احکام

جرابوں پر مسح کرنا

(٤١٠)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ فَقِيْلَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ الرَّجُلَ يُحْدِثُ وَيَمْسَحُ عَلٰى خُفَّيْهِ، أَيُصَلِّي؟ قَالَ: ((لَا بَأْسَ بِذٰلِكَ۔)) (الصحيحة:٢٩٤٠)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا گیا: اے اللہ کے رسول! آپ کا اس آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے، جو بے وضو ہو جاتا ہے، پھر وضو کرتا ہے اور موزوں پر مسح کرتا ہے، تو کیا وہ نماز پڑھ سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔''

تخريج: أخرجه ابن حبان في "صحيحه": ١٧٢۔ موارد

(٤١١)۔ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرِ الْجُهَنِّي رضی اللہ عنہ، قَالَ: خَرَجْتُ مِنَ الشَّامِ إِلَى الْمَدِيْنَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَدَخَلْتُ عَلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ، فَقَالَ: مَتٰى أَوْلَجْتَ خُفَّيْكَ فِي رِجْلَيْكَ؟ قُلْتُ: يَوْمَ الْجُمُعَةِ، قَالَ: فَهَلْ نَزَعْتَهُمَا؟ قُلْتُ: لَا، قَالَ: أَصَبْتَ السُّنَّةَ۔ (الصحيحة: ٢٦٢٢)

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں جمعہ کے روز شام سے مدینہ کی طرف نکلا، (وہاں پہنچ کر) میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ انھوں نے کہا: تو نے اپنے پاؤں میں موزے کب پہنے تھے؟ میں نے کہا: جمعہ کے دن۔ انھوں نے کہا: کیا ان کو بعد میں اتارا بھی ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ انھوں نے فرمایا: تو نے سنت کی موافقت کی ہے۔

تخريج: أخرجه الطحاوی فی "شرح المعانی": ١/ ٤٨، والدارقطنی فی "السنن": ص٧٢، والحاكم: ١/ ١٨٠۔ ١٨١، وعنه البيهقی فی "السنن": ١/ ٢٨٠

شرح:...... موزوں پر مسح کرنے سے متعلقہ احکام یہ ہیں: وضو کر کے موزے پہنے جائیں۔ مقیم کو مکمل ایک دن یعنی چوبیس گھنٹے اور مسافر کو تین دنوں تک مسح کرنے کی سہولت دی گئی ہے، اگر کوئی مجبوری ہو تو مسافر سات دنوں تک لگاتار مسح کر سکتا ہے۔ پیشاب، پائخانہ، نیند اور دوسرے نواقض وضو سے جب وضو ٹوٹ جاتا ہے تو مسح کی مدت پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ موزوں کو اتارنا پڑتا ہے، لیکن جب جنابت کا غسل فرض ہو جائے تو موزے اتار کر وضو اور غسل کرنا ضروری ہے۔ مسح کرتے وقت صرف پاؤں کے ظاہری حصے پر ہاتھ پھیرا جائے۔ جرابوں کا بھی یہی حکم ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ایسے لگتا ہے کہ امام بیہقی اور امام نووی وغیرہ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا، کیونکہ انھوں

نے مسح کے تین ایام کے تعین پر دلالت کرنے والی احادیث کے تعارض میں اس حدیث کو ذکر کیا اور ضعیف نہیں کہا......

(موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں متعارض قسم کی روایات مروی ہیں، ایک حدیث کے مطابق مقیم ایک دن تک اور مسافر تین دنوں تک مسح کر سکتا ہے، جبکہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مسافر کو سات ایام تک مسح کرنے کی رخصت ہے۔)

ان دو احادیث میں اس طرح جمع و تطبیق ممکن ہے کہ سات دنوں والی روایت کو ضرورت اور جماعت کی معیت میں رہنے کی وجہ سے موزے نہ اتار سکنے پر محمول کیا جائے، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا بھی یہی خیال ہے...... (صحیحہ : ۲۶۲۲)

(٤١٢)۔ عَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((اِمْسَحُوْا عَلَى الْخِفَافِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ۔)) وَلَوْ اسْتَزَدْنَاهُ لَزَادَنَا۔ (الصحيحة:١٥٥٩)

حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''موزوں پر تین دنوں تک مسح کرو۔'' اگر ہم نے زیادہ (دنوں) کا مطالبہ کیا ہوتا تو آپ ﷺ ہمیں مزید (دنوں کی) رخصت دے دیتے۔

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٢١٣، والطبراني في"المعجم الكبير": رقم۔٣٧٥٥، وابن حبان: ١٨٣

(٤١٣)۔ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ: رَخَّصَ لِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهِنَّ، وَلِلْمُقِيْمِ يَوْماً وَلَيْلَةً، إِذَا تَطَهَّرَ فَلَبِسَ خُفَّيْهِ، أَنْ يَمْسَحَ عَلَيْهِمَا۔ (الصحيحة:٣٤٥٥)

عبدالرحمٰن بن ابوبکرہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسافر کو تین دنوں اور راتوں تک اور مقیم کو ایک دن اور رات تک موزوں پر مسح کرنے کی رخصت دی، (لیکن شرط یہ ہے کہ) اس نے باوضو ہو کر موزے پہنے ہوں۔

تخريج: أخرجه ابن خزيمة في"صحيحه": ١/ ٩٦/ ١٩٢، والطحاوي في"شرح المعاني": ١/ ٥٠، والدارقطني في"سننه": ١/ ١٩٤/ ١، وابن عبدالبر في"التمهيد": ١١/ ١٥٥۔ والسياق لهم۔، والشافعي في"الأم": ١/ ٢٩، وابن أبي شيبة في"المصنف": ١/ ١٧٩، وابن الجارود في"المنتقي": ٣٩/ ٨٧، وابن حبان: ٧٢/ ١٨٤۔ الموارد، وابن ماجه: ٥٥٦، والبيهقي في"سننه": ١/ ٢٨١

(٤١٤)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ ﷺ: ((إِذَا أَدْخَلَ أَحَدُكُمْ رِجْلَيْهِ فِيْ خُفَّيْهِ وَهُمَا طَاهِرَتَانِ فَلْيَمْسَحْ عَلَيْهِمَا، ثَلَاثٌ لِلْمُسَافِرِ، وَيَوْمٌ وَلَيْلَةٌ لِلْمُقِيْمِ۔)) (الصحيحة:١٢٠١)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی آدمی اپنے پاؤں میں موزے پہنے، اس حال کہ اس کے (پاؤں وضو کی وجہ سے) پاک ہوں، تو ان پر مسح کر لیا کرے، مسافر تین دنوں تک کر سکتا ہے اور مقیم ایک دن رات تک۔''

تخريج: رواه ابن أبي شيبة في"المصنف" ١/ ١٢٣

اب ہم جرابوں پر مسح کرنے کے دلائل ذکر کرتے ہیں:

(۱)......سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ایک جماعت کو باہر بھیجا، انہیں سفر میں سردی لگی، جب وہ واپس آئے اور نبی کریم ﷺ سے سردی کی شکایت کی تو فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَمْسَحُوا عَلَى الْعَصَائِبِ وَالتَّسَاخِيْنِ......آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ پگڑیوں اور "تَسَاخِيْن" پر مسح کر لیا کریں۔ (احمد: ٥/ ٢٧٧، ابوداود: ١٤٦)

"تساخین" کے معانی ہیں: گرمی پہنچانے والی چیز، وہ چمڑے کا موزہ ہو یا سوتی یا اونی جرابیں۔

امام ابن ارسلان رحمہ اللہ نے کہا: اصل ذالك كُلُّ مَا يُسْخَنُ بِهِ الْقَدَمُ مِنْ خُفٍّ وَجَوْرَبٍ وَنَحْوِهِمَا ...... "تساخين" ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے پاؤں کو سردی سے بچایا جائے، وہ موزہ ہو یا جراب وغیرہ۔ (عون المعبود: ١/ ٥٦)

(۲)......سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: كَانَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَالْجَوْرَبَيْنِ. ...... نبی کریم ﷺ موزوں اور جرابوں پر مسح کیا کرتے تھے۔ (معجم كبير للطبراني: ١/ ٣٥٠) اس کی سند یزید بن ابی زیاد کی وجہ سے "ضعیف" ہے، لیکن اس کے متعدد شواہد موجود ہیں۔

(۳)......سیدنا ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ وَالنَّعْلَيْنِ ...... نبی کریم ﷺ نے وضو کیا اور جرابوں اور جوتیوں پر مسح کیا۔ (ابن ماجه: ٥٦٠، بيهقي: ١/ ٢٨٥) اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے اور عیسی بن سنان ضعیف ہے، لیکن اس کے شواہد موجود ہیں۔

(۴)......سیدنا ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں: اَتَيْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بِوَضُوءٍ فَمَسَحَ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ وَالنَّعْلَيْنِ وَالْعِمَامَةِ. ......"میں آپ ﷺ کے پاس وضو کا پانی لے کر آیا، آپ ﷺ نے جرابوں اور جوتیوں اور پگڑی پر مسح کیا۔ (معجم اوسط للطبراني: ٢/ ٦٦)

(۵)......سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: تَوَضَّأَ النَّبِيُّ ﷺ وَمَسَحَ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ وَالنَّعْلَيْنِ. ...... نبی کریم ﷺ نے وضو کیا اور جرابوں اور جوتیوں پر مسح کیا۔ (ترمذی: ٩٩، ابوداود: ١٥٩) اس کی سند میں سفیان ثوری مدلس ہے، لیکن دوسرے شواہد کی بنا پر یہ حدیث صحیح ہے۔ البتہ ابن ترکمانی حنفی (متوفی: ۸۴۵ھ) کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔ دیکھیں: الجوهر النقي: ١/ ٢٨٤)

کعب بن عبد اللہ کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پیشاب کیا، پھر اپنی جرابوں اور جوتیوں پر مسح کیا۔

(الاوسط لابن المنذر: ١/ ٤٦٢، المحلى لابن حزم: ٢/ ٨٤)

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جوتیوں کے تسموں سمیت جرابوں پر مسح کیا۔ (تهذيب السنن لابن القيم: ١/ ٢٧٥)

امام ابوداود رحمہ اللہ نے کہا: سیدنا علی بن ابو طالب، سیدنا عبد اللہ بن مسعود، سیدنا براء بن عازب سیدنا انس بن مالک،

سیدنا ابوامامہ، سیدنا سہل بن سعد اور سیدنا عمرو بن حریث رضی اللہ عنہم جرابوں پر مسح کرتے تھے، اور سیدنا عمر بن خطاب اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی عمل مروی ہے۔ (ابو داؤد)

جرابوں پر مسح کے بارے میں صحابہ کا اجماع و اتفاق ہے، دیکھیں: (المغنی لابن قدامہ: ۱/ ۱۸۱، الاوسط لابن المنذر: ۱/ ٤٦٤، المحلی لابن حزم: ۲/ ۸۷)

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے صالح بن محمد ترمذی رحمہ اللہ سے سنا، وہ کہتے تھے کہ میں نے ابو مقاتل سمرقندی سے سنا، وہ کہتے تھے کہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں حاضر ہوا، وہ مرض الموت میں مبتلا تھے، انھوں نے پانی منگوایا اور وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا اور کہا: میں نے آج ایسا کام کیا ہے جو پہلے نہ کرتا تھا، میں نے غیر منعّل جرابوں پر مسح کیا ہے۔ (جامع ترمذی: ۹۹) تفصیل کے لیے دیکھیں: جامع ترمذی از علامہ احمد محمد شاکر: ۱/ ۱٦۷)

فقہ حنفی میں ''قیاس'' پر بہت زور دیا جاتا ہے، اس مسئلہ میں قیاس کا یہی تقاضا تھا کہ جرابوں پر مسح کرنے کے جواز کو تسلیم کیا جاتا، کیونکہ موزوں اور جرابوں کی علت ایک ہے۔

بیداری کے بعد وضو کرتے وقت تین دفعہ ناک جھاڑنا

(٤١٥)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهِ، فَتَوَضَّأَ، فَلْيَسْتَنْثِرْ ثَلَاثًا، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَبِيْتُ عَلٰى خَيْشُوْمِهِ۔)) (الصحيحة: ۳۹٦۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی آدمی نیند سے بیدار ہوا اور وضو کرے تو ناک تین دفعہ جھاڑے، کیونکہ شیطان اُس کی ناک کی جڑ میں رات گزارتا ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ۳۲۹۵۔فتح، ومسلم: ۱/ ۱٤٦، وأبو عوانة: ۱/ ۲٤۸، والنسائي: ۱/ ۲۷، وابن خزيمة في "صحيحه": ۱/ ۷۷/ ۱٤۹، والبيهقي: ۱/ ٤۹، وأحمد: ۲/ ۳٥۲

شرح:...... ویسے تو وضو کے اعضا کو ایک یا دو یا تین دفعہ دھونا درست ہے، لیکن نیند کے بعد کیے جانے والے وضو میں ناک کو تین دفعہ پانی سے جھاڑا جائے، تاکہ شیطان کا اثر ختم ہو جائے۔

عربی لفظ "استنثار" (ناک جھاڑنے) سے مراد یہ ہے کہ آدمی چلو میں پانی لے کر سانس کے ذریعے ناک میں چڑھائے، پھر اس کو سانس کے پریشر کے ساتھ ناک سے خارج کرے۔

یہ معنی نہیں کہ ایک دفعہ ہاتھ سے ناک میں پانی دھکیل کر اس کو بہا دیا جائے اور پھر بائیں ہاتھ سے اسے تین دفعہ جھاڑ دیا جائے اور پھر دو دفعہ پانی بہا دیا جائے، جیسا کہ ہمارے ہاں اکثر لوگ کرتے ہیں۔ احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سانس کے ذریعے چلو سے پانی ناک کی جڑ تک کھینچا جائے، پھر اسے سانس کے پریشر کے ساتھ نکال دیا جائے، یہ ایک بار ہوگی۔

کان سر کا ہی حصہ ہیں

(٤١٦)۔ قَالَ ﷺ: ((اَلْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ۔)) رُوِيَ مِنْ حَدِيْثِ أَبِي أُمَامَةَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَابْنِ عَمْرٍو، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَعَائِشَةَ، وَأَبِي مُوْسىٰ، وَأَنَسٍ، وَسَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ، وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ۔ (الصحيحة:٣٦)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''دونوں کان سر میں سے ہیں۔'' یہ الفاظ حضرت ابو امامہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبد اللہ بن عمرو، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت عائشہ، حضرت ابو موسیٰ، حضرت انس، حضرت سمرہ بن جندب اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہم کی حدیث سے روایت کیے گئے ہیں۔

تخريج: ١۔أما حديث أبي أمامه؛ فرواه أبوداود، والترمذی، وابن ماجه، وابن جرير: ٦/ ٧٦، والدارقطنی، والبيهقی، وكذا أحمد: ٥/ ٢٦٨/٢٨٥، والطحاوی، والدارقطنی: صـ٨٣۔٩٣

٢۔وأما حديث أبي هريرة؛فأخرجه الدارقطنی: صـ٣٧/ ٣٨، وعنه ابن الجوزی فی "التحقيق": ١/ ٢٩/ ١، وأبويعلى فی "مسنده": ٢٩٨/ ١

٣۔ وأما حديث ابن عمر: قال المخلص فی "الفوائد المنتقاة" فی الثانی من السادس منها:ق١٩٠/ ١: حدثنا يحيی ...... وبهذا السند رواه الدارقطنی: ٣٦، وعنه ابن الجوزی، ورواه الخطيب فی "الموضح": ١/ ١١، عن ابن صاعد، وفی "التاريخ": ١٤/ ١٦١

٤۔وأما حديث ابن عباس؛ فأخرجه ابن عدی: ٢١٨/ ١۔٢، وأبوعبدالله الفلاكی فی "الفوائد": ٩١/ ١، والدارقطنی: ٣٦، ورواه الطبرانی فی "المعجم الكبير": ١٠/ ٣٩١/ ١٠٤٨

٥۔وأما حديث عائشة؛ فأخرجه الدارقطنی: صـ٣٧

٦۔حديث أبي موسى؛ فأخرجه الطبرانی فی "الأوسط": ١/ ٤/ ١۔من زوائده، وابن عدی: ٢٣/ ١، والدارقطنی: ٣٨

٧۔ وأما حديث أنس؛ فأخرجه ابن عدی: ٢٤/ ١، وأبوالحسن الحمامی فی "الفوائد المنتقاة": ٩/ ١/ ٢، والدارقطنی: ٣٩

٨۔وأما حديث سمرة بن جندب؛ فرواه تمام الرازی فی "مسند المقلين من الأمراء والسلاطين": ٣۔نسختی، وعنه ابن عساكر فی "تاريخه": ١٤/ ٣٨٧/ ١

٩۔وأما حديث عبدالله؛فأخرجه ابن ماجه: ٤٤٣

شرح:...... اس حدیث سے دو مسائل پر روشنی پڑتی ہے: (۱) کانوں کے مسح کو وہی حکم ہے، جو سر کا ہے، کیونکہ کان سر کا حصہ ہیں، اور (۲) جو پانی سر کا مسح کرنے کے لیے لیا، وہی کانوں کے مسح کے لیے کافی ہے، کیونکہ وہ سر کا حصہ

ہیں۔

امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: یہ حدیث دو مختلف فیہ فقہی مسائل پر دلالت کرتی ہے:

(اول)..... کیا کانوں کا مسح کرنا فرض ہے یا سنت؟

حنابلہ کا خیال ہے کہ فرض ہے، ان کی دلیل یہی حدیث ہے، کیونکہ اس میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ کان سر کا حصہ ہیں، اور یہ صرف اس بنا پر کہا گیا ہے کہ کانوں کے لیے مسح کا وہی حکم ہے، جو سر کے لیے ہے۔

لیکن جمہور کا خیال ہے کہ کانوں کا مسح سنت ہے، جیسا کہ (الفقه على المذاهب الاربعة: ١/ ٥٦) میں ہے، لیکن اس حدیث کے مقابلے میں جمہور کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے، جس پر ان کے استدلال کی بنیاد رکھی جائے۔

البتہ امام نووی رحمہ اللہ نے (المجموع: ١/ ٤١٥) میں یہ دعوی کیا ہے کہ اس حدیث کے تمام طرق ضعیف ہیں۔

لیکن یہ دعوی درست نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کے بعض طرق صحیح اور بعض صحیح لغیرہ ہیں، لیکن امام نووی کو ان کا علم نہ ہو سکا۔

اِس حدیث کی روشنی میں یہ کہنا درست ہوگا کہ کانوں کا مسح سر کے مسح کی طرح واجب ہے، امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مسلک ہے، بلکہ ان سے پہلے صحابہ کی ایک جماعت اس کے وجوب کا اعتراف کر چکی ہے، تخریج کے دوران بعض کے نام بھی ذکر کیے گئے ہیں، امام نووی رحمہ اللہ (۱/۴۱۳) نے خود وجوب کو کئی سلف کی طرف منسوب کیا ہے۔

(دوم)..... کیا کانوں کے مسح کے لیے سر کے مسح سے بچا ہوا پانی ہی کافی ہے یا نیا پانی لینا ضروری ہے؟

ائمۂ ثلاثہ کی رائے یہ ہے کہ سر کے مسح سے بچا ہوا پانی کافی ہے، مناوی رحمہ اللہ نے (فیض القدیر) میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے کہا: ''دونوں کان سر میں سے ہیں۔'' (اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کانوں کو) نہ چہرے کا حکم دیا جائے گا اور نہ ان کا کوئی مستقل حکم ہے۔ اس لیے دورانِ وضو سر کے مسح سے بچا ہوا پانی ہی اِن کے مسح کے لیے کافی ہے، نیا پانی لینے کی ضرورت نہیں۔ ائمۂ ثلاثہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ اگر اِس حدیث کا یہ مفہوم مراد نہ لیا جائے تو اس کا مطلب ہوگا کہ آپ ﷺ انسان کی کوئی پیدائشی ہیئت بیان کر رہے، جو کہ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصود نہیں ہے۔

شافعیہ کا خیال ہے کہ کانوں کے لیے نیا پانی لینا اور ان کا الگ حیثیت سے مسح کرنا سنت ہے، واجب نہیں ہے، امام نووی رحمہ اللہ نے ان کے حق میں یہ حدیث پیش کی ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کانوں کے لیے نیا پانی لیا، یہ اس پانی کے علاوہ تھا جو آپ ﷺ نے سر کے لیے لیا تھا۔

امام نووی رحمہ اللہ نے (المجموع: ١/ ٤١٢) میں کہا: یہ حدیث حسن ہے، امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس کو روایت کیا اور کہا کہ اس کی سند صحیح ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ (۱/۴۱۴) نے مزید کہا: یہ حدیث صحیح ہے، جیسا کہ اس کی وضاحت ہو چکی ہے، اس سے واضح طور پر یہ پتہ چلتا ہے کہ کان سر سے نہیں ہیں، اگر وہ سر سے ہوتے تو آپ ﷺ ان کے لیے نیا پانی نہ لیتے، جیسا کہ

دوسرے اعضا کا مسئلہ ہے، لیکن اس حدیث میں یہ صراحت موجود ہے کہ آپ ﷺ نے کانوں کے لیے نیا پانی لیا۔

میں (البانی) کہتا ہوں: اگر فرض کر لیں کہ سیدنا عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح ہے تو امام نووی رحمہ اللہ وغیرہ نے اپنی رائے کے حق میں جو کچھ کہا، اس سے ان کا دعوی ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ ان کی دلیل یعنی سیدنا عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے کانوں کے لیے نیا پانی لیا۔ اس کا یہ معنی تو نہیں بنتا کہ سر سے بچے ہوئے پانی پر اکتفا کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ اس باب کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں احادیث متفق ہیں، ان کا آپس میں کوئی تعارض نہیں۔

ہمارے دعوی کی تائید درج ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے:

آپ ﷺ نے سر کا مسح اس پانی سے کیا جو (بازؤوں کو دھونے کے بعد) ہاتھوں میں بچا ہوا تھا۔ (رواہ ابو داود في سننه بسند حسن، وله شاهد عن ابن عباس في المستدرك بسند حسن، انظر: التخليص الحبير)

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن زید کی یہ حدیث شاذ ہے، (جس کو امام نووی نے حسن اور صحیح کہا ہے)۔ میں نے (صحيح أبي داود: ۱۱۱) اور (سلسلة الأحاديث الضعيفة: ۹۹۷) میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل کا مسلک راجح ہے، انھوں نے اس باب کی حدیث سے ثابت ہونے والے دونوں مسائل کو حرزِ جان بنایا۔ (صحیحہ: ۳٦)

رات کو باوضو سونے کی فضیلت

(٤١٧)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ بَاتَ طَاهِراً بَاتَ فِي شِعَارِهِ مَلَكٌ، لَايَسْتَيْقِظُ سَاعَةً مِنَ اللَّيْلِ إِلَّا قَالَ الْمَلَكُ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِكَ فُلَان، فَإِنَّهُ بَاتَ طَاهِراً۔)) (الصحيحة: ۲۵۳۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو آدمی باوضو رات گزارتا ہے (یعنی وضو کر کے سوتا ہے)، ایک فرشتہ اس کے تختانی لباس میں رات گزارتا ہے، جب بھی وہ بندہ رات کی کسی گھڑی میں بیدار ہوتا ہے تو وہ فرشتہ کہتا ہے: اے اللہ! اپنے فلاں بندے کو بخش دے، کیونکہ اس نے باوضو حالت میں رات گزاری۔''

تخريج: أخرجه عبدالله بن المبارك في "حديثه": ۲/ ۱۰۱/ ۲، وفي "الزهد": ق ۲۱٦/ ۱ و رقم ۱۲٤٤۔ ط، وابن عدي: ق۸۹/ ۱، وابن حبان: ۱٦۷۔ موارد، وابن شاهين في "الترغيب": ق ۳۱۳/ ۲

شرح:...... نیک اعمال کی برکات کا اندازہ لگائیں کہ سو جانے کے بعد وضو برقرار نہیں رہتا، لیکن اس کے اچھے اثرات باقی رہتے ہیں۔

وضو کے بعد تولیہ استعمال کرنا

(٤١٨)۔ عَنْ عُرْوَةَ رَضِيَ اللهُ: كَانَ لَهُ خِرْقَةٌ

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کے پاس

يَتَنَشَّفُ بِهَا بَعْدَ الْوُضُوْءِ.

(الصحيحة:٢٠٩٩)

کپڑے کا ایک ٹکڑا تھا، جس سے وضو کے بعد (اعضا) خشک کرتے تھے۔

تخريج: وله طريقان:

(١) عن عائشة:أخرجه الترمذي:١/ ٧٤، وابن عدي: ١٥٤/ ١، والحاكم:١/ ١٥٤، والبيهقي:١/ ١٨٥

(٢)عن ابي بكر الصديق: اخرجه ابن علِيَّك النيسابوري في "الفوائد": ٢٣٩/ ١، والبيهقي

شرح:...... وضو کے بعد اعضائے وضو کو تولیے وغیرہ سے خشک کرنے یا نہ کرنے کا وضو کے اجر کی کمی یا زیادتی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

غسل اور وضو کے لیے پانی کی مقدار

(٤١٩)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعاً: ((اَلْغُسْلُ صَاعٌ وَالْوُضُوْءُ مُدٌّ۔))

(الصحيحة:١٩٩١)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''غسل ایک صاع سے اور وضو ایک مدّ سے ہوسکتا ہے۔''

تخريج: رواه الطبراني في"الأوسط": ٣٦١١، وابن عدي: ٦٩/ ٢

شرح:...... وضو کرتے ہوئے بلاضرورت پانی ضائع نہیں کرنا چاہیے، اگر انسان جاری نہر پر بھی بیٹھا وضو کر رہا ہو تو وہاں بھی بقدرِ ضرورت ہی پانی استعمال کرنا چاہیے، دیکھیں ''وضو میں بھی اسراف ہوسکتا ہے'' والی سرخی۔ صاع ایک پیمانے کا نام ہے، تقریبا اس میں ڈالی گئی چیز کا وزن دو کلو سو گرام ہوتا ہے اور ایک صاع میں چار مدّ ہوتے ہیں۔

(٤٢٠)۔ قَالَ ﷺ: ((يُجْزِى مِنَ الْوُضُوْءِ مُدٌّ، وَمِنَ الْغُسْلِ صَاعٌ۔)) رُوِيَ مِنْ حَدِيْثِ عَقِيْلِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، وَعَبدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔

(الصحيحة:٢٤٤٧)

رسول اللہ ﷺ فرمایا: ''وضو کے لیے پانی کا ایک مدّ اور غسل کے لیے ایک صاع کافی ہے۔'' یہ حدیث حضرت عقیل بن ابو طالب، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت انس بن مالک اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

تخريج: (١)۔ أما حديث عقيل: أخرجه ابن ماجه:٢٧٠

(٢)۔ وأما حديث جابر: أخرجه الحاكم:١/ ١٦١

(٣)۔ وأما حديث أنس: أخرجه أحمد:٣/ ١٧٩، والترمذي:٢/ ٥٠٧/ ٦٠٩ بلفظ: يجزئ في الوضوء رطلان من ماء۔

(٤)۔ وأماحديث ابن عباس: أخرجه الطبراني في"الأوسط":ص٣٧

وضو کی حفاظت مومن ہی کرتا ہے

(٤٢١)۔ عَنْ ثَوْبَانَ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاعْمَلُوْا وَخَيِّرُوْا، وَاعْلَمُوْا أَنَّ خَيْرَ أَعْمَالِكُمُ الصَّلَاةُ، وَلَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوْءِ إِلَّا مُؤْمِنٌ۔)) (الصحيحة:١١٥)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''راہِ صواب پر چلو، میانہ روی اختیار کرو، عمل کرو اور (بہترین امور کو) ترجیح دو اور جان لو کہ تمہارا سب سے بہترین عمل نماز ہے اور مومن ہی ہے، جو وضو پر محافظت کرتا ہے۔''

تخریج: رواه الامام أحمد: ٥/ ٢٨٢ والدارمی: ١/ ١٦٨، وبن حبان: ١٦٤، والطبرانی فی "المعجم الكبير": ١/ ٧٢/ ٢

شرح:...... ہمیشہ باوضو رہنے والے ہی بتلا سکتے ہیں کہ اس عمل میں کس قدر روحانی تسکین پائی جاتی ہے۔

آپ ﷺ کی امت کے وضو والے اعضا چمکتے ہوں گے
وضو والے اعضا کو مقررہ حد سے زیادہ دھونا کیسا ہے؟

(٤٢٢)۔ عَنْ حُذَيْفَةَ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ حَوْضِي لَأَبْعَدُ مِنْ أَيْلَةَ إِلَى عَدَنَ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَآنِيَتُهُ أَكْثَرُ مِنْ عَدَدِ النُّجُوْمِ، وَلَهُوَ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ، وَأَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! إِنِّي لَأَذُوْدُ عَنْهُ الرِّجَالَ كَمَا يَذُوْدُ الرَّجُلُ الْإِبِلَ الْغَرِيْبَةَ عَنْ حَوْضِهِ)) قِيْلَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَتَعْرِفُنَا؟ قَالَ: ((نَعَمْ، تَرِدُوْنَ عَلَيَّ غُرًّا مُحَجَّلِيْنَ، مِنْ أَثَرِ الْوُضُوْءِ لَيْسَتْ لِأَحَدٍ غَيْرِكُمْ۔)) (الصحيحة: ٣٥٢٦)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک میرے حوض (کی وسعت) ایلہ سے عدن تک کی مسافت سے زیادہ ہے، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس کے پیالے ستاروں کی تعداد سے زیادہ ہیں، (اس کا پانی) دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں کچھ لوگوں کو اپنے حوض سے یوں دھتکاروں گا، جیسے کوئی آدمی اجنبی اونٹ کو اپنے حوض سے ہٹاتا ہے۔'' کہا گیا: اے اللہ تعالیٰ کے رسول! کیا آپ ہم کو پہچان لیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جی ہاں، تم میرے پاس اس حال میں آؤ گے کہ وضو کے اثر کی وجہ سے تمہاری پیشانی، دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں چمکتے ہوں گے، یہ علامت (ومنقبت) کسی اور کی نہیں ہوگی۔''

تخریج: أخرجه مسلم: ١/ ١٥٠، وابن ماجه: ٤٣٠٢

شرح:...... اس میں آپ ﷺ کے حوض، اس کی صفات اور آپ ﷺ کی امتیوں کی مخصوص علامت کا ذکر

ہے، جس کی وجہ سے وہ تمام دوسرے انبیا کی امتوں سے ممتاز نظر آئیں گے۔ اس سے ہمیں سبق یہ ملتا ہے کہ ہم ان احکام کی پیروی کریں، جن سے وضو کرنا پڑتا ہے، تا کہ اس سعادت تک پہنچ سکیں۔

دوسری روایات میں وضاحت ہے کہ بدعتی لوگوں کو حوض محمدی سے دور دھتکار دیا جائے گا، اس لیے ہمیں آپ ﷺ کی سنتوں کی پیروی کا حریص ہونا چاہیے۔

(٤٢٣)۔ عَنْ أَبِي حَازِمٍ، قَالَ: كُنْتُ خَلْفَ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ، فَكَانَ يَمُدُّ يَدَهُ حَتّٰى يَبْلُغَ إِبْطَهُ، فَقُلْتُ لَهُ: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! مَا هٰذَا الْوُضُوْءُ؟ فَقَالَ: يَا بَنِي فَرُّوْخٍ! أَنْتُمْ هَاهُنَا؟ لَوْ عَلِمْتُ أَنَّكُمْ هَاهُنَا، مَاتَوَضَّأْتُ هٰذَا الْوُضُوْءَ۔ سَمِعْتُ خَلِيْلِي يَقُوْلُ: ((تَبْلُغُ الْحِلْيَةُ مِنَ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ يَبْلُغُ الْوُضُوْءَ۔)) (الصحيحة:٢٥٢)

ابو حازم کہتے ہیں: میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے تھا، انھوں نے نماز کے لیے وضو کیا، (بازو دھوتے وقت) اپنے ہاتھ کو بغلوں تک کھینچا۔ میں نے کہا: ابو ہریرہ! یہ کون سا وضو ہے؟ انھوں نے کہا: بنو فروخ! تم بھی ادھر موجود ہو؟ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم لوگ یہاں ہو تو میں اس طرح وضو نہ کرتا۔ میں نے تو اپنے خلیل ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''مومن کا زیور وہاں تک پہنچتا ہے، جہاں تک وضو (کا پانی) پہنچتا ہے۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ١/ ١٥١، وأبو عوانة: ١/ ٢٤٤، والنسائي: ١/ ٣٥، والبيهقي: ١/ ٥٦، وأحمد: ٢/ ٣٧١، وابن أبي شيبة في "المصنف": ١/ ٤٠

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: کیا یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مزید فضیلت کے حصول کے لیے وضو کے دوران بازوؤں کو کندھوں کی طرف کہنیوں سے آگے تک اور پاؤں کو پنڈلی کی طرف ٹخنوں سے آگے تک دھویا جائے، اسی طرح چہرے کے ساتھ دوسرے اعضا کو بھی ملایا جائے، مثلاً گردن کے پہلو؟

اگر ہم سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی رائے کا اعتبار نہ کریں تو یہ حدیث مبارکہ اعضا کو ان کی مقررہ حد سے زیادہ دھونے پر دلالت نہیں کرتی، کیونکہ آپ ﷺ کے فرمان کا تعلق شرعی وضو سے ہے، (جس کا کم از کم اور زیادہ سے زیادہ طریقہ مقرر ہو چکا ہے)۔ اگر شریعت میں اعضا کو ان کی حد سے بڑھ کر دھونا ثابت نہیں ہوتا، تو ظاہر بات ہے کہ یہ عمل صحیح نہیں ہو گا۔

یہ حدیث کہنی سے بازو کے پچھلے حصے کو دھونے پر دلالت نہیں کرتی، کیونکہ وہ ''غرّۃ'' اور ''تحجیل'' میں داخل ہی نہیں ہے، اسی لیے ابن قیم رحمہ اللہ نے (حادي الأرواح ألى بلاد الأفراح: ١/ ٣١٥۔ ٣١٦) میں کہا: ''جو لوگ کہنی کے بعد کا بازو کا حصہ دھونے کے قائل ہیں، انھوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنا مستحب نہیں ہے، یہی اہل مدینہ کی رائے ہے، البتہ امام احمد سے دو روایتیں منقول ہیں۔ بہر حال یہ حدیث اعضا کو ان کی

مقررہ حد سے بڑھ کر دھونے پر دلالت نہیں کرتی، کیونکہ زیور کلائی اور کہنی تک کے بازو کے کچھ حصے میں ہوتا ہے، نہ کہ کہنی کے بعد والے بازو کے حصے اور کندھے میں۔"

زائد حصے کو دھونے کے قائلین کی دوسری دلیل یہ ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّ أُمَّتِي يَأْتُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِيْنَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوءِ۔ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يُطِيْلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ۔)) (بخاری، مسلم) ...... "میری امت کے لوگوں کو قیامت والے دن اس حال میں پکارا جائے گا کہ وضو کے نشانات سے ان کے چہرے اور ہاتھ پاؤں روشن ہوں گے، پس تم میں سے جو شخص اپنی یہ روشنی بڑھانے کی طاقت رکھے تو وہ ضرور ایسا کرے۔"

لیکن اس حدیث کا آخری جملہ "فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يُطِيْلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ" مرفوع حدیث کے الفاظ نہیں ہیں، بلکہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہے، جیسا کہ امام منذری، امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہم اللہ وغیرہ نے اس کے مدرج ہونے کی صراحت کی ہے، میں نے (سلسلة الاحاديث الضعيفة: ۱۰۳۰) میں اس کی خوب وضاحت کی ہے، اگر یہ جملہ صحیح ہوتا تو اعضائے وضو کو ان کی حد سے بڑھ کر دھونے پر واضح نص ہوتا۔ والله ولي التوفيق۔ (صحيحه: ۲۵۲)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا کہنیوں سے آگے والے کندھے کی طرف کے حصے کو دھونا ان کی اپنی رائے اور جذبہ تھا۔

(٤٢٤)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ الْمَازِنِيِّ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهُ قَالَ: ((مَا مِنْ أُمَّتِي مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَاَنَا اَعْرِفُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔)) قَالُوْا: وَكَيْفَ تَعْرِفُهُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! فِي كَثْرَةِ الْخَلَائِقِ؟ قَالَ: ((اَرَاَيْتَ لَوْ دَخَلْتَ صَيْرَةً فِيْهَا خَيْلٌ دُهْمٌ بُهْمٌ وَفِيْهَا فَرَسٌ اَغَرُّ مُحَجَّلٌ، اَمَاكُنْتَ تَعْرِفُهُ مِنْهَا؟)) قَالَ: بَلٰى۔ قَالَ: ((فَاِنَّ أُمَّتِي يَوْمَئِذٍ غُرٌّ مِنَ السُّجُوْدِ، مُحَجَّلُوْنَ مِنَ الْوُضُوْءِ۔)) (الصحيحة:٢٨٣٦)

سیدنا عبداللہ بن بسر مازنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں اپنی امت کے ہر فرد کو قیامت والے دن پہچان لوں گا۔" صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ انھیں کیسے پہچانیں گے، حالانکہ مخلوقات بکثرت ہوں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر تو کسی اصطبل میں داخل ہو اور وہاں کالے سیاہ گھوڑے ہوں، لیکن ان میں ایک گھوڑے کی پیشانی اور ٹانگیں سفید ہوں تو آیا آپ اس گھوڑے کو پہچان لیں گے؟" اس نے کہا: کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تو پھر سجدہ کرنے کی وجہ سے میری امت کی پیشانی اور وضو کرنے کی وجہ سے ہاتھ پاؤں چمکتے ہوں گے (اس امتیازی علامت کی وجہ سے میں انھیں پہچان لوں گا۔"

تخریج: أخرجه أحمد: ٤/ ١٨٩، والضياء المقدسي في "المختارة": ٥٥/ ١١٤/ ١-٢، والطبراني في

"الكبير" والبيهقى فى "الشعب"

شرح:...... تمام روایات کو دیکھا جائے تو چہرے پر چمک کے دو اسباب ہیں، ایک، وضو میں چہرے کو دھونا اور دوسرا، سجدہ کرنا۔

تیمّم کا دنوں کی مقدار کے ساتھ تعلق نہیں ہے

٤٢٤م: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ اَبُوْذَر فِیْ غُنَیْمَةٍ لَهُ بِالرَّبْذَةِ، فَلَمَّا جَاءَ؛ قَالَ لَهُ النَّبِیُّ ﷺ: ((یَا اَبَا ذَر!)) فَسَكَتَ، فَرَدَّدَهَا عَلَیْهِ، فَسَكَتَ، فَقَالَ: ((یَا اَبَاذَر! ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ۔)) قَالَ: اِنِّیْ جُنُبٌ، فَدَعَا لَهُ الْجَارِیَةَ بِمَاءٍ، فَجَاءَتْهُ، فَاسْتَتَرَ بِرَاحِلَتِهِ وَاغْتَسَلَ، ثُمَّ اَتَی النَّبِیَّ ﷺ، فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ ﷺ: ((یُجْزِئُكَ الصَّعِیْدُ وَلَوْ لَمْ تَجِدِ الْمَاءَ عِشْرِیْنَ سَنَةً (وَفِیْ رِوَایَةٍ: عَشْرَ سِنِیْنَ)، فَاِذَا وَجَدْتَهُ فَأَمِسَّهُ جِلْدَكَ۔)) (الصحيحة: ٣٠٢٩)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ ربذہ مقام پر اپنی بکریوں میں تھے۔ جب وہ واپس آئے تو نبی کریم ﷺ نے ان کو آواز دیتے ہوئے فرمایا: ''ابو ذر!'' لیکن وہ خاموش رہے، آپ ﷺ نے بار بار آواز دی، لیکن وہ خاموش رہے، بالآخر آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابوذر! تیری ماں تجھے گم پائے۔'' اب کی بار انھوں نے کہا: میں جنبی ہوں۔ پس آپ ﷺ نے ایک لونڈی کو پانی لانے کا حکم دیا۔ جب وہ پانی لے کر آئی تو انھوں نے اپنی سواری کی اوٹ میں پردہ کر کے غسل کیا اور پھر آپ ﷺ کے پاس آ گئے، آپ ﷺ نے ان کو فرمایا: ''(ایسی صورت میں) تجھے مٹی کافی ہے، اگرچہ بیس سال یا دس سال پانی نہ ملے، جب تو پانی پا لے تو اسے اپنے چمڑے کے ساتھ لگائے، (یعنی غسل کرے)۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" ٢/ ١٩٨/ ١٣٥٥۔ط، وأخرج البزار فى "مسنده": ١/ ١٥٧/ ٣١٠ المرفوع منه

فوائد:...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تیمّم کے تعلق مجبوری سے ہے، نہ کہ دنوں کی مخصوص مقدار سے۔

تیمّم کا طریقہ

(٤٢٥)۔ عَنْ عَمَّارِ بْنِ یَاسِرٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فِی التَّیَمُّمِ: ((ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّیْنِ۔)) (الصحيحة: ٦٩٤)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیمّم کے بارے میں فرمایا: ''چہرے اور ہتھیلیوں کے لیے ایک دفعہ ہاتھوں کو (مٹی پر مارا جائے)۔''

تخريج: أخرجه ابن خزيمة فى "صحيحه": ٣٨/ ٢، وأحمد: ٤/ ٢٦٣، ومعناه فى الصحيحين وابى داود

شرح:...... پانی کے نقصان دہ ہونے یا پانی کے نہ ہونے یا پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونے کی صورت میں

شریعتِ اسلامیہ نے تیمّم کی رخصت دی ہے، نمازی لوگوں کی بہت بڑی پریشانی کا ازالہ کر دیا۔

تیمّم کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر دونوں ہاتھوں کو مٹی پر مارا جائے، پھر ان پر پھونک ماری جائے، پھر دائیں ہاتھ کو بائیں پر اور بائیں کو دائیں پر پھیر کر دونوں ہاتھوں کو چہرے پر پھیر دیا جائے۔ ہاتھوں کو صرف ایک دوسرے کی ہتھیلی کی پشت پر پھیرا جائے گا، نہ کہ کہنیوں تک۔

تیمّم ان امور سے ختم ہو جاتا ہے، جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، ہاں ایک چیز زائد ہے کہ پانی نظر آنے کی صورت میں یا پانی کے استعمال پر قدرت حاصل ہو جانے کی صورت میں تیمّم ٹوٹ جاتا ہے۔

صحیح احادیث سے تیمّم کے لیے زمین پر ایک دفعہ ہاتھ مارنا ثابت ہے۔ جن احادیث سے دو بار ہاتھ مارنا ثابت ہوتا ہے، وہ یا تو ضعیف ہیں یا پھر موقوف۔

پانی تک پہنچنے سے پہلے تیمّم کرنا اور اس کی وجہ

(٤٢٦)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ: كَانَ يَخْرُجُ يُهْرِيْقُ الْمَاءَ، يَتَمَسَّحُ بِالتُّرَابِ، فَأَقُوْلُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ الْمَاءَ مِنْكَ قَرِيْبٌ؟ فَيَقُوْلُ: ((وَمَا يُدْرِيْنِي لَعَلِّي لَا أَبْلُغُهُ.)) (الصحيحة:٢٦٢٩)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ پیشاب کرتے اور مٹی سے استنجا کر لیتے تھے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! بیشک پانی آپ کے قریب ہی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے کیا علم، شاید میں وہاں تک نہ پہنچ سکوں۔“

تخريج: أخرجه عبد الله بن المبارك في "الزهد": ٢٩٢، وأحمد: ١/ ٢٨٨

شــرح:...... حدیث اپنے مضمون میں واضح ہے کہ مومن کو ہر وقت طہارت کا خیال رکھنا چاہیے، اگر پانی کی موجودگی یقینی ہو، لیکن دور ہو، تو وہاں تک پہنچنے سے پہلے تیمّم کر لینا چاہیے۔

مٹی سے تیمّم کرنے یا اس پر سجدہ کرنے کا حکم اور وجہ

(٤٢٧)۔ عَنْ سَلْمَانَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعًا: ((تَمَسَّحُوْا بِالْأَرْضِ فَإِنَّهَا بِكُمْ بَرَّةٌ.)) (الصحيحة:١٧٩٢)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”زمین کو چھوا کرو، کیونکہ یہ تمہارے ساتھ شفقت کرنے والی ہے۔“

تخريج: رواه أبو الشيخ في "تاريخ أصبهان": صـ ٢٣٨، والطبراني في "المعجم الصغير": ٨٣

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو مرسلاً "كتاب التيمم" میں ذکر کیا، گویا کہ وہ یہ اشارہ دینا چاہتے ہیں کہ ((تَمَسَّحُوا)) کے معانی تیمّم کرنے کے ہیں۔ اسی معنی کو ابن اثیر نے راجح قرار دیا، وہ کہتے ہیں: آپ ﷺ اس حدیث میں مٹی سے تیمّم کرنے کا حکم دینا چاہتے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کا مقصود یہ ہے کہ سجدہ بغیر کسی حائل کے زمین پر کیا جائے، تاکہ پیشانیاں مٹی پر لگ سکیں، ہاں یہ بات ضرور

ہے کہ یہ حکم تادیبی اور استحبابی ہے، وجوبی نہیں ہے۔

((بَـــــرَّۃ)) کا معنی ہے کہ یہ زمین تمہارے ساتھ اس طرح شفقت کرنے والی ہے، جیسے ماں اپنی اولاد کے ساتھ کرتی ہے، یعنی تم لوگوں کی تخلیق بھی اسی سے ہوئی، تمہاری روزی کے اسباب بھی اسی میں ہیں، مرنے کے بعد تمہاری لوٹنے کی جگہ بھی یہی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ اصل ہے اور تم اس کی فرع ہو، (یہ تم کو ہر چیز مہیا کر رہی ہے)۔

(٤٢٧م)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ خَوْلَةَ بِنْتَ يَسَارٍ اَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّهُ لِيْ اِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ، وَاَنَا اَحِيْضُ فِيْهِ؛ فَكَيْفَ اَصْنَعُ؟ قَالَ: ((اِنْ طَهُرْتِ فَاغْسِلِيْهِ، ثُمَّ صَلِّيْ فِيْهِ۔)) فَقَالَتْ: فَاِنْ لَّمْ يَخْرُجِ الدَّمُ؟ قَالَ: ((يَكْفِيْكَ الْمَاءُ وَلَا يَضُرُّكِ اَثَرُهُ۔))

(الصحيحة:٢٩٨)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدہ خولہ بنت یسار رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں اور کہا: اے اللہ کے رسول! میرے پاس صرف ایک کپڑا ہے، اس میں مجھے حیض بھی آ جاتا ہے، تو اس کے بارے میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تو پاک ہو جائے تو اس کو دھو لیا کر اور اس میں نماز پڑھا کر۔'' اس نے کہا: اگر اس میں سے خون نہ نکلے تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بس تجھے پانی ہی کافی ہے اور اس کا نشان تجھے نقصان نہیں دے گا۔

تخريج: أخرجه أبوداود: ١/ ١٤١-١٤٢-بشرح العون، وأحمد: ٢/ ٣٨٠، والبيهقي في "السنن": ٢/ ٤٠٨، والترمذي

حیض والے کپڑے کو کیسے پاک کیا جائے؟

(٤٢٨)۔ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ رضی اللہ عنہ، أَنَّهَا قَالَتْ: سَأَلَتِ امْرَأَةٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ: أَرَأَيْتَ إِحْدَانَا إِذَا أَصَابَ ثَوْبَهَا الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ، كَيْفَ تَصْنَعُ فِيْهِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا أَصَابَ ثَوْبَ إِحْدَاكُنَّ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ، فَلْتَقْرُصْهُ ثُمَّ لِتَنْضَحْهُ بِالْمَاءِ (وَفِيْ رِوَايَةٍ: ثُمَّ اقْرُصِيْهِ بِالْمَاءِ، ثُمَّ انْضَحِيْ فِيْ سَائِرِهِ) ثُمَّ لِتُصَلِّيَ فِيْهِ۔))

(الصحيحة:٢٩٩)

حضرت اسما بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اور کہا: اگر ہم میں سے کسی کے کپڑے پر حیض کا خون لگ جائے، تو وہ (اس کو پاک کرنے کے لیے) کیا کرے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو وہ (پانی کے ساتھ) اس کو ملے، پھر اس پر پانی ڈال کر (اس کو دھو لے)۔'' اور ایک روایت میں ہے: ''اس کو پانی کے ساتھ مل، پھر باقی ماندہ پر پانی ڈال کر (اس کو دھو لے)، پھر اس میں نماز پڑھ لے۔

تخريج: أخرجه مالك: ١/ ٧٩، وعنه البخاري: ١/ ٣٢٥، ومسلم: ١/ ١٦٦، وأبو داود: ج٣/ رقم:

٣٨٦ـصحيحه، والبيهقي: ١/ ١٣، والنسائي: ١/ ٦٩، وابوداود الطيالسي: ١٦٣٨، وابن ماجه: ١/ ٢١٧، واحمد: ٦/ ٣٤٥، ٣٥٣، والترمذي: ١/ ٢٥٤

شرح:...... حیض کا خون نجس ہے۔ کپڑے پر لگا ہو تو اُس میں نماز پڑھنا درست نہیں ہے، اُس جگہ کو اچھی طرح کھرچتے ہوئے دھو لینا چاہیے، اگر کھرچنے، ملنے اور دھونے کے بعد خون کی رنگت یا خون کا نشان کپڑے پر باقی رہے تو یہ قابل مواخذہ نہیں، اُس میں نماز پڑھنا درست ہوگی۔

(٤٢٩)ـ عَنْ أُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ رضي الله عنها، قَالَتْ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ دَمِ الْحَيْضِ يَكُوْنُ فِي الثَّوْبِ؟ قَالَ: ((حُكِّيْهِ بِضِلَعٍ، وَاغْسِلِيْهِ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ.)) (الصحيحة: ٣٠٠)

حضرت ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ سے حیض کے خون کے بارے میں سوال کیا، جو کپڑے کو لگ جاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کسی شاخ (وغیرہ) کے ساتھ اس کو کھرچ، پھر پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ دھو دے۔''

تخريج: أخرجه أبو داود: ١/ ١٤١ ـبشرح عون المعبود، والنسائي: ١/ ٦٩، والدارمي: ١/ ٢٣٩، وابن ماجه: ١/ ٢١٧، وابن حبان في "صحيحه": ٢٣٥، والبيهقي: ٢/ ٤٠٧، وأحمد: ٦/ ٣٥٥، ٣٥٦

شرح:...... بیری کے پتوں والے پانی سے دھونے کا مقصود اچھی طرح صفائی وطہارت حاصل کرنا ہے اور بیری کے پتوں میں یہ خاصیت ہے کہ وہ میل کچیل کو اچھی طرح صاف کر دیتے ہیں۔ اگر آج کل کسی پاؤڈر اور صابن وغیرہ کے ذریعے مکمل صفائی ہو جائے تو درست ہے، جیسا کہ ہو رہا ہے، بہرحال کبھی کبھی محض آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بیری کے پتوں کا اہتمام بھی ہو جانا چاہیے، جیسے ہم میت کو غسل دینے کے موقع پر کرتے ہیں۔

نواقض وضو

(٤٣٠)ـ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: أَتَتْ سَلْمٰى مَوْلَاةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَوِ امْرَأَةُ أَبِي رَافِعٍ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ تَسْتَأْذِنُهُ عَلٰى أَبِي رَافِعٍ قَدْ ضَرَبَهَا، قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِأَبِي رَافِعٍ: ((مَا لَكَ وَلَهَا يَا أَبَا رَافِعٍ؟)) قَالَ: تُؤْذِيْنِي يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((بِمَ آذَيْتِيْهِ يَا سَلْمٰى؟)) قَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا آذَيْتُهُ

زوجۂ رسول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی لونڈی یا آپ کے غلام ابورافع کی بیوی نے آپ ﷺ کے پاس ابو رافع کی شکایت کرنے کی اجازت چاہی، جس نے اسے مارا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو رافع سے پوچھا: ''ابو رافع! تیرا اور اس کا کیا معاملہ ہے؟'' اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ مجھے تکلیف دیتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سلمی! تو نے اس کو کیا تکلیف دی ہے؟'' اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے اس کو کوئی تکلیف نہیں دی، (اصل بات یہ ہے کہ) نماز کی حالت میں

بِشَيْءٍ، وَلٰكِنَّهُ أَحْدَثَ وَهُوَ يُصَلِّي فَقُلْتُ لَهُ: يَا أَبَا رَافِعٍ! إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ أَمَرَ الْمُسْلِمِيْنَ إِذَا خَرَجَ مِنْ أَحَدِهِمُ الرِّيْحُ أَنْ يَّتَوَضَّأَ۔ وَقَالَ الطَّبَرَانِيُّ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَنْ خَرَجَ مِنْهُ رِيْحٌ فَلْيُعِدِ الْوُضُوْءَ۔)) فَقَامَ فَضَرَبَنِي، فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَضْحَكُ وَيَقُوْلُ: ((يَا أَبَا رَافِعٍ! إِنَّهَا لَمْ تَأْمُرْكَ إِلَّا بِخَيْرٍ۔))

(الصحيحة: ٣٠٧٠)

یہ بے وضو ہو گیا، میں نے اسے کہا: ابو رافع! رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ اگر کسی کی ہوا نکل جائے تو وہ وضو کرے۔ طبرانی کے الفاظ یہ ہیں: بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کی ہوا خارج ہو جائے تو وہ دوبارہ وضو کرے۔'' (میری یہ بات سن کر) یہ اٹھا اور مجھے مارنا شروع کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ اس کی بات پر مسکرانے لگے اور فرمایا: ''ابو رافع! اس نے تجھے بھلائی کا حکم ہی دیا تھا۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٦/ ٧٢، والبزار: ١/ ١٤٦/ ٢٨٠، والطبراني في "المعجم الكبير": ٢٤/ ٣٠١/ ٧٦٥

شرح:...... یہ بھی معلوم ہوا کہ بیوی کی اچھی بات پر اس کو سرزنش نہ کی جائے، بلکہ خندہ پیشانی سے اس کی طرف سے کلمہ خیر قبول کرتے ہوئے اس کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اچھا شوہر اپنی اہلیہ کی اچھی باتوں کو اپنے لیے سرمایۂ حیات سمجھتا ہے۔ خاوند حضرات کو اتنا جذباتی بھی نہیں ہونا چاہیے کہ وہ اپنی بیویوں کی ہر بات، وہ اچھی ہو یا بری، پر مسئلہ کھڑا کر دیں۔

(٤٣١)۔ عَنْ بُسْرَةَ بِنْتِ صَفْوَانَ رضی اللہ عنہا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا أَفْضٰى أَحَدُكُمْ بِيَدِهِ إِلٰى فَرْجِهِ فَلْيَتَوَضَّأْ۔))

(الصحيحة: ١٢٣٥)

حضرت بسرہ بن صفوان رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی آدمی اپنی شرمگاہ کو اپنا ہاتھ لگائے، تو وہ وضو کرے۔''

تخريج: أخرجه النسائي: ١/ ٧٦، واحمد: ٦/ ٤٠٧، والحاكم: ١/ ١٣٦

شرح:...... آلۂ تناسل کو چھونے کو ''مَسّ الذَّكَر'' کہتے ہیں، ہم بحث میں یہی لفظ استعمال کریں گے۔

اسی طرح سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ اَفْضٰى بِيَدِهِ اِلٰى ذَكَرِهِ لَيْسَ دُوْنَهُ سِتْرٌ فَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْوُضُوْءُ.)) ...... ''جو شخص اپنے آلۂ تناسل کو بغیر کسی پردے کے چھوئے تو اس پر وضو واجب ہے۔'' (مسند احمد: ٢/ ٣٣٣، طحاوی: ١/ ٧٤) اور مسند شافعی (۱/۳۴) کے الفاظ یہ ہیں: ((اِذَا اَفْضٰى اَحَدُكُمْ اِلٰى ذَكَرِهِ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ شَيْءٌ فَلْيَتَوَضَّأْ۔))

لیکن ان دو روایات کے مقابلے میں درج ذیل حدیث پر غور کریں:

سیدنا طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے نبی! اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، جس نے وضو کرنے کے بعد اپنے آلۂ تناسل کو چھولیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((هَلْ هُوَ اِلَّا بِضْعَةٌ مِنْهُ)) ...... ''(تو پھر کیا ہوا) وہ اس کے جسم کا ٹکڑا ہی ہے۔''

ان روایات کی بنیاد پر سلف وخلف میں اختلاف واقع ہوا ہے کہ آیا ''مَسّ الذَّکَر'' ناقض وضو ہے یا نہیں۔

راجح یہی معلوم ہوتا کہ وضوٹوٹ جاتا ہے، بشرطیکہ چھونے کی صورت یہ ہو کہ ہاتھ اور شرمگاہ میں کوئی پردہ حائل نہ ہو، جیسا کہ سیدنا بسرہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایات کے الفاظ سے معلوم ہو رہا ہے۔ لیکن سیدنا طلق کی روایت کا کیا جائے گا؟

محدثین نے جمع وتطبیق کے جتنے طریقے مقرر کیے ہیں، ان سب کی روشنی میں سیدنا بسرہ کی روایت پر عمل کیا جائے گا، مثال کے طور پر:

(۱) سیدنا طلق کی روایت کا تعلق اس صورت سے ہے، جب ہاتھ اور شرمگاہ کے درمیان پردہ حائل ہو، یہی تطبیق مناسب نظر آرہی ہے، اس طرح سے دونوں روایات پر عمل کرنا ممکن ہو جائے گا۔

(۲) اگر اسانید کو دیکھا تو سیدنا بسرہ کی روایت راجح قرار پاتی ہے۔

(۳) اگر احتیاط کے معاملے کو سامنے رکھا تو سیدنا بسرہ کی روایت پر عمل کرنا چاہیے۔

(۴) اگر اباحت اور حظر میں تعارض پیدا ہو جائے تو حظر کو مقدم کیا جاتا ہے، جو کہ سیدنا بسرہ کی روایت ہے۔

(۵) اگر متعارض امور میں سے ایک کا تعلق براءتِ اصلیہ سے ہو تو اسے منسوخ سمجھا جائے گا، اس اعتبار سے بھی سیدنا بسرہ کی حدیث ناسخ اور قابل عمل قرار پاتی ہے۔

(۶) ایک تطبیق یہ بھی دی گئی ہے کہ اگر شہوت کے ساتھ چھوا جائے تو وضوٹوٹ جائے گا، وگرنہ نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ سیدنا بسرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر عمل کرتے ہوئے ''مَسّ الذَّکَر'' کو ناقض وضو سمجھیں گے۔ واللہ اعلم۔

تنبیہ:...... اس سلسلے میں مرد اور عورت کی قبل اور دبر یعنی اگلی اور پچھلی شرمگاہ میں کوئی فرق نہیں ہے، جیسا کہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ مَسَّ فَرْجَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ)) ...... ''جو اپنی فرج کو چھوئے، وہ وضو کرے۔'' لفظ ''فرج'' کا اطلاق مرد اور عورت کی دونوں شرمگاہوں پر ہوتا ہے۔ (ابن ماجہ: ۴۸۱)

اسی طرح سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت میں مرد اور عورت کا علیحدہ علیحدہ تذکرہ کیا گیا ہے، اس کو امام احمد اور امام دارقطنی نے روایت کیا۔

احادیث صحیحہ کی روشنی میں نواقض وضو درج ذیل ہیں:

(۱) پیشاب اور پائخانہ کے مقام سے کوئی چیز خارج ہونا

(۲) سو جانا، وہ جس حالت میں بھی ہو

(۳) شرمگاہ کو چھونا، جبکہ بیچ میں کوئی پردہ حائل نہ ہو

(۴) اونٹ کا گوشت کھانا

کیا آگ پر پکی ہوئی چیز ناقض وضو ہے؟

(٤٣٢)۔ عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ طَحْلَاءَ قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي سَلَمَةَ: إِنَّ ظِئْرَكَ سُلَيْماً لَا يَتَوَضَّأُ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ؟ قَالَ: فَضَرَبَ صَدْرَ سُلَيْمٍ، وَقَالَ أَشْهَدُ عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ رضي الله عنها زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهَا كَانَتْ تَشْهَدُ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَتَوَضَّأُ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ۔ (الصحيحة:٢١٢١)

محمود بن طحلا کہتے ہیں: میں نے ابوسلمہ سے کہا: بیشک آپ کا سوتیلا باپ سلیم آگ پر پکی چیزیں کھا کر وضو نہیں کرتا۔ انھوں نے سلیم کے سینے پر ہاتھ مارا اور کہا: میں زوجۂ رسول حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا پر گواہی دیتا ہوں اور وہ رسول اللہ ﷺ پر گواہی دیتی ہیں کہ آپ ﷺ آگ پر پکی ہوئی چیز کھا کر وضو کرتے تھے۔

تخريج: أخرجه أحمد:٦/ ٣٢١

(٤٣٣)۔ عَنِ الْقَاسِمِ مَوْلَى مُعَاوِيَةَ، قَالَ: دَخَلْتُ مَسْجِدَ دِمَشْقَ، فَرَأَيْتُ أُنَاساً مُجْتَمِعِيْنَ، وَشَيْخاً يُحَدِّثُهُمْ، قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالُوْا: سَهْلُ ابْنُ الْحَنْظَلِيَّةِ رضي الله عنه، فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَنْ أَكَلَ لَحْماً فَلْيَتَوَضَّأْ۔))

(الصحيحة: ٢٣٢٢)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے غلام قاسم بیان کرتے ہیں: میں مسجد دمشق میں داخل ہوا، میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ اکٹھے ہیں اور ایک بزرگ ان کو احادیث بیان کر رہا تھا، میں نے کہا: یہ بزرگ کون ہے؟ انھوں نے کہا کہ یہ سہل بن حنظلہ ہے، پھر میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو گوشت کھائے، وہ وضو کرے۔''

تخريج: أخرجه أحمد:٤/ ١٨٠، ٥/ ٢٨٩

شرح:...... ابتدائے اسلام میں آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کی وجہ سے وضو کرنا پڑتا تھا، لیکن آپ ﷺ نے بعد میں وضو کرنا ترک کر دیا اور بیسیوں مواقع ایسے ہیں کہ آپ ﷺ نے آگ پر پکی ہوئی چیز کھائی اور وضو کیے بغیر نماز پڑھی۔ اس موضوع پر سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث فیصلہ کن ہے، وہ کہتے ہیں: كَانَ آخِرُ الْاَمْرَيْنِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ تَرْكُ الْوُضُوءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ۔ ...... '' ان دو امور میں سے آگ پر پکی ہوئی چیز کھا کر وضو نہ کرنا رسول اللہ ﷺ کا آخری عمل تھا۔'' (ابوداود، نسائی)

لیکن اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنا چاہیے، جیسا کہ سیدنا برا ابن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ

سے اونٹ کا گوشت کھانے کی وجہ سے وضو کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((تَوَضَّأُوا مِنْهَا۔)) ......''اس سے وضو کیا کرو۔'' پھر آپ سے بکری کا گوشت کھانے کی وجہ سے وضو کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس سے وضو نہ کرو۔'' (ابوداود: ۱۸۴، ترمذی: ۸۱، ابن ماجہ: ۴۹۴)

اس سے معلوم ہوا کہ اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرنا چاہیے۔

غسل کے واجب ہونے کی صورتیں

(۴۳۴)۔ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا : كَانَ ﷺ إِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ اغْتَسَلَ۔ (الصحيحة: ۲۰۶۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ (اور آپ کی بیوی) کے ختنوں کے مقام مل جاتے تو آپ غسل کرتے۔

تخريج: أخرجه أحمد:٦/ ١٢٣، ٢٢٧، والطحاوی فی "شرح المعانی":١/ ٣٣

(٤٣٤م)۔ قَالَ ﷺ : ((إِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ، فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ۔)) وَرَدَ بِهٰذَا اللَّفْظِ مِنْ حَدِيْثِ عَائِشَةَ، وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ، وَغَيْرِهِمْ رضی اللہ عنہم۔ (الصحيحة: ١٢٦١)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب (عورت اور مرد) کی شرمگاہوں کے ختنے والے مقامات مل جائیں تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔'' ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث حضرت عائشہ، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے مروی ہے۔

تخريج: ١۔ أما حديث عائشة: فأخرجه أحمد: ٦/ ٢٣٩، والترمذی: ١/ ٢٣، واحمد: ٢/ ١٧٨، وأخرجه مسلم: ١/ ١٨٧ نحوه

٢۔ وأما حديث ابن عمرو: فأخرجه ابن ماجه: ٦١١، وأحمد: ٢/ ١٧٨، والخطيب: ١/ ٣١١، ٦/ ٢٨٣

٣۔ وأما حديث أبي هريرة: فأخرجه البيهقي: ١/ ١٦٣، وأخرجه مسلم: ١/ ١٨٦ نحوه

شرح: ...... ابتدائے اسلام میں ایک رخصت تھی، سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ۔)) ......''(غسل کا) پانی، (مادۂ منویہ کے) پانی سے ہے۔'' (مسلم: ۳۴۳) اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اس وقت غسل جنابت کیا جائے گا، جب مادۂ منویہ خارج ہوگا، وہ احتلام کی صورت میں نکلے یا مباشرت کی صورت میں۔

لیکن بعد میں آپ ﷺ نے اس رخصت کو ختم کر دیا اور نیا حکم یہ صادر فرمایا کہ مرد کا حشفہ، عورت کی فرج میں داخل ہو جانے سے غسل فرض ہو جائے گا، انزال ہو یا نہ ہو۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں غسل جنابت کے فرض ہونے کی ''انزال'' والی ایک صورت تھی، بعد میں دو صورتیں ہو گئیں: (۱) انزال، وہ کسی صورت میں ہو جائے اور (۲) حشفہ کا عورت کی شرمگاہ میں داخل ہونا، مذکورہ بالا

عنوان کی احادیث میں یہی دوسری صورت بیان کی گئی ہے۔ یادر ہے کہ ہمارے ہاں صرف مردوں کے ختنے کیے جاتے ہیں، جبکہ عرب لوگ عورتوں کے بھی ختنے کرتے تھے، جس کی ایک خاص صورت تھی۔

قضائے حاجت کے دوران ایک دوسرے سے پردہ کرنا اور باتیں کرنا

(٤٣٥)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا تَغَوَّطَ الرَّجُلَانِ، فَلْيَتَوَارَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَنْ صَاحِبِهِ، وَلَا يَتَحَدَّثَانِ عَلٰى طُوْفِهِمَا، فَإِنَّ اللّٰهَ يَمْقُتُ عَلٰى ذٰلِكَ۔))

(الصحيحة: ٣١٢٠)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب دو آدمی قضائے حاجت کے لیے نکلیں تو ان میں سے ہر ایک دوسرے ساتھی سے چھپ جائے اور پائخانہ کرتے وقت آپس میں باتیں نہ کریں، کیونکہ ایسا کرنے پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔''

تخريج: كذا في "الوهم والأيهام": ٢/ ١٤٢/ ٢

شرح:...... معلوم ہوا کہ قضائے حاجت کے دوران ستر کے پردے کا اہتمام کیا جائے، ویسے بھی آپ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق میاں بیوی کے علاوہ ہر کسی سے شرمگاہ کو پردے میں رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، بلکہ اکیلے آدمی کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہوئے ننگا ہونے سے بچے۔

قضائے حاجت کے آداب

(٤٣٦)۔ عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكِ بْنِ جُعْشَمٍ رضی اللہ عنہ: أَنَّهُ كَانَ إِذَا جَاءَ مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حَدَّثَ قَوْمَهُ وَعَلَّمَهُمْ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ يَوْماً وَهُوَ كَأَنَّهُ يَلْعَبُ، مَابَقِيَ لِسُرَاقَةَ إِلَّا أَنْ يُعَلِّمَكُمْ كَيْفَ التَّغَوُّطُ؟ فَقَالَ سُرَاقَةُ: إِذَا ذَهَبْتُمْ إِلَى الْغَائِطِ فَاتَّقُوْا الْمَجَالِسَ عَلَى الظِّلِّ وَالطَّرِيْقِ، خُذُوْا النَّبْلَ، وَاسْتَنْشِبُوْا عَلٰى سُوْقِكُمْ وَاسْتَجْمِرُوْا وِتْراً۔

(الصحيحة: ٢٧٤٩)

حضرت سراقہ بن مالک بن جعشم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے آتے تو اپنی قوم کو کچھ باتیں بیان کیں اور (امورِ دین) کی تعلیم دی۔ ایک دن ایک آدمی نے ان کے ساتھ مذاق کرتے ہوئے کہا: سراقہ کے لیے تو صرف یہی چیز رہ گئی ہے کہ وہ تمہیں قضائے حاجت کا طریقہ سکھائے۔ سراقہ نے (بات کو سنجیدگی میں تبدیل کرتے ہوئے) کہا: جب تم قضائے حاجت کے لیے جاؤ تو سایہ دار مقامات اور راستوں پر بیٹھنے سے بچو، چھوٹے چھوٹے پتھروں کا اہتمام کرو، اپنی (بائیں) پنڈلی پر زور دو اور طاق (پتھروں) سے استنجا کرو۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط": ٢/ ١٦/ ٢ رقم ٥٣٣١

شرح:...... حکیم لوگ کہتے ہیں کہ بائیں پنڈلی پر زور دینے سے آدمی جلدی فارغ ہو جاتا ہے، کیونکہ مثانہ بائیں

جانب ہے، اس طرح کرنے سے اس پر زور پڑتا ہے۔

(٤٣٧)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا تَغَوَّطَ الرَّجُلَانِ، فَلْيَتَوَارَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَنْ صَاحِبِهِ، وَلَا يَتَحَدَّثَانِ عَلٰى طَوْفِهِمَا، فَإِنَّ اللّٰهَ يَمْقُتُ عَلٰى ذٰلِكَ۔)) (الصحيحة: ٣١٢٠)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب دو آدمی قضائے حاجت کے لیے نکلیں تو ان میں سے ہر ایک دوسرے ساتھی سے چھپ جائے اور پائخانہ کرتے وقت آپس میں باتیں نہ کریں، کیونکہ ایسا کرنے پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔“

تخریج: كذا في ”الوهم والأيهام“: ٢/ ١٤٢/ ٢

(٤٣٨)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنه: كَانَ ﷺ إِذَا أَرَادَ حَاجَةً لَا يَرْفَعُ ثَوْبَهُ حَتّٰى يَدْنُوَ مِنَ الْأَرْضِ۔ (الصحيحة: ١٠٧١)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو اس وقت تک کپڑا نہ اٹھاتے، جب تک زمین کے قریب نہ ہو جاتے۔

تخریج: أخرج أبوداود: ١/ ٣۔ ٤، وعنه البيهقي: ١/ ٩٦

شرح:...... معلوم ہوا کہ زمین کے قریب ہو کر ننگا ہونا چاہیے۔

(٤٣٩)۔ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ: كَانَ ﷺ إِذَا ذَهَبَ الْمَذْهَبَ أَبْعَدَ۔ (الصحيحة: ١١٥٩)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے نکلتے تو دور چلے جاتے۔

تخریج: أخرجه أبوداود: ١/ ٢، والنسائي: ١/ ٨۔٩، والترمذي: ١/ ٣٢، والدارمي: ١/ ١٦٩، وابن ماجه: ١/ ١٣٩، والحاكم: ١/ ١٤٠

شرح:...... آج کل شہروں میں تو باقاعدہ بیت الخلا کا نظام موجود ہے، جب انسان شہروں سے باہر یا دیہاتوں میں ہو تو آبادی سے دور جا کر قضائے حاجت کرے، تا کہ آبادی میں تعفن اور بدبو نہ پھیلے اور لوگوں کو گندگی سے تکلیف نہ پہنچے اور قضائے حاجت کرنے والے پر دوسروں کی نگاہ پڑنے کا اندیشہ کم ہو جائے۔

”الْمَذْهَب“ کے دو معانی مراد لیے جا سکتے ہے: (۱) مصدر میمی بمعنی ”ذَهَاب“، جس کے معانی ہوں گے ”جانا“ اور (۲) ظرف کا صیغہ یعنی ”جانے کی جگہ“، اس سے مراد قضائے حاجت کی جگہ ہو گی۔

غور و فکر کیا جائے کہ کیا اس حدیث سے یہ استدلال کرنا ممکن ہے کہ حسبِ امکان دور والا بیت الخلا استعمال کیا جائے اور پھر اس کی مکمل صفائی کی جائے تا کہ کسی کو تکلیف نہ ہو۔

(٤٤٠)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما: كَانَ يَذْهَبُ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ

لِحَاجَتِهِ إِلَى الْمُغَمَّسِ۔ قَالَ نَافِعٌ: (الْمُغَمَّسُ) مِيْلَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً مِنْ مَكَّةَ۔ (الصحيحة:١٠٧٢)

قضائے حاجت کے لیے مغمّس مقام تک چلے تھے۔ نافع کہتے ہیں: مغمّس، مکہ مکرمہ سے دو یا تین میلوں کے فاصلے پر واقع تھا۔

تخريج: رواه السراج في "الثاني" من "الأول" من "مسنده" ٢٠/ ٢، وابن السكن في "سننه"

قضائے حاجت کے دوران کعبہ کی طرف منہ اور پیٹھ نہ کرنا اور اس کی پابندی کا ثواب

(٤٤١)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((إِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ عَلَى حَاجَتِهِ فَلَا يَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا يَسْتَدْبِرْهَا۔)) (الصحيحة:١٣٠١)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی آدمی قضائے حاجت کے لیے بیٹھے تو وہ قبلہ کی طرف منہ کرے نہ پیٹھ۔“

تخريج: أخرجه مسلم: ١/ ١٥٥

(٤٤٢)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ لَمْ يَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَمْ يَسْتَدْبِرْهَا فِي الْغَائِطِ كُتِبَ لَهُ حَسَنَةٌ، وَمُحِيَ عَنْهُ سَيِّئَةٌ۔)) (الصحيحة:١٠٩٨)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے قضائے حاجت کرتے وقت قبلہ کی طرف رخ کیا نہ پیٹھ، اس کے لیے ایک نیکی لکھی جائے گی اور ایک برائی مٹا دی جائے گی۔“

تخريج: أخرجه الطبراني في "الأوسط" ١/ ٣٢۔ مصورة الجامعة الأسلامية

شرح:...... مزید احادیث میں بھی قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پشت کرنے سے منع کیا گیا ہے، لیکن خود نبی کریم ﷺ سے قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا اور پیٹھ کرنا دونوں ثابت ہیں، غور فرمائیں:

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نَهَى نَبِيُّ اللّٰهِ اَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِبَوْلٍ، فَرَأَيْتُهُ قَبْلَ اَنْ يُقْبَضَ بِعَامٍ يَسْتَقْبِلُهَا ...... ”نبی کریم ﷺ نے ہمیں پیشاب کرتے وقت قبلہ رخ ہونے سے منع کر رکھا تھا، لیکن میں نے آپ ﷺ کو وفات سے ایک سال قبل دیکھا کہ آپ ﷺ خود قبلہ رخ ہو کر قضائے حاجت کر رہے تھے۔

(ابوداود: ١٣، ترمذی: ٩، ابن ماجه: ٣٢٥)

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ کہتے ہیں: میں (اپنی بہن) ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی چھت پر چڑھا اور نبی کریم ﷺ کو قضائے حاجت کرتے ہوئے دیکھا، اس وقت آپ کا منہ شام کی طرف اور پیٹھ کعبہ کی طرف تھی۔

(بخاری: ١٤٥، مسلم: ٢٦٦)

ان روایات کی وجہ سے سلف صالحین کے مختلف اقوال منظر عام پر آئے۔ مثال کے طور پر امت کے لیے کعبہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا منع ہے، آپ ﷺ کا عمل آپ کے ساتھ خاص تھا۔ لیکن خصوصیت کا

دعوی کرنے کے لیے دلیل کا ہونا ضروری ہے، بصورتِ دیگر آپ ﷺ کا ہر فعل امت کے لیے سنت اور حجت ہوگا۔
عمارتوں میں منہ یا پیٹھ کر لینے میں کوئی حرج نہیں، البتہ صحراؤں اور کھلے مقامات پر ایسا کرنے سے بچنا چاہیے، لیکن سیدنا جابر کی عام روایت سے اس کا ردّ ہوتا ہے۔

راجح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ نہی پر مشتمل آپ ﷺ کی قولی احادیث کا لحاظ کر کے قبلہ کی منہ یا پیٹھ کرنے سے بچنا چاہیے، لیکن اگر کوئی آپ ﷺ کے افعال کی اقتدا کرتے ہوئے قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر لیتا ہے، تو جائز ہوگا۔

اصل مصیبت یہ ہے کہ بعض مسائل میں ہمارا ذہن جامد ہو جاتا ہے اور ہم طبعی طور پر کچھ امور کے امکان کو ناممکن سمجھ بیٹھتے ہیں۔ اگر نبی کریم ﷺ قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنے سے منع کریں تو ہم فوراً قبول کر لیتے ہیں، لیکن اگر آپ ﷺ خود ایسی حالت میں قبلہ کی منہ یا پیٹھ کر کے جواز پیش کریں تو ہمیں ہچکچاہٹ اور تردّد سا ہونے لگتا ہے، بھلا ایسے کیوں ہے؟ یہ تو کوئی قانون نہیں کہ جس ادب کو ہم اہم سمجھیں، اس کی موافقت کرنے والی احادیث کو فوراً تسلیم کر لیا جائے اور جو احادیث ہماری فطرت سے مطابقت نہ رکھتی ہوں، ان کے معاملے ''چونکہ چنانچہ'' شروع کر دیں۔

تحقیق کا اصول یہ ہے کہ تحقیقی مرحلہ شروع کرنے سے پہلے آدمی کسی ایک طرف ذہنی میلان نہ رکھتا ہو، وگرنہ اس کی کوشش جانبدارانہ ہوگی اور نتائج مشکوک ہو جائیں گے۔

پتھروں سے استنجا کرنے کے احکام

(٤٤٣)۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا تَغَوَّطَ أَحَدُكُمْ، فَلْيَمْسَحْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، (وَفِيْ رِوَايَةٍ): فَلْيَتَمَسَّحْ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ۔)) وَرَدَ مِنْ حَدِيْثِ جَابِرٍ، وَالسَّائِبِ بْنِ خَلَّادٍ، وَأَبِيْ أَيُّوْبَ الْأَنْصَارِيِّ رضی اللہ عنہم۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی آدمی قضائے حاجت کرے تو تین دفعہ (اور ایک روایت کے مطابق) تین پتھروں سے استنجا کرے۔'' یہ حدیث حضرت جابر، حضرت سائب بن خلّاد اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

(الصحيحة: ٣٣١٦)

تخريج: ١۔ أما حديث جابر؛ فأخرجه أحمد: ٣/ ٣٣٦، ٤٠٠، و ابن خزيمة: ١/ ٤٢/ ٧٦، ومن طريقه: البيهقي: ١/ ١٠٣، وابن أبي شيبة في"المصنف": ١/ ١٥٥

(٢)۔ وأما حديث السائب؛ فأخرجه البخاري في"التاريخ": ٢/ ٢/ ١٥١، والطبراني في"المعجم الكبير": ٧/ ١٦٧/ ٦٦٢٣، وفي"المعجم الأوسط": ٢/ ٤١٦۔ ٤١٧/ ١٧١٧۔ط

(٣)وأما حديث أبي ايوب؛ فأخرجه الطبراني في "الكبير": ٤/ ٢٠٨/ ٤٠٥٥، و "الاوسط" ٤/ ١١٢/ ٣١٧٠

(٤٤٤)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ رَفَعَهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ: ((مَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيَسْتَجْمِرْ ثَلَاثًا۔)) (الصحيحة: ٢٣١٢)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو پتھروں سے استنجا کرے، وہ تین دفعہ پتھر استعمال کرے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "الكبير"

(٤٤٥)۔ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ قَيْسٍ الْأَشْجَعِيِّ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا تَوَضَّأْتَ فَانْتَثِرْ، وَإِذَا اسْتَجْمَرْتَ فَأَوْتِرْ۔)) (الصحيحة: ١٣٠٥)

حضرت سلمہ بن قیس اشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تو وضو کرے تو ناک جھاڑا کر اور جب پتھروں سے استنجا کرے، تو طاق (پتھر) استعمال کر۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ١/ ٨، والنسائي: ١/ ١٧ و ٢٧، وابن ماجه: ٤٠٦، وابن حبان: ١٤٩، وأحمد: ٤/ ٣٣٩ و ٣٤٠، والخطيب: ١/ ٢٨٦

(٤٤٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعًا: ((إِذَا سْتَجْمَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَجْمِرْ وِتْرًا، وَإِذَا اسْتَفْثَرَ فَلْيَسْتَنْثِرْ وِتْرًا۔)) (الصحيحة: ١٢٩٥)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی آدمی پتھروں سے استنجا کرے تو وہ طاق پتھر استعمال کرے اور جب وہ ناک جھاڑے تو بھی (تعداد میں) طاق جھاڑے۔''

تخريج: أخرجه الحميدي في "مسنده" ٩٥٧، وأخرجه الشيخان دون الفقرة الثانية

شرح:...... پانی سے استنجا کرنا افضل ہے، اسی خصلت کی بنا پر اللہ تعالی نے اہل قبا کی طہارت کی تعریف کی تھی، لیکن پتھروں سے استنجا کرنا بھی درست ہے، جو آپ ﷺ سے قولاً وفعلاً ثابت ہے اور پانی کی قلت کی وجہ سے اکثر صحابہ کرام کا یہی معمول تھا۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ وہ کم از کم تین پتھر ہوں، جیسا کہ مجمل اور مفصل روایات گزر چکی ہیں، نیز سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اَجَلْ نَهَانَا اَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ اَوْ بِبَوْلٍ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِيْنِ اَوْ اَنْ يَسْتَنْجِيَ اَحَدُنَا بِاَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ...... جی ہاں! آپ ﷺ نے ہمیں منع فرمایا کہ ہم پیشاب یا پائخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کریں یا دائیں ہاتھ سے استنجا کریں یا ہم میں سے کوئی تین سے کم پتھروں سے استنجا کرے۔ (مسلم: ٥٧) اس لیے پتھروں سے استنجا کرنے کی صورت میں کم از کم تین پتھر استعمال کرنے چاہئیں۔ بہرحال آج کل اللہ تعالی کی نعمتیں وافر مقدار میں موجود ہیں، ان میں سے ایک نعمت پانی اور قضائے حاجت کے لیے بنے ہوئے صاف ستھرے واش رومز ہیں، اس لیے پانی سے استنجا کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

قضائے حاجت کرنے والے کو سلام نہ کہا جائے

(٤٤٧)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رضی اللہ عنہ، أَنَّ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی

رَجُلاً مَرَّ عَلٰی النَّبِیِّ وَهُوَ یَبُوْلُ، فَسَلَّمَ عَلَیْهِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا رَأَیْتَنِی عَلٰی مِثْلِ هٰذِهِ الْحَالَةِ، فَلَا تُسَلِّمْ عَلَیَّ، فَإِنَّكَ إِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ، لَمْ أَرُدَّ عَلَیْكَ۔)) (الصحیحة: ۱۹۷)

کریم ﷺ کے پاس سے گزرا، اس حال میں کہ آپ پیشاب کر رہے تھے، اس نے آپ کو سلام کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب مجھے اس حالت میں پاؤ تو مجھے سلام نہ کہا کرو، اگر آئندہ تم نے ایسے کیا تو میں تمہارے سلام کا جواب نہیں دوں گا۔''

تخریج: رواہ ابن ماجه: ۱/ ۱۴۵۔۱۴۶، وابن أبی حاتم فی "العلل": ۱/ ۳۴

شــــرح:...... معلوم ہوا کہ قضائے حاجت کرنے والے شخص کو سلام نہ کہا جائے، وگرنہ سلام کہنے والا جواب کا مستحق نہیں ہوگا۔

بیت الخلا میں داخل ہونے کی دعا اور اس کی وجہ

(۴۴۸)۔ عَنْ زَیْدِ بْنِ أَرْقَمَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرْفُوْعاً: ((إِنَّ هٰذِهِ الْحُشُوْشَ مُحْتَضَرَةٌ، فَإِذَا أَتٰی أَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلْیَقُلْ: أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔)) (الصحیحة: ۱۰۷۰)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک طہارت خانوں میں (شیطان) حاضر ہوتے ہیں، اس لیے جو آدمی بیت الخلا میں آئے تو یہ دعا پڑھے: میں خبیث جنوں اور خبیث جنیوں سے اللہ تعالی کی پناہ میں آتا ہوں۔''

تخریج: أخرجه أبوداود: ۱/ ۳، وابن ماجه: ۱/ ۱۲۷، وابن حبان: ۱۲۶، والبیهقي: ۱/ ۹۶، والطیالسي: رقم ۶۷۹، وأحمد: ۴/ ۳۶۹۔ ۳۷۳

شــرح:...... اس حدیث میں قضائے حاجت کے لیے بیت الخلا میں داخل ہوتے وقت دعا پڑھنے کی وجہ بیان کی گئی ہے۔ اس موقع پر صرف بسم اللہ پڑھنا بھی کافی ہے، جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((سِتْرُ مَا بَیْنَ الْجِنِّ وَعَوْرَاتِ بَنِی آدَمَ إِذَا دَخَلَ الْكَنِیْفَ أَنْ یَقُوْلَ: بِسْمِ اللّٰهِ۔)) ......''جنوں اور اولادِ آدم کے ستروں کے مابین پردہ حائل کرنے کے لیے بندے کو چاہیے کہ بیت الخلا میں داخل ہوتے وقت بسم اللہ پڑھے۔'' (ابن ماجه: ۲۹۷)

قضائے حاجت سے فارغ ہونے کے بعد ((غُفْرَانَكَ)) پڑھنا چاہیے۔ (ابوداود: ۳۰، ترمذی: ۷، ابن ماجه: ۳۰۰، نسائی: جس حدیث میں درج ذیل دعا کا ذکر ہے، وہ ضعیف ہے

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَذْهَبَ عَنِّی الْأَذٰی وَعَافَانِی۔)) (ابن ماجه: ۳۰۱)

مسجد کی طرف باوضو چل کر جانے کا ثواب

(۴۴۹)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ

اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ، لَا يُنْزِعُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ، لَمْ تَزَلْ رِجْلُهُ الْيُسْرٰى تَمْحُوْسَيِّئَةً، وَتُكْتَبُ الْأُخْرٰى حَسَنَةً، حَتّٰى يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ.))
(الصحيحة: ١٢٩٦)

نے فرمایا: ''جب کوئی آدمی اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر مسجد کی طرف نکلتا ہے اور اس کو نکالنے والی چیز صرف نماز ہوتی ہے، تو (جب تک وہ چلتا رہتا ہے) اس کے بائیں پاؤں کی وجہ سے برائی مٹتی رہتی ہے اور دوسرے پاؤں کی وجہ سے نیکی لکھی جاتی رہتی ہے، حتی کہ وہ مسجد میں داخل ہو جاتا ہے۔''

تخریج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" ٣/ ١٩٨/ ١، والحاكم: ١/ ٢١٧، والبيهقي في "الشعب"

شرح:...... اگرچہ آج کل مساجد میں وضو گاہوں کا انتظام موجود ہے، بہرحال گھر سے باوضو ہو کر آنا باعثِ اجر اور افضل عمل ہے، دوسرا یہ سبق ملا کہ جب آدمی نماز ادا کرنے کے لیے مسجد کی طرف جا رہا ہو تو اس کے ذہن میں نماز کے علاوہ کوئی اور مقصد نہیں ہونا چاہیے۔

نماز کے لیے وضو کرنے کے بعد تشبیک منع ہے

(٤٥٠)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ لِلصَّلَاةِ، فَلَا يُشَبِّكْ بَيْنَ أَصَابِعِهِ.))
(الصحيحة: ١٢٩٤)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی آدمی نماز کے لیے وضو کر لیتا ہے، تو پھر وہ اپنی انگلیوں میں تشبیک نہ دے۔''

تخریج: أخرجه الطبراني في "الأوسط" ١/ ق ٤۔ ٥

شرح:...... تشبیک: ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں مضبوطی کے ساتھ داخل کرنا۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((اِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ فِي الْمَسْجِدِ فَلَا يُشَبِّكَنَّ، فَاِنَّ التَّشْبِيْكَ مِنَ الشَّيْطَانِ.)) ......''جب کوئی آدمی مسجد میں ہو تو وہ (اپنے ہاتھوں کی انگلیوں میں) تشبیک نہ دے، کیونکہ تشبیک شیطان کی طرف سے ہے۔'' (مسند احمد: ٣/ ٤٣)

لیکن ذہن نشین رکھیں کہ تشبیک مطلق طور پر منع نہیں ہے، بلکہ صرف اس وقت منع ہے، جب آدمی نماز کے قصد سے مسجد کی طرف جا رہا ہو، یا نماز کا انتظار کر رہا ہو یا نماز ادا کر رہا ہو، کیونکہ ایک حدیث میں تشبیک سے منع کرنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جب آدمی نماز کے لیے مسجد کی طرف جا رہا ہو تو وہ نماز میں ہی ہوتا ہے۔

ان صورتوں کے علاوہ کئی مقامات پر آپ ﷺ سے تشبیک کرنا ثابت ہے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا ذوالیدین رضی اللہ عنہما والی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا اور مسجد میں پڑی ہوئی ایک لکڑی کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے، جب کہ آپ ﷺ نے تشبیک کی ہوئی تھی۔ (بخاری، مسلم)

اسی طرح سیدنا ابوموسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایک عمارت کی طرح ہے، کہ اس کا بعض اس کے بعض کو مضبوط کرتا ہے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بات سمجھانے کے لیے تشبیک کی۔ (بخاری)

عورت کا ختنہ

(٤٥١)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا خَفَضْتِ فَأَشِمِّيْ وَلَا تَنْهَكِيْ ، فَإِنَّهُ أَسْرٰى لِلْوَجْهِ ، وَأَحْظٰى لِلزَّوْجِ۔)) (الصحيحة: ٧٢٢)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت ام عطیہ سے) فرمایا: ''جب تو (کسی لڑکی کا) ختنہ کرے تو کچھ کھال چھوڑ دیا کر اور (کاٹنے میں) مبالغہ آمیزی نہ کیا کر، کیونکہ یہ چیز چہرے کو خوبصورت بنانے والی اور اسے خاوند کے لیے مقبول بنانے والی ہے۔''

تخريج: رواه الدولابى: ٢/ ١٢٢ ، والخطيب فى "تاريخ": ٥/ ٣٢٧ ، والطبرانى فى "الأوسط": ٣/ ١٣٣/ ٢٢٧٤

شرح:...... عرب میں بچی کا بھی ختنہ کیا جاتا تھا، اب بھی عرب کے بعض علاقوں میں یہ ختنہ کیا جاتا ہے۔ اس حدیث میں ختنہ کرنے والی عورت کے لیے ختنے کا طریقہ اور وجہ بیان کی گئی ہے۔

مرد و زن دونوں کو احتلام ہو سکتا ہے
جب تک انزال نہ ہو، صرف خواب سے غسل واجب نہیں ہوتا

(٤٥٢)۔ عَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ حَكِيْمٍ رضی اللہ عنہا ، أَنَّهَا سَأَلَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْمَرْأَةِ تَرٰى فِي مَنَامِهَا مَايَرٰى الرَّجُلُ؟ فَقَالَ: ((لَيْسَ عَلَيْهَا غُسْلٌ حَتّٰى تُنْزِلَ ، كَمَا أَنَّهُ لَيْسَ عَلَى الرَّجُلِ غُسْلٌ حَتّٰى يُنْزِلَ۔)) (الصحيحة:٢١٨٧)

حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس عورت کے بارے میں دریافت کیا، جو مرد کے (خواب) کی طرح خواب دیکھتی ہے کہ (اسے احتلام ہو گیا ہے)؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس پر غسل کا کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا، جب تک انزال نہ ہو، جیسا کہ مرد پر غسل فرض نہیں ہوتا، جب تک انزال نہ ہو۔''

تخريج: أخرجه ابن ماجه:٦٠٢ ، وأخرجه النسائى: ١/ ٤٢ بلفظ: ((إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ فَلْتَغْتَسِلْ))

(٤٥٣)۔ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ ، أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ سَأَلَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْمَرْأَةِ تَرٰى فِي مَنَامِهَا مَايَرَى الرَّجُلُ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا رَأَتْ ذٰلِكَ فَأَنْزَلَتْ فَعَلَيْهَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عورت کے بارے میں سوال کیا جو مرد کے (خواب) کی طرح خواب دیکھتی ہے (کہ اسے احتلام ہوا ہے)؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب وہ

الْغُسْلُ۔)) فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: يَارَسُوْلَ اللهِ! أَيَكُوْنُ هٰذَا؟ قَالَ: ((نَعَمْ، مَاءُ الرَّجُلِ غَلِيْظٌ أَبْيَضُ، وَمَاءُ الْمَرْأَةِ رَقِيْقٌ أَصْفَرُ، فَأَيُّهُمَا سَبَقَ أَوْعَلَا أَشْبَهَهُ الْوَلَدُ۔))

(الصحيحة: ١٣٤٢)

(نشانات سے اندازہ لگا لے) کہ اسے انزال ہوا ہے تو اس پر غسل (جنابت) کرنا فرض ہے۔'' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا اس طرح بھی ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جی ہاں، مرد (کی منی) کا پانی گاڑھا اور سفید ہوتا ہے، جبکہ عورت (کی منی) کا پانی زرد اور پتلا ہوتا ہے، (جماع کے وقت) جس کا (مادۂ منویہ) سبقت لے جائے اور غالب آجائے، بچے کی مشابہت اس سے ہو جاتی ہے۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ١/ ١٨٢، وأبوعوانة: ١/ ٢٨٩، وابن ماجه: ٦٠١، وأحمد: ٣/ ١٢١۔ ١٩٩، ٢٨٢

شرح:...... احتلام کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ بیدار ہونے کے بعد کپڑے اور جسم کو دیکھا جائے کہ ان پر مادۂ منویہ کے نشانات موجود ہیں یا نہیں، اگر ہیں تو غسل جنابت کیا جائے، بصورتِ دیگر غسل واجب نہیں ہوگا۔

یہ ضابطہ پیش کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بسا اوقات انسان گندا خواب دیکھتا ہے اور اسے خواب میں انزال بھی ہوتا ہے، لیکن کپڑے اور جسم پر داغ نظر نہیں آتا، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اسے محض ایک خواب آیا تھا، اسی طرح بسا اوقات خواب نہیں آتا، لیکن نیند میں انزال ہو جاتا ہے اور کپڑے پر نشانات بھی نظر آ رہے ہوتے ہیں، ایسی صورت میں غسل فرض ہو جاتا ہے۔

عورتوں کو چاہیے کہ وہ غافل نہ ہوں اور اپنے متعلقہ مسائل دریافت کیا کریں، اگر طبعی شرم و حیا آڑے آجائے تو آج کل فون یا خط وغیرہ کے ذریعے معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔

دورانِ نماز بے وضو ہو جانے والا کیسے نکلے؟

(٤٥٤)۔ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِي ﷺ قَالَ: ((إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ فَأَحْدَثَ، فَلْيُمْسِكْ عَلٰى أَنْفِهِ، ثُمَّ لِيَنْصَرِفْ۔))

(الصحيحة: ٢٩٧٦)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں کوئی آدمی نماز کی حالت میں بے وضو ہو جائے تو وہ ناک پکڑ کر نکل جائے۔''

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ١٢٢٢

شرح:...... ناک پکڑ کر صف سے نکلنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ دوسرے نمازیوں کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ شخص بے وضو ہو گیا ہے۔ بصورتِ دیگر بدگمانی کی کوئی شکل پیدا ہو سکتی ہے۔

قبولیتِ اسلام کے وقت سر کے بال منڈوانا اور ختنہ کروانا

(٤٥٥)۔ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: أُخْبِرْتُ عَنْ عُثَيْمِ بْنِ كُلَيْبٍ الْجُهَنِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ: أَنَّهُ جَاءَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: قَدْ أَسْلَمْتُ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: ((أَلْقِ عَنْكَ شَعْرَ الْكُفْرِ۔)) يَقُوْلُ: احْلِقْ۔ قَالَ: وَأَخْبَرَنِي آخَرُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِآخَرَ: ((أَلْقِ عَنْكَ شَعْرَ الْكُفْرِ، وَاخْتَتِنْ۔))

(الصحيحة: ٢٩٧٧)

ابن جریج کہتے ہیں: مجھے عثیم بن کلیب جہنی کے حوالے یہ خبر دی گئی ہے کہ انھوں نے اپنے باپ اور انھوں نے اپنے دادا سے بیان کیا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہا: میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ''کفر کے بال اتار پھینک۔'' یعنی منڈوا دے۔ وہ کہتے ہیں: پھر ایک دوسرے راوی نے ان سے یہ روایت بیان کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کفر کے بالوں کو اتار پھینک اور ختنہ کر۔''

تخريج: أخرجه عبدالرزاق في"المصنف": ٢/ ١٠/ ٩٨٣٥، ومن طريقه أحمد: ٣/ ٤١٥، وأبوداود:٣٥٦، ومن طريقه البيهقي:١/ ١٧٢، والطبراني في"المعجم الكبير": ٢٢/ ٣٩٥

شرح:...... شارح ابوداود علامہ عظیم آبادی کہتے ہیں: اللہ تعالی بہتر جانتے ہیں، بہرحال ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا معنی و مفہوم یہ نہیں کہ مسلمان ہونے والا ہر شخص اپنے سر کے بال منڈوا دے۔ یہاں ''شعر الکفر'' کہہ کر بالوں کی کفر کی طرف اضافت کی گئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالوں کا کوئی خاص ڈیزائن تھا، جسے کافروں کی علامت سمجھا جاتا تھا، یہ علامتیں مختلف علاقوں میں مختلف ہوتی ہیں،............ نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ختنہ اسلام کی علامت ہے اور اسلام قبول کرنے والے پر ختنہ کروانا واجب ہے۔ (عون المعبود: ١/ ٢٠٨)

امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے شواہد ذکر کیے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ختنہ کروانا ضروری ہے، اگرچہ مسلمان ہونے والا بڑی عمر کا آدمی ہو، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی (٨٠) سال کی عمر کے بعد ختنہ کیا تھا۔ (ملاحظہ ہو: صحیحہ: ٢٩٧٧)

استحاضہ اور اس کے احکام

(٤٥٦)۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: إِنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ حُبَيْشٍ جَاءَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ: إِنِّي امْرَأَةٌ أُسْتَحَاضُ فَلَا أَطْهَرُ، أَفَأَدَعُ الصَّلَاةَ؟ قَالَ: ((إِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ، وَلَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ، فَإِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ، فَدَعِي الصَّلَاةَ فَإِذَا أَدْبَرَتْ، فَاغْسِلِي

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: بے شک حضرت فاطمہ بنت حبیش رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور کہا: مجھے استحاضے (کا خون) آتا ہے، پس میں پاک نہیں ہوتی تو کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تو کوئی رگ (پھٹ گئی) ہے، یہ حیض کا خون نہیں ہے، جب حیض کا خون آنے لگے تو اس وقت نماز چھوڑ دیا کرو اور جب وہ ختم ہو

عَنْكِ الدَّمَ ، ثُمَّ تَوَضَّئِيْ لِكُلِّ صَلَاةٍ حَتّٰى يَجِيْءَ ذٰلِكَ الْوَقْتُ ثُمَّ صَلِّی ۔)) جائے تو خون کو دھو دیا کرو اور ہر نماز کے لیے وضو کیا کر اور نماز پڑھا کر، حتی کہ پھر (حیض) کا وقت آ جائے۔''

(الصحيحة:١ ٠ ٣)

تخريج: أخرجه الشيخان وأبو عوانة فی "صحاحهم"، وأصحاب "السنن": الأربعة، ومالك، والدارمی، والدارقطنی، والبيهقی، وأحمد

شرح:...... عورت کی فرج سے بہنے والے خون کی تین اقسام ہیں:

(۱) حیض (ماہواری کا خون): عورت کے رحم سے بہنے والا وہ خون، جو ولادت یا امراض سے سلامتی کی حالت میں بلوغت کے بعد مخصوص ایام میں خارج ہوتا ہے، شریعت میں اس کی کم از کم یا زیادہ سے زیادہ مقدار کا کوئی تعین نہیں کیا گیا۔

(۲) نفاس: وہ خون جو بچے کی ولادت کے بعد آتا ہے، اس کی کم از کم مدت کا کوئی تعین نہیں، البتہ زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے، اگر چالیس دن کے بعد خون جاری رہے تو اسے استحاضہ کا خون سمجھا جائے گا۔

حیض اور نفاس کے احکام ایک ہیں، دونوں میں نماز پڑھنا معاف ہے، لیکن روزوں کی قضائی دینا ضروری ہے۔

(۳) استحاضہ: وہ خون ہے، جو کسی رگ کے پھٹنے کی وجہ سے عورت کی شرمگاہ سے خارج ہوتا ہے۔ ایسی عورت کو مستحاضہ کہتے ہیں۔

اس حدیث میں اسی خون کا ذکر ہے، ایسی عورت نماز روزہ سے مستثنیٰ نہیں ہے، البتہ نماز کے لیے طہارت کا طریقہ تھوڑا سا مختلف ہے۔

مستحاضہ نماز ادا کرنے کے لیے طہارت کے درج ذیل طریقوں میں کوئی ایک طریقہ اختیار کر لے:

(۱) ہر نماز کے لیے علیحدہ وضو کرے، ہر نماز کے لیے طہارت حاصل کرنے کی یہ کم از کم صورت ہے۔

(۲) ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دو نمازوں کے لیے غسل کرے اور پہلی نماز ادا کرنے کے بعد پھر وضو کرے، یہ طریقہ آپ ﷺ کو زیادہ پسند تھا۔ اس کی صورت یہ ہوگی کی ظہر کو آخری وقت میں اور عصر کو پہلے وقت میں ادا کرنے کے لیے دونوں کے لیے غسل کرے، پھر نماز ظہر ادا کر کے عصر کے لیے صرف وضو کرے۔ مثال کے طور پر اگر نماز ظہر کا وقت (۳:۳۰) بجے ختم ہو جاتا ہے، تو ایسی عورت کو نمازِ ظہر پڑھنے کے لیے جتنے منٹ درکار ہیں، اتنا وقت پہلے غسل اور وضو مکمل کر کے نمازِ ظہر شروع کر دے، جب یہ ظہر سے فارغ ہوگی تو (۳:۳۰) بج چکے ہوں گے، اس وقت وہ فوراً وضو کر کے عصر کی نماز شروع کر دے گی۔ یہی معاملہ مغرب و عشا کا ہوگا، اسی طرح فجر کی نماز کے لیے غسل اور وضو کا اہتمام کیا جائے گا۔

(۳) ہر نماز کے لیے غسل کرے، جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہے کہ جب سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے استحاضہ کی

شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''حیض کی مدت ٹھہری رہو، پھر غسل کرو۔'' پس وہ ہر نماز کے لیے غسل کرتی تھیں۔ (مسلم)

اگر چہ اس میں صرف ام حبیبہ کا فعل نقل کیا گیا ہے، لیکن ابوداود کی روایات کے الفاظ یہ ہیں: فَأَمَرَهَا بِالْغُسْلِ لِكُلِّ صَلَاةٍ۔ اور فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ ﷺ: ((اِغْتَسِلِيْ لِكُلِّ صَلَاةٍ۔)) امام ابوداود رحمہ اللہ نے ان روایات کو محفوظ اور امام البانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے، اور دوسری صورت میں پیش کیے گئے طریقے سے بھی ہر نماز کے لیے غسل کرنے کا استدلال کیا جا سکتا ہے۔

ذکرِ خدا کے لیے طہارت کا اہتمام کیا جائے

(٤٥٧)۔ عَنِ الْمُهَاجِرِ بْنِ قُنْفُذٍ رضی اللہ عنہ: أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ يَبُوْلُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ حَتّٰى تَوَضَّأَ، ثُمَّ اعْتَذَرَ إِلَيْهِ فَقَالَ: ((إِنِّي كَرِهْتُ أَنْ أَذْكُرَ اللّٰهَ إِلَّا عَلٰى طُهْرٍ أَوْ قَالَ عَلٰى طَهَارَةٍ۔)) (الصحيحة: ٨٣٤)

حضرت مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس اس حال میں آئے کہ آپ پیشاب کر رہے تھے، اس نے آپ ﷺ کو سلام کہا، لیکن آپ ﷺ نے جواب نہ دیا، پہلے وضو کیا (پھر جواب دیا اور) معذرت کرتے ہوئے فرمایا: ''میں بغیر وضو کے اللہ تعالی کا ذکر کرنا ناپسند کرتا ہوں۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ١/ ٤، والنسائي: ١/ ١٦، والدارمي: ٢/ ٢٨٧، وابن ماجه: ١/ ١٤٥، وابن خزيمة في "صحيحه": ٢٠٦، وعنه ابن حبان: ١٨٩، والحاكم: ١/ ١٦٧، وعنه البيهقي: ١/ ٩٠، وأحمد: ٥/ ٨٠

شرح:...... بلا شک و شبہ آدمی وضو اور غسل کے بغیر اللہ تعالی کا ذکر کر سکتا ہے، البتہ بہتر اور مستحب یہ ہے کہ طہارت کا مکمل اہتمام کرے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: چونکہ ''السلام'' اللہ تعالی کا نام ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((السَّلَامُ اِسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللّٰهِ وَضَعَهُ فِي الْأَرْضِ، فَأَفْشُوْهُ بَيْنَكُمْ، فَإِنَّ الرَّجُلَ الْمُسْلِمَ إِذَا مَرَّ بِقَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ فَرَدُّوا عَلَيْهِ، كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ فَضْلُ دَرَجَةٍ فَإِن لَّم يَرُدُّوْا عَلَيْهِ رَدَّ عَلَيْهِ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْهُمْ وَأَطْيَبُ.)) (صحيحه: ١٨٩٤)...... ''سلام'' اللہ کا نام ہے، جسے اس نے زمین میں اتارا، پس تم آپس میں اسے عام کر دو، جب کوئی مسلمان آدمی کسی گروہ کے پاس سے گزرتا ہے اور ان پر سلام کرتا ہے اور وہ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں، تو سلام دینے والے کو ان پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر وہ جواب نہ دیں تو اسے ایسی (ہستیاں) جواب دیتی ہیں جو ان سے زیادہ بہتر اور پاکیزہ ہوتی ہیں۔''

اس لیے آپ ﷺ نے طہارت کا انتظام کیا، یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بغیر وضو کے تلاوتِ قرآن

تو بالاولی مکروہ ہوگی، اس لیے مطلق طور پر یہ نہیں کہنا چاہیے کہ بے وضو آدمی تلاوت کر سکتا ہے، جیسا کہ بعض اہل الحدیث بھائیوں کا خیال ہے۔ (صحیحہ : ۸۳٤) یعنی وضو کا اہتمام کرنے کی رغبت دلائی جائے۔

آپ ﷺ بیت الخلا سے نکل کر وضو کرتے

(٤٥٨)۔ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: كَانَ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ، تَوَضَّأَ۔ (الصحيحة:٣٤٨١)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ بیت الخلا سے نکلتے تو وضو کرتے۔

تخریج: أخرجه أحمد: ٦/ ١٨٩

آپ ﷺ خوشبو استعمال کرتے تھے

(٤٥٩)۔ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ مُرْسَلاً: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعْرَفُ بِرِيْحِ الطِّيْبِ إِذَا أَقْبَلَ۔ (الصحيحة:٢١٣٧)

ابراہیم سے مرسلاً روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ آ رہے ہوتے تو عمدہ (اور پاکیزہ) خوشبو سے پتہ چل جاتا تھا۔

تخریج: أخرجه ابن سعد:١/ ٣٩٩، والدارمی:١/ ٣٢

(٤٦٠)۔ عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّهَا صَنَعَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ جُبَّةً مِنْ صُوْفٍ سَوْدَاءَ، فَلَبِسَهَا فَلَمَّا عَرِقَ وَجَدَ رِيْحَ الصُّوْفِ، فَخَلَعَهَا، وَكَانَ يُعْجِبُهُ الرِّيْحُ الطَّيِّبَةُ۔ (الصحيحة:٢١٣٦)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے کالے رنگ کا اونی جبہ تیار کیا۔ آپ ﷺ نے اُسے زیب تن کیا، لیکن جب پسینہ آیا تو اس سے اون کی بو آنے لگی، اس لیے آپ ﷺ نے اسے اتار دیا، کیونکہ پاکیزہ (اور عمدہ) خوشبو آپ ﷺ کو اچھی لگتی تھی۔

تخریج: أخرجه أبوداود:٢/ ١٧٨، والحاکم:٤/ ١٨٨، ١٨٩، وأحمد:٦/ ١٤٤، ٢١٩، ٢٤٩، وابن سعد:١/ ٤٥٣

شرح:...... خوشبو آپ ﷺ کی پسندیدہ چیز تھی۔

جنابت والے غسل سے بچے ہوئے پانی سے غسل کرنا

(٤٦١)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما عَنْ مَيْمُوْنَةَ رضی اللہ عنہا، قَالَتْ: أَجْنَبْتُ أَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، فَاغْتَسَلْتُ مِنْ جَفْنَةٍ، فَفَضَلَتْ فَضْلَةٌ، فَجَاءَ النَّبِيُّ ﷺ فَاغْتَسَلَ مِنْهَا، فَقُلْتُ: إِنِّي قَدِ اغْتَسَلْتُ مِنْهَا، فَقَالَ:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں: میں اور رسول اللہ ﷺ جنابت والے ہو گئے، میں نے ایک ٹب میں غسل کیا، کچھ پانی بچ گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو اس پانی سے غسل کیا۔ میں نے کہا: اس پانی سے تو میں نے بھی غسل

((لَيْسَ عَلٰى الْمَاءِ جَنَابَةٌ۔)) (الصحيحة: ٢١٨٥)

کیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(جنبی فرد کے غسل کی وجہ سے) پانی پر جنابت کا حکم عائد نہیں ہوتا۔''

تخريج: رواه ابن سعد:٨/ ١٣٧، وأحمد:١/ ٣٣٧، ٦/ ٣٣٠

شرح:...... ایک صحابیٔ رسول بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کو مرد کے بچے ہوئے پانی سے اور مرد کو عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرنے سے منع کیا۔ (ابو داود: ٨١، نسائی: ٢٣٨)
لیکن یہ نہی تنزیہی ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے اپنی بیوی کے بچے ہوئے پانی سے غسل کیا ہے، خلاصۂ کلام یہ ہے کہ افضل یہ ہے کہ بچے ہوئے پانی سے غسل نہ کیا جائے، لیکن آپ ﷺ نے غسل کر کے جواز پیش کر دیا ہے۔

مسجد کی طرف آنے والا اللہ تعالیٰ کا مہمان ہے، اور......

(٤٦٢)۔ عَنْ سَلْمَانَ رضي الله عنه، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ تَوَضَّأَ وَجَاءَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَهُوَ زَائِرُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَحَقٌّ عَلَى الْمَزُوْرِ أَن يُّكْرِمَ الزَّائِرَ۔)) (الصحيحة:١١٦٩)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو وضو کرتا ہے اور مسجد کی طرف آتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا مہمان ہوتا ہے اور میزبان پر یہ بات حق ہے کہ وہ میزبان کی تکریم کرے۔''

تخريج: أخرجه أبوالحسن بن الصلت في "حديثه عن أبي بكر المطيري" ق ٧٦/ ١، والطبراني في "الكبير"

شرح:...... اگر مومن ان احادیث کو سامنے رکھے تو اسے مسجد کی طرف آنے میں اور مسجد میں نماز کی انتظار میں بیٹھنے میں لذت اور حلاوت محسوس ہوگی۔

کیا بیٹھ کر پیشاب کرنا ضروری ہے؟

(٤٦٣)۔ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ: مَنْ حَدَّثَكُمْ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَبُوْلُ قَائِماً، فَلَا تُصَدِّقُوْهُ، مَاكَانَ يَبُوْلُ إِلَّا قَاعِداً۔ (الصحيحة:٢٠١)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اس آدمی کی تصدیق مت کرو، جو یہ بیان کرے کہ نبی کریم ﷺ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے، کیونکہ آپ ﷺ تو بیٹھ کر ہی پیشاب کرتے تھے۔

تخريج: أخرجه النسائي ١/ ١١، والترمذي: ١/ ١٧، وابن ماجه: ١/ ١٣٠، والطيالسي: ١/ ٤٥۔ من ترتيبه، وابو عوانة في "صحيحه": ١/ ١٩٨، والحاكم: ١/ ١٨١، والبيهقي: ١/ ١٠١، واحمد: ١/ ١٣٦، ١٩٢، ٢١٣

شرح:...... آپ ﷺ کا عام معمول یہی تھا کہ آپ بیٹھ کر پیشاب کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔ لیکن کھڑے

ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے، جیسا کہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ گندگی کے ایک ڈھیر پر آئے اور کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ (بخاری: ٢٢٤، مسلم: ٢٧٣)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی نفی کی، اس چیز کو ان کے علم پر محمول کیا جائے گا، یعنی ان کو سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا علم نہیں تھا۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اگر یہ حدیث بیان کی جائے کہ آپ ﷺ بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے، تو ہم تسلیم کر لیتے ہیں، لیکن اگر یہ بیان کیا جائے کہ آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کر کے جواز پیش کر دیا ہے تو ہم ہچکچاہٹ اور حیرانگی کا اظہار کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جواز اور عدم جواز کا معیار ہمارا ذہن ہے یا آپ ﷺ کا فیصلہ؟!

مطلوبِ شریعت یہ ہے کہ پیشاب کے چھینٹوں سے بچا جائے، اگر کسی مقام پر بیٹھ کر نہ بچا جا رہا ہو تو ضروری ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کیا جائے۔

رہا شرعی مسئلہ تو آپ ﷺ سے کوئی ایسی صحیح حدیث ثابت نہیں کہ جس میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے منع کیا گیا ہو۔ بلکہ صحابہ کرام میں سے سیدنا عمر، سیدنا علی، سیدنا زید بن ثابت، سیدنا عبد اللہ بن عمر، سیدنا سہل بن سعد، سیدنا انس بن مالک، سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ثابت ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حتی الوسع بیٹھ کر پیشاب کرنے کا اہتمام کیا جائے، کیونکہ آپ ﷺ کا معمول یہی تھا، لیکن اگر کسی مقام پر کھڑے ہو کر پیشاب کرنا پڑ جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہ سمجھا جائے اور اگر کوئی جان بوجھ ایسے کرتا ہے تو اسے گنہگار نہیں قرار دیا جا سکتا۔

سمندر کا پانی طاہر و مطہر ہے

(٤٦٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّا نَرْكَبُ الْبَحْرَ، وَنَحْمِلُ مَعَنَا الْقَلِيْلَ مِنَ الْمَاءِ فَإِنْ تَوَضَّأْنَا بِهِ، عَطِشْنَا، أَفَنَتَوَضَّأُ بِهِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((هُوَ الطَّهُوْرُ مَاؤُهُ، الْحِلُّ مَيْتَتُهُ۔)) (الصحيحة: ٤٨٠)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی، نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! ہم سمندری سفر کرتے ہیں اور اپنے ساتھ تھوڑا بہت پانی لے جاتے ہیں۔ اگر ہم اس سے وضو کرنے لگ جائیں تو پیاسے رہ جاتے ہیں، پس کیا ہم (سمندر) کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔''

تخريج: أخرجه مالك: ١/ ٤٤-٤٥، ومن طريق مالك اخرجه اصحاب السنن و غيرهم

شرح:...... عام طور پر سمندر کا پانی کھارا اور نمکین ہونے کی وجہ سے، دوسرے پانیوں سے مختلف ہوتا ہے، اس لیے سائل کو شبہ ہو رہا تھا، آپ ﷺ نے اس کے شبہ کا ازالہ کر دیا اور اس کی ضرورت کے مطابق سمندر کے مردار کی

حلّت کی بھی وضاحت کر دی۔

عورت غسلِ جنابت میں سر پر پانی کے تین چلو ڈالے

(٤٦٧)۔ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضي الله عنها ، قَالَتْ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنِّي امْرَأَةٌ أَشُدُّ ضَفْرَ رَأْسِي، أَفَأَنْقُضُهُ لِغُسْلِ الْجَنَابَةِ؟ قَالَ: ((لَا، إِنَّمَا يَكْفِيكِ أَنْ تَحْثِيَ عَلَى رَأْسِكِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ، ثُمَّ تُفِيضِيْنَ عَلَيْكِ فَتَطْهُرِيْنَ۔)) (الصحيحة:١٨٩)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں: اے اللہ کے رسول! میں اپنے بالوں کو مضبوطی کے ساتھ گوندھتی ہوں، تو کیا جنابت کے غسل کے لیے ان کو کھول دیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، تجھے سر پر تین چلو ڈالنا ہی کافی ہیں، اس کے بعد (بقیہ جسم) پر پانی بہا دیا کر، اس طرح تو پاک ہو جائے گی۔“

تخريج: رواه مسلم: ١٧٨، وأصحاب "السنن" الأربعة، وأبو علي الحسين بن محمد اللّحياني في "حديثه": ١/١٢٣، وابن أبي شيبه، والبيهقي: ١/ ١٨١، وأحمد: ٦/ ٢٨٩و٣١٤ـ٣١٥

شرح:...... اس حدیث میں عورت کے لیے ایک ایسی رخصت کا بیان ہے، جس میں اس کے لیے بہت آسانی پیدا کر دی گئی ہے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں غسلِ جنابت اور غسلِ حیض دونوں کا ذکر ہے۔

حائضہ عورت کا حج کے لیے غسل کرنا

(٤٦٨)۔ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهَا فِي الْحَيْضِ: ((اُنْقُضِي شَعْرَكِ وَاغْتَسِلِيْ۔)) (الصحيحة: ١٨٨)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو فرمایا، جبکہ وہ حائضہ تھیں: ”اپنے بالوں کو کھولو اور غسل کرو۔“

تخريج: رواه ابن أبي شيبة في "المصنف": ١/ ٢٦/ ١، وابن ماجه: ٦٤١

شرح:...... اس حدیث کا ان روایات سے کوئی تضاد نہیں، جن میں غسلِ جنابت اور غسلِ حیض میں عورت کو سر پر صرف تین چلو ڈالنے کا حکم دیا گیا ہے، کیونکہ اس حدیث میں آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو صرف صفائی کے لیے غسل کرنے کا حکم دے رہے ہیں، جس میں بالوں کو کھولنا زیادہ مناسب ہے۔

مردار سے کوئی استفادہ نہ کیا جائے، لیکن......

(٤٦٩)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُكَيْمٍ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَاتَسْتَمْتِعُوْا مِنَ الْمَيْتَةِ بِإِهَابٍ وَلَا عَصَبٍ۔)) (الصحيحة:٢٨١٢)

حضرت عبداللہ بن عکیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مردار کے چمڑے اور پٹھے سے فائدہ حاصل نہ کرو۔“

تخريج: أخرجه الطبراني في "الأوسط": ٢/ ٣٠٢/ ١

شرح :...... دوسری روایات میں وضاحت موجود ہے کہ مردار (حلال جانور) کے چمڑے کو رنگ کر پاک کیا جا سکتا ہے۔

گھر میں پیشاب پڑا نہ رہنے دیا جائے

(٤٧٠)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ، يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((لَايُنْقَعُ فِي طَسْتٍ فِي الْبَيْتِ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَاتَدْخُلُ بَيْتاً فِيْهِ بَوْلٌ وَلَا يَبُوْلَنَّ فِي مُغْتَسَلٍ۔)) (الصحيحة: ٢٥١٦)

حضرت عبداللہ بن یزید سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''گھر کے اندر تھال میں پیشاب کو نہ پڑے رہنے دیا جائے، کیونکہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے، جس میں پیشاب ہو۔ نیز کوئی بندہ غسل خانے میں پیشاب نہ کیا کرے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "الأوسط": ص ٣٤۔ مجمع البحرين نسخة الحرم المكي

شرح :...... سیدنا رقیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس لکڑی کا ایک پیالہ تھا، جو آپ کی چارپائی کے نیچے ہوتا، آپ ﷺ رات کو اس میں پیشاب کرتے۔ (ابو داود: ٢٤، نسائی: ١/ ٣١)

ان دو روایات میں جمع و تطبیق کی صورت یہ ہے کہ پہلی حدیث میں اس چیز سے منع کیا گیا ہے کہ گھر میں پیشاب پڑا رہے، کیونکہ کچھ وقت کے بعد اس سے بدبو آنے لگتی ہے، اور دوسری حدیث کو اس معنی پر محمول کریں گے کہ آپ ﷺ کے پیشاب والے برتن کو فوراً اٹھا کر باہر انڈیل دیا جاتا تھا، تاکہ بدبو پیدا نہ ہو سکے۔

اس حدیث کا یہ تقاضا بھی ہے کہ گھروں میں بنے ہوئے بیت الخلا کی صفائی کا خاطر خواہ بندوبست کرنا چاہیے، وگرنہ پورے گھر میں بدبو پھیل جائے گی اور فرشتے داخل نہیں ہوں گے۔

❀❀❀❀